

# ٹائگر

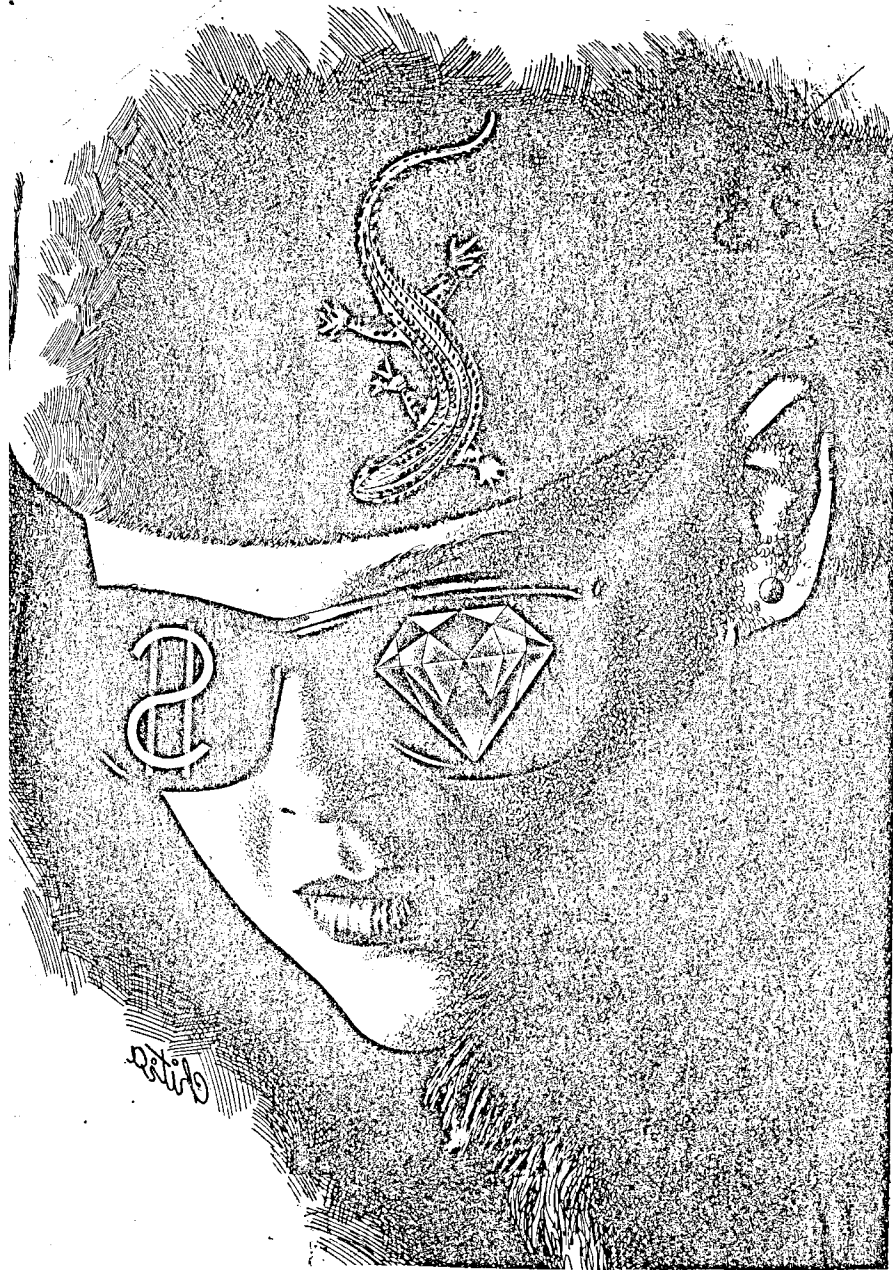
ڈاکٹر ایم اے قریشی



PDFBOOKSFREE.PK

3





شخصیت سے نگاہ بنانی مشکل ہو جاتی تھی :

وہ دیر تک محبت پائش نظروں سے اپنی بیوی کی طرف دیکھتا رہا۔۔۔ پھر آہستہ آہستہ اوزبے آواز دھرموں سے دروازے کی طرف بڑھ گیا، دروازے کھولتے وقت بھی اس نے بے پناہ احتیاط کا مظاہرہ کیا تھا۔

خفیف سی آواز بھی پیدا نہیں ہوئی۔

خواب گاہ کے برابر والا کمرہ ڈر لے کر نکلتا تھا۔

وہ اطمینان سے لباس تبدیل کرنے لگا۔

لباس تبدیل کرتے ہوئے اس کی نگاہ دواڑسی لاکھ پڑھ گئی، جو مارٹھ چھپنے کا اعلان کر رہا تھا۔ تیار ہونے کے بعد وہ کمر کی طرف چل دیا۔ جہاں گرہنی اس کا انتظار کر رہی تھی، گرہنی جب اس گھر میں ملازمہ کی حیثیت سے آئی تھی تو اس کی کمزوریادہ نہیں تھی جب کہ اس وقت ملازمہ ساٹھواں سال شروع ہو چکا تھا۔

• صبح بخیر، گرہنی! ایر نے اس کے قریب سے گزرتے ہوئے بلند آواز میں کہا بہت لمبی گزشتی!

• شان دار۔۔۔ یہ بڑھی کر رہی ہے جواب دیا بہ آپ کا ناشتہ تیار ہے

ایر ناشتے کی میز پر بیٹھ گیا۔

ناشتہ کرتے ہوئے وہ تنقیدی نظروں سے مسلسل ادھر ادھر دیکھتا جا رہا تھا۔ بڑی سی مہمانی محسوس ہو رہی تھی۔

• آؤں کاؤن بے حد عظیم ثابت ہو گا! اس نے کافی کی پیٹی لینے پوئے کہا۔

• آپ کو یہ کہتے ہوئے شرم آتی جا رہی ہے، جناب! بڑھی ملازمہ کا

بچہ تاگوار ہو گا، بڑھی کو اپنی قبر میں گئے بھی زیادہ وقت نہیں رہا ادھر آپ

دفین کو بھی غم قرار دینے لگے!

روز حاکم کے کمرے میں بڑھی نے سکا جالا لکھ لیا اس کے بڑے بیٹے

کی موت کا تذکرہ تھا۔ ہٹھیک ہے! اس نے ایک طویل سانس لینے

ہوئے کہا! دیگر دن ہمیشہ اپنی نگاہوں کے لیے ہوتے ہیں، گرہنی! جو زندہ

ہوتے ہیں، میری بیوی، میرے بچے کو تم دینے والی ہے، اس لیے آؤں کل

ہو یا تو خاندان کا سربراہ اگر اپنے بستر پر لیٹا چھت گھور رہا تھا اس کی آنکھیں کھری صبح میں ڈوبی ہوئی تھیں جب کہ اس سے دو باشت کے فاصلے پر خوب اس کی بیوی گھوریا کے پوٹوں پر حسین مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی، ایر کی گزشتی سال کے لگ بھگ تھی جب کہ اس کی بیوی گھوریا نے بھی جوانی کی دہائی پر قدم رکھا ہی تھا کہ ایر کی نگاہ انتخاب اس پر پڑ گئی تھی۔

ایر کچھ دیر سے حرکت لیتا رہا۔۔۔ پھر وہ آہستہ سے اٹھا۔

وہ اتنی آہستہ سے، بستر سے اٹھا تھا کہ اس کی خوباب بیوی کی خبر

میں فدا سا بھی متل پیدا نہیں ہو سکتا۔ ایر کے نقش و نگار میں بھی تھی۔

یوں لگتا تھا، زندگی کا ابتدائی زمانہ اس نے جس مشقت میں گزارا تھا،

اس کے آثار ابھی تک اس کی شخصیت پر عکس ہیں۔

اس کے سر کے تمام بال اس قدر سپید تھے کہ ان پر آؤں کا گناہ

ہوتا تھا، اس کی آنکھیں تلی تھیں، جن کے گرد پتلیوں کا صہار تھا، انھیں

میں دھات سمی تھی اور پھید دینے والا تڑکڑکٹ کوٹ کر بھر رہا تھا۔

مہربی سے اڑ کر اس نے اپنی لڑکی بیوی کی طرف دیکھا۔

نیکلے پردے کے گرد ان بالوں نے بھر کر باری خوشنما منظر پیش کر

رکھا تھا، اس منظر میں، اس کا چہرہ نمایاں تھا اور ہونٹیں پھیلی ہوئی

مسکراہٹ، دھڑکنوں کو تیز کرنے کے لیے کافی تھی، ایر کی نگاہ گھوریا

پر جم گئی تو اس کی دھڑکنیں از خود ہی بے ترتیب ہونے لگی تھیں کیونکہ

وہ اسے بے حد پسند کرتا تھا۔ اس نے گھوریا کو اس بات کا شادی

احساس ہونے دیا ہو گا کہ وہ اسے بے خبر رکھ کر اس کے حق بات پر

متاثر ہوتا رہتا ہے۔

گھوریا! ایر سے تھی ادھر تین ماہ بعد ماں بننے والی تھی۔

بہی ادھی تھی کہ ایر اس کے لیے دوا دھور ہاتھ ماں بننے کی علامات

ظاہر نہیں تو ایر کی فطرت بھی وقت کے ساتھ ساتھ بڑھنے لگی تھی۔ گھوریا

تھی بھی اتنی ہی پرکشش ادھر تین کر ایک بار دیکھنے کے بعد اس کی



پچھے نہ ہوا نہ عظیم ہی محسوس ہوتا ہے، تم نے میرے لیے استغناء نہ کرنا۔  
تیار کیا ہے، یہ بھی آغاز ہی کا...  
"پلیسٹر ٹریڈ" بڑی دھڑلے سے کہتا ہے، میری سہیلی کی منہ سے یہی  
ہو رہی ہوگی، ایسی باتیں کر دیں، ورنہ موت سے اس خاندان کو ناکاہل مٹا  
نقصان پہنچے گا۔

بڑھے ایسے آفات میں مرلا دیا۔

اس کی نگاہیں سابق بڑی میری کاچہرہ گھوم رہا ہے ایک ہسٹ  
دھم اور ضدی صورت تھی، اس نے میرے ساتھ تیس سال کی ازدواجی  
زندگی گزاری اور اس کے تین بیٹوں کی ماں بھی تھی۔  
"ابھی اور بھی بہت سی باتیں ہیں، وہ دیر لپ بولا، جو جسے قبر  
میں چین سے سوئے نہیں دیتی ہوں گی۔"  
یوں محسوس ہوتا تھا، جیسے وہ اپنے خوش گوار دوشوں کی کسی قسم  
کی تبدیلی کا خواہش مند نہیں ہے، یہی وجہ تھی، اس نے بڑھی لازمہ کی بات  
مذاں میں مثال دی تھی۔

ناستے سے فارغ ہونے کے بعد وہ اٹھا اور یہاں دوسے  
سے اپنے دفتر کی طرف چل دیا، اس کا دفتر سڑک کے انتہائی قطعے میں  
واقع تھا، اگرچہ خاندانی دولت کی اب گیدہ ہندسوں میں پیکائش  
کی جاکستی تھی، لیکن بڑھے ایسے اسے قدیم طرز کی عمارت سے اپنی  
رہائش کوں اور تبدیل نہیں کی تھی۔

دفتر کی طرف جاتے ہوئے وہ سیرج رہا تھا کہ ورنہ بھی نہیں  
مرنا چاہیے تھا، جسے جس شخص پر بھیجی گئی تھا، اس کی ٹیکس سے پتہ لڑ  
کی موت نہیں واقع ہونی چاہیے تھی، دراصل یہ منصوبہ بزرگ نہیں تھا...  
پھر وہ کیسے مر گیا؟

اسے دفتر میں بیٹھنے کے بعد بھی وہ اپنی خیالوں میں گھوم رہا۔  
ٹھیک کنجیس اس نے پہلی ملاقات کی اجازت دے دی۔  
طاقت کی یاد تک اس نے اپنا بیٹا نکال دیا اور بائیں آستین چڑھاتے  
ہوئے بولا، "منعویہ تو تم نہیں تھا کہ ورنہ ہر گرجا جاتا،  
اُس نے والی شخصیت ڈاکٹر گلیڈ اسٹون تھی۔"

اس نے اُسے ہی اپنا بیٹا لیکل باکس کھولا اور ایک سترج نکال کر  
انجیکشن تیار کرنے لگی، اس نے بڑھے ایسے کا سوال سن لیا تھا، لیکن اس نے  
فورا ہی جواب نہیں دیا۔

"تم نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا، اب یہ کچھ بڑھ گیا۔  
"وہ ایک انفس ناک حاد تھا، مناج، ڈاکٹر گلیڈ اسٹون نے  
اپنی مرنے والی آواز میں کہا، "جب تیرا بیٹی ادویات زیر استعمال آتی ہیں تو کبھی بھی  
ایسا بھی ہو جاتا ہے، کیا خیال ہے، یہ سارا کام فی الحال روک دیا جائے گا"

"میں کچھ نہیں کر سکتا، اب یہ بڑھ گیا۔"

"میرا خیال ہے آپ کو مدد کرنی پڑے گی، نظر انداز کر دینا چاہیے بلکہ  
اسے ذہن سے بھی نکال دینا چاہیے، ڈاکٹر لولہ، اس طرح کی کالوں  
کاں غریب نہیں ہوگی،"

"میں جانتی ہوں، اب اس کے پیچھے میں غرا ہٹ پیدا ہوئی، اب  
تھیں مزید خطرہ ہے کی ضرورت ہے؟"

لیڈی ڈاکٹر نے آفات میں سر ہل دیا۔

ایسے نے اپنا بازو اٹھ کر دیکھا، اس میں انجیکشن لگا چکا ہے۔  
ڈاکٹر اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے اس کے سینے دانت بوتوں  
کی طرح چمک رہے تھے، اس کے سرخ بالوں میں شعلوں کی جلیق تھی۔  
"دکھ مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے، وہ مترنم آواز میں بولی۔  
"مروج تو کھینچنے دیں، میرا خیال ہے، یہ کوا اپنا کام خوب دکھا رہی؟  
اگر وہ ایسے نہ مارتے تو اندیشہ سرگرم تھیں دیتے ہوئے کہا، ہاں..."

میری میری بھی تھیک ہے، تم نے اپنا ایک شریک کار ڈاکٹر بیڑو  
بیل چھوڑ رکھا ہے، وہ ہر وقت گھومنا کا خیال رکھتا ہے؟  
"اور خود آپ کا کیا حال ہے؟ ڈاکٹر کا بوجھ بھی بڑھ گیا۔  
"بڑھے ایسے نے بڑھی جھپکی سے جھپٹا مارا، اس نے ڈاکٹر غالبان  
پہلے سے اس کا ارادہ جواب نہ دیا، وہ جلد ہی سے ہٹ گئی اور لیر  
کاچہ بنوا میں لہر کر رہ گیا۔

"میں بھی بالکل تھیک ہوں، وہ کبھی بولا۔  
"مجھے اندازہ ہو گیا ہے، ڈاکٹر مسکراتے ہوئے بولی، "بہر حال آپ  
عمر کے جس حصے میں ہیں، اس میں آنا بھی کافی ہے؟"

ایسے نے بازو پر ایک جگہ اٹھل مٹنے کے بعد سترج کی سوتی دہائی اوڑ  
اس میں بھرنا چھوڑا، اس نے بڑھے کی کمزور سن میں طاقت بن  
کر دوڑنے لگا۔

"آپ کو قد سے احتیاط بھی کرنی چاہیے، گلیڈ اسٹون بولی  
"ورنہ اس گھر میں ہر طرف نوزائیدہ بچوں کے رونے کی آوازیں  
کو بھجی سنائی دیں گی؟"

مجھے صرف ایک ہی بچے کی خواہش ہے، گھور بکے لپٹ ہے  
ایک بیٹا ہو جائے گا تو میں تمہارا مشورہ مان لوں گا؟  
گلیڈ اسٹون نے انجیکشن لگاتے کے بعد سوتی نکال لی۔  
"یہ لپچے، انجیکشن لگ گیا، یہ دوا آئندہ دو ہفتوں کے لیے کافی  
ثبات ہوگی؟"

بڑھے ایسے نے آستین اُٹارتے ہوئے اس کی آنکھوں میں  
بڑھے ایسے نے آستین اُٹارتے ہوئے اس کی آنکھوں میں

دیکھا اور اسے کہہ بولا، "جانتی ہوں، تم سے زیادہ ہی عمر کا قربتان  
کا سفر کروں گا... ممکن ہے، تھیں آسماؤں پر مجھ سے بھی پہلے ہی  
جانا پڑ جائے؟"

"میں تو سمجھتی تھی، لیڈی ڈاکٹر بڑھتی۔  
انجیکشن لگاتے کے بعد وہ اٹھا اور اس نے ایک ٹین دبا  
کر دوڑنے اور کھڑکیاں متقل کر دیں، وہ ڈاکٹر کی طرف دیکھ کر  
مسکراتے ہوئے اور گلیڈ اسٹون اس مسکراہٹ کا مقصد غریب اچھی  
فہم جانتی تھی۔

اس نے دروازے اور کھڑکیاں متقل ہونے پر کوئی احتجاج  
نہیں کیا، بلکہ خود اس کے تیزخون پر مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی تھی۔  
\*\*\*

اپنا خاندان کی سربراہ خاتون گھوم رہا تھا، اب بھی بخوبی تھی۔  
وہ جب سے ایک بچے کی ماں بننے کی حالت میں مبتلا ہوئی  
تھی، اس کی آنکھ قد سے دیر ہی سے کھلتی تھی، اس کے بدن میں  
حرکت پیدا ہوئی، وہ قد سے کسائی پھر اس کے گروٹ بدلنے  
کی بجائے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔

اس نے وہاں جانب دیکھا۔

میری کا وہ حصہ خالی پڑا تھا جہاں اس کا تصویر سوا تھا۔  
وہ دروازہ کھڑکی کی طرف دیکھنے لگی۔

اس نے ایک انجکشن لی اور مسکراتے ہوئے حالت غریب  
میں اس کی مسکراہٹ عینی مضمر لگتی تھی، اب اس میں وہ غریب  
تھا، اس نے میری طرف ہاتھ بڑھا کر ایک جین دبا دیا۔

بیس منٹ بعد سیاہ بالوں والا ایک نوجوان کمرے میں داخل  
ہوا، اس شخص کی آنکھیں ہلکے پیرنگ کی تھیں، وہ ساڈھ دوڑے ہوئے  
میں داخل ہوا، اس کا سر اُٹا، وہ سینے میں سے ہاتھ نکالتے ہوئے  
والی ٹائی سے اس کی شخصیت اور مردانہ وجاہت میں چار چاند لگا  
دیتے تھے۔

گھبراہٹ اس کی طرف دیکھ کر مسکراتی رہی۔  
"دروازوں کو متقل کر دو، اس کا بوجھ قد سے نکالنا تھا۔  
ڈاکٹر بیڑو نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔

"میں حاضر ہونا چاہتی ہوں، ڈاکٹر...  
"میں اس لیے حاضر ہونا چاہتی ہوں، ڈاکٹر بیڑو نے آواز  
سے جھپٹے ہوئے کہا، اس کی مسکراہٹوں میں بے پناہ پائرت آیا۔  
\*\*\*

بڑھے ایسے نے اپنا بیٹک بن لیا۔

"مجھے خوشی ہے، جناب کیرمرا میں رہو، بھوت ہے، ڈاکٹر  
گلیڈ اسٹون کے پیچھے میں شہد کی آئینہ تھی۔  
"بہ سب تمہاری بہترین شخصیت کا نتیجہ ہے؟  
"لائف آف لیبارٹری اپنی مرنے والی بات کے لیے بے حد  
مستعد ہے؟"

"میں چند دینے میں بے حد فرخ دل ہوں، بڑھا ہوا بولا۔  
"میں نے اب تک جتنے اداروں اور کچھ رتیں دی ہیں، ان میں سے  
صرف تمہارا ادارہ ہی میرے لیے کام نہات مجاہد ہے؟"

"مجھے خوشی ہے کہ تم نے آپ کا مایوس نہیں کیا، جناب۔  
"جانک انٹرکام کا بند پیچ اٹھا، اس انٹرکام کا رابطہ فوراً ہی ایک  
سبز رنگ کے فون سے مل جاتا تھا۔ بڑھے ایسے نے ہر گرجا جلیق سے  
رہسیرا اٹھایا، ہاں... کیا بات ہے؟ وہ خوش گوار بھی بولا۔  
"میں تمہارے بارے میں سترج رہی تھی، ڈاکٹر، گھبراہٹ کی سترج  
آواز بڑھے کے کالوں میں رُس گھول گئی۔

"اور میں تمہارے متعلق سترج رہا تھا... وہ بڑھے نے  
کئی آنکھوں سے ڈاکٹر گلیڈ اسٹون کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، اب  
تمہاری طبیعت کیسی ہے؟"

"بہترین، یہ کہہ کر وہ ہنس پڑی۔  
"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟  
"دراصل ڈاکٹر بیڑو سمجھنے کے لیے آئے ہوئے ہیں؟  
"تمہاری طبیعت تو تھیک ہے نا؟"

"ایک دم تھک...  
"اپنا خیال رکھنا، ڈاکٹر، وہ ایسے ہدایت کی، ڈاکٹر کی  
ہدایت کو نظر انداز کرنا؟"

"میں ڈاکٹر کی ہدایات کا خیال رکھتی ہوں۔  
"تھک ہے، میں بچے سے کچھ دیر بعد تم سے ملنے آؤں گا؟  
"ہاں... ہائی ڈیوٹ، گھوم رہا ہے، ڈاکٹر، مستطیع کر دیا۔

ایسے نے رہسیرا رکھ دیا اور ہسٹ کر ڈاکٹر اسٹون کی طرف  
دیکھنے لگا، ایسا... اس نے پہلی بار ڈاکٹر کو اس کے غلام نام  
سے مخاطب کیا، ڈاکٹر بیڑو نے بے حد مرنے شناس نوجوان ہے؟

"آپ لوگوں کو خوش رکھنا ہمارا فرض ہے، جناب... او  
ہیں اہم قیادت کا معاوضہ ادا کیا جاتا ہے؟ ایسا نے مسکرا کر  
دیا... لیکن اس کی مسکراہٹ مرنے تھی، بڑھا، ایسے اس کی مسکراہٹ  
کا یہ تاثر دیکھنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

وہ اپنا میڈیکل باکس ہسٹال کر آٹھ کھڑی ہوئی۔  
وہ اپنا میڈیکل باکس ہسٹال کر آٹھ کھڑی ہوئی۔

دروازوں کے غم کو قفل کھول دے گئے اور وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکراتے تھے۔

\*\*\*

ان کی کار میسے ہی اس درجہ پر پہنچ چوہا پانوا میٹ میں داخل ہو کر میسج کی طرف جاتی تھی تو وہاں انہیں صبح کارڈ نظر آئے۔ آگے آ کر جب وہ آئی گیٹ کے سامنے رُکے تو وہاں بھی رافٹل بردار موجود تھے۔

یہ آئی گیٹ بارہ فٹ بلند پتھر کی سی بنی ہوئی محسوس دیوار میں نصب تھا۔ ان کی آگیت سے گزرا گئے آئی قفل میسج میسج کی حفاظت کھان دیے جو محل کے چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ ان کی نظروں کا کام ایک مخصوص فاصلہ پر قرار رکھتے ہوئے گشت کرنا بھی تھا۔

فرٹ ڈور کے اندر بھی دو محافظ موجود تھے۔ ایک مسخ آدمی راہ داری میں بھی چل رہا تھا۔ وہ گاڑیوں سے فون پر مشغول تھا اور گاڑیوں کو اوشان کو اندر آنے کی اجازت دیتے ہوئے اساتیر محافظوں کو مدد یا بات دی تھیں، وہ ان کی کارڈ سے ہی تیزی سے قریب آگیا۔

”اس طرف سے تشریف لے آئیے جناب!“ اس نے مزید بھوکھا۔

وہ اس کے قریب میں ایک بال کمرے تک پہنچے۔ اس بال میں بڑی ناؤرنگنگ بنی تھیں۔ پکاسو کے شاہکار بھی دکھائی دے رہے تھے۔

”کتنی خوبصورت تصویریں ہیں!“ اوشان بڑبڑایا۔

”ان کی قیمت لاکھوں ڈالر ہے۔ بلی فادر“

”لاکھوں ڈالر!“ اوشان دھجی آواز میں ہنس پڑا۔

”شاید وہ ڈالر جو اب مسز کو بوجھتے ہیں اور جن کی قیمت صفر ہو چکی ہے۔“

”کاش!“ اوشان کی باتوں پر خاموشی مڑھ سکا تو بول اٹھا۔

”میں تمہارے اس مذاق کی حوصلہ افزائی نہیں کر سکتا۔“

”کیوں شہزادو؟“ اوشان نے تصدیق چاہی۔

”بہرکتا ہے۔“ ٹیکس کی کبھی ہوا۔

”مجھے یہاں کی فضا اور ماحول سے دلچسپی کی بڑا کڑی اوشان نے تھکنے بھلائے ہوئے کہا۔

”بات ہو۔“

گاڑی ایک دروازے کے سامنے رُک گیا۔

اس نے اطلاعی ٹیکس کا تین دبا دیا۔

”اندھن سے کھلی گئی تو اس وقت پڑھا ایرابن معالج ڈاکٹر گلیڈ اسٹون یعنی ایٹا کو دروازے تک چھوڑنے آ رہا تھا۔

”آواز سننے ہی وہ اپنی معالج کی طرف چھٹکا اور سرگوشی میں بولا۔

”معلوم ہوتا ہے وہ دونوں سیکورٹی میں آج پہنچے ہیں۔“

”اور۔۔۔“ لیڈی ڈاکٹر کے ہونٹ چمکے۔

”بہر حال میری ہدایت یاد رکھنا۔ تمہیں اب بے حد محتاط رہنا ہوگا۔“

پڑھا ایرابن اوشان کے ساتھ اپنے دفتر میں داخل ہو رہا تھا۔

”ماہیگر تیز رفتاری کے پیچھے ہی مل دیا۔ جب وہ پڑھے ایرابن کے دفتر میں۔۔۔“

”نہیں۔۔۔“ اوشان نے تصدیق چاہی۔

”بے حد تین خاتون تھی۔ اس نے تمہو کو کہا۔

”بہرکتا ہے۔“ ٹیکس کی کبھی ہوا۔

”مجھے یہاں کی فضا اور ماحول سے دلچسپی کی بڑا کڑی اوشان نے تھکنے بھلائے ہوئے کہا۔

”بات ہو۔“

گاڑی ایک دروازے کے سامنے رُک گیا۔

اس نے اطلاعی ٹیکس کا تین دبا دیا۔

”اندھن سے کھلی گئی تو اس وقت پڑھا ایرابن معالج ڈاکٹر گلیڈ اسٹون یعنی ایٹا کو دروازے تک چھوڑنے آ رہا تھا۔

”آواز سننے ہی وہ اپنی معالج کی طرف چھٹکا اور سرگوشی میں بولا۔

”معلوم ہوتا ہے وہ دونوں سیکورٹی میں آج پہنچے ہیں۔“

”اور۔۔۔“ لیڈی ڈاکٹر کے ہونٹ چمکے۔

دی تھی۔ کیا وہ اپنی حفاظت کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا؟

”نہیں۔۔۔“ اوشان نے تصدیق چاہی۔

”بے حد تین خاتون تھی۔ اس نے تمہو کو کہا۔

”بہرکتا ہے۔“ ٹیکس کی کبھی ہوا۔

”مجھے یہاں کی فضا اور ماحول سے دلچسپی کی بڑا کڑی اوشان نے تھکنے بھلائے ہوئے کہا۔

”بات ہو۔“

گاڑی ایک دروازے کے سامنے رُک گیا۔

اس نے اطلاعی ٹیکس کا تین دبا دیا۔

”اندھن سے کھلی گئی تو اس وقت پڑھا ایرابن معالج ڈاکٹر گلیڈ اسٹون یعنی ایٹا کو دروازے تک چھوڑنے آ رہا تھا۔

”آواز سننے ہی وہ اپنی معالج کی طرف چھٹکا اور سرگوشی میں بولا۔

”معلوم ہوتا ہے وہ دونوں سیکورٹی میں آج پہنچے ہیں۔“

”اور۔۔۔“ لیڈی ڈاکٹر کے ہونٹ چمکے۔

”بہر حال میری ہدایت یاد رکھنا۔ تمہیں اب بے حد محتاط رہنا ہوگا۔“



۔۔۔ چھوڑ دے دروازہ کھلا اور ایک برہمن شخص نے جھانک کر باہر دیکھا۔ غزال ایک پرکشش لڑکی تھی۔ اس کے ہنٹوں پر بڑی ہی پیاری مسکراہٹ رہتی تھی۔ یہی معلوم ہوتا تھا، وہ شخص بڑی ہی بد وقت ہے۔ اس پر غزال کے منہ اور اس کی مسکراہٹ نے کئی اثر ہی نہیں کیا تھا۔

”کیا چاہتی ہو؟ وہ انگاری سے بولا۔  
غزال نے اپنے پیس سے ایک کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس کارڈ کے مطابق وہ فیلرل۔ میری کی تحقیقاتی افسر تھی۔ اس کارڈ کو دیکھ کر منتظم قدرے نرم پڑ گیا۔ اس نے سوائے نظروں سے غزال کی طرف دیکھا۔

”میں مشرک کا کارڈ لائٹ دیکھنا چاہتی ہوں۔“  
”اندر سے یا باہر سے؟“  
”دونوں۔۔۔ غزال نے لہجہ دے کر کہا۔  
”کیا تمہارے پاس کوئی وارنٹ موجود ہے؟“  
”اس کی ضرورت ہے؟ غزال کا لہجہ کھینچا ہو گیا۔

”اوہ۔ اس کا مطلب ہے کہ تمہارے پاس وارنٹ نہیں ہے؟“  
منتظم نے ایک طویل سانس لے کر کہا: ”اور اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ تم کسی کسے میں داخل نہیں ہو سکتی۔“  
”اگر تم وارنٹ پر اتنا ہی اصرار کر رہے ہو تو شک ہے؟“  
غزال نے دھکی آمیز لہجے میں کہا: ”میں جاری ہوں لیکن یاد رکھو جب میری والدہ کی ہوگی تو وارنٹ کے ساتھ میں تنہا نہیں ہوں گی؟“  
”پھر کیا تم کوئی قوب لے کر آؤ گی؟“  
”ہنیں، میں سلیتھ ڈیپارٹمنٹ کا عملہ بھی ساتھ لاؤں گی؟“  
غزال نے عمارت میں پھرتی حفاظت کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے کہا۔

”اوہ۔ اس کے لیے وہ عمارت کے مالک کو جواز کریں گے۔“  
”میرا کیا ہے؟“  
”مگر تمہیں اس کے منتظم کو بتائیں۔ جیل بھیج دیا جائے گا۔“  
”میں کبھی جیل نہیں گیا۔“  
”اور میرا مشورہ ہے کہ وہاں جانا بھی نہیں۔“

”تمہارا مشورہ ٹھیک ہی معلوم ہوتا ہے؟“  
”لاؤ۔ ناک کے اپارٹمنٹ کی چابی نکالو۔ غزال نے ہاتھ بٹاتا ہوئے کہا۔

”میں ٹھہروں۔ میں دیکھتا ہوں۔ وہ دروازہ بند کر کے اندر چلا

سنائی دیے۔  
”اسے قتل کر دو۔“  
”لیکن وہ جوڑھا؟“  
”میں اس سے خود ہی نمٹ لوں گا۔“ جواب سنائی دیا اور اس کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع ہو گیا۔

دوسری کال اس نے شیل ڈیک کے ہیڈ آفس میں کی تھی اور پورے ایمر کے بیٹے رینڈی سے رابطہ قائم کیا تھا۔  
”رینڈی! میں ڈاکٹر گلیڈ اسٹون بول رہی ہوں۔ رابطہ بحال ہوئے ہی اس نے کہا۔

”ہیلو! ایسا، دوسری طرف سے رینڈی کی جواں آواز سنائی دی۔  
اس کے پیچھے میں محبت کا کچھ ناخوشاں تھا جیسے وہ اس کی کال سن کر بے حد خوش ہو رہا ہو۔ ”تاؤ۔ میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں؟“  
”تمہارے پیگ آپ کا وقت ہو گیا ہے۔“ ڈاکٹر بولی ”لہجے کے بعد میں آ رہی ہوں۔“  
”مجھے افسوس ہے۔ اس وقت میں بے حد مصروف ہوں گا۔“

”لیکن یہ آپ کے فادر مشیر کا حکم ہے۔“  
”اوہ! آپ ایک طویل سانس لے کر کہا: ”وہ بعض اوقات بڑے تکلیف دہ ہو جاتے ہیں۔“  
”مجھے افسوس ہے، ڈاکٹر۔۔۔ لیکن یہ ضروری ہے؟“  
”ٹھیک ہے۔ تم ایک نیچے آ جاؤ۔ رینڈی نے جواب دیا اور اس کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع ہو گیا۔

ڈاکٹر گلیڈ اسٹون کے ہنٹوں پر بڑی ہی عجیب الہ نقابیل فہم مسکراہٹ رکھ کر لگی تھی۔ اس نے اپنا بیگ اٹھا یا اور دواؤں کی ایک کینٹ کی طرف بڑھ گئی۔

\*\*\*  
مدنی غزال نے لگی میں پہلے چمکے گئے اور غفلت کر دیکھ کر نفرت سے ناک اور ہونٹ مسکرائے۔ ناک کے سلسلے میں غرق کرتی ہوئی وہ یہاں تک پہنچ گئی کہ کارکھری کر کے وہ پیدل ہی عمارت کی طرف بڑھ گئی۔

عمارت میں داخل ہو کر اس نے منتظم کے دفتر کی تلاش میں باہر آ کر دیکھا۔

ایک کمرے پر اس نے منتظم کے نام کی تھی نظر آئی۔  
دروازے پر دستک کے جواب میں ایک غراہٹ سنائی دی۔

پہنچی ہوئی ماس نے اس فون کا نمبر ڈائل کیا بولڈی ڈاکٹر کی کار میں نصب تھا اور سلسلہ لے کر انتظار کرنے لگا۔  
سلسلہ بے ہی وہ پریشانی کے عالم میں بولنے لگا۔  
”وہ دونوں آدمی جو تمہاری موجودگی میں یہاں آئے تھے، وہ جانوروں کے متعلق کچھ معلوم کرنا چاہتے تھے؟“  
”اوہ۔۔۔ میں سمجھتی ہوں۔ ایسا نہ کیا۔“  
”میرا خیال ہے یہ معاملہ۔۔۔“

”اسے مجھ پر چھوڑ دوں، جناب! ڈاکٹر کی آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع ہو گیا۔

ڈاکٹر گلیڈ اسٹون اپنی شان دار کار میں لیبارٹری کی طرف آؤٹی جلی جا رہی تھی۔ کار کے فون پر پورے ایمر نے جو اطلاع دی تھی، اس نے چند لمحوں کے لیے اسے پریشان کر دیا تھا۔۔۔ لیکن علم ہی اس کی حالت سنبھال گئی۔  
اس نے تصور کی اٹھ سے ٹائیگر کو دیکھا۔

اس فوجوان نے اسے صحت ایک ہی جھلک دکھا کر بڑی طرح بے چین کر دیا تھا۔ اس بے چینی کا حلق صرف جذبات ہی سے نہیں تھا بلکہ اس کے جسم میں خوف کی ایک سرد سی لہر بھی دوڑ گئی تھی۔

اس نے ٹائیگر کے ساتھ تناواں سے پورے کی طرف زیادہ تو جہ نہیں دی تھی لیکن وہ پورہ بھی اُسے اب بے حد پر اسرار محسوس ہونے لگا تھا۔ خصوصاً انھوں نے جانوروں کا حوالہ دے کر ڈاکٹر ایسا کے دل و دماغ میں بے چینیوں بھری تھیں۔

اُسے یاد آ کر شہزادہ اس انداز میں چل رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کوئی تحلیل شدہ ہوا دھکیل کے میدان میں محسوس چال کے ساتھ کوئی مظاہرہ دیکھانے والا ہو۔۔۔ لیکن نہیں۔ اگر اس نے خود ہی یہ خیال ذہن سے جھٹک دیا۔ وہ فوجوان کوئی تحلیل شدہ ہرگز نہیں تھا۔

لائف لائن لیبارٹری کی عمارت کے سامنے پہنچ کر اس نے اپنی کار پارکنگ میں کھڑی کر دی اور اس کا دروازہ لاک کئی ہوئی وہ سیدھی اپنے کمرے میں جا گئی۔ اس نے وہاں پہنچتے ہی دو فونز کالیں کیں۔

پہلی کال میں اس نے وضاحت کی کہ حکومت کی طرف سے متعین کردہ دو آدمی پورے ایمر کے ہاں گئے تھے اور انھوں نے جانوروں کا حوالہ دیا تھا۔ اس کال کے جواب میں اُسے دو الفاظ

”میرے لیے بھی ناقابل فہم ہے۔“ ٹائیگر نے کہا۔ بہر حال جھڑپا نہ ہوگی، جناب! آپ کا بہت بہت شکریہ۔“  
ایمر نے مین ڈاکٹر کو مینیجنگ ڈائریکٹر کا دروازہ کھل کر اور وہی شخص آندرا گیا جو ٹائیگر اور اوشان کو اس دفتر تک لایا تھا۔ پورے ایمر نے اُسے ہدایات دیں کہ انھیں حفاظت اور احترام سے باہر پہنچا دے۔

وہ کارڈ کے ساتھ باہر آئے تو جھانک کر ٹائیگر کی نگاہ ایک حسین ڈھیل لڑکی پر پڑی۔ یہ لڑکی اُمید سے مٹی اور اس کے انداز سے خود انہیں لگا لگا رہا تھا۔

”یہ مندرجہ صورت خاتون ہے۔“ ٹائیگر بڑبڑایا۔  
”یہ کیوں ہے؟“ اوشان نے پوچھا۔  
”منسوس۔۔۔“ کارڈ نے جواب دیا۔  
”اوہ۔۔۔“ شہزاد کے ہونٹ میں عجیبانے کے انداز میں مسکونے لیکن کوئی آواز نہیں نکلی۔ اوشان نے تمہارے لیے بڑے شرم کی بات ہے۔ وہ بڑبڑایا۔

اوشان کا ہاتھ اس کی گردن کی طرف بڑھا لیکن ٹائیگر اس وقت تک کارڈ کے آگے آگے چلنے لگا تھا۔ اس لیے اوشان کے لیے اس کی گردن پر ہاتھ ڈالنا ایک محنت ہی رہی۔

گلوڈ یاؤنگ کران تیلوں کی طرف دیکھنے لگی۔  
ٹائیگر سے لگا ہی جا رہے تھے ہی اس کے ہنٹوں پر پرکشش مسکراہٹ رکھ کر لگی۔ اس کی آنکھوں میں محبت اور شہس کے تاثرات تھے کیونکہ اس نے پہلے کبھی کسی شخص کو اسے مسور کن انداز میں چلنے نہیں دیکھا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے ٹائیگر کسی جیسے رقاص کی طرح فرش پر چرک رہا ہو۔

گلوڈ یاؤنگ مسکراہٹ کے جواب میں ٹائیگر بھی مسکرا دیا تھا اور یہ مسکراہٹ سیدھی گلوڈ کے دل میں آؤٹی جلی۔  
وہ کتنے کے سے عالم میں کھڑی انھیں دروازے سے نکلنے دیکھتی رہ گئی۔

\*\*\*  
ٹائیگر اور اوشان کے جانے کے بعد اپنے دفتر میں بیٹھے ایمر کی آنکھیں دلی پریشانی کا اظہار کرنے لگیں۔ چند لمحوں تک وہ گہری سوچ میں ڈوبا رہا۔۔۔ پھر اس نے ایک نسخ فون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس فون پر کئی جانے والی کال براہ راست کا بدل میں نصب کارڈ میں فون پر مٹی جا سکتی تھی۔  
پورہ ایمر جانتا تھا کہ ڈاکٹر گلیڈ اسٹون ابھی لیبارٹری میں نہیں

عجیب الخلقت آدمی لگ رہا تھا۔ وہ اپنے دائیں شانے کے اوپر سے بائیں طرف دیکھ رہا تھا۔

خود کو ایک اہم ہستی کی سیکڑی تانے کے بعد وہ اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ چند لمحوں تک آرنی منظر رہا۔ پھر پرسیکون جو کراک کے بارے میں باتیں کرنے لگا۔

”وہ میرا بہت ہی اچھا اور پرانا دوست ہے۔ آرنی نے کہا: اگر وہ تمہیں کہیں مل جائے تو کمر دینا کہ دوستوں میں لین دین ہوتا ہی رہتا ہے اس لیے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ مجھ سے ملاقات کر لے۔ آئندہ جیت کی رقم۔“

لیکن میں تو خود اس کی تلاش میں بھول ڈغزالہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

”اوہ! کیا وہ تمہارا بھی مقروض ہے؟ آرنی چونک پڑا۔ ”نہیں یہاں معاملہ قدرت الٹ ہے۔ میں اس کی مقروض ہوں۔ میرے پاس اس کے لیے کچھ رقم موجود ہے۔“

آرنی کی آنکھیں حیرت ادا لے لیں۔ یقینی سے پھیل گئیں اس نے سرخ شراب کے جام سے چہرہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا: کیا کہہ رہی ہو؟ اس کی آنکھوں میں یکایک بے پناہ دل چسپی کی چمک پیدا ہوئی۔ کتنی رقم ہے؟

”وہ رقم حقیقتاً میرے پیس میں موجود نہیں۔ بہر حال میں اسے پانچ سو ڈالر ادا کروں گی۔ اگر وہ مجھے مل جائے تو اسے اپنے پاس کے پاس لے جاؤں گی تو اسے یہ رقم دے دے گا۔“

پانچ سو ڈالر... میں کافی ہیں؟ آرنی بڑبڑایا۔ ”مگر مقصد کے لیے کافی ہیں؟ غزالہ چونک پڑی۔

”اُسے میری اتنی ہی رقم ادا کرنی ہے؟“

”خیر... کیا تم بتا سکتے ہو کہ مجھے کہاں ملے گا؟“

”مگر مجھے معلوم ہوتا تو میں اسے گردن سے پکڑ کر اپنی رقم

زیر وصول کر لیتا۔“

”تم اس کے کسی دوست سے تو ضرور واقف ہو گے؟“

”دوست... نہیں... اس کا کوئی دوست نہیں۔ آرنی نے جہاں لیتے ہوئے کہا: لیکن ضرور... وہ چونک پڑا، جیسے کوئی بات اچانک ہی یاد آگئی ہو۔ ۲۲۰ دل گئی میں...

لیکن کیا تم مجھے یقین دلا سکتی ہو کہ میری رقم مجھے مل جائے گی۔ دراصل مجھے اس سے تین سو ڈالر لینے ہیں۔“

”بس تم کو یہ سمجھ لو کہ رقم تمہاری حسیب میں گئی۔ غزالہ نے اُسے دلاسا دیا: وہ جیسے ہی بلا، اُسے پانچ سو ڈالر مل جائیں گے

جی لو کی کہ کندھے پر اس طرح ہاتھ نہ رکھنا۔ جانتے ہو، میرے کندھے کی ہڈی میں اب تک تکلیف ہو رہی ہے۔ اگر یہ ہڈی ٹوٹ جاتی تو...

مجھے افسوس ہے، اس خوف ناک چہرے اور کسی دیکھ بیسے بدن تک، ماگردن نے معذرت کی لیکن اس کی آواز اب بھی غراہٹ آمیز تھی۔

”اس کے علاوہ بہتر جو کرا تم ایک جام کی ٹھیک مانگنے لی جہاں فم ڈسٹری میں چلے جاؤ۔ وہاں تمہیں جھوٹوں کا ٹولہ سانی سے مل جائے گا۔“

ماگردن نے اشارت میں سر ہلا دیا اور بارٹنڈر سے جام لے کر ایک مین کی طرف بڑھ گیا۔ غزالہ ایک بار پھر کاؤنٹر مین کی طرف توجہ ہو گئی جو اس سے پوچھ رہا تھا: تمہارا پاس کون ہے؟

”اگر میں اس کا نام لے لوں تو تم اسے یقیناً پہچان لو گے۔ اسی سے اندازہ لگاؤ کہ وہ کتنی اہم شخصیت ہے... لیکن میں اس کا نام نہیں لیتا جانتی؟ غزالہ نے نرم پیچھے میں سمجھانے والے انداز میں کہا: دراصل ناک نے اس کی بیوی کے سلسلے میں کچھ گفتیشی کام کیا تھا۔ سمجھ گئے نا؟

”ہاں... میں سمجھ گیا؟ کاؤنٹر مین نے مشکوک کر کہا۔ ”ہاں تو تم نے بتایا نہیں کہ میں ناک سے کہاں رابطہ قائم

رکھتی ہوں؟ غزالہ نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے لٹوٹھا۔

”میں سمجھتا ہوں، وہ تمہیں باوری باہر مل جانا چاہیے۔ اگر وہ یہاں نہیں آتا تو وہاں چلا جاتا ہے۔ وہاں آرنی کی نشست

رہتی ہے اور ناک کے ساتھ اس کے کاروباری تعلقات ہیں... گھوڑوں کا کاروبار...“

غزالہ سمجھ گئی کہ آرنی کبھی ناک کا نام ہے اور ناک اس کے ذریعہ گھوڑوں پر غرضیں لگاتا ہے۔ وہ کاؤنٹر مین کا شکریہ ادا کر کے باہر آگئی۔ اُسے ناک کے سلسلے میں اگرچہ کوئی قابل ذکر کامیابی نہیں ہوئی تھی لیکن تھوڑے سلسلہ چل نکلا تھا اس لیے

سے توقع بھی کہ جلد ہی وہ کوئی نتیجہ خیز بات معلوم کر لے گی۔ اس کی کانٹیری سے جاووی بائیں طرف روانہ ہو گئی۔

میس منٹ سے بھی کم وقفے میں وہ وہاں پہنچ گئی۔ کار بائیں طرف پارک کر کے وہ اندر پہنچی اور آرنی کے بارے میں دریافت کیا۔ وہیئر نے ایک مین کی طرف اشارہ کر دیا۔ آرنی دروازے کے قریب ہی ایک میز پر بیٹھا تھا جہاں کراہتا۔ ٹیبلوٹ میں وہ ایک

دیکھا تھا؟

”دو تین ہفتوں سے کہیں دکھائی نہیں دیا ہو۔“

”وہ کس سے بتا رہا تھا؟ اس کا کوئی دوست دیکھو؟“

”میں نے اسے کبھی کسی کے ساتھ نہیں دیکھا۔ یہ کہتے ہو کاؤنٹر لوک کی صبیح سکو گئیں یہ مین تم پر باز پرس کر رہا ہے۔“

”میرے پاس نے مجھے اس کی تلاش پر مامور کیا ہے۔ یہ پاس کے پاس اس کے لیے کچھ دولت ہے۔“

”دولت اور سڑناک کے لیے یہ کاؤنٹر لوک کرنا بیک وقت نہیں آیا۔“

”ہاں... غزالہ نے خود اعتمادی سے بھر پور لہجے میں پوچھا: تو کراؤنٹر مین کو یقین آگیا... اچانک اسے جب تک جانا چاہا اس کے کندھے پر کسی نے ہاتھ رکھ دیا تھا اور انجلیوں کی آہنی گرفت آہنی سخت تھی کہ غزالہ کو اپنے کندھے کی تکی کو ٹوٹی ہوئی عکس ہونے لگی۔

اس نے ہلٹ کر اس شخص کی طرف دیکھا جس نے تکی پر ہاتھ رکھا اور جارحیت سے یہ حرکت کی تھی۔ اگلے ہی لمحے اس کا جسم سسٹا اور اسے اپنے بدن کے ایک ایک ہاسم سے پسینہ آگیا عکس ہونے لگا۔

غزالہ نے اپنی زندگی میں اتنا خوف ناک آدمی نہیں دیکھا تھا۔

اس نے بالقابل کر کے شخص کی طرف دیکھا تو اس پر انکھیں اسے اپنی آنکھوں میں پھر کر روح تک آخری محسوس لگیں۔ یہی سی پکپکا ہٹ اس کے پورے وجود پر طاری ہو گئی تھی بات ہے؟ اس نے سامنے کھڑے شخص سے پوچھا: بوجہ عکس کی کوشش ناکام ہو گئی۔

”کیا تم مجھے ایک جام ملا سکتی ہو؟“

”اوہ... غزالہ کے حلق سے ایک طویل سانس نکل گئی۔

نے ہلٹ کر کاؤنٹر مین کی طرف دیکھا: اسے ایک جام دے دو۔“

”گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، اس کاؤنٹر مین نے نکالتے ہوئے کہا: ماگردن دیکھنے میں دو قیامت اور خوف ناک ہے لیکن حقیقت یہ کہ یہی چیز تکی کی طرح ہے غزالہ نے؟

”اور تم... غزالہ نے لہجہ سخت کرتے ہوئے کہا: آ

کیا اور پھر پانچ منٹ سے پہلے اس کی واپسی عمل میں نہیں آئی۔ جب وہ تمہیں مل جائے تو اسے میرا پیغام دے دینا کہ میں اس کا سامان ضبط کرنے والا ہوں۔ اس نے واپس آتے ہی کہا: یقیناً غزالہ کا کراہ چکا ہے۔“

غزالہ نے مشکوک کر منظر کی طرف دیکھا۔ وہ ایک ایسا آدمی تھا جس کے جسم کا ساتھ ہی صدقہ اس کی توند پر مشتمل تھا۔ اس نے توند پر ہاتھ پھیرتے ہوئے غزالہ کی طرف دیکھا۔ اس کا صاف مطلب تھا کہ وہ ساتھ چلنے پر آمادہ نہیں ہے۔ وہ اس کی کاپی پر پکڑا لے کر

نزدہ مکی۔

غزالہ چاہیے کہ کراہٹ کا مقدمہ کر کے سیر حویں کی طرف بڑھ گئی۔ وہ اس حالت کی نگاہ رکھا، سانس لینے ہوئے بے حد دشواری محسوس کر رہی تھی۔

اُسے اپنا ہٹ تلاش کرنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔ اپنا ہٹ میں نصف گھنٹہ صرف کرنے کے بعد وہ واپس ہو گئی کیونکہ کوئی بھی کارآمد نہ ملتا تھا۔

اس کی تین دن کی کسی کا فون بزم نہیں بکھا ہوا تھا۔ ماللاں کو ایک ایک سال گزرا تھا۔ کسی دوست یا رشتے دار کا چہرہ بھی نہیں درج تھا۔ صرف ایک تقریر ملی۔ ناک ہی کی تصویر تھی اور غزالہ نے اندازہ لگا لیا کہ آدمی ذہین ہے... لیکن آنکھیں اس کے احمق ہونے کا اشارہ دے رہی تھیں۔

کرے میں زیادہ تر کاغذات گھوڑوں پر غرضیں لگانے سے متعلق تھے۔ مگر یہ وہ ریس کا رسیا تھا۔ ان کاغذات سے ایک قریبی ریسٹوران اور ریس کی خبریں بدنے والے ایک آدمی کے نام کے علاوہ کوئی کارآمد بات معلوم نہ ہوئی۔

اس نے وہ دروازہ مقلعہ کر دیا۔

واپس میں منظر کو چاہاں واپس کر کے جوئے اس نے پوچھا: ”کی مسٹر ناک کا کوئی ملاقاتی یہاں آتا رہا ہے؟“

”نہیں۔ اس سے پہلے کوئی نہیں آتا تھا۔“

”فکریہ؟ وہ ہلٹ کر عمارت کے صمدہ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔“

جس ریسٹوران کا پتہ اُسے ناک کے اپنا ہٹ سے ملتا تھا، وہ اس کی کھنکھراتے واقع تھا۔ وہ ریسٹوران کے کاؤنٹر پر پہنچ تو کاؤنٹر مین ناک کا ساتھ لگا۔ غزالہ نے اس سے معلوم کیا تو اس نے جواب دیا۔

”ہاں۔ وہ بیٹھے ہیں دو تین بار یہاں آیا کرتا تھا۔“

”میں اسے تلاش کر رہی ہوں، تم نے اسے آخری بار کہا؟“

اور پھر میں اسے پکڑ کر تھارے پاس لے آؤں گی؟  
 "ٹھیک ہے۔ تم ایک اچھی لڑکی نظر آتی ہو۔ میں تم پر اعتبار کرتا ہوں۔" کرنی نے گہری نظر سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "۲۲ ویں گلی کے ساتویں یا آٹھویں پارک میں ایک عورت رہتی ہے۔ اس کا نام فلاسی ہے۔ ناک دو ٹیابھر میں صاف اسی عورت سے ملتا ہے۔ وہ ایک پیشہ ور عورت ہے۔ اگر کچھ موجود نہ ہو تو تم اسے وہاں کے کسی شراب خانے میں آسانی سے تلاش کر سکتی ہو۔ ممکن ہے، ناک تمہیں اس کے گھر میں مل جائے۔ میرا خیال ہے، کبھی کبھی وہ اس کے ہاں بھی قیام کرتا ہے۔"  
 "فلاسی کا تعلق...؟"  
 جواباً کرنی نے اسے فلاسی کا مفصلہ تفصیل سے بتا دیا۔  
 "مشکرہ کرنی وغیرہ انہیں کہتے ہوئے کہا: وہ مجھے جیسے ہی بلا تھارے میں سوڈا لڑکھیں بل جائیں گے۔"  
 "میں انتظار کروں گا: کرنی نے اسیہ بھرے لیے میں کہا۔  
 غزالہ اس شراب خانے سے باہر گئی۔ گفتیش کی گاڑی کچھ اچانک بڑھ گئی تھی۔ وہ فلاسی کے بارے میں سوچنے لگی... اس عورت سے ملاقات کے بعد اسے کوئی انکشاف ہونے کی توقع تھی۔ وہ تیزی سے اس طرف بڑھنے لگی جہاں اپنی کار پارک کی تھی... اور پھر کچھ فاصلے سے اس نے دیکھا کہ ٹریفک پولیس کا ایک ٹرک کار کے قریب کھڑا ہے اور ٹرک ڈرائیور اس کی کار کے بہرے زنجیر باندھنے ہی والا ہے۔

وہ وہیں سے چبھ چڑی: "اے... بظہر جاؤ میری کار ہے؟ ٹرک ڈرائیور ایک مونا سا سیاہ فام آدمی تھا۔ اس نے غزالہ کی آواز سن کر توجہ مرکوز کر لیا اور پلٹ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ غزالہ تیزی سے دھڑکی ہوئی اس کی طرف پل آ رہی تھی... قریب آکر اس نے اپنے ہونٹے چومے۔  
 "یہ تم کا کہنے جا رہے تھے، مرنے سو رہے؟  
 "یہ کار غیر قانونی طور پر پارک کی گئی ہے؟  
 "وہ کہنے لگے؟ غزالہ کی آنکھیں سکون لیں۔ "جناؤ کہاں بورڈ لگایا ہے، تو تم لوگوں نے؟  
 سیاہ فام پولیس ٹرک ڈرائیور نے دائیں بائیں دیکھا اور ایک بلاک دوسری عمارت کی طرف اشارہ کر دیا: "وہ رہا، ٹریفک سائین؟  
 غزالہ نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس سائین کی طرف دیکھا لیکن فاصلے کی وجہ سے با آسانی دیکھ سکی۔ ایک میل دُور لگا ہوا وہ

ساتن... اس نے غصے سے کہا: اس سائین کا دائرہ اثر کیا ہوگا؟ شہر تک ہے؟  
 "میں سائین لگانے والوں کا انچارج نہیں ہوں، میں مونا پولیس ڈسٹرکٹ کے دائرہ کار سے تھوڑے مقررات آمیز لپچے میں کہاں تو غیر قانونی طور پر پارک کی ہوئی گاڑیاں گھسیٹ کر پولیس بیڈنم پہنچاتا ہوں؟  
 "ہوں... لیکن عقل کے اندھے یہ بھی تو دیکھو کہ سائین بہت دور ہے۔  
 "میں مجبور ہوں، میں؟  
 "اگر تم میری گاڑی یہاں سے گھسیٹ لے جاؤ تو پولیس؟  
 آفس سے اس کی داپنی کے لیے مجھے کتنا خرچ کرنا پڑے گا؟ غزالہ نے پوچھا۔  
 "پچھتہ ڈالر، میں؟ جس میں سے پچیس ڈالر جالان کے او باقی گاڑی کو وہاں تک گھسیٹ لے جانے کا خرچہ؟  
 "میرا خیال ہے، ہم ایک دوسرے سے اس مسئلے میں ہا چیت کر سکتے ہیں؟ غزالہ نے اس کی طرف ایک عدد مشکراہٹ بنا بیجا نہ اچھالتے ہوئے کہا: کیوں نہ، تمہیں یہیں پچاس ڈالر کر دوں؟  
 مونا ڈرائیور سوچ میں پڑ گیا۔ کچھ پر بعد اس نے غزالہ کی دیکھتے ہوئے کہا: ٹھیک ہے۔ اگر تم یہ معاملہ یہیں منانا چاہتی تو مجھے اتنی ڈالر ادا کرو۔ میں تمہیں چھوڑ دوں گا؟

"میرا خیال ہے۔ تم بے حد لاپرواہی آدمی ہو۔ کیا چربی تھا دماغ پر بھی چڑھ گئی ہے؟ ابھی ابھی تم کہہ رہے تھے کہ کل پچھتہ خرچ آئے گا اور اب تم اسی ڈالر کی ادائیگی کہہ رہے ہو؟  
 "اب میں اتنی نہیں تو بے ڈالروں گاؤ؟  
 "مافی ٹک؟ غزالہ برہم ہو گئی۔  
 "ایک سو ڈالر... ٹرک ڈرائیور نے نیلائی کی بولنے لگا دالے کی طرح کہا۔  
 "تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے؟  
 "ایک سو سو ڈالر... یہ کہہ کر پولیس مین زنجیر پنہال

دوبارہ کار کی طرف توجہ ہو گیا۔ وہ بہرے زنجیر باندھنے لگا تو غزالہ کو پڑی غصے سے کھول اٹھی۔ وہ لپٹن، ٹرک کے عقب پر پہنچا جتنی دیریں ٹریفک پولیس کے ٹرک ڈرائیور نے زنجیر غزالہ نے اس کے ٹرک کے عقبی پینے کی جوا نکال دی۔ اس بعد وہ دوسرے ٹرک کی طرف توجہ ہو گئی۔ پینے سے جوا نکالنے کا

شعشع ٹرک ڈرائیور نے چبھ چڑیا۔  
 "اے... تم کیا کر رہی ہو؟  
 "میں نے دو بیٹوں کی جوا نکال دی ہے؟ غزالہ نے اسے گھونہ دکھاتے ہوئے کہا اور پولیس مین کے ہونٹے جسم کو گھونرے لگی ٹاڈا کر تم نے مزید کجاس کی تو تمہاری بھی نکال دیں گی؟  
 "اسے تم... تم، حق لڑکی... وہ غصے سے مٹھیاں پھینچ کر غرایا۔  
 "ایک اور ٹرک منگواؤ۔ اگر میری گاڑی گھسیٹ کر لے جانی جائے گی تو تمہارا ٹرک بھی اسی طرح جائے گا: یہ کہہ کر غزالہ اٹھ کھڑا اور پڑی۔  
 ٹرک ڈرائیور نے اس کی طرف لپکا۔  
 غزالہ ٹری پھر تکی ثابت ہوئی۔

وہ اس کے قریب آنے سے پہلے ہی ٹرک کی دوسری جانب پہنچ چکی تھی۔ ایک خالی ٹیکسی کو ہاتھ دے کر دیکھنے کے بعد وہ مٹھیاں نشست پر بیٹھ گئی۔ ۲۲ ویں گلی: اس نے ڈرائیور کو منتر لفظ منتر کے بارے میں بتا دیا اور پلٹ کر دیکھا۔  
 مٹھیاں ٹرک ڈرائیور نے پھر اسی شراب خانے کی طرف جارہا تھا کہ وہاں سے فون کر کے دوسرا ٹرک منگوا کر لے۔  
 غزالہ نے فون کر کے انگوٹھا دکھایا اور پھر ٹیکسی کی سیٹ سے ٹک کر آنکھیں بند کر لیں۔ وہ فلاسی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ ٹیکسی تیزی سے ۲۲ ویں گلی کی طرف دوڑنے لگی۔

\*\*\*

لپٹا خانہ خانہ کا دوسرا بیٹا ریندی اپنے دفتر میں داخل ہوا تو بیٹی بجا رہا تھا۔ دیکھ کر اس کی دونوں سیکڑیاں میران ہو گئیں۔ ایک عجیب سی بات تھی۔ ریندی ایک بے حد سنجیدہ جوان تھا اور اسے آج تک کسی نے گھنڈے سے موڑ میں نہیں بچھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اسے سبھی جانتے دیکھ کر ایک سیکڑی پٹی نے حیرت اور بے یقینی سے دوسری سیکڑی کی طرف دیکھا اور بڑبڑاتی: "اگر مجھے سننے ہو پ کی جگہ جلتے تو حیران نہ ہوتا؟"  
 "مستر ریندی کو سبھی جانتے دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ اس کو دنیا میں سبھی کچھ ممکن ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ یہ جوان اب اپنے کمرے میں جا کر میز پر چڑھ جائے گا اور دفن کا شرم و خوار کرے گا؟  
 وہ ان کے قریب سے گزر کر اپنے دفتر میں چلا گیا۔  
 ایک سیکڑی آؤشی آؤشیری سے مسٹر ریندی کے آفس کی طرف چل دی۔ دروازہ کھول کر وہ کمرے میں داخل ہوئی تو ریندی اب بھی بیٹھی بجا رہا تھا۔ اس نے اپنی ٹانگیں ڈھیلی کر لی تھی

اور مٹھیاں کا لاکھول رہا تھا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے، نا جناب؟ سیکڑی پٹی پوچھا۔  
 "جیت اچھی... میں آج خود کو نیا آدمی تصور کر رہا ہوں... ریندی نے مسکراتے جواب دیا: میرے لیے بیڑی کی ایک بوتل بھرا دو۔ جلدی؟  
 سیکڑی پٹی حیرتوں کے سندر میں غور و خیز اس کے دفتر سے نکل آئی۔ بیٹی بجا اور بیڑی طلب کرنا۔ دونوں ہی غیر معمولی باتیں تھیں۔  
 دو بجنے کے قریب سیکڑی پٹی جب کسی کام سے غالباً باصریں مرتبہ ریندی کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ کسی نئی اور میران گئی بات کے لیے ذہنی طور پر باطل تیار تھی۔ اندک دم رکھتی ہی اس نے دیکھا کہ کرنی گڑبڑ ہے۔

ریندی نے اپنا جیکٹ اتار دیا تھا اس کی ٹانگیں پیر پڑی تھیں اور اس کے چہرے سے عجیب تاثرات ہریدار تھے۔ سیکڑی پٹی جینی کے ہاتھ میں ایک فائل تھی، اس نے اپنے بائیں کی۔ بدلی بدلی سی حالت دیکھی تو اس کا رنگ زرد ہو گیا۔ فائل اس کے ہاتھ سے گرے گرتے پڑی... لیکن ریندی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔  
 جینی کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔  
 اس نے اپنی فیس بھی اتار دی اور پھر ٹرک اتار کر کمرے میں ایک طرف اچھال دیے مادہ۔ میرے عہد: وہ بڑبڑایا۔  
 "مجھے ان چیزوں سے کس قدر وحشت ہوتی ہے، پیرے اور جوتے... میں انہیں برواشت نہیں کر پار ہا ہوں؟  
 وہ محض ایک زبردست ہونے اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس نے میز پر بیڑی کٹی پڑیں لگی تھیں جو جالی ہو چکی تھیں صرف ایک بوتل میں چند گھنٹہ باقی تھے۔ ریندی نے وہی بوتل اٹھالی اور اس سے ایک بڑا سا گھنٹہ لے لیا۔

... پھر اس نے بنیان بھی اتار دی۔  
 سیکڑی پٹی نے دیکھا کہ اس کی جلد کی رنگت زرد ہو رہی ہے اور اس پر مٹھیاں صرغ مٹھیاں آج رہے ہیں۔ وہ مٹھیاں کھڑی اپنے بائیں کی طرف دیکھتی رہی... اور جب کسی عجیب و غریب مرض میں مبتلا ریندی نے ہم پر آخری لباس بھی پوشش نہیں کیا تو وہ مٹھیاں پھر کر ریندی کے دفتر سے نکل آئی۔  
 باہر آ کر اس کی آنکھیں خوف سے پٹی پٹی لگتی تھیں۔ وہ پیرشان مٹی کیوں کہ سوا مین بنے ایک غیر ملکی بینک

دو پیرشان مٹی کیوں کہ سوا مین بنے ایک غیر ملکی بینک



کا ہاں پہلے میٹرٹا رہندی سے ملاقات کے لیے آنے والا تھا۔ یہ سیکرٹری میران تھی کہ اس اہم میٹنگ کے لیے اس کا باس تیار بھی ہو گیا تھا۔ یہ میٹنگ ایک خصوصی درخواست کے بعد پیشی عمل سے ملے ہوئی تھی اس لیے اس میں کسی کو بڑا کامات مطلب تھا... تباہی... اور تباہی ملکی معیشت پر بھی غری طرح اثر انداز ہو سکتی تھی۔

سیکرٹری کو یہ سب کچھ ہوتے ہوئے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی سائنس ٹرک جانے کی اور دم گھٹنے کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو جائے گی۔ اسے حیرت تھی کہ رہندی جیسا شخص اچانک ہی کسی بے مذہب میں مبتلا ہو گیا ہے ناسری طور پر وہ دائمی اعتبار سے باطل ٹھیک ٹھاک تھا اور گزشتہ کئی سال سے اسے وہ کام تک نہیں چڑھا تھا، وہ جس خاندان سے تعلق رکھتا تھا، اس کے سارے ہی افراد صحت کے اعتبار سے قابل ٹھیک تھے اور ان میں سے کسی کوئی بیمار نہیں چڑھا تھا۔ اس نے اپنی ٹرک ٹھیک نکالی اور ملاقات کا دن اور وقت دوبارہ دیکھا۔ ہر چیز ٹھیک کی گئی تھی۔ کسی اصل حقیقت کی طرح... بس صرف مینی بدل گیا تھا... وہ تبدیلی بھی ایسی تھی جس سے ملک کی معیشت و تجارتی نقصان پہنچنے کا احتمال تھا۔

اس مسئلے کو سمجھنے کے لیے وہ ایک بار پھر رہندی کے دفتر کی طرف ہل گئی۔

... اور اس مرتبہ اسے دروازے ہی میں ٹھیک جانا پڑا۔ اس کا خیال تھا کہ رہندی اپنی لمبی چوڑی میز کے عقب میں اپنی شاندار کرسی پر براجمان ہو گا... لیکن وہ وہاں نہیں تھا۔ ادھر ادھر دیکھنے کے بعد بالآخر سیکرٹری کی نگاہ کوئی جرح گئی وہ وہاں دروازہ تھا غالباً رہندی نے دروازہ کھلنے کی آواز سن لی تھی وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”جینی... ادھر آؤ! اس نے تمھارے پیچھے میں کہا۔ وہ کانپتی ہوئی آگے بڑھی اور سوچی رہی کہ آج کو کبھی کبھ ممکن ہے۔ رہندی ان آدمیوں میں سے نہیں تھا جو... اپنی سیکرٹریوں سے نفرت کرتے ہیں... لیکن آج جو کچھ ہی ہو چلا کم ہو گا۔ اب تک جو کچھ پہلے آیا تھا، اس کی روشنی میں کوئی بڑی سے بڑی بات بھی حیران کن ثابت نہیں ہو سکتی تھی۔

سیکرٹری نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا اور ایڈیٹ کر رہندی کی طرف دیکھنے لگی۔

”جناب... اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا: آج

آپ کو ایک میٹرٹا بنک کے والٹ پر ہائیڈرینٹ سے ملاقات کرنا ہے اور اس ملاقات میں صرف پانچ منٹ باقی ہیں“

”کوئی بات نہیں۔ تم دیکھ رہی ہو کہ میں دفتر میں موجود ہوں؟“

”لیکن جناب! آپ اس حالت میں ملاقات کیسے کر سکتے ہیں؟ رہندی نے کمرے میں بکھرے ہوئے کپڑوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

یہ سن کر رہندی نے اپنے وجود کی طرف اس انداز میں دیکھا جیسے پہلے اسے اپنی حالت کا احساس ہی نہ ہو... پھر اس نے دھیمی آواز میں جواب دیا: میرا خیال ہے تم ٹھیک ہی کہتی ہو... لیکن میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ اچانک ہر لمحے کپڑوں سے شدید نفرت ہو گئی ہے۔ بہر حال، ملاقات کے وقت میں کوشش کروں گا کہ کوئی چارہ اور ڈھول میرے لیے ایک چارہ کا بندوبست کر دو یہ کہتے ہوئے وہ متوقع نظروں سے اپنی سیکرٹری کی طرف دیکھنے لگا تو اس کے چہرے پر بے چارے کے تاثرات چیل گئے تھے۔

جینی نے انکس کے اظہار میں سرکودا میں بائیں خبرش دی: ”نہیں جناب! یہ تو سوچیے کہ آپ سے ملنے کون آ رہا ہے“

”اوہ... تم ٹھیک کہتی ہو۔ ٹھیک ہے میں ابھی کپڑے پہن کر تیار ہو جانا چاہوں“

سیکرٹری اپنی سیٹ پر واپس آ گئی۔ رہندی کے دل پر اسے کچھ سکون مل گیا تھا لیکن بے چینی پھر بھی موجود تھی۔ طے شدہ وقت پر جب وہ اہم شخصیت ملاقات کیلئے پہنچ گئی تو جینی نے انٹرکام پر رابطہ قائم کرتے ہوئے خاص طور سے پوچھا: کیا آپ واقعی تیار ہو چکے ہیں جناب؟

”اوہ ہاں۔ میں مختاراً مطلب سمجھ گیا۔ رہندی نے منہ کر جواب دیا: میں اس وقت اپنے کپڑوں میں بیٹھا ہوں۔

”تھینک گاڈ! جینی نے کہا اور مہمان کو رہندی کے د

پڑے تھے اور وہاں پہنچتوں بھی نظر آ رہی تھی۔ اس کے علاوہ جیکٹ بھی وہیں پڑا تھا جہاں جینی نے اسے کچھ دیر قبل دیکھا تھا۔ وہ اپنے بائیں طرف متوجہ ہو گئی۔

”کسی اور چیز کی ضرورت تو نہیں پڑے گی جناب؟“

”نہیں سب ٹھیک ہے“ رہندی نے جواب دیا: ”سب ٹھیک ہے“

وہ دروازے کی طرف چل دی۔ کراڑ کھولتے ہی اسے عقب سے رہندی کی آواز سنائی دی: ”جینی! گھر جانے سے پہلے مجھے مل لینا“

اس نے اثبات میں سر ہلا کر دروازہ بند کر دیا۔ میٹنگ دو گھنٹے تک جاری رہی۔ بینک کے دو اہلکار ایک کمرے میں ساتھ ساتھ بیٹھے تھے اور ملکی معیشت کیلئے اہم کاروباری گنگو ہو رہی تھی۔

سیکرٹری بیکار رہندی سے ملاقات کے لیے آیا تھا، اسے حیرت تھی کہ اتنے بڑے آدمی نے یہ کس انداز کے کپڑے پہن رکھے ہیں، آتے وقت اس کا خیال تھا کہ وہ ایک تیسرے مقلدے کے لیے جا رہا ہے جب کہ یہاں آنے کے بعد محسوس ہوا کہ اس غیر کے ذہن جھلکے ہیں اور وہ بالکل بے ضرر ہو کر رہ گیا ہے۔

بات چیت کے دوران میں رہندی کی نگاہ بار بار گھڑی کی طرف اٹھ رہی تھی۔ اس گھڑی کو اس نے کلائی سے اتار کر اپنی میز پر ایک طرف رکھ دیا تھا... اس کے علاوہ مہمان نے یہ بھی دیکھا کہ آخری وقت تک وہ کلائی کے اس حصے کو وقفے وقفے سے گزرتے مٹاتا تھا جہاں وہ گھڑی باندھتا تھا اور جہاں گھڑی کے چن کا نشان مل گیا تھا۔

میٹنگ ٹھیک وقت پر ختم ہو گئی۔ مہمان رخصت ہو گیا۔

ساڑھے چار بجے شام جینی، خارجی دفتر میں گھر جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی تو دوسری سیکرٹری نے کسی دوست کو ملاقات کا وقت دے رکھا تھا۔ اس لیے وہ معمول سے کچھ پہلے ہی رخصت ہو گئی تھی۔ جینی نے دن بھر میں جو حق بار بار اپنی ٹھیک درست کی اور پھر غائب تیسری بار آئی شیڈ دیکھ گیا۔ آج اسے پہلی بار اتنی دیر ہو رہی تھی ورنہ ان کا دفتر ٹھیک چار بجے بند ہو جاتا تھا۔ سیکرٹری اپنی زیریں کال کا خاص خیال رکھتی تھی کیوں کہ اس کا خیال تھا کہ رہندی نے اسے اسی لیے ملازم

رکھا ہے کہ وہ ایک حسین اور پرفٹش عورت ہے۔ لیکن اسے یہاں کام کرتے چوہا ہو گئے تھے اور رہندی کی طرف سے کوئی پیش قدمی نہیں ہوئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ محض خوش فہمی میں مبتلا تھی۔

میٹنگ کے لیے آئے ہوئے مہمان نے اس کی سیٹ کے قریب سے گزرتے وقت کہا تھا: مسٹر رہندی! احتمالاً انتظار کر رہے ہیں؟

وہ اس کے جاتے ہی آئینہ پوس میں رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا دل شکست سے دھوکا رہا تھا کیوں کہ وہ مہمان کے چہرے سے کوئی تاثر قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی تاہم وہ دل میں اپنے بدترین تشدات کی تصدیق کے خوف میں مبتلا تھی۔ وہ رہندی کے دفتر کی طرف بڑھ گئی۔

اس کا خیال تھا کہ اس ایک بار پھر اپنے لباس سے نفرت کے مرض میں مبتلا ہو گیا ہو گا۔ سیکرٹری جانی تھی کہ رہندی کے بڑے بھائی نے ٹیکہ میں ایک عمارت کی بلند ترین منزل سے کود کر خودکشی کر لی تھی۔ اس نے جب رہندی کے رقبے میں تبدیلی دیکھی تو یہی کہی کہ لوہا ذخاندان میں یونانی کا مرض موجود ہے۔

رہندی کے دفتر میں داخل ہونے کے بعد اس نے سبکی کی ایک گہری سانس لی۔ وہ اپنی میز کے عقب میں موجود تھا اور اس کے جسم پر قمیص بھی نظر آ رہی تھی۔ جینی پر نگاہ پڑنے ہی وہ مڑکھانے لگا۔

اس مشکراہٹ نے جینی کی دھڑکنیں بے ترتیب کر دیں۔ کیا یہ دیوانگی سے لبریز مشکراہٹ ہے؟ اس نے سوچا۔

”جینی... رہندی نے نرم لہجے میں کہا: میں حیران ہیں کہ کہوں تو کیسے کہوں۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔“

وہ کچھ سمجھنے کے انداز میں پکلیں جھپکا کر رہ گئی۔

”کیا تم آج شام معروف ہو؟ رہندی نے ایک عجیب سا سوال کر ڈالا۔

وہ تشدد سے دیکھنے لگی۔

”میں کہیں باہر جا رہا ہوں اور میری خواہش کہ کوئی میرے ساتھ رہے۔ کیا تم میرا ساتھ دے سکتی ہو؟ جینی نے رہندی سے کہا۔

”دراصل میں...“ وہ ہلکا گئی۔

”میں تمہیں کسی خاص جگہ نہیں لے جانا چاہتا۔ وہ اس کی جھپکاہٹ محسوس کر کے بولا: تم جہاں کہو، وہی چلیں گے۔

ڈنر، ڈائن ویٹرو؟

اگر اسے شام گزارنے سے کہیں نہیں جانا تھا پھر بھی نہ جلتے کیوں وہ سیرج رہی تھی کہ رینڈی سے دور رہے۔ لیکن جب اس نے اپنے پاس کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں استدعا تھی وہ تڑپ اٹھی۔

”ٹھیک ہے۔ ہم ڈسکو کے لیے چلتے ہیں“ وہ مسکرا کر بولی۔ میں خارجی دفتر میں جا رہی ہوں۔ آپ تیار ہو کر آجائیں۔ یہ کہتے ہوئے اس نے صوفے پر پڑے کپڑوں کی طرف دیکھا۔ جب تک آپ تیار ہوتے ہیں، میں ایک فون کر لوں گی؟

وہ رینڈی کے دفتر سے باہر گئی۔ فون کرنے کے بعد وہ اس کا اپنی سیٹ پر بیٹھ بیٹھ انتظار کرنے لگی۔

رینڈی باہر آیا تو وہ اپنے مکمل لباس میں تھا اس کے چہرے اور اس کی آنکھوں میں اب بھی عجیب اور ناقابل فہم سا کرب چھلکا ہوا تھا۔

اعظم لے بینک کی عمارت سے قریب ہی ایک لستون میں رات کا کھانا کھا رہا تھا۔ اس دوران میں رینڈی مسلسل اپنا جسم کھانا مار رہی تھی۔ لیکن کتنا تھا جیسے سر سے پاؤں تک وہ کسی پریشان کن جلدی مرض میں مبتلا ہو گیا ہو۔

جب وہ ڈسکو سے قبل ڈرنکس کے لیے ایک بار باہر جا بیٹھ تو جینی کو فہم ہوا جیسا تھا کہ اس کا لباس ایک بے حد زلف النفس

آدی ہے اور اس میں آداری برائے نا اچھی نہیں ہے یہ سوچتے ہوئے اس نے دفتر میں ہونے والی تمام باتیں تو جیسے جیسے دیکھیں رینڈی اس سے اپنی زندگی کی جھولی مونی دل چسپیوں پر باتیں کر تارہا۔

اسی دوران جینی کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ کہیں رینڈی اپنی بیوی کی طرف سے غیر مطمئن کر نہیں؟ اس کی حرکتوں میں جو بے چینی تھی، اس کی ایک وجہ یہ بھی ممکن تھی اسی دوران جینی نے یہ فیصلہ بھی کر لیا کہ ملازم کے آخر میں اگر رینڈی نے اس کے ساتھ پارٹنر بننے کی زندگی گزارے اسے ہرگز اسے ساتھ نہیں لے جائے گی۔ لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، اس کا یہ ارادہ متزلزل ہونا لگا۔ جیسا کہ اس نے سوچا کہ اگر رینڈی اس کے ساتھ جتنا چاہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

نہیں رات وہ ڈسکو پہنچ گئے۔

راتے میں رینڈی نے اپنی ٹائی آٹا کر ڈرا ٹھور کے

حوالے کر دی تھی۔

وہ کار سے اس کا ہاتھ پکڑا کر اندر بچی تو وہاں خام جرم تھا۔ انھوں نے جیسے ہی اندر قدم رکھا، کئی جوڑو نے رشک بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔ تب سہیلی با جینی کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ کاش رینڈی اس... شوہر ہوتا۔

اندر روشنیوں کا سبب تھا اور موسیقی کی لہروں میں کان پڑی آواز بھی سنائی نہیں دیتی تھی۔ ڈانس کا چھوڑنا اس تھا اور اس پر ان گنت جوڑے جوڑے تھے۔ رینڈی اس ان لوگوں کی طرف حیرت سے دیکھا۔ اندازاً ایسا ہی تھا وہ پہلی بار کسی ایسے رقص میں شریک ہونے آیا ہو... اور اس میں کوئی شبہ بھی نہیں تھا وہ ڈانس کے چند دولت مند تری خانہ داروں میں سے ایک خاندان کا فرد تھا اور اسے عام لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے کی کبھی مہلت ہی نہیں ملتی تھی۔

”کیا یہاں ہمیشہ اتنا ہی جھوم رہتا ہے؟“

”ہاں... جینی نے مسکرا کر کہا۔ یہ ڈسکو کی خصوصیت ہے۔ رینڈی نے رقص کرنے کی بجائے اس کا ہاتھ تھما اور ایک میز پر جا بیٹھا جہاں اس نے ویٹر کو ڈرنکس کا آرڈر دیا جینی بیٹھے بیٹھے ہی تھمر کے نئی پورا ماحول رقص کرتا ہوا دیکھا تھا۔

اچانک اس نے محسوس کیا کہ رینڈی پھر ویسی ہی ہے؟ محسوس کرنے لگا ہے۔ جیسا کہ دفتر میں کی تھی۔ وہ میز پر ہاتھ لگا اور پچاس نے بڑی بے قراری کے عالم میں اپنا جیکٹ اتار دیا۔ جیکٹ اتارتے اتارتے وہ آٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ بے چین نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ جیکٹ اتارنے کے بعد وہ دوبارہ پیچھے کیا تو جینی جان میں جاں آئی۔

اس جگہ جیکٹ اتارنا کوئی معیوب بات نہیں تھی۔ اس نے اطمینان سے اپنا اٹھا لیا اور میز کی جیکٹیں لینے لگی۔ اس دوران میں جینی نے ادھر ادھر دیکھا تو اسے دوسروں نے غلام اشار ایک نامور ڈانس اور چند معروف شخصیات دیکھا دیں۔ انھیں دیکھ کر وہ بے حد حیرت و شوق ہو گئی۔ یہ شہر کی سب سے جگہ تھی۔ اگر رینڈی جیسا پتھر مچوئی دولت مند جوان کے ساتھ نہ ہوتا تو شاید اسے یہاں کھسکے ہی بھی اجازت دے اپنی قسمت پر ناز کرنے لگی۔

یہ گویا اس کی زندگی کی سب سے شان دار رات تھی۔

بھانک رینڈی نے ایک چمپ آٹھا لیا۔ وہ دروازے سے چمپ گلاس سے ٹھکر کر سائز کے مطابق ڈھن بھالنے لگا۔ اس پاس کی میزوں سے کچھ لوگوں نے ناگوار سے اصرار دیکھا لیکن جب ان کی نگاہ رینڈی پر پڑی تو ناگوار سے بچنے چھوٹے ہونٹوں پر مسکراہٹیں دوڑ گئیں۔ رینڈی اتنا دولت مند تھا کہ ان کی دانست میں وہ سبھی کچھ کرنے کے لیے آزاد تھا۔ انھیں اس کی یہ ادا بھانگنی اور چند دوسروں نے بھی دھچکے اٹھا کر گلاس پر مارے ہوئے تال دینی شروع کر دی۔

جینی بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

”آؤف یہ کپڑے... رینڈی نے کہا۔ میری برداشت سے باہر ہو چاہے میں؟“

”کیا کہا، جناب؟ وہ چونک پڑی۔“

”کچھ نہیں آؤ... رقص کرو گی؟“

”کیا آپ رقص کرنا جانتے ہیں، جناب؟“ اس نے پوچھا اور سیرج میں پڑی کہ اس دولت مند جوان کے ساتھ لڑنا رقص کر کے کہیں اس کی سہیلی نہ ہو جائے... پھر اسے یاد آیا کہ رینڈی نے جس انداز میں مجھے سے گلاس کو بجانا شروع کیا تھا وہ لاکھ تائید ہے کہ وہی سبب لوگوں نے اس کی تائید کی تھی۔

”ہاں... رینڈی نے جواب دیا۔ میں رقص کرنا نہیں جانتا لیکن آسان ہی نفرا آتا ہے۔ یہ کہتے ہوئے اس نے جینی کا ہاتھ تھما لیا اور اسے ڈانس فلوئر پر لے گیا۔

”دونوں نچلتے گئے۔“

رینڈی جس انداز میں دوسروں کی طرف دیکھ دیکھ کر رقص کر رہا تھا، وہ بے حد محظوظ تھا لیکن جینی محسوس کر رہی تھی کہ اس کے باوجود وہ بڑی احترام بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس کا خیال درست ہی نکلا۔ لوگوں نے اس کا یہ عجیب انداز بھی قبول کر لیا تھا۔

معارف رینڈی نے کھل کھلا کر ہنسنا شروع کر دیا۔ وہ دوسروں کی نقل کر کے رقص کر رہا تھا اور اس ضرورت حال سے بے حد لطف اندوز ہو رہا تھا۔ لیکن اس کی آنکھیں... جینی کا تب گئی... اس کی آنکھوں میں کوئی ایسی بات ضرور تھی جس نے اسے بے قرار کر دیا۔

رینڈی کے قبضوں میں دوسروں کے قبضے بھی شامل ہو گئے۔

جینی سیرج رہی تھی کہ شاید رینڈی اپنی زندگی میں پہلی بار اس قدر نہیں رہا ہے۔ اس نے پہلے کبھی اسے ہنسنے نہیں دیکھا تھا۔

رقص کرتے ہوئے ابھی تین منٹ بھی نہیں ہوئے تھے کہ رینڈی نے اپنی قمیص کے بٹن کھولنا شروع کر دیے۔ اس نے فوری قمیص اتاری اور اسے اپنی گڑھی پر چھینک دیا۔ خوشامدبند لوگوں نے اس کی حوصلہ افزائی میں اپنی اپنی قمیص اتارنی شروع کر دیں۔

سب کچھ جینی کا جسم خندے خندے سینے میں ڈوبنے لگا۔ وہ جانتی تھی کہ قمیص اتارنے کے بعد کیا ہوگا۔ سب کچھ اسی انداز میں ایک بار پھر شروع ہو گیا تھا جیسا کہ دفتر میں ہوا تھا۔

نچلتے نچلتے رینڈی نے اپنی بنیان بھی اتار دی اور جب معاملہ کچھ آگے بڑھا تو خوشامدبندوں کو بھی پسینہ آنے لگا۔ وہ لک گئے اور آٹھ کھیں چھڑا کر رینڈی کی طرف دیکھنے لگے۔ کوئی یہ توقع بھی نہیں کر سکتا تھا کہ وہ پاؤں خاندان کا کوئی فرد اس قدر بے حیا بھی ہو سکتا۔

ویٹر بھی فلوئر کے گرد جمع ہو گئے۔ وہ حیران تھے کہ اس ضرورت حال میں انھیں کیا کرنا چاہیے۔

”پلیز مسٹر رینڈی... جینی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔“

... لیکن رینڈی اس کی آواز نہیں سن رہا تھا۔ اس کا تھکر کرنا پورا جسم سا زبردست ہو جانے کے باوجود متحرک رہا۔ اب وہ تنہا ہی رقص کر رہا تھا اور جینی مارے نادم کے زمین میں گڑھی جا رہی تھی۔

”مسٹر رینڈی...“ وہ چیخ پڑی۔

وہ رقص کرنا رہا۔ جینی دہشت زدہ ہو گئی۔ کسی نے منبر کو اطلاع دی۔ وہ فوٹو کھلا دیا اور کھلا کھلا ہوا رقص اس نے رینڈی کو اس انداز میں رقص کرتے دیکھا کہ اس کا منہ بے لفظی سے کھٹکنا چلا گیا اور وہاں موجود لوگوں کو یہ خندہ لاش ہو گیا۔ کہ کہیں اسی انداز میں نہ کھٹکتے کھٹکتے اس کی باجیوں نے چھینٹیں اچانک رینڈی کی آنکھوں سے اس کے مومنے آتش و تار پڑا۔ پڑھنے لگے اور پھر وہ دیوانہ وار رقص کرنے لگا۔ منبر پر اسٹان اسے بچھڑنے میں مصروف ہو گیا۔ جینی نے عجلت سے

ہے ہوشی کے عالم میں ہی اس کے چہرے پر دہشت کے تاثرات  
مجموعہ ہو گئے تھے۔ ٹائیگر کو صرف کئی منٹ تھا کہ کہیں روکی کی حرکت  
تکلیف دیندہ ہو گئی ہو۔

اس نے لڑکی کو سہانا مارے کہ لڑکی کی جو حرکت پر ہنسیا  
اور ہراسے اپنے مضبوط ہاتھوں کے سہارے اٹھ کر کمرے کی  
لے آیا، دیکھا اس وقت بڑھی مزین کی طرف متوجہ تھا۔ ٹائیگر  
نے لڑکی کو آرام سے فرش پر لیٹا دیا۔  
دیکھ کے دونوں ہاتھ بڑھی مزین کے گلے کی طرف  
بڑھنے لگے۔

ٹائیگر اٹھ کھڑا ہوا۔ لڑکی اس کے پیروں میں فرش پر  
دراڑھی تھی۔

اچانک دروازہ دھڑ سے کھل گیا۔  
دروازے سے ایک نرس اندر آئی۔ اس کے ہاتھیں ہاتھ  
میں ایک سرخ ولب ہوئی تھی۔ اس نے دروازے سے اندر آتے  
وقت غائبہ کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ دروازہ بند کر کے وہ چلی  
تو اس کی نگاہ تجھ پر پڑی۔

تجھ بھی اس کی آمد سے آگاہ ہو چکا تھا۔  
وہ بڑھی مزین کا خیال چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔  
نرس کے منق سے ایک گھٹی گھٹی سی جینے لگی تھی۔ وہ چپ  
کر دروازے کی طرف دوڑی لیکن تجھ نے ایک ہی جیت میں  
آگے جالیا۔ نرس نے ہاتھیں پکڑی ہوئی سرخ ولب تجھ کے چہرے  
کی طرف اچھال کر اس کی شستنی سے ٹکرا کر ٹوٹ گئی۔  
وہ اس کی طرف ہی نہ مڑ کر جینے لگی تھی۔

ٹائیگر نے جیت لگائی۔ در تجھ کی پشت پر پہنچ گیا۔ اس  
کے دونوں ہاتھ تجھ کے ان بازوؤں پر جم گئے۔ جن میں اس نے  
نرس کو بھروسہ رکھی تھا۔ شہزادہ نگاہ چڑنے ہی نرس کی جان میں ہلان  
آئی۔ اور پھر نرس۔ دیکھ کر حیران۔ وہ لڑکی کہ تجھ کی طرف اس کے  
جسم پر کھڑی ہو چکی جا رہی ہے۔

اس کا جسم جیسے ہی تجھ کی طرف سے آزاد ہوا، وہ تیزی  
سے پیچھے ہٹی اور دیوار سے ٹک کر کمری طرح اٹھنے لگی۔ وہ تجھ کی  
آنکھوں سے ٹائیگر اور تجھ کی طرف دیکھ رہی تھی جو ایک دوسرے  
سے زور آزمائی میں مصروف تھے۔

دیکھ کہ دونوں کایاں اب ٹائیگر کی طرف میں تھیں اور  
اس کی آنکھوں کا بار بار بڑھتا جا رہا تھا۔ سارے کچھ کے منق سے ایک  
غرائی ہوئی آواز نکلتی تھی۔ ان آوازوں نے مزین کے نام میں مثل ڈالا  
وہ بیدار ہو گئی۔ جیسے ہی اس کی نگاہ کمرے میں موجود دیکھ اور اس

اس نے لڑکی سے جھانک کر دیکھا۔  
تجھ اور بڑھی مزین چکا تھا۔ اس کمرے میں ایک نو عمر لڑکی  
بستر سے ٹکی غرض پہنچی تھی۔ بستر پر سفید باتوں والی ایک عورت  
دراڑھی۔ اس کے بال اترتے سفید تھے کہ سفید سفید اور اچھے بتر  
پر پہلی نظروں انھیں دیکھنا بھی ممکن نہیں تھا۔ وہ ایک سفید  
چادر اور سے ہوئے تھی اور اس کی آنکھیں بند تھیں۔ اس کے  
بستر سے ٹکی پہنچی لڑکی کے چہرے پر کرب کے آثار تھے۔ وہ غائبہ  
اس بڑھی مزین کی پٹریاں ڈباتے ڈباتے نیند کی آغوش میں  
سو گئی تھی۔

ٹائیگر نے دیکھا کہ تجھ لڑکی کے چند قدم کے فاصلے پر  
ٹک گیا ہے۔

اس کی شستنی جھاگ سے بھری ہوئی تھی اور آنکھوں میں  
آبی سرخی تھی کہ ان پر سرخ جھبوں کا گمان ہوتا تھا، ٹائیگر جھبوں  
تھا، وہیں لڑکی تجھ کی حرکات و سکنات کا جائزہ لیتا رہا۔ تجھ  
اب آہستہ آہستہ لڑکی کی طرف بڑھ رہا تھا، اس کے دونوں ہاتھ  
پھیل گئے۔ باتوں سے چہرے ہوئے عورت سے اور غناک ہاتھ  
لڑکی تک پہنچے اور پھر آنکھوں نے اسے دھج لیا۔  
ایک جھٹکے سے لڑکی، غرض سے بلند ہو گئی۔  
اس جھٹکے نے اس کی نیند اچانک کر دی۔

ایک ساعت کے لیے تو غائبہ وہ بھی کی نہیں کہ اس کے  
ساتھ کی مارا ڈھکیا گیا ہے۔ پھر اس کا شعور نیند کے جنگل سے  
آزاد ہو گیا۔ شعور پیدا ہونے ہی لڑکی کا سین و جمل چھوڑا۔ رنگت  
ہی نہیں مدد غالی میں بدلنے لگا۔ خوف و دہشت کی زیادتی سے ٹائیگر  
نے چہرہ کو کمرے سے دیکھا تھا لیکن اس انداز میں کوئی حسین چہرہ  
منہ نہ رہے۔ وہ چپل پر بار کھڑا رہا تھا۔  
لڑکی کا منہ کھل گیا۔

غائبہ وہ بے جا رہی چھوٹا جاتی تھی لیکن خوف کی زیادتی نے  
کوئی آواز نہ نکلتی دی۔ تجھ اسے دونوں ہاتھوں میں دلوے چند  
ساتھوں تک اس کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر اس نے لڑکی کو پوری قوت  
سے کھڑکی کی طرف اچھال دیا۔

لڑکی کا جسم ہوا میں کسی ایسے جسم پر نہرے کی طرح اڑتا ہوا  
کھڑکی کی طرف آیا جس کے پر ٹوٹ گئے ہوں۔ ٹائیگر نے دونوں ہاتھ  
اٹھا دیے۔

جیسے لڑکی کھڑکی سے نکل کر اس کی طرف میں پہنچی، اس  
نے اسے دونوں ہاتھوں میں قلم لیا۔ وہ بے ہوش ہو گئی تھی اور

ٹائیگر نے دیکھا کہ وہ جس باب کے سہارے پر چڑھ رہا ہے  
اس کے قریب درویش کھڑکیاں تھیں اور وہ ان خلی کھڑکیوں کو  
بے چھوڑا تھا۔ اگر تجھ جانتا تو اس نے کسی بھی ایک کھڑکی سے  
کمرے میں کود سکتا تھا۔ اس نے ایسا نہیں کیا تھا۔ اس سے صرف یہی  
ایک بات سامنے آتی تھی کہ تجھ سے آدھ بڑھے۔ اسے اس کی  
منزل مقصود، بالائی منزل کی کوئی کھڑکی ہی ہو سکتی ہے۔  
ٹائیگر نے باب کے بند حصے کی طرف دیکھا۔

وہاں اسے کوئی کھڑکی نہیں دیا۔ وہ کسی گاڑی کی  
تلاش میں ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ پھر اس کی نگاہ دیوار اس پرچہ  
کی طرف اٹھ گئی جو باب کے سہارے اوپر جا رہا تھا۔ باب بھی یہی  
مضبوط تھا، در نہ عام سا باب تو اتنے چہرہ پرچہ کا بوجھ بھی برداشت  
کر پاتا۔ قریبوں منزل کی ایک کھڑکی کھلی تھی۔

پرچہ اب اس کھلی کھڑکی کے قریب پہنچ چکا تھا۔  
شہزادہ ٹائیگر نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر اس کے پتھوں پر  
بڑی ہی سفاک سواکت رقص کرنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں خوشحالی  
کی چمک پیدا ہو گئی تھی۔ اس کا جسم آہستہ آہستہ اڑتا رہا تھا۔ پھر  
اس نے اڑیں اٹھائیں اس کا بوجھ اب اپنے پتھوں پر تھا۔  
پرچہ قریبوں منزل کی کھڑکی کے قریب ٹک گیا۔ پھر اس  
نے باب سے ایک ہاتھ پٹایا۔ یہ ہاتھ کھڑکی کی ریل پر پہنچ گیا  
اور اس کے ساتھ ہی ٹائیگر میں حرکت میں آگیا۔

اس کا چہرہ اپنے پتھوں پر جم کر رہا تھا۔ اگر کوئی اس کی طرف  
متوجہ ہوتا تو اسے ایک سایہ ہی حرکت کرتا نظر آتا۔ ایک ایسا سایہ  
جس پر نگاہ جھاننا مشکل تھی۔ وہ بے پناہ تیزی سے دوڑ رہا تھا اسے  
خود ہی اپنے پاؤں زمین سے نچتے محسوس نہیں ہو رہے تھے۔ باب  
سے کچھ دور وہ ایک لمحے کے لیے ٹھکا۔ پھر اس نے جھانک  
لگا دی۔

اس کے پاؤں اسی انداز میں متحرک رہے، جیسے وہ  
زمین پر دوڑ رہا تھا۔ لیکن اب اس کا جسم سیدھا نہیں تھا۔ اس  
کے جسم نے عمارت کی عقیقی دیوار کے ساتھ توڑے درجے کے  
ناویسے پر توازن برقرار رکھی تھا، اس حالت میں وہ تیرھویں  
منزل تک پہنچا۔

باب سے کھڑکی کی ریل پر کودتے وقت وہ دم دم کا کوئی  
پٹائی معلوم ہوا تھا۔

ریل پر پہنچتے ہی وہ جھٹک گیا اور پھر اس کا سر آہستہ آہستہ  
بلند ہوتا۔

پولیس کو فون کر دیا اور جب وہ واپس آئی تو رینڈی کی حالت  
دیکھ کر اس کا دل بٹھنے لگا۔

لگے ہی لمحے وہ بے ہوش ہو کر ڈالیں فلور پر گر گئی۔  
رینڈی ویشروں اور اسراف کے دیگر آدمیوں کی گرفت  
میں پلے نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اب بھی ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔  
اس کے حلق سے جھپٹے آہل رہے تھے اور اس کی آنکھیں آہستہ  
بوسا رہی تھیں۔

۲۲

ٹائیگر نے کھڑکی پر نگاہ ڈالی اور اس کے ساتھ ہی اس کے  
ہاتھ پر لیکن کچھ سنو سنو آہٹیں... پھر اس نے سامنے والی  
عمارت کی طرف دیکھا۔ ایک ایسا اسپتال تھا جہاں پتھوں کا  
علاج کیا جاتا تھا۔

اسے اس اسپتال کے سامنے کھڑے نصف گھنٹہ گزر گیا تھا  
اور اب تک کوئی ایسی بات سامنے نہیں آئی تھی جس پر وہ توجہ دیتا۔  
"سوٹ مارٹ" اس نے زبردست جیہ پر ہم کو کوسنا شروع کر دیا۔  
"تم مجھ سے پس لے کر آئے سیدھے کام لیتے رہا کرو۔"  
وقت گزرتا گیا، اور اس کا تھوڑا خراب ہوتا گیا۔

بار بار اس کی نگاہ اسپتال کی عمارت کی طرف اٹھ جاتی تھی۔  
عمارت تدریج کے حصہ میں تھی لیکن بعض کھڑکیاں اب بھی روشن  
تھیں۔ انتظار کرنے کے باوجود اسے اس قدر تنگ آ گیا کہ اس نے جہل  
سے ہٹ جانے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن اگلی ہی ساعت اسے چونک جانا  
پڑا۔ اس کی نگاہ ایک روشن کھڑکی پر جم گئی۔

اس کھڑکی میں اسے ایک نرس معمولی سا رو دکھائی دے رہا تھا۔  
جھروکے کی لنگ لنگ جیسے کوئی دیو پتھر پر کھڑکی کے سامنے نظر آیا  
ہو... اس کی آنکھیں سرگوشی اور وہ مزید توجہ سے دیکھنے لگا۔ تب  
وہ جہر اسے نظر آ گئی۔

وہ واقعی کوئی دیکھ رہی تھا۔  
یہ دیکھ باب کے سہارے تیزی سے اوپر چڑھ رہا تھا۔

ٹائیگر کو جیت تھی کہ یہ دیکھ اچانک ہی کہاں سے ٹپک پڑا  
اس کی معلومات کے مطابق اس اسپتال کے قریب کوئی جنگل  
نہیں تھا اور پھر کسی طرف میں میں ریل سے کم فاصلے پر نہیں  
تھا۔ اگر وہاں سے کوئی دیکھ جاگ نکلے تو اس کا بوجھ ہوا تو وہاں  
تک بڑھ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ رستے میں پولیس اور لوگوں کا ہجوم  
کسی طرف بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

دیکھ اس وقت جیسی منزل کی کھڑکی کے قریب تھا



سے اٹھے جوئے شہزادہ پر پڑی اس کا ٹکڑا کھل گیا۔  
ایک ٹکڑا نکل اس کے حلق سے نکل گئی۔

ٹائیسگر کانپ گیا۔ دھبکائی تیج آئے کسی تیز رفتار خون کی  
فرج اپنے دل میں ہوسست ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ اس نے لیٹ کر  
بستر کی طرف نہیں دیکھا کیونکہ وہ سمجھ چکا تھا کہ وہ بھی مرے بیوی کی آگ  
پکلی لے چکا ہے۔

دیکھ کے دونوں بازو شل ہوتے جا رہے تھے۔

اس کا دماغ خوفناک انداز میں کھلا ہوا تھا اور وہ بار بار اپنی  
عقوتیں پر چا کر ٹائیسگر کا زخموں پر اپنے دانتوں میں دبائے کہ کوشش کر  
رہا تھا۔ اچانک ٹائیسگر اسے سمجھ کر ایک طرف ہٹ گیا۔

وہ سمجھنے پر ہچکچا کر نکلا۔

ٹائیسگر اس کے سامنے سے ہٹ گیا اور بیٹھے بیٹھے اس کا ہاتھ  
ہاتھ لہر لہا گیا۔ دیکھ کے حلق سے ایک خوفناک آواز نکل اور اس کا ایک  
بازو جسم کے ساتھ کسی ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح ٹک گیا۔ ٹرس دیوار کے  
قرب کھڑی کھڑی اچانک ہی بیٹھتی چلی گئی۔

ٹائیسگر نے ہٹ کر دوسرا ہاتھ دیکھ کر گردن پر مارا جو چند  
لمحوں تک کھڑا چھوڑا رہا۔ اس کے حلق سے ہلکی ہلکی غرا جین نکلتی تھیں۔  
بہرہ ایک ڈھکی طرح فرش پر پڑا نظر آنے لگا۔

شہزادہ دیر اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے کھڑکی کے  
قریب پہنچ کر نیچے دیکھا کہ دروازوں کے نیچے سے ایک وزنی ٹرک نکل  
ہوا اور اسپتال کی طرف آتا دکھائی دیا۔ اس ٹرک سے جین آ رہی تھیں۔  
وہ اس بائیں کے قریب کھڑے ہو کر بائیں کرنے لگے۔ غالباً وہ اوپر جا کر  
دیکھنے کے لیے نکل رہے تھے۔ ٹائیسگر نے لیٹ کر دیکھ کر دونوں  
ہاتھوں کی گرفت ڈالی اور اسے اٹھا لیا۔

وہ اسے کھڑکی کے قریب لایا اور پھر اس نے دیکھ کر کوئی  
جھپک دیا۔

تینوں آدمی اس طرف سے غافل اپنی بحث میں مصروف تھے۔  
اچانک فغان کی کھٹی کھٹی جھڑپوں سے گرج اٹھی۔ اسپتال میں  
کہرام برپا ہوا۔ فغانی نے پولیس کو بھی فون کر دیا تھا پولیس کاروں  
کے سائرن سنائی دے رہے تھے۔ ٹائیسگر نے کھڑکی کے قریب پڑی عصم  
لا کی طرف دیکھا اور پھر کھڑکی سے نیچے کود گیا۔ اگلے ہی لمحے وہ یوں  
چلا جا رہا تھا جیسے تیرہویں منزل سے کودا ہو بلکہ پانچ سے آترک  
سرک پر خانان خانان میں جا رہا ہو۔

اس کے دل و دماغ پر وہ بھی مرے بیوی کی موت کا چاٹا اثر تھا

★★

رینڈی کو جس اسپتال میں پہنچا گیا تھا وہ ایسٹ سائڈ  
میں واقع تھا۔

ڈاکٹر اسٹون نے اس کا باؤ خوب تنقید کیا اور گہری نظروں  
سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ رینڈی بستر پر دراز تھا اور اس کے  
دونوں بازوؤں کو گرفت میں رکھنے کے لیے مجبوراً ہتھکڑیاں ڈالنا  
پڑی تھیں۔

ڈاکٹر اسٹون نے اسے مسکرا کر کہا: اب کیسی ہے  
طبیعت؟

اب رینڈی کی حالت پہلے سے کافی بہتر تھی۔ اس نے غموں  
نظروں سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا جیسے چور ہو کر میرا ہوا۔ ڈاکٹر  
کسی قسم کا فکر نہ کی حدوت نہیں۔ ڈاکٹر نے اسے تسلی  
دیتے ہوئے کہا: سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا۔

اس نے اپنے میڈیکل بیگ میں سے ایک سرخ لنگائی اور اس  
کے ساتھ ہی سرخ رنگ کے کپڑے سے بھری چوٹی ایک دائل  
بھی نکال لی۔ ڈاکٹر نے پڑی تیزی سے یہ سرخ خیال سرخ میں پھیرا  
اور پھر رینڈی کی بائیں گھٹائی کے مخالف سمت میں ایک سن تلاش  
کر کے وہ دوا دیا اور انجیکشن کر دی۔

سرخ سے ہونے والی تکلیف پر رینڈی کے حلق سے دھیمی سی  
کراہ نکلی تھی۔ ڈاکٹر نے انجیکشن لگا دیا۔ رینڈی نے دیکھا کہ سرخ لنگائی  
جیسے ایک بار استعمال کرنے کے بعد جھپک دیتا ہے۔ لیکن  
ڈاکٹر نے اسے جھپکنے کے بجائے دایں پسے بیگ میں رکھ لیا تھا۔  
ڈاکٹر اپنا اسٹون کے ہونٹوں پر پڑی۔ سنسور کی سکرابٹ  
تھی۔

رینڈی ڈیزر وہ بولی تم میرے مریض ہو اس لیے تمہیں  
فرمان نہیں ہونا چاہیے۔ جیسے جیسے اس نے اپنا میڈیکل بیگ  
بندر لایا اور ڈالنے کے لیے رینڈی کی نگاہیں اس کا قلاب کر دی  
تھیں۔

دروازے کے قریب پہنچ کر وہ ڈک گئی اور لیٹ کر بولی۔  
"خدا حافظ رینڈی... اور میں تمہیں واقعی خدا حافظ کہہ رہی ہوں۔  
ڈاکٹر اسٹون کے ہونٹوں پر اس بار جو مسکراہٹ آجھری تھی  
اس نے رینڈی کے دل میں بے جہیزیاں بھروسہ۔ وہ نہ جانے کیوں  
دہشت زدہ ہو گیا۔ اچانک ڈاکٹر اسٹون نے اپنے سرخ بالوں کو عقب  
میں چھلکا دیا۔ اس کی ٹھوڑی بلند ہو گئی اور پھر اس کے حلق سے ایک  
قہقہہ اُبل پڑا۔ وہ دروازہ کھول کر نشست چوٹی پر چلی گئی۔  
ہال میں پہنچ کر ڈاکٹر اسٹون نے اپنے دایں جانب دیکھا اور

چونک پڑی۔  
نرس کی فیک کے سامنے اس کی طرف ہٹ کر کے دوا دی  
کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک تو یہی تھا جس سے وہ ہاتھ غافل  
سربراہ کے ہال لگا ہیں چار پوتی تھیں تو اس کے جہیزیاں سنسی کی ہر  
سی دور تھی تھی اور دروازہ دروازہ والا کھڑا تھا جس نے جیسے  
رنگ کا پونچھن لکھا تھا۔

ان دونوں نے اسے نہیں دیکھا تھا کیونکہ وہ نرس کی طرف  
مترجہ تھے۔

ڈاکٹر اسٹون تیزی سے چلتی چوٹی دروازے سے نکل گئی۔ ہال سے  
نکل کر وہ میڈیکل آرتھروٹوئی اسٹون پر پہنچی۔ یہاں ایک بینک  
فیلڈن بوٹھ موجود تھا۔ اس نے مشین میں کسے کرائے اور ایک نمبر  
ڈائل کرنے لگی۔

سلسلے ہی اس نے پھل پھول سی سانسوں کے درمیان  
کہا: جین ڈاکٹر اسٹون ہل رہی ہوں۔ وہ پانچ منٹ کے اندر  
اس جہان فانی سے کوئی کر جائے گا۔  
دوسری طرف سے کوئی تھوہ نہیں کیا گیا۔  
ایمان نے سلسلے قطع کر دیا۔

★★

نرس جس دروازے میں تھی وہاں رینڈی سے زیادہ اہمیت  
کی حامل شخصیت پہنچ گئی تھیں۔ اس لیے وہ ضرورت سے زیادہ  
ہی پر حوش اور دھچکاؤ پر تھیں۔ لیکن اس وقت جو لوگوں  
اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ جو کڑی ہی پھول گئی تھی۔

ٹائیسگر کی آنکھوں میں بے پناہ مقناطیسی کشش تھی اور اس کے  
ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اسے وہ عموماً محسوس قسم کی عورتوں کو کھان  
کھانے کے لیے استعمال کیا کرتا تھا۔ نرس ایک ناچنے والی کی عامی نظر  
تھی اس لیے یہ مسکراہٹ اس کے لیے قاتل ثابت ہو رہی تھی۔ وہ ان کو  
سنہالنا اس کے پس سے باہر ہو گیا تھا۔ وہ سب کچھ بھول کر شہزادہ  
کی آنکھوں میں کھوئی جا رہی تھی۔

"رینڈی کس کمرے میں ہے؟ ٹائیسگر نے پوچھا تو اس کی آواز  
میں شہد ہی مسکراہٹ تھی۔

"دوسرا... وہ بے اختیار بولی۔  
"مشکرہ... میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔  
"لگ... کیا آپ دایں آئیں گے؟ وہ مسکرائی۔  
"یقیناً... ٹائیسگر نے جواب دیا اور اوشان کو اشارہ کرتا  
ہوا کہ وہ دوسرا بارہ کی طرف بڑھ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ جو ان نرس ہیں  
ہو چکی ہیں۔ اگر وہ اپنا یہ مخصوص حربہ استعمال نہ کرتا تو شاید اسے قیامت

تک اندر جانے کی اجازت نہ ملتی کیونکہ ڈاکٹر نے سختی سے ہدایت کر دی  
تھی کہ کوئی بھی رینڈی کے آرام میں خلل نہ ہو۔

پچھلے آئے کے بعد اوشان کی بڑ بڑاہٹ نے شہزادہ کو چھلکا دیا۔  
"کیا بات ہے؟" ایش فادر کیوں گڑھ رہے ہو؟  
"یہ دریاں صرف تمہیں ہی کیوں پسند کرتی ہیں؟  
"ہائیں... ٹائیسگر کی آنکھیں پھیل گئیں۔ بڑے میاں کیہیں  
جنت کی عورتوں سے محروم ہونے کا ارادہ ہے۔ جوانی میں آپ کیا کرتے  
رہے۔ فادر؟

"میں اب بھی جوان ہوں۔ فادر؟ اوشان فزلا۔  
"اسی لیے نرسوں کی حقیقت کسی آنکھوں سے آپ کی طرف  
دیکھ رہی تھی۔

جواباً اوشان بڑبڑاتا رہا اور وہ کہہ کر دوسرا بارہ کے سامنے بیٹھا  
گئے۔ جب وہ کمرے میں داخل ہوئے تو آنکھوں نے دیکھا کہ رینڈی نے  
اوپر سے کچھ کچھ کھا کر کھا رہا ہے۔ پتہ نہیں میں دبا رکھا ہے اور دانتوں سے  
اسے کاٹنے کی کوشش میں مصروف ہے۔

ٹائیسگر نے بستر کے قریب پہنچ کر اس کے ہاتھ سے چادر کا  
وہ کونا جھین لیا اور اسے اس کے منہ سے نکالتے ہوئے مسکرا کر بولہ  
"ہیلو... آپ ہیں نہیں جانتے۔ لیکن ہم آپ کے فادر کا کام  
کرتے ہیں۔ آج رات کیا ہوا تھا؟

"چادر... چادر... رینڈی بڑبڑایا۔ "اف... مجھے کتنی  
چادر یہ ڈال دی گئی ہیں۔ کتنے کپڑے ہیں... وہ اپنے حواسوں میں  
دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس کی آنکھوں سے دباؤ لگی جھک رہی تھی اور  
وہ اطمینان مسلسل دایں بائیں حرکت دے رہا تھا۔ اس کی حالت بے حد  
قابلِ رحم تھی۔

ٹائیسگر نے چمک کر اوشان کی طرف دیکھا۔  
"بیل فادر... تمہیں معلوم ہے کہ میں کتنے کا شاگرد نہیں رہا ہوں؟  
پہنچنے کی کب رہا ہے؟  
اوشان کی آنکھوں میں بے پناہ چمک تھی۔

وہ رینڈی کو گھوم رہا تھا۔  
اچانک وہ قہقہے سے آگے بڑھا۔ اس نے رینڈی کی آنکھیں  
ان میں جھپک دیاں پڑی تھیں۔ یہ آہنی کوئی دیکھ کر شہزادہ بھی چمکے  
بفرشہ رکھا۔ اوشان نے دونوں انگلیوں میں آہنی کوئی دیا ہوا  
چھینا کر ٹوڑی۔ دوا کے ہاتھ ڈال کر فریے۔  
ہاتھ آزاد ہوئے ہی رینڈی اسپتال کا ڈون آنا نے کے لیے  
کوشش کرنے لگا۔ اس کی انگلیوں میں جیسے کھمیاں سی پھٹتی تھیں۔

ہو گیا۔ اس نے بہت سے گروہوں کو اس کا جائزہ لیا... پھر اس کی کلائی  
تھام لی اور ریشہ دیکھنے لگا۔ اچانک اسے ایک سمور کر دیے والی خوشبو  
محسوس ہوئی۔

یہ خوشبو وہ پہلے بھی کسی جگہ سونگھ چکا تھا اور اس کی یاد میں  
کے ذہن میں محفوظ تھی۔ اس نے خوشبو کا خیال اپنے ذہن سے نکال دیا۔  
وہ اب رینڈی کی دھڑکنیں محسوس کر رہا تھا۔

اوشان اس وقت رینڈی کے دائیں ٹخنے میں ایک بڑی  
شریان پر کام کر رہا تھا۔ ٹائیگر نے محسوس کیا کہ اس وقت رینڈی  
برسرِ دل سیکڑا ہوا ایک سانس لیتا ہے۔

کام ختم کر کے اوشان نے نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔  
ٹائیگر نے رینڈی کے سینے سے ہاتھ ہٹایا۔

"کیا یہ زندہ رہے گا؟" اوشان نے اس نے پوچھا۔

"اس کا انحصار اس کی زندگی پر ہے۔"

"میں پوچھتا ہوں کیا یہ زندہ رہے گا؟"

"یقین سے کہہ نہیں سکتا۔ اوشان بڑبڑایا۔ وہ نیم وا  
آنکھوں سے رینڈی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے جسمانی نظام میں

زہر کی ایک حد تک اثر انداز ہو چکا ہے۔ اب سراسر انحصار اس بات پر  
ہے کہ یہ شخص ذاتی طور پر تک زندہ رہنا چاہتا ہے۔"

"یہ کس قدر کا زہر ہے؟" اوشان نے پوچھا۔

اوشان نے کڑواہٹ سے جواب دیا۔ "یہ ایک ایسی بات  
ہے جو مجھے کسی طرح بھی معلوم نہیں ہو سکتی۔ میں صرف اتنا جانتا

ہوں کہ اس پر جو زہر مارا گیا ہے وہ جسم کے بجائے دماغ پر اثر انداز  
ہوتا ہے۔ اس سے دماغ میں تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ یہ اپنے کو

سے باقاعدہ جنگ لڑ رہا تھا اس کا کہنا تھا کہ تو اسے حوصلہ دے رہی  
جاری ہے اور کسی بھاری کبل کی طرح اس کا دماغ گھومتا رہی ہے۔"

"ایسا اس کے بڑے بھائی کے ساتھ بھی ہو چکا ہے۔ ٹائیگر  
بڑبڑایا۔ وہ جا پائوں کو دیکھ کر اتنا خوفزدہ ہو گیا کہ اس نے بہترین

منزل سے ہٹ کر پھلنگان لگا کر غوکشی کر لی۔

اوشان پلٹیں چھپکے ڈیفنڈیشن کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہم دماغ پر اثر انداز ہونے والے زہر کی بات چیت کر رہے  
ہے۔ تم نے اس کے بھائی کا تذکرہ کہاں سے نکال لیا؟"

"اس کا بھائی جا پائوں کو برداشت نہیں کر سکا تھا... اور یہ  
فصلیں پھول کو برداشت نہیں کر سکتا۔"

"میرا؟" اسے جا پائوں کو برداشت کرنے کے سلسلے میں ہم کسی  
زہر کو الزام نہیں دے سکتے۔ اس کا تعلق جمالیات سے ہے۔"

ٹائیگر نے اس کے تارے سے ہاتھ ہٹا کر اس کی طرف متوجہ

ہو گیا۔ اس نے بہت سے گروہوں کو اس کا جائزہ لیا... پھر اس کی کلائی

تھام لی اور ریشہ دیکھنے لگا۔ اچانک اسے ایک سمور کر دیے والی خوشبو

محسوس ہوئی۔

"زندہ رہو... اس نے روحانیت کے تاثر سے بھرپور  
میں کہا تھا۔"

ٹائیگر سر سے پاؤں تک درگیا۔

وہ خود کو اپنے استاد کے مقابلے میں بے حد حقیر محسوس کرنے

کا تھا۔ اوشان اس کی بغل میں انگلیاں ڈالنے کا رتی رتی ہوشیار  
میں سسل بی دو الفاظ کو ہرانا جا رہا تھا۔ زندہ رہو..."

ٹائیگر فوراً اس کی ایک ایک حرکت دیکھ رہا تھا۔

اوشان رینڈی کے جسم کی بڑی بڑی خون کی نسلوں کو بند

کرنا جا رہا تھا۔ اچانک شہزاد کو یاد آیا کہ ایک بار اس کے جسم سے زہر

لگنے کے لیے اوشان نے یہ عمل خود اس پر بھی کیا تھا۔ تب اس

کے پوچھنے پر اوشان نے وضاحت کی تھی کہ زہر جسم پر اثر کرنے سے

روکنے کے لیے یہ حرکتیں مددگار ہیں۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ

بندہ اوشان کی باتوں کو نظر انداز نہیں کرے گا اور اس کی ہمیشہ

یہی کوشش ہوگی کہ روحانیت کے سلسلے میں بھی سبق لیتا رہے۔

اوشان نے سر سے ٹخنوں تک یہ عمل نہایت مطلق انداز

میں کیا۔ ٹائیگر جانتا تھا کہ اگر اس معاملے میں معمولی سی بھی غلطی ہوگی

تو رینڈی کی موت، بلکہ جینے میں واقع ہوجانے گی۔ اس نے

غیر سوچے سمجھے کہہ دیا۔ "ذرا احتیاط سے اوشان..."

اوشان نے گہری نگاہ سے اس کی طرف دیکھا اور پھر رینڈی

کی آئیں ران کے گوشے پر انگلیاں بھجھ کر دیاں۔

"فکر کرو زہر زندہ وہ گہری متانت سے بولا۔ میں ہمیشہ اسی

ام میں ہاتھ ڈالتا ہوں جس میں مجھے شک و شبہ نہیں ہوتا۔ اگر تمہیں

نوایت سے فرصت ملے تو ایسی کامیابی کا تجربہ ضرور سیکھ سکتے

ہا۔ کارہائوں کو سچائی بھی آتی چاہیے کیونکہ تہذیب کی علامت نہیں

لکھ سکتی کہ شکار ہو۔"

"بھلا نادر... وہ بھڑائی ہوئی آواز میں بولا۔ ایک نیم زندہ

نفس کی سرچو میں میری کمزوریوں کی نشاندہی نہ کرو۔ جسے تم کو

برمحول کر کے جو اس کا قلعہ جالیات سے ہے۔ اس سلسلے میں کچھ

سیکھنا چاہو تو میری خدمات حاضر ہیں۔ جمالیات کا پہلا سبق یہ ہے کہ

ایک ایسی عورت جس کے چہرے پر آن گنت چھوٹے چھوٹے تارے

نہیں ہوتے، اس کی مثال اس رات میں ہی ہوتی ہے، جب شام

نہیں ملے۔"

"یاد رکھو۔ اوشان غرا بیکسی۔ وہ ایسا ہاتھ ماروں کا کر سکتے

لے اسے تارے سے بھاری کھڑکی میں آگے نہیں لے۔"

ٹائیگر نے اسے ہاتھ ہٹا کر اس کی طرف متوجہ

رینڈی ایک بار پھر ہاتھ لہرا کر کہنے لگا۔  
"دروازہ فوراً بند کرو اور اندر سے کنڈی لگا دو۔ اپنا  
نہیں دینا۔"

لیکن بھل فادر ہم کیا کر سکیں گے؟

"دیکھا جائے گا۔ یہ یوں بھی تو رہی رہا ہے، نا؟ یہ کہتے ہیں

اس نے رینڈی کی گروں میں گھول کر اور پھر زہر کے قریب ایک جگہ

اس کی انگلی رکھتی تھی۔ اس کا دوسرا ہاتھ رینڈی کے پیٹ پر گردش

کرنے لگا۔ ناف سے کچھ ہٹ کر اس نے ایک جگہ دوسرے ہاتھ

کی انگلی رکھ دی۔ اس نے رفتہ رفتہ دونوں انگلیوں کو یوں حرکت

دی جیسے وہاں مالش کر رہا ہو۔

رینڈی کسی ذراچ کے ہونے کی طرح چیخ رہا تھا۔

باہر لوگ جمع ہونے لگے۔ اسپتال کا عمل بھی پہنچ گیا۔ لیکن

شہزاد نے کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی۔ اوشان انگلیوں

پر ہاتھ ڈال رہا تھا۔ کچھ دیر بعد رینڈی کے تڑپنے اور ہتھکنے میں کمی

آنے لگی اور وہ پرسکون ہوتا دکھائی دینے لگا۔ اس کی آنکھیں زہر

رفتہ رفتہ جلی جا رہی تھیں۔

چند سیکڑوں میں اس کی پلکیں بند ہو گئیں اور وہ بے مددہ ہو گیا۔

"اس کے جسم میں زہر موجود ہے۔" اوشان نے ٹائیگر کی

طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ زہر اس کے دماغ پر اثر انداز ہو رہا

تھا۔ اس حالت میں یہ زہر تو بڑی بڑی طرح ہاتھ پاؤں مارنے کے

بیچے ہوئے ہو گیا اور یہی سمجھ رہی اس کے لیے مہلک ثابت ہو رہی

تھی۔ میں نے اسے یہ ہوش کر دیا ہے جس کی وجہ سے اس کے ہاتھ

پاؤں کی حرکت رک گئی اور زہر کا دماغ کی طرف بھاؤ کم ہو گیا۔

"کیا ہم اس کے لیے کچھ اور بھی کر سکتے ہیں؟"

اوشان بہتر کے گروہوں کو دوسری طرف جاکھڑا ہوا۔ اگر

دماغ کی طرف زہر کا بھاؤ بالکل ختم ہو جائے تو اسے جسم سے خارج

کرنا زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوگا۔ یہ کہتے ہوئے اس نے زہرے

کے دائیں حصے پر ہاتھ ڈالا اور شروع کر دیا۔

رینڈی اب گہری نیند میں ڈوب چکا تھا۔

اس کے چہرے کی رنگت بے پناہ شرح تھی۔

اوشان کی انگلی کے دبائے اور مخصوص انداز میں مالش کی وجہ

سے اس کے چہرے کی سرخی رفتہ رفتہ کم ہونے لگی۔ اوشان نے

پورے دس سیکڑوں تک یہ مخصوص عمل جاری رکھا پھر اس نے رینڈی

کی بائیں بھل میں اپنی انگلیاں گھسیڑیں۔

اچانک اوشان کے منہ سے ایک عجیب سی آواز نکلی۔

یوں لگتا تھا جیسے وہ اس لباس کے ٹکڑے ٹکڑے کو بے گناہ  
ٹائیگر کی آنکھیں جرت سے پھیل گئیں۔ اس نے انہیں سے پہلے رینڈی  
کی طرف دیکھا پھر اوشان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اوشان کی آنکھوں میں چمک بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

ان کے دیکھتے ہی دیکھتے رینڈی نے اپنا کاٹن بھڑا ڈالا اور

اس کے ٹکڑے فرش پر اچھال دیے۔ اب وہ بستر پر کسی کال آکر سے

ہوئے جو بے کی طرح پڑا تھا۔ اس کی نگاہیں اطراف میں بکھری

تھیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ فزار کا کوئی راستہ تلاش کر رہا ہو

"بھاری... وہ بڑبڑایا۔ بہت بھاری..."

"تمہیں غور نہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اوشان نے آگے بڑھ

کر اسے قتل دی۔ اب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔"

"بھاری... بہت بھاری... فضا بوجھل ہو رہی ہے..."

شہزاد پرباؤ ڈال رہی ہے۔ مجھے میں ڈالنا چاہتی ہے۔ رینڈی کی

آواز بلند ہونے لگی جیسے اس پر درد بڑھ رہا ہو۔ وہ دونوں ہاتھ فضا

میں بند کرنے چاہتے تھے۔

"اسے کیا ہو گیا ہے؟ اوشان نے ٹائیگر کی آنکھوں سے پوچھا۔

ایک بے بسی کا احساس ہونے لگا تھا۔ رینڈی کی حالت دیکھ کر

اس کے دل میں نرم گوشہ پیدا ہو گیا اور وہ اس سے بے پناہ ہمدردی

محسوس کرنے لگا۔

"اس پر کوئی شیطانی دوا آزمائی گئی ہے۔ اوشان نے کہا۔ شیطانی

دوا۔ وہ ناک اٹھا کر ادھر ادھر سونگھنے لگا۔

لہات گورتے جا رہے تھے اور رینڈی کی حرکتوں اور چیخوں میں

تیزی آتی جا رہی تھی۔ شہزاد حیران تھا کہ کوئی شیطانی دوا استعمال

کرانی گئی ہے تو وہ اس سلسلے میں کیا کر سکیں گے۔ میں ڈاکٹر

کو بلاؤں گا۔ اس نے جلدی سے کہا۔

"بیکار رہے۔ اوشان بولا۔ میں دیکھ لوں گا۔ کوئی اندر

نہ آنے ہائے خیال رکھنا۔"

اوشان اب بھی گہری نظروں سے رینڈی کی طرف دیکھ رہا

تھا۔ وہ فضا میں یوں اچھلا رہا تھا جیسے بادلوں کو ادھر ادھر ہٹا کر

آسمان پر پہنچ چاہتا ہو۔ مگر اوشان نے اس کا بازو تھام لیا۔

اس نے رینڈی کی کنبی کے مخالف سمت دیکھا تو وہاں ایک

خفیف سا نشان دکھائی دیا۔ وہی سوراخ تھا جو انکڑا سٹون کے

ایجنڈے کی وجہ سے پیدا ہوا تھا۔ ٹائیگر بھی جھپک کر اس نشان کا جائزہ

لینے لگا۔

اوشان نے اس کا بازو چھوڑ دیا۔

"زندہ باد، مقررہ اہمال۔ زندہ باد"

"بتاؤ، زہرا اور حجابات میں فرق ہے یا نہیں؟"

"لہذا... ٹائیکر فوراً سلیڈ ہو گیا اور دوسرے والے انداز

میں بولا: "اب کوئی لیکچر نہیں پلین۔ آپ کو ان بچوں کی قسم چڑھائی

زہرے کی وجہ سے پیدا ہونے سے محروم رہ گئے۔"

اوشان کا دایاں ہاتھ آہستہ آہستہ بند ہونے لگا۔

ٹائیکر انکھیں سے اس کی طرف دیکھا اور دفاع کے

لیے پوری طرح تیار ہو گیا لیکن اوشان کا ہاتھ اپنی ٹہنی کھانے میں مشغول

ہو گیا تھا۔ وہ رینڈی کی جانب متوجہ ہو گیا۔

رینڈی اب بے حد پراسکون نظر آ رہا تھا۔

اس کے اعضا، ریشوں اور پتھوں میں جو کچھ تھا، اس

میں بڑی حد تک کمی گئی تھی اس لیے وہ اگر کسی جوتی لاش کی بجائے

ایسا آدمی لگ رہا تھا جو عمری اور پراسکون نیند میں ڈوبا ہوا ہو۔

"میں سمجھتا ہوں کہ یہ بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔ ٹائیکر نے

تبصرہ کیا۔

اوشان نے اس کی بات کو کوئی اجابت نہیں دی۔ وہ ایک

بار پھر ان مضمون کا جائزہ لے رہا تھا، جہاں جہاں اس نے کام کیا تھا۔

"مجھے ابھی بھی یقین نہیں آتا کہ اس کے بازو میں جو انجکشن

لگایا تھا اس کا تعلق اس حالت سے بھی ہو سکتا ہے۔"

"میں انگریزی دواؤں کے سلسلے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"میرا خیال ہے اس ڈاکٹر کے بارے میں پتہ چلا نا چاہیے جو

اس کے علاج پر کام کرتا تھا۔ ٹائیکر نے کہا اور دواؤں کے طرف بڑھ

گیا۔ غالباً وہ نرس اس سلسلے میں رہنما کی کشتی ہے، جو باہر موجود

ہے۔"

وہ کمرے سے نکلا تو باہر خاصا جھوم تھا۔

اس نے بتاؤ آواز میں بتایا کہ مریض کی حالت پہلے سے کافی

بہتر ہے اس لیے کسی کوشش میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ نرس کے

پاس بیٹھ کر اس نے اپنے مخصوص مریض کا بے دریغ استعمال کیا

اور پوچھا: "رینڈی کا علاج کون کر رہا ہے؟"

"سٹر رینڈی ایک دولت مند گھرانے کے مشہور چرخہ ہیں

اس لیے تقریباً سارے ہیڈ کوارٹر ان پر توجہ دیتے رہے ہیں۔ یہ کہہ کر

اُس نے پوری ایک فرسٹ بن کر کاغذ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

وہ اس کا شکریہ ادا کر کے واپس آ گیا۔

جب وہ مریض کے کمرے میں واپس آیا تو رینڈی اب بھی تو

رہا تھا اور اوشان کی سائیکس انکھیں اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔

کچھ دیر وہ کمرے میں بیٹھا رہا پھر بہرام کو اطلاع دینے کے لئے

سے اٹھ کھڑا ہوا۔ میں ذرا چیٹ کو بتاؤں کہ کیا صورت حال ہے

وہ ایک بار چکر کمرے سے نکل آیا۔

ٹیلی فون ٹوٹے میں پہنچ کر اس نے سلسلہ دیا اور بہرام کی آواز

سننے ہی خوش دلی سے بولا: "بس چیٹ! اب جلدی سے رچے خانا کھو

لو۔ اوشان دایاں کام کرنے میں زبردست مہارت رکھتا ہے۔"

"کیا بات ہے؟ دوسری طرف سے بہرام کی جڑی ہوئی آواز

سنائی دی کہ تم کہاں سے بول رہے ہو؟"

"میں اسپتال میں ہوں۔"

"جو کس کے ہونے والا ہے، تمہارے؟ بہرام غرا گیا۔

"نہیں... نہیں تو؟ ٹائیکر گڑبڑا گیا۔

"پھر اوشان کے سلسلے میں تم کی ایک رہے تھے؟"

"میں کہہ رہا تھا کہ پونا نو خاندان کا دوسرا چشمہ چلا اس وقت

اسپتال میں شمار رہا ہے۔ ٹائیکر نے جلدی سے بات بدل دی: "اس

کے دماغ میں کوئی فٹل پیدا ہو گیا تھا میرا خیال ہے بالکل ویسا

معاملہ ہے جس کے بارے میں اس وقت کوئی پتہ نہیں آتا تھا۔"

"ہوں... میں سمجھا گیا۔ اب اس کی طبیعت کسی ہے؟"

"فی الحال تو جاب میں ہے کچھ دیر ٹیلی باجا رہی اسے تھا

نہیں تھا۔"

"آپ جلد ہی عمل لائق ہے، کیا وہ صحت کا مریض ہے؟"

"نہیں سیرت ہارٹ۔"

"تو پھر تمہارے دماغ میں کیا خرابی پیدا ہو چکی ہے؟"

"اوہ، سوری! میرے دماغ میں نہیں بڑاؤں میں کچھ کمی

رہی تھی وہ مکر کر بولا: "بہرام! اوشان کا دوا ہے کہ رینڈی زندہ

رہے گا۔ میرا مشورہ ہے کہ اس کے لیے کسی محافظ کا بندوبست کرو

جائے کیا آپ اس کے خاندان کو اس حادثے کی اطلاع دے کر

محافظہ جینے کے لیے کہہ سکتے ہیں؟"

"میں خود کو محافظ سمجھتا ہوں۔"

"آپ ذرا معلومات حاصل کرنے میں لگے رہیں کہ کوئی

پونا نو خاندان کے پیچھے کون ہاتھ دھو کر رہا ہے۔ صدر شیشی سے میر

راہیہ قائم کر کے کچھ نہیں کہیں خاندانی منصوبہ بندی کا حکم تو اس

ڈسٹے دار نہیں۔"

"رینڈی کو کیا ہوا تھا؟ بہرام نے اس کی بکواس نظر انداز

ہوئے بہرام۔

"اسپتال ہی میں کسی ڈاکٹر نے اسے زہر ملا انجیکشن دے دے

تھا۔ اس انجیکشن سے اس کی موت واقع ہو جاتی لیکن قدرت نے

ایشان کے سینہ پتھوں سے اسے بچایا۔ پونا نو خاندان کے افراد میں

ی گروڑ کا امکان ہے۔ لیکن ہے، لوگ آپس میں ہر ایک دوسرے

بٹکانے لگے۔ کوشش میں مصروف ہوں۔ وہی ڈاکٹر اور وہی۔"

اپنا ایک اسے وہ مضمون خوشبو محسوس ہونے لگی تھی

نے پونا نو خاندان کے سربراہ کے کمرے میں سونگھا تھا۔ وہی خوشبو

نے نرینڈی کے کمرے میں بھی محسوس کی تھی... یہ خوشبو اپنا ایک ہی

کے لاشوں میں پھینے لگی۔

"کہاں کھوئے؟ بہرام فرمایا۔

"کچھ نہیں، چیٹ! اس ٹائیکس کا کیا حال ہے؟"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔"

"کیسے نہ کروں۔ وہ ٹائیکر کا ہاتھ ہے۔"

"تمہیں ہے، وہ اس معاملے میں تمہیں شکست فاش دینے

کا کام ہے۔ بہرام کامروڈیا کی خوش دہری ہو گیا۔

"مرگئے، شکست فاش دینے والے؟ ٹائیکر نے ٹھیک آئیز

ماز میں ہنس پڑا: "چیٹ! کیا اس کا رنگ بدل کر سفید نہیں ہو سکتا؟"

"وہ سیاہ نام ہے۔ کیوں؟"

"سیاہ چہروں میں ایک خرابی ہوتی ہے، ان پر ان گنت ٹھوس

فبرے کی نہیں پیدا ہوتے۔ ایسا انڈکریٹون: اس نے ٹھکانا

نے انداز میں کہا اور سلسلہ متعجب کر کے ہاتھ سے ہاتھ آ گیا۔

"ڈاکٹر ایٹا اسٹون سوری تھی۔"

بلاؤن اسٹون نامی صحت ایٹم اینڈ پروڈکٹس کی ایک عمارت

ایک شاندار خوب گاہ میں یہ طبیعتی حسن جو خوب تھا۔

اپنا ایک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

"دوسری ہی گھنٹی پر ڈاکٹر اسٹون کی نیند اباٹ ہو گئی۔ اس

نے کمرے کا کڑت بدلی اور پھر جوتا یا لیکن ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی تھی۔

نہیں کھنکھن کے ساتھ ہاتھ بڑھا کر ریسور اٹھا لیا۔

"اؤں... اس کے ملنے سے میری کار بگڑ گئی۔"

"دوسری جانب سے ایک فون آواز سنائی دی۔ یہ آواز

نئے ہی دہا چل پڑی اور سٹر پرسید می بیٹھ گئی۔ اب اس کی

گھون میں نیند تو رکرا داس کا شمار باقی نہیں رہا تھا۔

"زندہ ہے؟ وہ چونک کر بول۔ دوسری طرف سے بولنے

لے نے غالباً اسے کوئی خاص اطلاع دی تھی جس پر وہ بڑی

را چونک کر بولی تھی۔ یہ ناممکن ہے۔ میں نے اسے انجیکشن اپنے

تھ سے لگایا تھا۔"

"دوسری طرف سے آواز سننے کے لیے وہ غامض ہو گئی۔

"ہاں... میں نے انہیں وہاں دیکھا تھا لیکن وہ آتے ہیں۔"

اُس کا مہل اور مورای رہ گیا۔ غالباً دوسری طرف سے بولنے والے

نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔ وہ چند لمحوں تک ہونٹ چاتی

پڑی کشتی رہی پھر بولی: "میں نہیں جانتی۔ مجھے اس سلسلے میں

سوچنا پڑے گا۔ کیا وہ دونوں اس وقت بھی کلینک میں ہیں؟"

"دوسری طرف سے کوئی دیر تک بولتا رہا۔

"ڈاکٹر... کبھی سوج میں ڈوب گئی۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے ایک لمبی سانس لیتے ہوئے کہا۔

"میں کل بات کر دے گا۔ یہ کہہ کر اس نے ریسور دیکھا کہ اس کی

آنکھوں سے گہری نرسنگ جھلک رہی تھی اس کی کھنکھ نہیں آ

رہا تھا کہ وہ بڑھا اور پراسرار نرسنگ کی دیکھی۔ پونے میں کیسے

کامیاب ہو گئے۔

رینڈی کا زندہ رہنا ممکن نہیں تھا۔ اس نے جو انجیکشن دیا تھا،

اس کے بدکس انسان کا جی مانا سمجھ رہی کہا جا سکتا ہے... لیکن

فون پر پلٹ کر سننے والی ہستی نے کچھ کہا تھا اسے ہی غلط نہیں

سمجھا جا سکتا تھا۔ گویا وہ دونوں رینڈی کو بچانے میں کامیاب ہو

گئے تھے۔

"کچھ کرنا چاہیے۔ وہ خود کلائی کے انداز میں بولی: "ابھی

تو مجھے پونا نو خاندان کے کئی افراد کو قتل کر لے۔"

اُسے اطلاع ملی تھی اس میں شوش کا پہلو ہی تھا کہ

وہ دونوں پراسرار آدمی پونا نو خاندان کے دوسرے افراد کو بھی بٹانے

کی کوشش کر سکتے تھے۔ یہ ایک اُسے نوجوان یاد آ گیا۔ ٹائیکر کی انجیکشن

اس کی سکرابٹ اور اس کی جان حال اس کے ذہن میں تازہ

ہو گئی۔ وہ اندر ہی اندر کانپ گئی۔

دیر تک اس کا شیطانی ذہن سوچتا رہا... پھر اس نے

اثبات میں سر ہلایا جیسے کسی نے خیال کے تحت مطمئن ہو گئی

ہو۔ لگے ہی لگے وہ فون کا ریسور اٹھا کر ایک فبر ڈال کر رہی تھی۔

۱۱

۱۲ اس عمل میں طبع پرستوران اور شراب خانہ دیکھنے کے

بدغراض تک غمی تھی۔ لیکن فلائی سے ابھی تک ملاقات نہیں

ہوئی تھی ان مقامات پر گھومتے چرتے اسے رنگارنگ آدمیوں

سے ملنے اور بھرت کرنے کا موقع ملا تھا۔ لیکن خوش قسمتی سے اگر دن

کے علاوہ کوئی ناخوش گوار واقعہ نہیں ہوا۔



غزالے نے مزید ایک ایک جام کا آرڈر دے دیا۔  
”کیا وہ کسی بڑے کس پر کام کر رہا تھا؟“ اس نے ہنسنے سے پوچھا۔

”زاک... نہیں... اُسے زندگی میں کبھی بڑا کس نہیں ملا۔“ فلاسی نے جواب دیا وہ اب کھٹی جارہی تھی یہ وہ میرے پارٹنر میں جھپٹ کر ہی بڑا آدمی بننے کے خواب دیکھتا تھا۔ اس نے خطوط لکھے اور کاغذ رڈی کر کر کے میرے ہاں کافی غلاظت پھیلا دی۔ اب قہقہہ ہنساؤ۔ یہ بھی بھلا کوئی طریقہ ہے۔ محض خط لکھ کر بھی کبھی کوئی بڑا آدمی بن سکتا ہے؟“

مزید ہنسنے لگی۔ فلاسی مزید ہنسنے لگی۔  
”اس نے ان خطوط کا کیا کیا؟“ غزالے نے پوچھا۔  
فلاسی نے کندھے اچکا دیا۔

جب اُس نے نئے گلاس سے چند گھونٹ لے لیے تو غزالے نے سوال پوچھا۔

”کون کبہ سکتا ہے۔ اس نے خط لکھ کر ادراہیں ٹواک کے حوالے کر دیا گیا۔“

”کیا وہ خط صد رشیتائی کے نام تھا؟“

”ہاں... وہ خط صدہری کے نام لکھا گیا تھا اور اُسے میں نے ہی پوسٹ کیا تھا۔ اس روز مجھے ایک حادثہ بھی پیش آ گیا تھا لیکن میں بال بال بچ گئی۔“

غزالے نے ایک طویل سانس لی۔ یہ بات اُسے معلوم ہوگئی تھی۔ اب صرف ایک ہی بات باقی رہ گئی تھی کہ خود زاک کہاں ہے؟ دونوں اُسی بار میں بیٹھ رہیں۔ دیر بیٹھتی۔ میں حتیٰ کہ بائبل پڑھنے کا وقت ہو گیا۔ اس دوران میں غزالے فلاسی کو ہر طرح سے مٹھولیا کیں وہ یہ بتانے سے قاصر رہی کہ زاک کہاں غائب ہو گیا ہے۔ اُسے یقین ہو گیا کہ فلاسی اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔ فلاسی اس سے پہلے دروازے سے نکل گئی۔

اچانک ایک شخص نے غزالہ کا ہاتھ تھام لیا۔ غزالے نے اس کی طرف دیکھا اور پھر اپنا بیگ کھول کر اعشاء دیتیں آٹھ کارپورٹ پر نکال دیا۔

دوبارہ پر نگاہ پڑتے ہی اس شخص نے غزالہ کا ہاتھ چھو لیا۔ اس کا نشہ ہرن ہو گیا تھا اور اس کی آنکھوں میں ہنست

آسانی تھی۔

غزالہ اُسے سکے کی سی حالت میں چھوڑ کر باہر آئی تو فلاسی فٹ ہاتھ پر کھڑی تھی۔ میرا خیال ہے اب میں ایک دوسرے

کس پر غصہ قاتی کام کیا تھا؟  
جام آگے، دونوں نے گلاس اٹھائے۔

غزالے نے دیر سے ہنسا کہ وہ مزید ایک ایک جام لے آئے۔  
فلاسی ابھی تک غزالے اس کی طرف دیکھتے ہوئے غصہ ہی ملا رہی تھی۔ لگتا تھا وہ اپنے ذہن پر بہت زیادہ زور دے رہی تھیں۔ میں نے یقین پیلے بھی نہیں لکھا۔

”مٹھرو۔ میں یقین یاد دلاتی ہوں۔“ غزالے نے نرمی سے کہا۔ یہ باتیں یا چار ماہ پہلے کی بات ہے۔ ساتویں اسٹریٹ پر جہاں رہتا ہے، ہم دونوں وہاں ملے تھے۔ اس کے بعد میں زمین دوز بنے۔ اس کے ساتھ سفر کرتی رہی تھی کہ اسٹیشن پر وہ یہ کہہ کر مجھ سے جدا ہو گیا کہ تم سے ملنے ۲۲ ویں اسٹریٹ جا رہے۔ اتفاق سے ابھی اسی طرف جانا تھا۔ تم اس وقت میری جیبوں میں آکر غائب گئے تھے۔ یہ کچھ خیر دینے جلدی تھیں۔“

”نہیں... میں کبھی کھانا خرید کر گھر نہیں لے جاتی۔“  
”بہرحال چھوڑ دو۔ ہم کسی کی باتوں میں الجھ نہیں۔“ غزالے نے کہا۔  
سنناؤ زاک کا کیا حال ہے؟ مجھے تو وہ کئی دنوں سے نفرتیں آیا۔“

”میں اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔“  
”اوہ۔ وہ کیوں؟ کیا وہ تمہیں چھوڑ کر کسی اور کے پاس چلا گیا ہے؟“  
فلاسی کی آنکھوں میں عجیب سے تاثر پیدا ہو گئے۔ کچھ

وہ غڈ کر گئی۔ یہ جیسے پرانی یادیں گزری ہو۔ پھر اس نے ایک سرزد پھر کر گھبرا۔

”ہاں... وہ وہاں جا رہا ہے۔ ایک رات وہ میرے گھر پہنچا۔ ایسا گیا کہ آج تک وہاں نہیں آیا۔ اس کے جانے کے بعد تو کھانے پینے کے سب لالے پڑ گئے ہیں۔ وہ مجھے تنہا چھوڑ گیا۔“

مابے سہارا ہو گئی۔ اب میں دوبارہ اُسی گھنٹوں کے کاروبار کی طرف رجوع ہو رہی ہوں۔“

”اوہ۔ مجھے یہ سن کر فروس پڑا۔“ غزالے نے گہری سانس دے کر کہا۔  
”یہ کب کی بات ہے کہ وہ تمہارے ہاں سے گیا اور پھر کبھی واپس نہ آیا؟“

”میرے مزید دو جام آگئے اور فلاسی گلاس کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اس نے ایک گھونٹ لیا اور سرخ میں ڈوب گئی۔“

”معلوم نہیں... مجھے تو لگتا ہے جیسے سالوں بیت گئے ہوں۔“  
”دو ہفتے ہو گئے ہوں گے؟“ غزالے نے سوال کیا۔  
فلاسی نے خود کیا اور پھر بات میں سر ملا دیا۔ ہاں شاید

وہ اس کے قریب دو ہر معاش بیٹھے تھے۔ انہوں نے غزالہ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے سیٹی بجائی تھیں اس نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ فلاسی جس نیز پر براجمان تھی وہاں پہنچی اور ایک کڑی تحقیر کر رہی تھی۔ غزالے نے جھپٹ سے ہنسنے لگی۔  
فلاسی نے جھپٹ کر اس کی طرف دیکھا۔

غزالے کو ہنسنے پر بڑی ہی جھپٹ جبری مسکراہٹ میں گئی۔ یہ ایک ایسی مسکراہٹ تھی جس میں پھر سے پھر دل کو بھی جھٹکتے لگا۔ موجودہ قارہ اپنی زندگی میں پہلے ہی کئی ایسی لوگوں کو اس مقام مسکراہٹ سے اپنا غلام بنا چکی تھی۔

”ہیلو فلاسی... وہ دھکی اور دم آواز میں بولی۔ کچھ ہینا پلہ کر دی؟“

فلاسی پہلے تو حیرت سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر تو اس کے معانی توڑا ہی نکل گئی۔ اس نے انبات میں سر ہلا کر مناسات ظاہر کر دی۔ غزالے نے اپنے جھپٹ کی جیب سے پانچ ڈالر کا ایک نوٹ نکال لیا۔ توڑی بہت رقم وہ اس انداز میں بھی رکھتی تھی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اسے مقامات پر پانچ پچاس کھول کر رقم نکالنا آتا۔ قدر بڑھ کر آتا ہے۔ لوگ بلا جہی متوجہ ہو جاتے ہیں اور جب اُنہیں زیادہ رقم نظر آ جاتی ہے تو وہ اس کے حصول میں دوسرے کی زندگی سے لپٹنے سے باز نہیں رہتے۔

”ہم دونوں کے لیے ایک ایک جام لاؤ۔“ غزالے نے دیر سے کہا۔  
”پانچ ڈالر کا نوٹ اس کے حوالے کر فلاسی کی طرف متوجہ ہو گئی۔“

”کیا میں تمہیں پہلے سے جانتی ہوں؟“ فلاسی نے گھبراہٹ میں پوچھا۔

”نہیں... کیونکہ میرے دوستوں کی تعداد بہت کم ہے۔“ غزالے نے جواب دیا۔ وہ فلاسی کے کپڑے سے اندازہ لگا رہی تھی کہ وہ ایک بے حد محتاط عورت ہے۔ بولنے وقت غالباً وہ اس بات کا خیال ہی کی وادی تھی کہ کبھی اس کی زبان سے کوئی غلط بات نہ نکل جائے۔  
”لیکن میں یقین جانتی ہوں۔“ غزالے نے اندھیرے میں ایک سر ہلا کر کہا۔  
”وہ کیسے؟“

”میں نے ایک بار یقین زاک کے ساتھ دیکھا تھا۔“

”زاک... فلاسی نے نام دہرایا۔ وہ راک... ہاں... کیا میں اس کے ساتھ تو تم سے کبھی نہیں دیکھی۔ اور زاک سیاہ ف

عورتوں کو پسند نہیں کرتا۔“

”میں جانتی ہوں۔“ غزالہ اس کی ذہانت کی قابل ہو گئی۔  
ہم دونوں دوست نہیں ہیں بلکہ ایک بار ہم دونوں نے مل

اس نے بازار میں آگے بڑھتے بڑھتے مزید دو شراب خانے دریافت کر لیے۔ یہ نیز قانونی شراب خانے تھے۔ جہاں غیر قانونی طور پر جوا بھی ہوتا تھا۔ ایک بار میرے آئندہ کا دن تمام لینا پڑا۔  
وہ ایک دوسرے قریب پہنچی اور بولی۔ ”کیا تم فلاسی نام کی کسی عورت کو جانتے ہو؟“

”تم کون ہو؟ اس اور کسی کے بارے میں میں کوئی پوچھ رہی ہوں۔“  
”کیا تم اسے جانتے ہو؟“ اس نے دوسری بات نظر انداز کر کے دوبارہ سوال کیا۔

”نہیں۔ میں اس نام کی کسی عورت کو نہیں جانتا۔“

”وہ ایک عورت ہے۔ اس کا تہم کوٹ ہے اور بال سبز ہیں... وہ فلاسی کا عملیہ تھکے لگی۔ یہ عملیہ اسے آرنی نے تیار کیا تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ کبھی آرنی سے عملیہ بنانے میں کوئی غلطی تو نہیں ہوئی۔“

”تم اسے کیوں تلاش کر رہی ہو؟“ دوسرے شخص کو پوچھ کر

”کیا تم اس عملیہ کی کسی عورت کو جانتے ہو؟“

”نہیں...“ وہ دیر سے بولا۔ ”تم اسے کیوں ڈھونڈ رہی ہو؟“

”وہ میری محبوب ہے اور میں اس کی تلاش میں دنیا کی ہر جگہ جانتی پھر رہی ہوں۔“ غزالہ اس سے تھک رہی تھی۔

”شک ہے۔ میں نہیں جانتا۔ کہیں وہ ڈھونڈ رہا ہو؟“ اس بار دوسرے صبر کا بیان بھی بڑھ گیا۔

غزالہ بڑبڑاتی ہوئی شراب خانے سے باہر نکلی۔ صرف ایک شراب خانہ باقی رہ گیا تھا۔ اگر فلاسی وہاں ہیں۔ مل گیا ہو گا؟

اس خیال نے غزالہ کو کڑی طرح سے میں کر دیا۔ وہ جہرام کے سلسلے نام کا می کارٹن لے کر نہیں جانا چاہتی تھی۔

... اور پھر وہ آخری بار میں داخل ہوئی تو اس کی سانس تھکن

دور ہو گئی۔ آخری نیز پر سہرے بالوں والی ایک موٹی تار کی عورت بیٹھی تھی اس کے جھپٹ پر آد آدیں کا پیہر تھا۔ اس نے سرخ

چھوڑ کے ہنست سے بنا ہوا لباس پہن رکھا تھا۔ اس کے بال ابھی

کھبے سے تھے اور اس کی آنکھیں دیوانہ نظر آ رہی تھیں۔

غزالے نے دوسری سے اس کا ہاتھ لیا۔  
اگرچہ فلاسی ایک پیشہ ور عورت تھی لیکن اس کے انداز اور عمل سے اس کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کوئی گھرلو عورت ہو جو ممکن آئے کے لیے کچھ دیکھ لے لی ہے

آہستہ آہستہ فلاسی کی طرف بڑھنے لگی۔

تھا لیکن نیچے تک وہ کھکا ہوا بادہ اس کے پاؤں چمپا رہا تھا اس لیے اس کے ہر دھڑکے کی حرکت محسوس نہیں کی جاسکتی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ فٹ پاتھ پر پھسل کر آگے بڑھتا جا رہا ہو۔ وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے مسلسل آگے بڑھتے رہے۔ آگے فٹ پاتھ دوڑان ہوتا جا رہا تھا، اگرچہ آوشان عقب میں نہیں دیکھ رہا تھا لیکن وہ تعاقب کرنے والوں کی ایک لکیر حرکت سے آگاہ تھا۔

”وہ دونوں اب تیزی سے ہماری طرف بڑھ رہے ہیں“ اچانک آوشان نے گیسے بتایا۔ تم باتوں کی وجہ سے غافل ہونے جا رہے ہو مگر زندگی... اور یہ غفلت موت کا دوسرا نام ہے۔ فوری طور پر دفاع کرو۔ ایسا نہ ہو کہ مجھے کوئی نیا شاگرد تلاش کرنا پڑے۔ مائیکو کی خوشخوار درد سے اس کی طرح پلٹ پڑا۔

وہ دونوں واقعی ان کی طرف دوڑے چلے آ رہے تھے۔ ان میں جس شخص کی چال میں خفیف سی لنگو واہٹ تھی اس کے دائیں ہاتھ میں ایک کھلا چاقو دبا ہوا تھا جس کے بلینڈ سے روشنی منعکس ہو کر بڑی ہی خوف ناک محسوس ہو رہی تھی۔ دوسرے کے ہاتھ میں ایک فٹ لمبی آہنی سلاخ دبی ہوئی تھی۔

چاقو والا، ہاتھ اٹھائے ہنراد کی طرف پکا۔ اس نے ہاتھ یکایک کھجکا لیا اور پھر نائیکو کے بائیں

کمانب وار کیا۔ مائیکو تیزی سے گھوم گیا چاقو والا ہاتھ اس لیے ٹانگ تک نہیں پہنچا تھا کہ گھومتے گھومتے مائیکو نے اپنی بائیں ٹانگ چلاتی۔ گھوم کر چاقو والے کے درواز باز دھمکی اور اس کے صحن سے کرنا ہٹ گئی۔

چاقو اس کے ہاتھ سے فوراً ہی نکل گیا۔

اس نے آوشان کی طرف دیکھا، وہ مشک ابراہا تھا۔ سلاخ والے نے سلاخ کھاکر آوشان کے سر پر مارنی چاہی۔ آوشان نے اپنا بازو آگے بڑھا دیا۔ سلاخ اس کی کلائی سے ٹکرائی۔ تو سلاخ کا کچھ بجز اور نہ ہی آوشان کی کلائی زخمی ہوئی البتہ مارنے والے کا ہاتھ کلائی کے قریب سے چمچ گیا۔ ڈھکی ٹوٹنے کی آواز صاف سنائی دی تھی۔

اس کے ہاتھ سے سلاخ گر گئی۔ چاقو والا اس وقت تک سلسل چکا تھا اس نے اپنا بازو نکلایا کر دیا جسے مائیکو کی ٹھوکہ کرنے توڑ دیا تھا اور پھر پھوٹی

سڑک کے ایک جانب پارک تھا اور دوسری جانب ڈاکٹوں کے ٹھوکس بچے جوڑے تھے۔ آوشان نے اس کی بات پر توجہ نہیں دی اور مسلسل چلتا رہا۔

”میں اس کو کان کے ٹھوکس میں چیریں دیکھنا چاہتا ہوں“ نائیکو نے ڈھکیا۔

”مردری نہیں“ آوشان نے ناگواری سے کہا۔ وہ تعداد میں دوڑیں دوڑیں طاقتور جیمز فٹنر سے بالوں والے ہیں۔ ان کا وزن بھی تم سے زیادہ ہے۔

مائیکو کو یوں لگا جیسے اس کے کورس بدن میں کرنٹ دوڑ لیا ہو۔ اس کا خیال تھا کہ آوشان اب اس طرف سے غافل ہونے لگا ہے۔ لیکن اس میں چیریں دیکھنے کے بدلے تعاقب کرنے والوں کا ہزاروں سے لے گا... لیکن یہاں تو وزن تک معلوم کیا جا چکا تھا۔

”ان میں سے ایک قدرے لنگڑا کر چل رہا ہے“ آوشان نے مزید دھکا کیا۔ بائیں طرف والے کی چالیں خوبصورت تھیں، وہ بے آواز چلتے ہیں کیا ماب ہے جب کہ ہکا سا لنگڑا کر چلتے والا نفیث سی آواز پیدا کر رہا ہے۔

”آپ کی سب باتیں کچھ معلوم ہو گئیں؟“ مائیکو نے تیزی سے پوچھا۔

”میں ان دونوں کے بارے میں کیسے پتہ چلا؟“

”بس پتہ چل گیا؟“ مائیکو نے لڑائی میں دھماکت نہیں کر سکتا۔

”باہل کی بات میرے ساتھ بھی ہے۔“

”آپ کو صرف ایک جی بات کا پتہ نہیں چل سکا؟“

”وہ کیا؟“ آوشان چونک پڑا۔

”جس عورت کے چہرے پر ان گنت نمبروں سے مجھ سے

نہیں ہوتے...“

”فٹ اپ؟“ آوشان کا موڈ خواب ہو گیا۔ یہ تین جی تھیں کچھ کرنے نہیں دیتے۔

”پھر بتائیے کہ آپ کیسے پتہ چلا؟“

”جس طرح پرندہ آواز دے اور پھلی تیرتی ہے اور جب

وہ احتیاطاً ان کا غارت کو جمع کرتی رہی... پھر اس ایک کڑی سنبھالی۔ وہ انسان سے بیٹھ کر ادھو سے خطا پڑے۔ مچی پڑے پڑے صرف تین کا غارتی رہ گئے تو وہ پراویسی طاری ہوئے۔ اب تک کسی بھی کاغذ سے کوئی معلوم نہیں ہوئی تھی۔

اس نے باقی تین کاغذ بھی دیکھ ڈالے اور آخری کاغذ پڑے پڑے ہوئے وہ اچھلی ہوئی پڑی۔ اس میں ایک نام مچا ”لائف لائن“ لیا۔ ”ٹری...“ اس نے زیر لب ”ڈم“ اور اس کا پورا وجود ہکا بھکا ہو گیا۔ شدید محنت بلا آخر لے آئی۔ اس نے کاغذ تکرار کر کے اپنے بیک میں رکھا اور خرابی ایک الوداعی نظر لگاتی ہوئی بیدار دروازے کی طرف

وہ ایٹ سائڈ کینک سے نکلے تو دو آدمیوں کا تعاقب شروع کر دیا۔

آوشان کسی بڑی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا... لیکن مائیکو ان دونوں کی طرف سے شبیہ میں مبتلا ہو گیا، اگرچہ فٹ پر اور لوگ بھی چل رہے تھے لیکن وہ ان کے قدموں کی آواز

رہا تھا جب کہ وہ دونوں محتاط انداز میں چل رہے تھے۔ یہ مشکل سی بات تھی لیکن مائیکو کا ذہن ایک خاص تربیت

باعث اسے محسوس کر سکتا تھا۔

اس نے آوشان کی طرف دیکھا۔

پہلے آتش دے لیے اس کے دل میں بے پناہ۔

پیدا ہو گیا۔

یہ سب کچھ اسی آستاد کا دیا ہوا تھا۔ وہ جانتا تھا

آوشان جن باتوں سے بچنے کے لیے آستادے ہدایات دیتا

ان کا کیا نقصان ہوتا ہے... اور جن باتوں پر اسے عمل کی تلقین کی جاتی ہے ان سے کیا فائدہ ہوتا ہے۔

... ترتیب... ترتیب... یہ آوشان کا پہلا اصول تھا

یہ ترتیب ہی کا اصول تھا جس نے عقب سے آنے والے آوازوں میں شامل نہ ہونے والی قدموں کی خاموشی

احساس دلایا تھا۔

”آوشان، ذرا رک جائیں، اس نے جیسی آواز

میں اس آستاد کے ٹھوکس میں مچی ہوئی نمونے کی آواز

چاہتا ہوں“

اس وقت وہ ۶۰ ویں اسٹریٹ پر پہنچ چکے۔

سے رخصت ہو جانا چاہیے؟ وہ غزالہ پر نگاہ پڑے ہی بولی۔

”میں تمھارے ساتھ تبدیل چلنا چاہتی ہوں؟“

”اوہ... لیکن میرا پارٹنر بہت گندہ جو رہا ہے، مجھے

موقع نہیں ملا اس لیے میں نے وہاں صفائی بھی نہیں کی“

”کوئی بات نہیں۔ میں ان چیزوں کی زیادہ پروا نہیں کرتی

وہ آہستہ آہستہ چلے گئیں۔ فلاس کی چال میں ہلکی لاکھڑی

تھی۔ غزالہ لڑنے میں بھی اس سے ناک کے سلسلے میں باتیں کرتی

رہی لیکن کوئی کارآمد بات معلوم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔

”کیا وہ تمھاری مالی امداد بھی کیا کرتا تھا؟“ اس نے ایک

نیا پوچھا تھا۔

”وہ صرف گھڑوں پر تھیں لگنے والوں کی مالی امداد کرتا

تھا۔ وہ فلاس نے عجیب سے نیچے میں جواب دیا اور پھر اس انداز

میں بات کو برائی جیسے نزلہ لے پہلی بار یہ بات نہیں سنی تھی۔

پہل قدمی کے انداز میں وہ اس عمارت تک پہنچ گئیں،

جہاں فلاس کا پارٹنر تھا۔ تعجباً عمارت تھکی اور غلامت کی

وجہ سے بدلو کے جھکے محسوس ہوتے تھے۔ غزالہ نے کسی چیز کی پروا

نہیں کی۔ اسے ایک مہر مہر سی امید فلاس کے پارٹنر کی طرف

لے جا رہی تھی۔

نراک نے صدر شیشائی کو جو خط لکھا تھا اس میں یو پانو

خاندان کے افراد کو قتل کرنے کا تذکرہ تھا لیکن اس نے کسی جگہ یا

کسی شخص کا نام نہیں لکھا تھا۔ غزالہ کوئی ایسا نام ہی معلوم کرنے

کی کوشش کر رہی تھی۔

فلاس نے اپنے پارٹنر پر پتہ کر جب چاہیوں کا گچھا

نکالا اور آدمی کے تانے کو ملتی ہوئی اپنے سونے کے کمرے

میں داخل ہوئی تو غزالہ کے لیے سبھی روکنا دشوار ہو گئی تھیں

جہاں اس نے پارٹنر تھا اور اس نے تانے والوں نگار کے تھے

جیسے سرکاری خزانہ وہاں رکھا جاتا ہو۔

”مجھے تو فائدہ آ رہی ہے۔“ فلاس نے جھٹکائی ہوئی آواز

میں کہا۔

”تم سو جاؤ میں کچھ دیر دم لے کر چلی جاؤں گی“

اس بات کے جواب میں فلاس کے خزانے سنائی دینے لگے۔

غزالہ پارٹنر کی ہر چیز کا جائزہ لینے لگی۔ اس تلاش

میں اس کا کافی وقت ضائع ہو گیا لیکن بلا آخر وہ اس میز تک

پہنچ ہی گئی جس پر بیٹھ کر نکالنے صدر شیشائی کے نام خط لکھا تھا۔

اس میز کے ارد گرد ان گنت ٹوٹے ٹوٹے کاغذ پھسے تھے۔

انداز ایسا ہی تھا جیسے چوری کرتے ہوئے گئے ہوں۔  
"تھاری مرضی کسی بڑے ڈاکٹر؟" پورے نے خود کو سنبھالتے ہوئے پوچھا۔ اس کا اشارہ اپنی بوی کی طرف تھا۔

"بہترین، جناب؟"

"گڈ..." اس نے قریض نظروں سے بوی کی طرف دیکھا: "تاہم کیا تم دونوں کی طرف سے مذمت قبول کر سکتے ہو؟"

"یقیناً جناب، گڈ ناٹ۔" ڈاکٹر ہلدی سے آٹھ ٹھٹھا ہوا۔ وہ جیسے ہی دروازے سے نکلا اور گاڑی بند ہونے کے بعد

نکل کر کہا: "بہت اچھا جواب ہے۔"

نگوہا نے اپنے کورسے شوہر کی طرف دیکھا اور سکر لے گئی۔ "ہاں۔ بے حد فرض شناس ہے۔ جس اس سے مدد ملے گی۔"

ایر نے اپنا بیگ آٹا کر گری کی طرف اٹھا لیا۔

بتر نے اپنے وقت اس کے چہرے پر سٹاکٹ میٹن گڑا یا

نے صاف عکس کر لیا کہ وہ کچھ پریشان ہے۔ "کیا بات ہے، ڈیر؟"

وہ پوچھے بغیر نہ سکی۔

"میں بہت خوش ہوں۔" ایر نے ہانے کو جھٹکے۔ "میں بیل دیا ہے جسے تم سے بے پناہ محبت ہے۔"

وہ مغرب تم میرے بچے کو جنم دینے والی ہو۔ خدا کرے یہ بچہ ایک خوبصورت لڑکا ہو۔ یہ کہتے کہتے پورے ہیر کی آواز جھرا گئی۔

"تمیں کوئی پریشان لاق ہے ڈیر؟"

"ہاں... میں سوچ رہا ہوں کہ اپنے پہلے بیٹوں کے لیے میں میرے ہی جذبات بھجواتے تھے لیکن پھر مجھے ڈاکٹر اسٹون نے بتایا کہ وہ میرے بچے نہیں ہیں۔ مالا مال تیل کو میری بوی نے ہی جنم دیا تھا۔ اس کی آواز ٹوٹ گئی۔

"ایر ڈیر۔ یہ سب باتیں ہم پہلے ہی کر چکے ہیں۔ گورہا نے بڑی آواز سے کہا: "اب تم اس قیے کو گویں جیسے ہو، کوئی بھی شخص اپنے نامی میں کوئی رد بدل نہیں کر سکتا۔ ایک عورت نے بوی بن کر تمہیں دھوکے میں رکھا اور پھر تین بیٹوں کو جنم دے کر مر گئی۔ اس کا بے مظلوم اور دور گزر سے کام لو۔"

وہ اپنی جوں سال بوی کی طرف دیکھنے لگا۔

اس کی بوڑھی آٹھ میں ایک آنسو تیرا کیا۔ "لاش میں ایسا کر سکتا۔" لاش: "میں نے ایسا ہی کیا ہوتا۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں پولا۔ "لیکن میں ایسا نہیں کر سکا میری آنکھوں پر دوسرے شخص نے بھی جی، مجھے شدید غصہ آگیا تھا اور انتقام لینے کے لیے بے چین ہو گیا تھا۔ کیا تم ان تجربات کے بارے میں جانتی ہو، جن میں ڈاکٹر اسٹون

"وہ کون لوگ ہیں؟"

"میں نہیں بلکہ تھے۔ وہ انتقال فرما چکے ہیں؟ وہ جب تک کہ بولا۔ ان کے پاس کوئی شناختی کارڈ وغیرہ نہیں تھا۔"

"لیکن کیا؟" ہیرام کے بچے میں بے چینی تھی۔

"ان دونوں نے اسپتال کی یونیفارم پہن رکھی تھی۔ میں سرجر کا مچھی کہیں میڈیکل سائنڈ ٹراس محلہ میں ملوث نہیں۔ اس چیز کو ذہن میں رکھتے ہوئے معلومات حاصل کریں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں دیکھوں گا۔"

"معدنہ کی طرف سے کوئی نئی اطلاع ملی؟"

"ابھی نہیں، ہیرام نے جواب دیا۔

"اس کا خیال رکھا کریں، سٹیٹ مارٹ؟" ٹائیگر نے ہنس کر کہا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتا دوسری طرف سے پسندہ منقطع ہو گیا۔

کونیا کے دولت مند ترین خاندانوں میں سے ایک، بوہنا نڈان کا سربراہ ایر بے حد اس تھا۔ وہ ابھی اسی اس اسپتال سے ابیں آیا تھا، جہاں اس کا بیٹا رندی زیر علاج تھا۔ وہ اُسے بے ہوشی کی حالت میں دیکھ کر ابیں آ رہا تھا۔

اپنی خواب گاہ کی طرف جانے والی میٹریاں جڑتے وقت اس کے قدم ہی آہستہ آہستہ اڑے گئے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے کیا ناں چاہیے۔ اُسے اپنی زندگی میں ایک عجیب سے فلا کا احساس ہو رہا تھا اور اس غلامیں اس کا دم گھٹا جا رہا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اپنی بوی کو یہ سب کچھ کیسے بتائے، وہ جن بیٹوں سے شدید محبت کرتا تھا۔ ان سے بے پناہ غرت ہو گئی تھی اور وہ انہیں زندگی سے محروم کرنے میں مصروف تھا۔

ابھی وہ اپنی خواب گاہ سے چند قدم دور تھا کہ اُسے اندر سے کسی کے سننے کی آواز سنائی دی۔ ایک نساوی ادایک مردانہ جھجھ بھجھ جھٹکا تھا۔ دروازے سے اندر قدم رکھنے سے پہلے اس نے ایک بار دست دئی اور پھر کھڑکھٹا ہوا خواب گاہ میں داخل ہو گیا۔

اس کی جوں سال بوی گویا ناٹ گاؤں بننے بہتر بہر یعنی تھی اور ایک سول براس کا صانع ڈاکٹر بیز براہمن تھا۔ ایر کو دیکھتے ہی دونوں بند ہو گئے۔ ڈاکٹر بیز نے ہلدی سے سوال پٹے تڑپ کر دیا کہ کھانسنے لگا۔ اگر پوچھا ایر اس وقت ہمیں صوبہ پر مزاحمت ہوتا تو وہ صاف عکس کر دیتا کہ ڈاکٹر اور اس کی بوی ایک دوسرے سے کسی حد تک قریب ہو چکے ہیں۔ ان دونوں کا

"آپ کا فلسفہ اپنی جگہ ہے لیکن اب یہ کیسے معلوم ہوا ان دونوں کو تم سے کیا کیفیت تھی اور یہ ہمیں کیوں زندہ رہا؟"

دیکھنا چاہتے تھے؟

"انہیں جو بھی کیفیت رہی ہوگی، وہ اب رفع ہو چکی ہے۔ اوشان جیسا سزا خوار کہ بولا۔ اگر کچھ پوچھنا سہروری تھا تو تم نے اسے حریف کو کیوں مار ڈالا تھا؟"

ٹائیگر اپنی کھوپڑی سہلا کر رہ گیا۔

"چلو اب یہاں سے کسک چلو، اوشان بولا۔ ایسا ہو کہ اس پاس پولیس کی دروایاں ہی دروایاں نظر آئے۔ ٹیگر وہ نشان ٹرک پر تیزی سے آگے بڑھ گئے۔ ٹائیگر

الجن میں پڑ گیا تھا۔ ان دونوں آدمیوں کے لباس سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کا تعلق کسی اسپتال سے تھا۔ وہ اس وقت ایک اسپتال ہی سے واپس آ رہے تھے اس لیے ٹائیگر کی اپنی جگہ بجاتی۔

انہوں نے مرنے والوں کی تلاش کی اور فٹ پاتھ پر جا پڑے، ایک بار وٹج جگہ نکل آئے۔ یہاں ایک ریسٹورا تھا۔ ٹائیگر نے سوچا کہ اسے ہیرام کو اس صورت حال سے آگے کر دینا چاہیے۔ اوشان ایک شوک میں رکھی ہوئی چیز مل

نظارا کرنے لگا اور وہ قوت میں جا گھسا۔

جلدی دوسری طرف سے ہیرام کی آواز سنائی دی۔

"بوہنا نڈان کے سلسلے میں کوئی نئی بات، سویٹ اس نے خوش دلی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں، جیل گنابے، جیسے ان میں سے کسی کو دور سے کر لی پر خاشی نہ ہو۔ ہیرام نے جواب دیا۔ "اور یہ بھی پتہ تیز سکا کہ ان کی ذہنی حالت میں عجیب عجیب خرابیاں کیوں ہو رہی ہیں؟"

"اوشان کا کہنا ہے کہ کسی نہ کسی وجہ سے ہیرام ہے "خون میں کوئی خارجی چیز نہیں باقی تھی" ہیرام غصہ کیا۔

کسی نہ کسی سوال ہی پہلے نہیں تھا؟

"لیکن اگر اوشان کا کہنا ہے کہ اُسے زہر دیا گیا ہے تو میں میڈیکل رپورٹ سے زیادہ اوشان کی بات مانوں گا۔ یہ زہری ہو گا؟"

"کیا تم کچھ معلوم کرنے میں کامیاب ہوئے؟"

"نہیں... البتہ ابھی کچھ دیر قبل دواؤں میں نے مجھے اوشان کو ہلک کرنے کی کوشش کی تھی؟"

چھال کے سہارے یعنی جتنی شناخت کی طرح جھول رہا تھا اس نے ٹائیگر پھلانگ لگادی۔

ٹائیگر نے دونوں ہاتھ بند کر دیے۔

اس کی چاروں اگلیاں ایک دوسرے سے پیوست، کبھی تیز دھار جانے کی طرح تھیں۔ وہ شخص اپنے ہی زور میں، پورے رعبہ کے ساتھ اس کے دونوں کھٹے ہاتھوں پر گرا اور دونوں ہاتھوں اس کے پیٹ اور سینے میں اتر گئے جیسے وہ گوشت پرست کی بجائے موم کا بنا چکا ہو۔

وہ اس کے دونوں ہاتھوں پر سٹاکٹ ہو گیا۔

ٹائیگر نے اُسے فٹ پاتھ پر چسپک دیا۔

لاش تڑپے بغیر ہی فٹ پاتھ پر سٹاکٹ نظر آئے۔

اوشان کا حریف کچھ فاصلے پر کھڑا اوشان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں دیوانگی کی جھلک تھی۔ اس نے شاید اپنے ساتھی کا اتمام نہیں دیکھا تھا۔ وہ فرار ہونے کی کوشش ضرور کرتا تھا۔ اپنی لٹی ہوئی کلائی اس نے پیٹھ کے پیچھے چھپا لی اور دوسرے ہاتھ سے اوشان کی گردن پھرنے کی کوشش کی۔

اس کا ہاتھ اوشان کی گردن کے قریب سے گزر کر آگے بڑھ گیا۔ اپنی کلائی کی طرف سے پریکٹ گئی۔ اُسے اوشان نے سر جھپکایا۔ اس شخص کی کلائی اوشان کی گردن اور کندھے کے درمیان آ گئی۔ اپنی کلائی کھینچنے میں اس نے بڑی پھرتی دکھائی تھی لیکن جب اس نے اپنے بازو پر نظر ڈالی تو پریشان ہو گیا۔ ایک لمبے کے لیے اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کے بازو کا کچھ حصہ کم ہو گیا ہے۔... پھر جب معاملہ مشورے آفر میں پہنچا تو اس کی پیچ بڑی ہی دلزدہ ہو گئی۔ اس کا ہاتھ کلائی سے الگ ہو گیا تھا۔

اس نے اوشان کی پشت پر کوئی چیز فٹ پاتھ پر گرتے دیکھی۔ یہ اس کا وہی ہاتھ تھا جس سے اس نے نہ جانے کتنی انسانی

جائیں ضائع کی تھیں۔

وہ دونوں بازوؤں کو اپنی گردن چھب کر نیچے پھینکا چلا گیا۔

اس سے پہلے کہ ٹائیگر اوشان کو روکنا، وہ جسم کی کبھی تیزی سے آگے بڑھا اور اس کی جھلی کا کتا لاسا نے بیٹھے حریف کی کھوپڑی سے ٹکرایا اور اس کا سر کھینچنے کی طرح جھٹک دیا۔ وہ صحت سے خفیت سے کراہ نکالنے بغیر ڈھیر ہو گیا۔

ماتے کچھ دیر زندہ رہنا چاہیے تھا۔ ٹائیگر نے انہیں اس کا شمار کیا۔

"جس کی جتنی بھی ہوتی ہے، وہ اتنا ہی زندہ رہتا ہے؟"



کڑیوں بستے بستے جب وہ بے چین ہو گئی تو اس نے بیٹریں روشن کیا اور ہرام کا نمبر ڈال کر کھینچا۔ دوسری طرف سے کئی ڈالیں لگن لگتی تھیں۔ ہرام کے کمرے میں ایک خاص قسم کا فون لگا ہوا تھا۔ اس فون کی گھنٹی نہیں بجتی تھی۔ بس ایک جھنکا سا سرخ صیب روشن ہو جاتا تھا۔ ہرام نے اب تنگ کی زندگی بکھوسا انداز سے گزاری تھی کاس نٹھے سے صیب کے جیسے ہی اس کی چٹنی میں اسے نیند کی گہرائی سے بھول کر بیداری کے عالم میں لے آتی تھی۔

وہ فوراً ہی بیدار ہو گیا۔

”ہرام... اس کی آواز میں عینک کا جاری پن نہیں تھا۔ میں غزالہ بھول، اعلیٰ، مجھے افسوس ہے کہ میں اس رات کے چاکوؤں کو نہ پر عبور ہو گئی۔ قدامت کے عیند نہیں ہی تھی۔“ میں بھی جاگ رہا تھا، ہرام نے جھڑپ ہلائی کاس کے پیچھے سے جھڑپ کی شان منت ممکن نہیں تھی۔ وہ فون پر بات کرنے والوں کو پریشان کرنا یا گھبراہٹ میں مبتلا کرنا پسند نہیں کرتا تھا، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس طرح بات کرنے والا اس کا زیادہ وقت ضائع کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا تھا یا کیا تم کو پھر معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئیں؟“

”آپ کو کدھراخ رساں فریاد ہوگا، اعلیٰ! غزالہ نے تیسے فوریہ بے میں جانا، مجھے یقین ہو گیا ہے کہ مدد رشتہائی کو جو خط لکھا گیا تھا، وہ اس سے غریب کیا تھا۔ وہ کرشتہ دو دفتر سے فاش ہے اب میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ لہو اغانندان کے خلاف جو سازش قریب ہی گئی ہے، اس کا تعلق ایسٹ سائٹل ہے ہے“

”کئی خاص مقام؟“

”ہی ہاں... لائف فون لیبارٹین... غزالہ نے جواب دیا۔ اس کے علاوہ، شروع رساں ناک کے ساتھ ایک اور شخص بھی تھا، وہ کون تھا؟ ہرام چونک بیٹھا۔

”غالباً اس شخص نے ناک پر ضرورت حال کشف کی تھی؟“

”تھیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا؟“

”میں تفتیش کرتی ہوئی ایسی جھوٹا ہوا تھی، جہاں بیٹھ کر ناک نے وہ خط لکھا تھا۔ وہاں کی پچھڑے کھڑے کا فڈرے بغیر ناک نے خط لکھ کے دروازہ مٹ کر کے کی کوشش کی تھی، ان کا غنڈیل میں اس نے یہ باتیں تحریر کی تھیں اور جتنی وجہ کے تحت اس نے مدد رشتہائی کو بھیجے والے خط سے یہ باتیں حذف کر دیں...“

”تمہارے خیال میں ناک کے ساتھ کیا جڑا ہے؟“

کہہ کر دینی کو مرنے سے بچایا جائے... یہی وجہ تھی کہ جب اسے ڈاکٹر کی کال وصول ہوئی کہ مریدین امداد ملنے سے پہلے ہی رینڈی مرچا کے قریب مدد ہوئے باپ کے لیے ناقابل برداشت ہو گیا۔

”میں اندر ڈاکٹر اسٹون ہر مرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں...“

ڈاکٹر ہرنڈی کی آواز بھر پور تھی۔ ایک لمحے کے لیے اس کی حالت سنبھل گئی تھی لیکن دوسرے ہی لمحے وہ دم توڑ گیا۔ مجھے افسوس ہے کہ جب کہ...“

”تھیں کوئی الزام نہیں دیا جاسکتا، ہرنڈی اپنے دل گرفتہ ہو کر کہتا تھا قصور سزا میں ہی ہے مجھے فیصلہ کرنے میں دیر ہو گئی تھی اس نے کا پٹنے کا تھنل سے ریسیدر کھ دیا۔

اس کا دل جاری جاری سا ہوا تھا۔ سنے کا بوجھ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اس نے گوریا کی طرف دیکھا۔ عیندت حال تھانہ کے بعد اس نے گوریا کا ہاتھ تھام لیا اور اس کے آنسو ٹپ ٹپ کرنے لگے۔

گوریا اسے بھلانے کا فن جانتی تھی۔

کچھ ہی دیر میں بیٹھا انیروز آب وودا اور حسین وکیل گوریا کی بیٹی مدنی باؤل کے زیر اثر ہو گیا تو گوریا کی لیڈ گئی۔ لیکن اس کی آنکھوں میں نیند نہیں تھی۔

وہ ایک ایسی ناگن کی طرح چھت کی طرف گھوم رہی تھی جن کی آنکھوں میں بڑی ہی خطرناک ارادوں کی چمک جاگ اٹھی ہو۔



غزالہ اپنے ہوٹل کے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ رات کے دو بج چکے تھے اس کی آنکھوں میں نیند کا ہلکا سا خاتمہ تنگ نہیں تھا۔ وہ صبح کر رہی تھی۔ اگرچہ رات اپنا سفر آدے سے زیادہ طے کر چکی تھی لیکن ہوٹل کے سائنے کی سڑک پر اب بھی ٹریفک کا شور تھا... لیکن غزالہ کی نیند اس شرمکے وجہ سے آچاڑ نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ نایاب کچھ کے باسے میں سو رہی تھی۔

شہزادے اسے گہری نینت پر بھی تھی لیکن اس نے ناگن تنگ نایاب کے سائنے اس کا انداز نہیں کیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ نایاب کا دل جیتنے کے لیے اسے نایاب کے ہی بننا پڑے گا... وہ اس سلسلے میں کافی جاگ دوڑ کر رہی تھی، آؤشان نے ابھی اسے بانامہ ٹریفک دہی نہیں شروع کی تھی بس کبھی کبھار وقت ملتا تھا کہ اسے کچھ سوچنا دیتا تھا، ہرام کے ہر ایک گہری حمایت حاصل تھی... لیکن نایاب کی تفر سے اسے بس کی بات نہیں لگتی تھی۔

اس پر توجہ دو کہ وہ مرنے نہ پائے“

”تھینک یو ڈیر“ وہ آنسو پونچھ کر بولا۔ تم کتنی ہیرو ہو گئیں ڈاکٹر اسٹون کو فون کر کے کہہ دیتا ہوں کہ دوسرے بیٹے رینڈی کو مرنے نہ دیا جائے۔ یہ کہہ کر اس نے اسپتال فون کر دیا اور پھر ڈاکٹر ہرنڈی کو طلب کر کے حکم دیا کہ اسپتال میں موجود رینڈی کے علاج پر کوئی کسر نہ آٹھا رکھی جائے اور اسے ہر ممکن جتن کر کے پایا جائے۔

ڈاکٹر ہرنڈی کے اطمینان والا کرشمہ ہو گیا تو پورے ایم کے دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہو گیا۔ گوریا نے مسکرا کر اپنے پیر زل شوہر کی طرف دیکھا۔ اب سب کچھ ٹھیک ہو جانے کا۔ تم پر سے بدل کر لیتے جاؤ۔ میں ذرا باہر ٹھوٹھ ہاؤں گی۔“

ہاتھ نرم میں ہو کر اس نے بائی کائل پر شوہر آواز میں کہل دیا اور دروازہ اندر سے مقفل کر کے تنگ کے قریب سے ہوئے فون ریسیدر آٹھا لیا اس نے کوئی نمبر ڈال کر اور دوسری طرف سے آوا سننے ہی سمیت پیچے میں بولی اسے قتل کر دیا جائے۔“



گوریا کی حالت اس وقت کسی جنونی عورت جیسی تھی۔ فون پر تنگ کا حکم دینے کے بعد اس کے چہرے پر جھڑپاڑ تھے، آئینے دیکھ کر کون کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی عورت ہے جس کی مصدیت اور کشش پر لہو اغانندان کا سربراہ شرمکے والا جان سے فدا ہے، وہ فز و مغنیک کی دیوی تھ رہی تھی شرمکے اندرون کی سیاسی عورت جس کے سینے میں دل کی جھجک تھوڑا کچھ تھا۔

رینڈی رکھنے کے بعد اس نے ہاتھ دھوئے اور نزل بنا کر کے واپس اپنی خواب گاہ میں آگئی جہاں اس کا بوڑھا شوہر تھا۔ اس نے ہوٹل پر پڑی ہی دل فریب مسکراہٹ کھینچ لی لیکن دل میں سوچ رہی تھی کہ اب اس دولت مند ترین خاندان کے دو افراد باقی ہیں، جیسے وہ جلد ہی سائنے سے جڑاے گی سب سے بڑا بیٹا ڈاکٹر میں ایک مبتدو بالاحمارت سے بچا سارا

انداز میں گرد گرد ہلاک ہو گیا تھا، دوسرے کی موت کے لیے وہ اب اچھے چکر دے رہی تھی... انصاف تیسرے بیٹے کی باری تھی۔ ڈاکٹر نام کا یہ بیٹا بیٹا اور بالآخر خود بوڑھا امیر... اس کے بعد سارا دولت اسے مل گئی تھی۔

بوڑھا اپنی جگہ مطمئن تھا کہ اس نے ڈاکٹر ہرنڈی کو حکم دے

اپنی لیبارٹری میں کر رہی ہے؟

”نہیں ڈیر اتم جانتے ہو کہ مجھے سائنے سے کوئی بچسی نہیں۔“ وہ جالوڈ پر پھرتا کر رہی ہے۔ اس نے سائیں اودیت تیار کی ہیں جن کے استعمال سے انسانی عادات کو بدلایا جاسکتا ہے۔ انسان کی طبیعت میں انقلاب لایا جاسکتا ہے۔ اس نے انسانی اودیت سے میرا بھی علاج کیا ہے۔ میں نے اسے کہا تھا کہ وہ... بولے بولے وہ بچکا گیا۔ میں نے اسے بات کی تھی کہ میرے تینوں بیٹوں پر وہ مخصوص دوا استعمال کرے۔ گوریا کی آنکھیں پھیل گئیں۔

وہ شدید حیرت زدہ نظر آ رہی تھی۔

بوڑھے امیر نے افسوس کے اظہار میں سر ہلایا۔ لیکن میں درحقیقت ان تینوں کو کوئی فانی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا... میں صرف ان کو سبق دینا چاہتا تھا جو کچھ میرے ساتھ تھا، میں اس کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔

”ڈیر اس میں ان سب چاروں کا کیا قصور تھا؟ ان کی مال سے... میں اس کو چھو گیا، اس کی ذستہ داری ان تینوں پر تو عاید نہیں ہو سکتی۔“

یہ بات مجھے بھی معلوم تھی لیکن اس کا احساس بہت دیر بعد ہوا۔ میں آئینے دہشت زدہ کرنا چاہتا تھا لیکن بڑے بیٹے لوم کو زائد مقدار میں دوائے دی گئی وہ ڈیوٹس بڑی ہی عجیب موت سے بچنا نہ سکا... اور آج رات رینڈی بھی اسپتال میں پڑا ہے۔ وہ جس تقریر پر کھلا ہے۔ یہ سراسر میری ہی غلطی ہے۔ بیک اس اس اس اُسے دیکھ کر آہ بولیں۔“

”اوہ! مہنی؟“ وہ اپنے اپنے پورے شوہر کا ہاتھ غیب قبائے ہوئے کہا۔ ”مجھے یہ سن کر بے عدا افسوس ہوا لیکن تمہیں خود کو مجرم نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس سے تو کوئی بھی مسئلہ نہیں ہوگا۔“

”لیکن بڑا بیٹا لوم تو ہلاک ہو چکا ہے۔“

”یہ درست ہے کہ ڈاکٹر میں اس کی موت واقع ہو گئی ہے لیکن اب اس سے کہہ کوئی کر بھی کیا سکتا ہے۔ سولے افسوس کے کیا ہو سکتا ہے۔“

”احساس مجرم تو کیا جاسکتا ہے؟ نا۔ یہ کہتے ہوئے بوڑھے امیر کی آنکھیں برس برس اور دہشت جھٹکا کرنے لگا۔

”ہوٹل ہاؤز ڈیر اپنے لیے میرے لیے... اپنے ہونے والے بچے کے لیے یہ تلخ باتیں بھول جاؤ۔ گوریا بھی کبھی بڑی ہیرو میرا گیا... اسے بھول جانا جو زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے

”نہیں... بلکہ قیام نہیں ہے“  
”لگ کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ میں ایک مردہ لڑکی ہوں“ غزالہ نے اجہ پراسرار اور خوفناک بنا لیا۔ اور اکثر اداوں کو ادھر ادھر گھومتی ہوئی پڑھ کر ڈراؤنی اور ساری زندگی دلی رخصت ہو گئی۔ لیکن غزالہ اس کی گھبراہٹ اور خوف سے لکھ اندوز ہونے کے لیے مزید دہلیز کھٹکے کی بجائے مردہ خانے کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اس وقت ڈیوٹی پر موجود پولیس والوں کی جھگڑاٹ بھی برواغت کرنی پڑے گی... لیکن اُسے اطمینان تھا کہ اپنی... شہادت کے لیے اس کے پاس چند ایسے مخصوص کافذات موجود ہیں جنہیں دیکھنے کے بعد وہ لوگ نہ صرف خوش اخلاق بننے پر مجبور ہو جائیں گے بلکہ ان کی آنکھوں سے نیند بھی اڑ جائے گی۔

ٹھوڑی کانیٹیبل نے اس کے کافذات کا بڑی باریک بینی سے جائزہ لیا پھر بڑی نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے پوچھا کہ وہ کس کی ویش دیکھنا چاہتی ہے۔ غزالہ نے گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی سانسوں میں دھکیلی ہوئی ہوائی تھی۔ کانیٹیبل ایک موٹا سا آدمی تھا جس کے چھوٹے ہونٹوں سے پیٹ میں بیٹ پیڑت لگ رہی تھی۔ غزالہ نے سوچے بغیر نہ وہ کسی کو قینا بے غش کی آفس کا سالہا ہے ورنہ اتنے بے ڈھنگے جسم اور غریب تو فنی کی عادت کے ساتھ اسے یہ ملازمت ہرگز نہیں مل سکتی تھی۔

غزالہ نے اپنے پرس سے زاک کی تصویر نکالی۔  
”میں اس شخص کی لاش دیکھ آئی ہوں“ اس نے بوجرم ہی رکھا۔

موتے کانیٹیبل نے آنکھیں پھاڑیں اور تصویر دیکھی پھر اس کا تڑپنا سر دوائیں بائیں حرکت کرنے لگا۔ ”نہیں... وہ بولا“ میں نے اسے پہلے ہی نہیں دیکھا۔ کیوں بھی وہ شین تقریباً ایک ہی جیسی ہوتی ہیں۔ اسے یہاں کب لایا گیا تھا؟“  
”گڑشتہ دو مہینوں کے دوران“ کہی جس وقت کسی بھی روز“  
”اوه...“ موٹا کانیٹیبل بے چین نظر کرنے لگا۔

”کیا بات ہے؟“

”کچھ نہیں“ اس کا انداز رو دینے والا تھا۔ ”دو مہینوں کے دوران تو دو درجن لاشیں آئی ہوں گی۔ سب کی سب دیکھنی پڑیں گی۔ کیا تم ویش کی آمد کا دن سوچ کر نہیں بتا سکتی؟“  
”مجھے افسوس ہے کہ غزالہ نے شک کر کے چلو اب اٹھیں

بہرام نے اسے بتایا تھا کہ لافٹ لائن لیبارٹریز میں حادثات اور مزاحمتیں کام ہوتا ہے۔ یہ غیر معمولی تحقیقات کا ایک سلسلہ تھا۔ وہ جہاں جہاں اس پر پتہ نہ کر رہی تھی، اس کی بے چینی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔  
... اور پھر وہ میسر سے نکل آئی۔

اس نے تیار ہونے میں چند منٹ ہی لگائے تھے۔ عورتوں کی طرح تیاری میں کمی کی گنتی صرف کرنا اس کی عادت نہیں تھی کیونکہ وہ ہر حال عام عورتوں سے بے حد مختلف تھی۔ اس نے اپنا پرس لیا اور کہے کا دروازہ منتقل کر کے ہونٹوں سے باہر نکلے۔ ان دنوں اس پر کام کا عبور سوار تھا، اسی لیے اس نے بہرام کے ساتھ رہائش رکھنے کی بجائے ہونٹوں میں کوئلے لیا تھا۔ باہر آ کر اس نے ایک ٹیکسی روٹی اور عریض نشست پر بیٹھنے پر تے ہلی نہ مردہ خانے چلو۔

ٹیکسی ڈرا پور کرنے چونک کر عقب میں دیکھا۔ رات کے پہلے تین بجے کا عمل تھا اس وقت کسی کی تہا بلان لڑکی کا مردہ خانے جانا غیر معمولی بات تھی۔ سنوا چھی لڑکی؟ وہ بھڑکی سے بولا۔ اس کا لہجہ اچانک ہی مزید ہو گیا تھا۔ اگر وہاں خود کشی کرنے جا رہی ہو تو کم سے خدائی کرنے کے لیے تیار ہو جائے؟ غزالہ کے خونوں پر شکار ہو گیا۔  
”مخاری کے بعد بھی مردہ خانے ہی جانا پڑتا ہے اس لیے میں پہلے ہی دہلیز چلی جانا چاہتی ہوں۔ یہ کہتے کہتے اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔ بس اب چل دو میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔“  
غزالہ نے اس کی آنکھوں میں خوف کی ہلکی سی جھلک محسوس کی۔ وہ باہر عقب نما آئینے میں اس کی طرف دیکھنے لگی تھا وہ لڑکی دل میں اس کی گھبراہٹ پر سنہیں پڑی۔ یہ بات آج تک اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ لوگ مردوں سے کیوں ڈرتے ہیں۔

یہ بے ادب جنم سے خوف کا ناشی ہی عجیب انسانا قابلِ جنم تھی... لیکن انسانی فطرت... انسانی مزاج... اور... اچانک اس کا ذہن لافٹ وٹن لیبارٹریز کی طرف جھٹک گیا جہاں انسان لہائی پیلو پر تحقیقات ہو رہی تھیں۔  
ٹیکسی ایک دھچکے سے کڑک گئی۔  
وہ چونک پڑی۔ منزل مقصود آگئی تھی۔  
اُس نے گویا ادا کر کے ٹپ دی اور باقی رقم پرس میں رکھنے کی توڑ پھوڑ کر کر بولا۔ ”کیا آپ یہاں ملازمت کرتی ہیں؟“

اور ٹائیگن دنوں مقیم تھے۔ اب تم کیا کرنا چاہتی ہو؟ بہرام نے پوچھا۔  
”میں اس لیبارٹری میں گئے کا ارادہ کر رہی ہوں۔ اگلے؟“  
”میں تمہیں اس جگہ تنہا جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ بہرام کا دم دھکیو سے ابد قائم کرو۔“  
”لیکن اگلے اس کے ساتھ جانے میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ راتے ہیں آئے والی ہر چیز تو مچھوڑ ڈالے لیبارٹری میں بھی اگر ایسا ہی ہوا تو اس کے کچھ بھی معلوم نہیں کر سکو گی۔“  
”میں تمہیں کسی خطرے میں گودنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔“  
”بہرام کا لہجہ اچانک ہی سخت اور ٹھکانا ہو گیا۔“  
”شک ہے، اگلے؟ وہ ایک منڈی سانس لے کر بولی۔“  
”میں ٹائیگن سے رابطہ قائم کر لوں گی۔“

”گود... اور مجھ سے بھی رابطہ قائم رکھنا۔ یہ کہہ کر بہرام نے سلسلہ قطع کر دیا۔

غزالہ نے ریسپر رکھ دیا اور شکرانہ بھی۔ وہ جانتی تھی کہ بہرام نے ٹائیگن سے رابطہ قائم کرنے کے لیے کیل کیا ہے۔ ٹائیگن اور اس کے درمیان لطیف جذبات کا سلسلہ تو شروع ہو گیا تھا۔ لیکن ابھی تک دونوں اپنی اپنی جگہ ٹپٹے ہوئے تھے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی پہل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ غزالہ کو اوشان کی... وہ بائیں یاد آئے تھیں جس کے ایک مرد فرینک کے دوران میں اس سے کی تھیں۔ اوشان کی خواہش تھی کہ وہ دونوں خدائی کر لیں۔ اس خدائی کے نتیجے میں ٹائیگن جیسی حیامت اور غزالہ جیسی ذہانت کا بچہ پیدا ہونے کا امکان تھا، اوشان اسی امکان کو حقیقت کا روپ دینا چاہتا تھا۔

وہ زیر لب مشکلا دی۔  
”اے باؤا کی کو اوشان کی اس بات کا اس نے کہا وہ دیا تھا اس نے کہا تھا کہ اگرچہ غزالہ جیسی حیامت اور خدائی ذہانت کے کر پیدا ہوا تو کیا ہوگا؟ اوشان اس بات پر متنی ہو انداز میں نہیں کرنا خوش ہو گیا تھا... لیکن آج غزالہ سوچ کے دو رہے۔ ہر کڑی تھی۔

کبھی تو اس کا بھی چاہتا کہ وہ شہزاد کے سامنے سیرت غم کر دے اور اس کی برتری تسلیم کرے کہ خود کو اس کی باہنہ قید میں ڈال دے اور جس اس کی منڈی فطرت عموماً کرائی وہ اپنی ذہانت اور برتری ثابت کرنے پر پختہ کرنا ضروری سمجھتی۔  
مخالف بہرام کی باتیں یاد آئیں تو اس نے یہ خیالات سے جھٹک دیے۔

”میں سمجھتی ہوں کہ وہ اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے۔“  
”ہاں... یہی لگتا ہے۔“

”ٹائیگن کیلنگ، ہنچا، اگلے؟“  
”تم نے جو کچھ بتایا ہے، اس سے ٹائیگن کی فہم کر دھکتا ہے۔“  
کی تصدیق ہوتی ہے، بہرام نے جواب دیا اور پھر کسے بتایا کہ کس طرح اوشان اور ٹائیگن پر کتنا لگاؤ تھا کہ اگلے اس کے علاوہ بہرام نے لوانہ خاندان کے دوسرے بیٹے رینڈی کو پیش آنے والی صورت حال بھی بتادی، جن دوا دھیل نے اوشان اور ٹائیگن پر جھک کر تھا۔  
اُن کے ہر پائے ہانے والے کیڑوں کا تعین کسی اسپتال یا ڈیجیٹل لفظوں میں لیبارٹری سے تھا۔ ٹائیگن کا خیال ہے کہ اس سلسلے

محالے میں میڈیکل سائنسز میں ہے۔  
”اوه... تو ٹائیگن کا خیال ہے کہ قریب تر پہنچ چکا ہے۔ وہ ایک فوٹیل سانس لے کر بولی۔ مجھے اپنی کارکردگی میں اضافہ کرنا چاہیے گا۔“  
بہرام ہنسنے لگا۔ ”سنو غزالہ! اس نے غفقت سے کہا۔“  
”فہم ہے، ٹائیگن سے مقابلہ کرنے کا جھوٹ آثار دو اور اپنی صلاحیتوں کو بڑھانے کا لاکر اپنا ذاتی مقام بنانے کی کوشش کرو۔“

غزالہ نے ایک منڈی سانس لے کر بولی۔  
”تم کچھ دیر انتظار کرو۔ میں لافٹ وٹن لیبارٹریز کے سلسلے میں معلومات حاصل کرتا ہوں۔ بہرام نے کہا اور ایک ایسے فن کی طرف متوجہ ہو گیا جس کا سلسلہ کپڑے سے جڑا ہوا تھا۔ دس منٹ تک وہ اس فن کی بات کرتا رہا اس کی باتوں کے جواب میں میکانیکی جھپک اٹھانے لگی۔ پھر اس نے سلسلہ قطع کر دیا۔  
اس کی آنکھوں میں سوچ کی پریچاٹیاں تھیں۔

”چیلو...“ اس نے غزالہ سے کہا۔ ”معاذ اللہ خدمت ہے۔ لافٹ لائن لیبارٹریز میں ”دلت مند ترین خاندان کے سلسلے سے چل رہی ہے، جس کے خلاف سازش کی گئی ہے۔ اس کے سربراہ دو فاکٹر ہیں۔ ایک عورت اور ایک مرد۔ جو فاکٹر اسٹون ملینا اور فاکٹر ہیز... یہ دونوں ہی لوانہ خاندان کے فیمل ڈاکٹر ہیں۔“  
”اوه... لیکن اگلے! یہ لوگ وقت لائن لیبارٹریز میں کیا

کرتے ہیں؟“  
”عادات اور مزاج پر تحقیق کام ہو رہا ہے۔“  
”انسانی عادات اور مزاج؟“  
”خاید... ممکن ہے اس تحقیق میں جانور بھی شامل ہوں۔“  
”میں سمجھتی ہوں کہ آج کل کہاں مقیم ہے؟“  
”جوانا بہرام نے اسے اس ہونٹ کا پتہ بتایا جہاں اوشان

عبدجی ایف پی چری لاس ی بن برکاتیا صاحب سرور سید محمد حسن

مکمل کر کے نہ صرف واپس آ جانا چاہیے تھا بلکہ ان کی طرف سے کمال بھی آجانی چاہیے تھی۔۔۔ اور ایسا نہ ہونے کا صاف مطلب تھا کہ خود کے وہ دونوں ایجنٹ اُن دعاؤں میں لگا کر دیکھنے کے لیے یہ کیابل بھیجے ہیں۔

• خوشن۔۔۔ بہت ہنسا۔۔۔ وہ بڑبڑاتی۔

یہ دو نام اس کے ذہن پر سوار تھے اور انہی کی وجہ سے اس کی نیند آنکھوں سے گزر رہی تھی اُسے یاد آ رہا تھا کہ جب اس نے زجران شہزادے اس کی بیگم میں چار بھئی تعین کر اس کے دلالِ دُش کے اُن حالات پر دیکھی تھی؟ اُسے پتہ نہیں تھا کہ یہ تعین کیوں کیے گئے تھے، آتی گھر بٹ کا احساس نہیں ہوا تھا اس کے علاوہ رینڈی کو انھوں نے جس انداز میں مرنے سے بچایا تھا یہ بات کسی طرح بھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی بلکہ وہ بعد میں ڈاکٹر پرنز اُسے ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن رینڈی کو اُن کی حالت میں نہ رہا چاہیے تھا جیسا کہ رینڈی نے بھاری بھاری کی تھی۔ تمام رتی مٹیوں کے مطابق رینڈی کی موت واقع ہو جانی چاہیے تھی۔۔۔ پھر خوشن اور شہزادے بچانے میں کیسے کامیاب ہو گئے تھے؟

یہ داخل اس کے لیے ایک پیچیدگی کی حیثیت اختیار کر گئے تھے۔ اُس کے ذہن میں ایک سردی اور دو دھڑکی اور وہ کانپ گئی۔ وہ ایک سنگ عورت تھی اور اس پر ہاتھی تھی۔ اس کا نام بھی اسٹون نہیں تھا بلکہ اس کے سینے میں بھی دلی کی جگہ ایک اسٹون رکھا ہوا تھا۔ ایک ایسا اسٹون جو تمام انسانِ جلیل سے عاری تھا جس میں دم کی ایک خفیت ہی دھڑکی بھی پیدا نہیں ہوتی تھی۔ اس کے برعکس وہ حسین سراپا اور گشتِ پوست والی ایک پُرکشش عورت تھی لیکن اگر اسے ایک عیال کی عورت کہا جائے تو کبے چاند ہوگا۔

سوچتے سوچتے اچانک ہی اس کے اعصاب پر خوفِ سوار ہو گیا اور زندگی میں پہلی بار نہ صرف دہشت زدہ ہوئی بلکہ وہ یہ سوچنے پر بھی مجبور ہو گئی کہ اسے اس معاملے سے اب کیا نہ کشی اختیار کرنی چاہیے۔

اُس نے یہ خیال فرار ہی ذہن سے جھٹک دیا۔

وہ اس معاملے سے بالکل نہیں کھینچ سکتی تھی کیونکہ اس کا معاملہ کروڑوں ڈالر کا تھا اور میراث نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان خانہ داران کی یہ ساری دولت اُس کی دوسری جگہ لے جائے گی۔ اس کے علاوہ خیال میں رہن پر کام کر رہا تھا، اس میں اسے ایک اچھوتیت بھی حاصل کرنے کی توقع تھی۔ مگر اسٹون جانتی تھی کہ وہ ایک دلدل میں چھن گئی ہے اس سے نہیں مشکل ہے جتنے کا دوسرا مطلب

ہے جس کی موت تھا اور وہ کسی بھی صورت میں مرنے میں جانتی تھی۔ اس کے بڑبڑانے پر ایک سفاک مسکراہٹ آئی۔

”میرے خوابوں کی بجائیں میں کوئی ہی چیز مرنے میں ہرگز نہیں ہرگز نہیں“

اس نے خود کلاسی کے انداز میں کہا میں اپنے خوابوں کو جبر سے ٹھکرا کر بغیر نہیں رہوں گی۔

اس عزم نے اُسے سکون دیا۔

اصحانی کشیدگی کم ہو گئی اور اگلے ہی لمحے اس کی سین پکڑوں نے پُرکشش آنکھوں کو چپا لیا اور پکڑیں نیند کے بحر سے بند ہو گئی تھیں۔

• خزانہ نے گہری بیگم سے دروازے کا جائزہ لیا۔

لافت وٹن لیبارٹری کے مفتی دروازے میں الوم کے کنارے موجود تھے۔ وہ جیسمی کہ اس نے دروازے کو کھولنے کی کوشش نہیں کی کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے اپنا پرس کھولا اس میں سے ایک تار نکالا۔ اس تار کے دو دلی طرف چپک ہائے دلیے کلب کے چوڑے تھے۔ چلتے وقت وہ ایک اسٹون صورت حال کے خیال سے تیار ساتھ لیتی آئی تھی اسٹون اس کے کام آ رہا تھا۔ اس نے خاموش الوم کے تاروں کو اس تار میں اٹھا کر کلب دایم باؤس چپکا دیے۔ اس طرح ان باریک تاروں کی کارکردگی ختم ہو گئی۔ جس سے الوم جاگ کر اس پاس کے گولوں کو بھی جھٹکنے کا باعث بن گیا تھا۔ تاروں کی طرف سے ملحق ہونے کے بعد اس نے پرس سے تالا کو نکلے والا اور تار نکالا اور دروازے کے لاک پر جھجک گئی۔

دروازہ کھولنے میں اسے زیادہ دیر نہیں لگی۔

اس نے تالا کھول کر کراؤ کو کھولے ادب سے آواز دے دیا۔

لیبارٹری میں داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔ الوم خاموش رہا اس کا مطلب تھا کہ وہ اُسے تالا نہ کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ لیکن اس کا بیانی کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ بے فکر ہو جاتی۔ عکس کر رہی تھی کہ اس نے موت کے گھر میں قدم رکھ دیے۔ اچانک ہی دیر قبل اس نے ناک اور اس کے ساتھ کی لاشیں اپنی آنکھوں سے دیکھی تھیں اور اندازہ ہوتا تھا کہ معاملہ بس قدرتنا مجرموں سے متعلق نہ رہتا ہے۔

وہ دروازہ بند کر کے اس سے پیچھے ہٹا کر کھڑی ہو گئی اُسے دیر تک وہیں کھڑے رہنا پڑا۔

جب اس کی آنکھیں تاریکی سے ماڑیں ہو گئیں تو اس

نے دیکھا کہ اس نے ہی دیواروں کے ساتھ ساتھ اُن گنت چیزوں کے ٹوٹے ہیں اسیان پچھوں میں کوئی دیکھ کر جا رہی ہے موجود تھا۔

بجروں میں مختلف اجسام دیکھ کر اُسے حیدر آباد اندازہ ہو گیا کہ چیزیں بجروں میں چھپے بند ہیں۔ سفید لہر جھلنے سے چھپے۔ عام طور سے خواتین بچوں سے خوف زدہ ہو جاتی ہیں لیکن خزانہ ان عورتوں میں سے نہیں تھی۔ اس نے دس سال کی عمر میں ایک ایسے چور کو سنڈل لک اڑی سے ملایا کہ ہلاک کر دیا تھا اور اس کے لبتہ میں گھس آیا تھا۔ وہ جانوروں سے دہشت زدہ ہونے والی بڑی نہیں تھی کیونکہ اس کا لبتہ تھا کہ جانور خود انسان سے خوف کھاتے ہیں اس لیے کسی خوف زدہ چیز سے دہشت زدہ ہونا حماقت نہیں قرار دیا گیا ہے؟

وہ بے حس و حرکت کھڑی اٹھیں دیکھتی رہی۔

یہ خیال اچانک ہی اس کے ذہن میں آ گیا تھا کہ لیبارٹری ناک بھی اس لیبارٹری میں آچکے۔۔۔ اور اسے یہیں سے پکڑا گیا ہو گا۔ اس کی دلش خزانہ کی نگاہوں میں گھوم گئی اور اسے اپنے جسم میں سنسنی کی لہری دوڑتی محسوس ہونے لگی۔ اچانک اُسے یاد آ گیا کہ بہرام نے سختی سے منع کیا تھا کہ وہ کوئی ایسا اقدام نہ کرے اور وہ تالیکر کے کمرے میں ایک پیغام چھوڑ آئی تھی لیکن اب یہ احساس تھا کہ بہرام نے اسے اس کے لیے یہاں تنہا کر دیا ہے۔ لیبارٹری کی بے یقینی اب تروہ اندھا بھی جیتی تھی اس لیے جیسے جیسے اس کی فطرت کے خوف تھا۔

اُسے محسوس ہوا کہ اس کا جسم ٹھنڈے پینے میں جھپٹتا جا رہا ہے۔

• ڈاکٹر اسٹون کی آنکھ کھل گئی۔

اگر اُسے سوئے ہوئے پندرہ بیس منٹ ہی چھوٹے تھے لیکن ٹھنک ساڑھے چار بجے صبح وہ تحقیقی کام کے لیے لیبارٹری ہانے کی عادی تھی اور اسی حادثے کے تحت اُس کی آنکھ کھل گئی تھی وہ ایک اچھوتی سے لگا رہی تھی۔ اُس نے لمحوں میں شرٹ میں اپنا قیامت خیز سراپا قید کیا اور لیبارٹری ہانے کی تیار ہو گئی۔ وہ گھڑت تھیں دلیں سے چھوٹے پراہک تجربہ کر رہی تھی اور اس کا تجربہ کامیابی سے ہم کنار ہو چکا تھا۔ اس نے بچوں کو خوف دھاتوں سے خوف زدہ ہونے کا تجربہ کیا تھا اور تجربے اب اُس کی نچھائش کے مطابق اُن حقائق سے ڈرنے لگے تھے۔ ڈاکٹر ایسا اسٹون نے قید میں رکھنے کے بعد اس تجربے پر کام کرنا

شروع کر دیا تھا کہ اگر کسی کے ذہن میں کسی چیز کے خوف کا عنصر پیدا کر دیا جائے تو یہ عنصر اُس کے جسم سے حاصل کیے کسی دوسرے جان دار کا انجیکٹ کر دینے سے، اسی چیز سے خوف زدہ ہونے کی علامت تبدیل کی جاسکتی ہے۔ اس لیے اپنا تحقیقی کام پیشہ زائر میں رکھا تھا جس کی آڑ میں نہیں کھا اور کسی اپنی تحقیقات منظر عام پر لے کر کتب خانہ میں بھی کیوں کر اس کا لبتہ تھا کہ دوسروں کے مقابلے میں خود بخود زیادہ معلومات کی اہل ہوگی، اتنا ہی اُسے فائدہ ہو گا اور اس فائدہ کے پیش نظر دوسروں کو زیادہ دلاطم رکھنا چاہیے وہ تیار ہو کر نئے پاؤں ہی اپنے اپارٹمنٹ سے نکل کر اُس راہ داری میں چلے گی جو لیبارٹری کی طرف جاتی تھی۔ چند ہی پاؤں کے بعد وہ لیبارٹری میں داخل ہو رہی تھی اور اس کے لیے اس نے اندرونی دروازہ استعمال کیا تھا۔

★ ★

خزانہ نے لافت وٹن لیبارٹری کی عمارت کے سامنے والے چتے سے گزرتے وقت دیکھ لیا تھا کہ گارڈز میں موجود ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے اندر آنے کے لیے لیبارٹری کا بھی دروازہ استعمال کیا تھا۔ لیبارٹری سے فلاسٹ کر ایک اور دفتر میں وہ دیکھ چکی تھی۔ وہ اسی دفتر میں جا رہی تھی اور پھر اُس نے محض دو منٹ کی ٹیوٹنگ جھوکر یہ لیبارٹری کر لینا چاہا کہ دفتر میں ہنگامی استعمال کے لیے کوئی کوئی تلاش کر لینی چاہیے۔

کمرے میں کھڑی موجود تھی۔

اس نے کھڑی کھڑی اور دفتر کا دروازہ منھل کر دیا۔ وہ اُس میں کی طرف متوجہ ہو گئی جس پر ڈاکٹر ایسا اسٹون کی تختی رکھی ہوئی تھی۔ اس نے میز پر کھڑا ہوا ٹیپ روٹر کر دیا۔ اور میز کے عقب میں رکھی ہوئی الماری کی طرف توجہ کر دیکھی۔ یہ الماری منھل تھی۔

اس نے تالا کھولنے والا دروازہ نکالا اور اُسے چند ہی لمحوں میں کھول لیا۔ بالائی دروازہ کھولتے وقت اس کے ہینڈ بے آواز سنائی جانے کے انداز میں شکوہ گئے اس وقت وہ بے حد سرد تھی۔ ہر خوف اور ہر خدشہ اس کے ذہن سے محو ہو چکا تھا اس دروازے پر اُن کا خاندان کے افراد کی میڈیکل ٹائیس تھیں۔ خاندان کے سربراہ ایڈورڈ بے بیٹے لومر دوسرے ادیسرے بیٹے رینڈی اور ڈیوید کی ٹائیس ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں۔

خزانہ نے ٹیپ ٹیپ الماری کے قریب کر لیا۔ وہ آرام کر گئی پر بیٹھ گئی تاکہ ان خانوں کا، اسیان سے



معاذ کر کے وہ بڑے میں مشغول ہو گئی اور ضروری ہی پر بعد  
کے گرد و پیش کا بھی ہوش نہ رہا۔

ڈاکٹر ایذا اسٹون نے بڑے سرسری سے انداز میں لیا ڈیڑھ  
کا اندرونی دروازہ کھولا۔ دروازہ پر معلق رکے وہ جیسے ہی اندر  
آئی، دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی اور اگلے ہی لمحے اس  
کا پورا جسم جیسے ٹھنڈا سا ہو کر رہ گیا۔

بال کے آخری حصے میں واقع اس کے دفتر کے دروازے  
کی بجلی دندوڑن تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ کوئی اندر موجود ہے۔  
دروازہ عقب میں بند کر کے وہ ڈیڑھ قدم اپنے دفتر کی طرف  
بڑھ گئی۔ اس کے پردوں میں ٹکے نہیں تھے۔ اس لیے بجلی بھی  
اس کے قدم سے آہٹ نہیں پیدا ہو رہی تھی اس کے باوجود  
وہ کسی بجلی کی طرح قدم اٹھاتی ہوئی دفتر تک پہنچی تھی۔

دروازے کے بالائی حصے میں کیٹے لگے ہوئے تھے وہ  
ایک فیٹے کے کانے سے اندر جھانکتے تھی۔ اس کے دفتر میں  
ایک عورت بیٹھی تھی۔ ایک سیاہ فام بیک چین، چمکتے ہوئے  
یووان محبت تھی وہ اس کی گھر سے والی کرسی پر بیٹھی، فائل کیٹ  
سے فائیں نکالے ہوئے تھے انہماک سے مطالعہ کر رہی تھی۔ کرسی سے  
عقب میں دفتر کی کھڑکی کھلی تھی۔ ڈاکٹر اسٹون کھڑکی کے عورت  
نے مچھی حالت میں فرار ہونے کے لیے پہلے سے کھل کر کھائے  
ڈاکٹر اسٹون حیرت زدہ ہو گئی۔

یہ عورت کون ہے؟ وہ سوچ میں پڑ گئی۔ اسے یہاں کے  
بارے میں کیسے پتہ چلا؟ اچانک اسے یاد آیا کہ اب تک یہاں  
صرف مزارعہ رسالہ ناک ہی آچکا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ  
عورت ناک ہی کی کوئی رشتہ دار ہے۔ گویا ناک یہاں کتنے وقت  
اس عورت کو بنا کر آیا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔... اہ جب وہ  
واپس نہیں گیا تو یہ اس کی تلاش میں یہاں آ پہنچی ہے۔

اپنے نیچے پیرول سے بے آواز چلتی ہوئی وہ دروازے  
کے سامنے سے ہٹ گئی اور لیا ڈیڑھ کی طرف فوراً کی طرف  
بڑھنے لگی۔ بال کی طرف جمانے والی راہ داری میں ایک الماری  
کھل کر اس نے کچھ ٹیولا اور پیرول کی چیز اٹھا کر اپنی تھیں کے  
اندر رکھ لی۔ اب وہ الماری بند کر کے عمارت کے سامنے دالے  
دفتر کی طرف جا رہی تھی، جہاں گاڑی بیٹھا تھا۔

جیسے ہی اس نے کہے میں قدم رکھا، گاڑی نے وہ فلی پرال  
جلدی سے میز کے نیچے چھپ کر دیا۔ جس کا وہ مطالعہ کر رہا تھا۔

بہرہ زور سے اس نے منکر کر کہا کہ اب اس وقت یہاں  
کی کدھی ہیں؟

”بھئی بھائی بھائی“ وہ بولی اور سوچ رہی تھیں۔ میرا  
شہرہ ہے کہ تم ہی کی یاد کرو۔

وہ جرات نوروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔  
ڈاکٹر اسٹون نے اسے اپنا وقت سمجھا تو اس نے گہری  
طرز سمجھ میں نہ آنے کے باوجود ثابتاً ہی سر ہلایا اور ادا دلی ظاہر کر  
کہ جیسا کہ رہی ہے، ویسا ہی کہے گا۔ ڈاکٹر نے بیرونی دروازہ کھولا  
اور دیکھ کر اس کی سخت رات میں ننگے پاؤں ہی باہر نکل گئی۔ گاڑی  
بھی اس کے پیچھے ہی باہر آگئی۔

وہ دوسری جانب سے عین دروازے کی طرف چل دیا۔  
ڈاکٹر اسٹون باہر قدم رکھنے ہی اس کی گنجائش سے اوجھل  
ہو گئی تھی۔

گاڑی نے عمارت کے مٹی دروازے پر پہنچ کر ہٹل گھمایا  
جیسے یہ دیکھنا چاہتا ہو کہ تالا لگا ہوا ہے یا نہیں۔ اس دوران میں  
وہ گھر سے مٹی کی بجائے ہوئے ایک کون میں جا رہا تھا اس کے  
انداز سے یہ ہرگز پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ ڈاکٹر اسٹون کے دفتر  
میں کسی کی موجودگی سے آگاہ ہے۔ لیکن گھٹا تھا جیسے وہ معمول کے  
مطابق گشت کر رہا ہو۔

... پھر اس نے باہر نکلے ہوئے ایک مین کو دیا دیا۔  
اس مین کے دہستے ہی دروازے کے اندر واقع راہ داری  
روشن ہو گئی۔

یہ سب کچھ اس نے ڈاکٹر اسٹون کی ہدایات کے مطابق  
کیا تھا اور اب اسے آخری وارنٹ پر عمل کرتے ہوئے غلاف  
معمول جلدی چھنی کر کے اپنے گھر چلے جانا تھا۔ مین دالے... اور  
لیا ڈیڑھ میں روک تھام کرنے کے بعد وہ دالے سے رخصت ہو گیا۔  
غزالہ اس وقت ڈاکٹر اسٹون کی کرسی پر بیٹھی ہوا تو غافلانہ  
کے فائل دیکھ رہی تھی۔ اس کے خواس کا دل نے بیرونی دروازے  
کا ہینڈل ٹھونکنے کی آواز سن لی تھی اور پھر جیسے ہی اندرونی راہ داری  
روشن ہوئی، ڈاکٹر اسٹون کے کہے میں بھی ہلکا سا جھلا ہو گیا۔ یہ  
دیکھتے ہی غزالہ نے جی پھرتی سے میل لپیپ بجا دیا۔

اس نے جلدی جلدی فائل دوبارہ کیٹ میں رکھے اور چلنے  
کے ارادے سے کھڑکی کے سامنے کھڑی ہو گئی۔... پھر وہ ٹیولا سامنے  
اس کے گھٹنوں میں جم پڑا۔ اچھا۔ اگلے ہی لمحے اس نے اپنا جسم اٹھال  
دیا۔ گھٹنے سے ہونے تو اس کا جسم کڑی اچھا جیسے ناخنوں نے

رات دراز ہو گئیوں کا کام ختم دیا ہو۔  
غزالہ کا گھر گھر سے چند منور کھڑکی میں بیٹھی ایک اس سے پہلے

رہا باہر زمین پر بیٹھے ہیں کا ماب ہل، ایک طرف آڑ سے  
چاہی ہی ڈاکٹر اسٹون نکل کر اس کے سامنے آگئی۔

ڈاکٹر ایذا اسٹون کے ہاتھ میں ایک ایسے دیا ہوا تھا اس  
نے اسے اٹھا لیا اور اگلی ہی ساعت پھر اس کی اور غزالہ کے چہرے  
پر ہنسی... پھر وہ ٹیولا کے دالے کے فرش پر گر گئی جیسے  
کسی نے باہر سے گھبراتے مار کر اسے اندر پھینکا ہو۔

اسے سے نکلے والی پھر اس کے چہرے پر ہنسی چلی  
پڑی تھی، دالان لگ گئی جیسا احساس ہو رہا تھا لیکن آنکھیں میں  
ٹیولا رنگ رہا تھا جیسے کسی نے مریں چمک دی ہوں۔ اسے  
اپنی آنکھیں خمدت سے مٹی محسوس ہو رہی تھیں۔

یہ ایک ایسا جھکا تھا جس نے غزالہ کی سانسیں بے ترتیب  
کر دی تھیں اور اب اسے ٹیولا لگ رہا تھا جیسے اس کا دم کاٹ  
رہا ہو۔ اس کے چہرے پر اسے خالی ہونے کا بارے ہوں۔ اس  
کے گھر ہی بعد غزالہ کو کڑی محسوس ہوا جیسے اس کا جسم مفلج ہو رہا تھا  
رہا ہو اور وہ اس احساس سے ماری ہوئی جا رہی ہو۔ اس کی انگلیاں  
جیسے جان ہو کر اڑتی جا رہی تھیں وہ اب کسی بھی چیز پر گرفت  
کھینے کے قابل نہیں رہ گئی تھیں۔

دفتر کے فرش پر گر گئی تھیں۔ بعد وہ گرد و پیش  
سے بے خبر ہو گئی۔

ڈاکٹر اسٹون کھڑکی کے باہر خاموش کھڑی تھی۔  
اس کی آنکھیں میں فتح مندی کے شگفتہ لہجے بھی نظر آ

رہی تھی۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ فرار ہونے والی  
یاہ فام عورت ہے جس پر ہنسی ہے تو وہ آہستہ آہستہ کھڑکی کے  
قریب آگئی۔ اس وقت ہی وہ برہنہ پا تھی۔ کھڑکی کے باہر پڑی ٹیولا  
لگا رہی ہے۔ جی پھرتی، کھڑکی سے وہ دفتر میں داخل ہوئی اور پھر  
اس نے کھڑکی کے پٹ بیٹر دیے۔ وہ اپنے دفتر کے اندرونی دروازے  
پر پہنچی اور اسے کھول کر دھنک رہی تھی۔ اس نے پھر اس نے  
الٹیان کر لیا کہ گاڑی اس کی ہدایت کے مطابق چھنی کر کے اپنے گھر جا  
چکا ہے۔ ہر طرف سے مٹنی ہو کر وہ دالے اپنے دفتر میں آگئی اور پھر  
آہستہ آہستہ کھڑکی کے قریب بے ہوش پڑے جس کی طرف دیکھنے  
وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ اس نے کسے دیکھنے کا حصول پڑا ہے

★ ★

میری سر کر تھا تو مروج طلوع ہو چکا تھا۔

وہ دوسرے کہے میں آیا تو اوشان محاسن کی بی بی ہوئی چٹائی  
پر بیٹھا چھت کی طرف گھوم رہا تھا۔ وہ اس وقت کھلنے کے اس  
میں تھا۔ ایک بات ہے، بل فادر آپ سوئے ہیں، کئی خرافات  
غواب تر نہیں دکھائی دیا۔

”کبھی کی بات کا جواب دینا ایک اخلاق تعالے ہے؟  
میں شیک سے سو نہیں سکا۔ اوشان بڑبڑایا۔

میری دل میں دل میں شکوے لگا۔ اوشان اخلاق کا دل  
لا بہت خیال رکھنے والا آدمی تھا اور اس نے اوشان کی اسی دگتی  
رگد پر ہاتھ رکھا تھا، وہ اس وقت وہ جتنے خواب ہو گئے تھا  
اسے بولنے پر مجبور کرنا بے سود مشکل کام تھا۔... یہی ناٹیکو کجرت  
تھی کہ اوشان ٹیکسٹ سو کیوں نہیں سکا؟ وہ ایک روحانی ہو چکا تھا  
اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ غرض گزار رہتا تھا۔... ایسے فحش کی  
بے خوابی بلا وجہ تو نہیں ہو سکتی۔

”مجھے افسوس ہے، بل فادر، ہش ہونڈے ہمدی سے کہا  
ہو جانا چاہیے؟ اوشان غصے سے بولا۔

”وہ اب برٹش پر پڑی ہوئی؟ ناٹیکو بڑبڑایا۔ اور یہ بھی  
ممکن ہے کہ اس کا انتقال ہی ہو گیا ہو۔“

”ظاہر ہے، آپ نے بے خواب میں دیکھا ہوگا، وہ آپ  
کی جوانی کے دوست، کئی لڑکی ہوگی، کہیں آپ نے اسے پوتوں  
اور پوتیوں کے ٹکٹے میں تو نہیں دیکھا یا؟“

”موتوں کا خیال چھوڑو۔ اوشان کا لہجہ بدل گیا۔ خیال  
زیادہ عرصے تک ذہن میں رہے تو عقل کو جرحنا شروع کر دیتا ہے  
آدمی کی عقل ختم ہو جاتی ہے اور پھر کھڑکی میں عورت ہی عورت  
باقی رہ جاتی ہے۔“

”اور اس کے بعد وہ خواہوں میں آکر بے خوابی پیدا کرنے  
گئی ہے؟ ناٹیکو نے لہجہ دیا۔

”میں کہتا ہوں، کیا تمہارے بڑے دالے دن کے وقت تھیں  
کوئی پیغام نہیں دے کے؟ جہازوں کو پہلے بازی کر کے دوسروں  
کی نیند خراب کرتے ہیں؟ اس بار اوشان کا لہجہ بھلا کھلنے لگا تھا۔

”میرے نام پیغام؟ ناٹیکو چونک پڑا۔ کون آیا تھا؟“  
”معلوم نہیں۔ اس نے کاغذ کا ایک ٹکڑا دروازے کے نیچے

سے اندر کھسکا دیا تھا اور پھر رخصت ہو گیا تھا۔“  
”کہاں ہے، وہ کاغذ؟ ناٹیکو سنجیدہ ہو گیا۔ ایک نیچے

رات کے بعد سوتا تھا ظاہر ہے، کبھی بھی آیا ہوگا، نصف شب  
کے بعد ہی آیا ہوگا۔ اس نے کاغذ کی تلاش میں (دھڑ دھڑکاؤ) ڈالنا

”تم کیا کر رہا ہو؟“  
 ”یہی کہ تم کہیں انداز میں مرنا پسند کر دو گی؟“  
 ”اول تو میں مرنا نہیں چاہتی و غوالے پر مرم بیٹھے ہیں کیا۔“  
 ”دوسرے اگر مجھے مرنا ہی ہے تو میری پسکون موت چاہی ہو؟“  
 ”میں، تمہاری، وہ دھول باقیں رزکتی ہوں وہ تو کٹر اسٹون  
 کی پسکون مشکراہٹ کے پتے ہیں میری سہاکی پر شہیدہ  
 تھی وہ بیتر جو کا کم، تمہاری موت کے بسٹلے میں کسی بیٹے پر  
 پنج جانیں۔“

”کچھ دیر میرے کام ہو۔ مجھے مرے کی جلدی نہیں ہے۔“  
 اس دوران میں غزالہ کی آنکھیں کمرے کی ایک ایک چیز  
 کا جائزہ لیتی رہی تھیں۔ اس کمرے کی دیواروں کے ساتھ ساتھ  
 بھی پتھر دیواروں میں کئی جگہ چوبہ، نور گوش اور ہندو جوتے  
 ... لیکن ان میں سے کوئی بھی اپنی جوتی جیت کے تحت اٹھ کر  
 نہیں کر رہا تھا۔ انھیں دیکھ کر یہ احساس ہوتا تھا جیسے وہ زندہ  
 ہاؤز نہیں بلکہ ہاؤزوں کے مجسمے ہوں۔ صرف ان کی جگہ دار  
 آنکھیں باہمی کھجھر پٹکیں جھپکاتے کھلے یہ غماز کرتا تھا کہ مجھے  
 زندگی سے محروم نہیں ہیں۔

اجانک غزالہ کی نگاہ میں غم مٹی۔  
 لیبارٹری میں پر ایک تیز رفتار گاڑی رکھا تھا۔  
 اس چاقو کی لمبائی، کسی بڑے منجر کے برابر تھی۔ اگلا درجہ  
 مضبوط تھا اور اس کا ہینڈل تیز روشنی میں جگمگا رہا تھا۔ غزالہ نے  
 دیکھا کہ چاقو کی نوک پر سرخ نشان ہے۔ نوک لٹکا تھا جیسے چاقو  
 کچھ دیر قبل کسی کے جسم میں گھس گیا تھا اور نکلتے وقت اتنی دیر  
 کی گئی تھی کہ اس پر خون باقی نہ رہا تھا۔

دکاش میں کسی طرح اس چاقو کی میرا ہاتھ پہنچ جائے؟  
 اس نے سوچا لیکن یہ محض ایک سوچ اور تخیلی ہوسکتی  
 تھی۔ اس کی نیچل کا مریضہ مفضل بلکہ نامکس نظر آتا تھا۔ ہینڈل  
 جوتی تھی۔ اس کے ہاتھ کھڑوں سے اوپر تک پٹیلوں میں جکڑے  
 ہوئے تھے۔ کلائیوں سے پیچھے البتہ وہ آزاد تھے اور انھیں حرکت  
 دی جا سکتی تھی۔

”تم میرے بارے میں، خود میری ہی زبانی سب کچھ سناؤ  
 چکی ہو؟“ وہ تو کٹر اسٹون کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔ ”میں تمہاری جوتی  
 میدان میں قابلیت کی قابل ہو گئی ہوں لیکن مجھے حیرت ہے  
 کیا میں کیا ہو رہا ہے؟“  
 ”جو کچھ بھی ہو رہا ہے، وہ کچھ زیادہ حیران کن بھی نہیں ہے۔“

”کمرے میں، فن کے قریب کھڑی ایک عورت پر پڑتی۔  
 عورت فلن کسی سے بات کر رہی تھی۔  
 غزالہ اس کی آواز نہ سنی تھی۔ عورت، ڈاکٹر اسٹون کی جوتی  
 اس نے گھٹو کر کے ریسپر رکھ کر اور فلن کے اس کی طرف دیکھنے  
 لگی تھی۔ چار مہرے تھے جی ٹی ٹی اسٹون کے ہونٹ مشکراہٹ  
 سے پھل گئے۔ جوتی ہی کشادہ جسم کی مشکراہٹ تھی۔  
 وہ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگی۔  
 کمرے میں تیز روشنی پہیلی ہوئی تھی۔

”جوتے سے، غزالہ منٹ ٹیٹرب کی تیز روشنی میں، کمرے  
 کا دروازہ دھڑکنے لگا۔ غزالہ کی یاد آ کر یہ ایسی ہی روشنی حال  
 ہی میں کسی جگہ دیکھ چکی ہے۔ کہاں؟ اس نے خود سے سوال کیا۔  
 جواب اس کے ذہن میں پیدا ہوا اور وہ سر سے پاؤں تک کانپ  
 گئی۔ ایسی روشنی اس نے مرہ خانے میں دیکھی تھی۔ اسی مرہ خانے  
 میں جہاں وہ ناک اور گور کی لاشیں دیکھنے گئی تھی۔  
 ”کیا عکس کر رہی ہو، غزالہ؟“ ڈاکٹر اسٹون نے حیرانت کیا۔  
 ”تم میرا نام کیسے جانتی ہو؟“ وہ چونک پڑی۔  
 ”میں، تمہارے بارے میں کافی جانتی ہوں۔“ ڈاکٹر اسٹون  
 نے غمزہ سے بولی۔

”تمہارا نام، تم کس کے لیے کام کرتی ہو، اور کیا کام کرتی ہو۔“  
 اس کے علاوہ مجھے ان دواؤں کے بارے میں بھی بہت کچھ معلوم  
 ہو گیا ہے، جن کی وجہ سے میں بے حد پریشان تھی۔ شہنواز... اور  
 ... آؤشان۔ مجھے ان کی مصیبت بھی معلوم ہو چکی ہے۔ اس کے  
 علاوہ میں یہ بھی چاہتی ہوں کہ دنیا کے دولت مند مرنے والوں  
 لہاؤں کے سٹیلے میں تمہارے کسے کی نعمات ہیں اور شہنواز کے بسٹلے  
 میں تمہارا کیا نظر ہے۔ میں بہت کچھ جانتی ہوں، غزالہ... اس لیے  
 صرف اپنے نام پر ہی اتنا زیادہ نہ چڑھو۔ کیوں کہ اس طرح چونک  
 چونک کر تم اپنا اور میرا بے حد قیمتی وقت ضائع کر دو گی۔  
 ”جوتی... تو تم نے مجھے کوئی دوا استعمال کرائی ہے؟“ غزالہ  
 نے خندت سے دھڑکتے دل پر قابو پالے ہوئے کہا۔ وہ دوا جس  
 کے زیر اثر میں نے نہ جانے کیا کچھ ہو گیا؟

”ہاں ڈاکٹر! میں نے ایک ایسی دوا استعمال کرائی ہے تب  
 تم صرف ایک بات جاناؤ۔ ڈاکٹر اسٹون نے مشکرا کر کہا۔  
 ”کہا۔ بات تم دو اس کے زیر اثر معلوم نہیں کر سکتی؟“  
 ”نہیں... مجھے انکس ہے۔“ ڈاکٹر اسٹون کے پیٹھ میں  
 ندامت تھی۔

لیکن میں نے اسے تاکید کر دی تھی کہ تیار نہ ہائے بلکہ تعین ہاتھ چھو  
 ”اور... ٹھیک ہے۔“ وہ بیٹھنے والی سے پسٹلہ منقطع کر دیا۔  
 اس کی پیشانی پر گہری سٹونیں نمودار ہو گئیں۔

\*\*\*

غزالہ کا ذہن تیزی سے ہوش کی حالت کی طرف بڑھ رہا تھا۔  
 سب سے پہلا احساس اسے یہ ہوا کہ اس کی گردن میں  
 بے پناہ تکلیف ہے جیسے اس کا ذہن عالم ہوش کی طرف  
 سفر کر رہا تھا، ویسے ویسے گردن کی اس تکلیف کی وضاحت  
 ہوتی جا رہی تھی۔ اس تکلیف کی وجہ ہیرام کے لیے کام کرنا تھا،  
 یہ تکلیف شہنواز سے وابستگی کے باعث تھی جو موت کے لیے  
 کام کرنا بھی اس کی تکلیف کی ایک وجہ تھی۔ یہ خیالات خود بخود ہی  
 اس کے ذہن میں پیدا ہو رہے تھے۔ لاشوری عود پر وہ،  
 یہ مسب باتیں سوچ رہی تھی اور اس کا ذہن ہوش سے ہم کنار  
 ہوتا جا رہا تھا۔ ہیرام... آؤشان... شہنواز... حکومت...  
 ان سب کی وجہ سے اس کی گردن میں تکلیف پیدا ہوئی تھی اور  
 اس تکلیف میں ہرگز نہ ہونے کے ساتھ ساتھ ہوتا جا رہا تھا  
 ... اور جہر کس کی آنکھیں کھل گئیں۔

”اس کی گردن میں جن تکلیف کا احساس تھا، وہ اس حقیقت  
 اختیار کر گئی تھی۔ یہ وہی ہے جتنا ہیرام اس سے تھا میرا کچھ بڑے  
 کھٹے سے گردن میں پیدا ہو سکتا ہے۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ  
 اٹھا کر گردن کے کھٹے کھٹے جیسے کچھ نہا چاہا لیکن وہ اس مقصد  
 میں کامیاب نہ ہو سکی۔

”اس نے گردن چھکا کر دیکھا۔  
 ہاتھ ایک اسٹریپ سے بندھا ہوا تھا۔  
 غزالہ نے گردن کھانک کر دوسرے بازو کی طرف دیکھا۔ ہاتھ  
 بھی بندھا ہوا تھا۔ تب اس نے جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ وہ ساری  
 کی ساری بندھ چکی تھی۔ وہ ایک ایسی چار پائی پر دراز تھی جو  
 عموماً اسپتالوں میں، مرلینوں کو لٹا کر جاتی ہیں۔ پٹیوں نے اسے  
 اس بڑی طرح سبوتا کر رکھا تھا کہ وہ جسم کو خفیف سی حرکت بھی نہیں  
 کر سکتی تھی۔

اجانک اسے سب کچھ یاد آیا۔  
 کوئی چیز غزالہ کی طرح اس کے پیچھے پر پڑتی گئی تھی۔ یہ  
 سب کچھ اس وقت ہوا تھا جب وہ ڈاکٹر اسٹون کے دفتر کی چوٹی  
 کھڑکی سے فرار ہو رہی تھی۔ اس نے جہاں تک گردن اجازت  
 دیتی تھی، گھوم کر کمرے کا جائزہ لیا۔ اچانک اس کی نگاہ کمرے

تقریباً دروازے کے سامنے، ... اسے ایک مڑا ہوا پرچہ  
 نظر آیا۔

وہ اندھ کے تیز جھونکے کی طرح اس پرچے تک جا پہنچا۔  
 پرچے کی جھونکوں کو دیکھ کر اس نے ہنگامہ ڈال کر اس کی گرفت  
 کا فائدہ اٹھایا۔ اس کے جھڑپے پہنچ گئے اور اس کی آنکھوں سے  
 فکرمندی جھٹکنے لگی۔ اس نے اوشان کی طرف دیکھا جواب بھی کھل  
 کے اس میں بچا چھت گھڑ رہا تھا۔ ... پھر لیٹر کی بجگہ دوبارہ  
 اس پرچے پر جم گئی۔

یہ غزالہ کی طرف سے پیغام تھا اس نے کھا تھا۔  
 مشرق طاق دورا  
 تھیں جس کی تلاش ہے، اس جگہ کا نام  
 لائف لائن لیبارٹری ہے۔ ایسٹ... کیا سی۔  
 اسٹریٹ... غزالہ،

”اوشان! یہ پرچہ کب اندر جھپکا گیا تھا؟ اس نے بے صبری  
 سے پوچھا۔  
 ”شاہد دو مین گھنٹے قبل۔“

”کیا آپ نے اسے پڑھا تھا؟“  
 ”صرف یہ دیکھا تھا کہ پیغام میرے نام نہیں ہے۔“  
 ”اور! جلتے ہیں، یہ کس کا کاغذ ہے۔“  
 ”غزالہ...“ آؤشان نے مشکرا کر کہا۔  
 ”وہ یقیناً کسی خطرے میں گھر گئی ہے۔“  
 ”ظاہر ہے۔“ اتنی رات مجھے انبار بخت کرنے والی طرح  
 غلطی ہی میں گئی ہیں؟ اوشان کا ہوجھلنا نہ تھا۔  
 ”یہ بخت نام نہیں ہے؟“ شہنواز غزالہ کو لائف لائن لیبارٹری

میں گئی ہے۔  
 ”وہ ایک کچھ دار لڑکی ہے؟“ آؤشان نے مشکرا کر کہا۔  
 ”ٹائیگر کی لکھا لٹ اور بے چینی سے کھٹ اندر زور ہوا تھا۔ وہ  
 کسی مصیبت میں نہیں گھر سکتی۔ اسے اپنی حفاظت... کا فن آتا ہے  
 اگر تم میری بات مان کر اس سے شادی کر لو تو...“

”اگر وہ کچھ بھی تو یقیناً کر لیں گا؟“ شہنواز نے فکرمندی سے  
 کہا اور جلدی جلدی ہیرام کا ہینڈل ڈال کر کہنے لگا۔

”ہیرام...“ ڈاکٹر دوسری طرف سے، ڈاکٹر اسٹون کی  
 ”غزالہ کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟“  
 ”وہ لائف لائن لیبارٹری میں ہی ہے۔ ہیرام نے جواب دیا۔

کے درمیان فاصلے کا اندازہ لگایا اور پھر ایک طویل سانس لے کر رہ گئی۔  
اسے دس فٹ کا فاصلہ لے کر نکلتا۔  
دو دوایح کر کے دس فٹ کا فاصلہ ...  
وہ جسم کو جھٹکے دیتی رہی اور چار پائی بٹ کر رہی ...

\*\*\*

ڈاکٹر اسٹون مین آفس میں داخل ہوئی تو اس کے ہونٹوں پر انسانی تانے سے بھر پور مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ ایک سفاک اور بے رحم عورت ہے۔ اس کے عشق و محبت میں خصوصیت تھی اور اس کی مسکراہٹ ہر گھٹن پر کرنے کے لئے آتش فشاں۔ اپنی ان خصوصیات کا مؤثر ڈاکٹر اسٹون کو بھی اندازہ تھا اور وہ موقع پرستے پرانے سے استفادہ کر سکتے تھے۔  
نچلے سے کام نہیں لیتی تھی۔

مین آفس میں، الماریوں میں کتابیں ہی کتابیں تھیں۔ اس دفتر کا فوارہ باہر مرگ پر لٹکتا تھا۔ اس دفتر میں استقبالیہ لوگ کی میز کے قریب دو وہان ڈاکٹر اسٹون کے خط و تحفے جمع تھے۔ وہ مسکراہٹ کو مزید بڑھانے کے لئے تھے۔  
نہایت گھنے گہری نگاہ سے اس کی طرف دیکھا۔

ڈاکٹر اسٹون اور نائیجی کی نظروں میں چارہ جوڑ میں تو اسے یوں غیسوس ہوا جیسے اس شخص کی آنکھوں میں مقناطیس لگے ہوئے ہیں اور وہ لوہے کا ایک حیرت سارہ ہبے اسے تھپہ جھٹکا تھا۔ تھپہ تھپہ کی گہری، جھیل جیسی آنکھوں میں اس نے اپنی پوری ہستی بھر کے لیے غوطہ زن دیکھی لیکن وہ جلد ہی سنبھل گئی۔

"میں جتنی چوں کہ آپ دونوں کو مسٹر ایڈس سے بچا ہے۔" اس نے سنبھالنے کے لئے ہونٹوں کو آتشان کی طرف دیکھا جو میز کی سطح پر نگاہ جمائے بیٹھا تھا اور جس نے ایک بار بھی نگاہ اٹھا کر ڈاکٹر اسٹون کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔

"تمہارا خیال درست ہے، ڈاکٹر، یہ مجھے ہونے والا ہے۔" "میرا نام تھپہ ہوتا ہے اور یہ مسٹر آؤشان ہیں؟" "مجھے ماسٹر کہہ سکتی ہو؟" آؤشان نے پہلی بار نگاہ اٹھا کر ڈاکٹر اسٹون کی طرف دیکھا۔ ڈاکٹر کو یوں لگا جیسے اس کی ساری جسمانی توانائی داخل ہوئی جو وہ سر سے پاؤں تک ایک عجیب سی لہر کے زیر اثر آئی تھی۔ اس نے زندگی میں پہلے بھی کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا تھا جس کے معنی دیکھنے سے اس کی ہستی

وہ جانے سے پہلے میں تجھیں تیار دینا چاہتی ہوں۔۔۔ کہ تمہارے لیے میرے ذہن میں کیا ترکیب آئی ہے۔۔۔ یہی نہیں اس طرح لطف اور حوصلہ رکھتا ہے گا۔ ڈاکٹر اسٹون نے مسکرا کر کہا اور ذرا خانے کی طرف بڑھ گئی۔ دروازہ کھول کر اس نے بیٹھے ہوئے ایک اور بات بھی کہی۔ "اور ہاں، مانی ڈیرا تم اگر چاہو تو خوب ملن چھٹا کر بھیج سکتی ہو۔ اس سے تمہیں اپنے والدین کا اندازہ ہو جائے گا لیکن اس بات کی توقع نہ رکھنا کہ آؤشان آؤ اس کو اسے کے علاوہ بھی کہیں سنا سنی ہو۔ یہ بیٹھے ہی عجیب کرے ہیں مکمل طور پر ساؤنڈ پروف۔"

وہ یہ کہہ کر نکل گئی اور اس نے عقب میں دروازہ بند کر دیا۔ غزالے نے ایک طویل سانس لی اور آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا ذہن روشنی پڑی سے کام کر رہا تھا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ڈاکٹر اسٹون کتنی سنگدل عورت ہے۔ وہ یہاں بے بسی کی موت نہیں منا چاہتی تھی اس لیے اپنے ساتھیوں کی آمد کو نعت غیر متوقع سمجھتے ہوئے اس نے فرار کی عمل کا ردی شروع کر دی اب تک وہ اپنے لیے ایک لائحہ عمل مرتب کر چکی تھی۔ وہ جس چار پائی پر بیٹھیں سے بندھی بیٹھی تھی، ایسی چار پائی عموماً آپسٹائل میں خریدیں گے۔ یہ خصوصیت ہوتی ہے۔ غزالے نے جو کچھ بھی سوچا تھا، اس کی کامیابی کا انحصار اس بات پر تھا کہ چار پائی میں بیٹھے گئے ہونے میں بائیں؟ اس نے ایک لمحے کے لیے سانس روک لیا۔  
وقت جمعیت کر کے اس نے زور لگایا۔

چار پائی کو جھٹکا لگا اور وہ ذرا بچ کے قریب سرک گئی۔ غزالہ کا دل خوشی سے جھرم اٹھا۔ اس کا مطلب تھا کہ چار پائی پیسے دار ہے اور وہ اسی طرح زور لگا لگا کر اسے سرکاتی ہوئی اس میز تک سے جا سکتی ہے، جس پر تھپہ نے نابا سا چار کر تھا جو آؤشان۔

اب ممانع کرنے کے لیے اس کے پاس تھپہ کوئی وقت نہیں تھا اس لیے وہ زور زور سے چار پائی کو آگے اور پیچے ہلانے کی کوشش کرنے لگی۔ اسے توقع تھی کہ چار پائی کے پیسے مفلح نہیں ہوں گے۔۔۔ اور اس کا خیال درست ہی ثابت ہوا۔

وہ بندھی ہوئی حالت میں جسم کو جھٹکا دیتی۔ یہ جھٹکا چار پائی کو بھی لگا اور پیسوں کی دوجے سے چار پائی اپنی جگہ سے کھسک جاتی۔ غزالے نے اندازہ لگایا کہ ہر جھٹکے سے وہ چار پائی کو دوایح کے قریب سرکائے گی کامیاب ہو جائی گی۔ اس نے میز اور چار پائی

ہاتھوں کا کاٹنا دیا ہے۔ اس کے علاوہ مسٹر رینڈی کا روبرو مل تھا۔ مانی کا حشر ہے۔  
"مجھے انکسوس ہے، مانی ڈیرا تم ٹھیک کر دو؟" "او۔۔۔ یہی پتہ چلی تمہاری موت کا باعث بن رہی ہے؟" ڈاکٹر اسٹون نے حال سے لطف لیتے ہوئے بولی۔  
"لیکن لو ہاؤ خاندان کے افراد۔۔۔"

"ہم انھیں باری باری تم کو دیں گے ان سب کو مرنا۔" میرا خیال ہے تمہارے سوالات ختم ہو گئے ہیں۔۔۔ اب ہمیں جدید گی سے اس طرف توجہ دینی چاہیے کہ تمہارے مارا کیا ہونا چاہیے۔ تم دیکھ چکی ہو کہ میں انفرادیت پسند ہوں۔ میں کسی اور کے انداز میں تمہاری موت چاہتی ہوں۔  
"ذہن کر کر کہ تم کو ہاؤ خاندان کے تمام بڑوں کو ہلاک کر دیں کامیاب ہو جائی ہو؟" غزالے اس کی بائیں نظر انداز کر کے ہونٹوں پر ایسی صورت میں تمام دولت چھوڑی تھیں نہیں۔  
"خاندان کے دولت اس دولت کا دھوا کر دیں گے؟" "ہم ہی یہی چاہتے ہیں؟" ڈاکٹر اسٹون نہیں کر بولی۔  
"یہ ساری کوششیں اس وارث کے لیے ہی کی جا رہی ہیں۔" "وہ کون ہے؟" غزالے نے سرگوشی میں پوچھا۔  
"اس کی پیدائش میں ہی کچھ وقت باقی ہے؟"

اس سے پہلے کہ غزالہ اس موضوع پر کوئی اور سوال کر اچانک فون کی گھنٹی گونگنائے گئی۔ وہ چونک پڑی چند لمحوں کے اندر غزالہ کو گھوم کر رہی۔۔۔ پھر اس نے پلٹ کر فون کی طرف دیکھا۔ گھنٹی اب بھی بج رہی تھی۔

ڈاکٹر اسٹون ہونٹوں کے تیز جھٹکے کی طرح فون کی طرف بڑھی اور اس نے ریسپونڈ کر لیا۔ چند لمحوں تک وہ دوسری طرف سے لوہے والے کی آواز سنتی رہی پھر اس نے صرف ابا کی آواز سنی۔  
"اس نے ریسپونڈ کر دیا۔"

"تمہارے دوست بھی پہنچ چکے ہیں؟" وہ غرض سے بولی۔ مسٹر آؤشان اور مسٹر تھپہ آؤ۔۔۔ میرا خیال ہے سب سے پہلے میں ان سے ملاقات کر دوں، اس کے بعد آؤ اگر میں تمہارا کام تمام کر دیں گی؟

"میں اپنا کام تمام ہونے کا انتظار کر لوں گی؟" غزالہ اب بھی خوش گوار تھا اور اس انتظار کے معاملے میں بھی بے چارہ کا انتظار نہیں کرتی؟

ڈاکٹر اسٹون بولی۔ "مجھ لوگ ایسا کرنے پر قادر ہو جاتے ہیں۔ تمہارے انسان آؤیے اور انصاف پر حقیقت کی بات ہے۔ وہ بے حد ملال قدر ہے۔ اور میں دیکھ رہی ہوں کہ تم اس شخص میں بہت آگے پہنچ چکی ہو؟"

ڈاکٹر اسٹون کی آنکھیں کلن ہو گئیں۔  
"یہ سب کچھ لو ہاؤ خاندان کے افراد کی فائلوں میں نہیں لکھا۔۔۔ پھر تمہیں کیسے معلوم ہو گیا؟" اس کے بچے میں حیرت تھی۔  
"یہ میرا اپنا نظریہ ہے جو میں نے افکار کیسے تمام ہاؤزوں کے رویے پر تحقیق کرتی ہوں۔ ان کی جبلت اور فطرت کے خلاف بعض چیز کے خوف اور گھر میں مشابہت کی ہوا اور سبب بن کا ذہن وہ دہشت قبول کر لیتا ہے تو اس کا تاثر کرنا عامہ مادی صورت میں حاصل کر لیتی ہو۔۔۔ پھر یہ سبیل تاثر دہشی بھی ذہن سے جاندار کے جسم میں داخل کر کے، اسے اسی دہشت میں مبتلا کرنے پر قادر ہو جاتی ہو؟"

ڈاکٹر اسٹون کی آنکھوں میں ٹھیک پیدا ہو گئی۔  
"ہم ایک ذہن لڑکی ہو؟ وہ تو بڑی عجیب ہے۔ لیکن مانی ڈیرا مجھے انکسوس ہے کہ تمہاری زندگی کے لئے مجھے چاہیے۔ تمہاری ذہانت مجھے متاثر کر رہی ہے لیکن میں اس تاثر کے تحت تمہیں زندہ چھوڑنے کا ظہر مول نہیں لے سکتی۔ تم میری موت کا پیغام ہو؟" اس لیے میں تمہاری موت کی خواہش مند ہوں۔ ہم دونوں میں سے ایک کو مرنا ہے۔ تو پھر کیوں تم میری مرو۔۔۔ میں بہر حال تم سے زیادہ ذہین ہوں؟"

وہ بلاشبہ تھپہ نے زیادہ ذہین ہو۔ تجھیں غیر معمولی ذہین کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا؟ غزالے اس میز کی طرف دیکھا جس پر وہ لباس شریف پہنا کر کھڑا تھا۔ لیکن کہنے سے یہ غیر معمولی ذہنی منافی انداز میں استعمال کی ہے اور یہی تھا لہذا ہم بے لے غیبت انداز میں استعمال کر کے تم کو مرنا نہیں۔ نام پیدا کر سکتی تھیں؟  
"نام تو میں اب ہی پیدا کر رہی ہوں۔ منفی انداز زندگی مثبت انداز سے زیادہ فائدہ مند رہتا ہے۔ تم تو سب سے نہیں کر سکتی کہ مجھے کیا فائدہ حاصل ہوئے والا ہے؟"

وہ ہاؤ خاندان میں کتنی دولت دے سکتا ہے؟  
"ساری کی ساری۔۔۔"

غزالہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ گویا یہ سب سے بڑے رقم نے لو ہاؤ خاندان کے دو افراد کو غیر معمولی موت کا شکار بنایا ہے۔ مسٹر اور مسٹر لڑکیوں میں جو روبرو مل ظاہر کیا۔ وہ تمہارے ہی تباہ کار

”جوں... اوشان نے کہا اور دونوں پینسلین چٹکیوں میں تھام لیں۔ اب وہ اس کی پینسلین میں یوں دلی ہوئی تھیں جیسے اس نے دودھ دار پکڑے ہوئے... پھر اس نے ایک پینسل دیوار کی طرف پھینک دی۔ پینسل اس کے ہاتھ سے نکلی اور دیوار کی طرف تیر کی طرح گئی۔“

ڈاکٹر اسٹون نے پینسل کے تعاقب میں دیکھا اور ہر زندگی میں پہلی بار وہ شدید حیرت سے اچھل پڑی۔ پینسل دیوار سے ٹکرائی تھی اور اس کے خیال کے مطابق ٹوٹ کر فرش پر پڑیں گری تھی بلکہ کسی پتھر کی طرح ٹھوس دیوار میں پیوست ہوئی تھی وہ بری طرح ہلپٹے لگی۔

”یہ کونسا دیوار ٹھوس اور سکر... وہ ہلکانے لگی۔“ اس کا تعلق دیوار کے ٹھوس ہونے یا پینسل کے سکے کی نرمی سے نہیں ہے؟ اوشان بزرگانه شفقت سے مسکرا کر بولا۔

”اس کا دار و مدار رہا ت پر ہے؟“

”بس دیکھ فادر بس“، ٹائیگر ہنس پڑا۔ میں جانتا ہوں کہ ایک بار آپ نے ایک موم جی دیوار پر دے ماری تھی۔ وہ دیوار آج تک غائب ہے؟“

”دیکھا داتی...؟“ ڈاکٹر اسٹون تھوڑا جھلک کر بولے تھے۔ پھر شاید اسے خود ہی اپنے عقائد سوال کا احساس ہو گیا اس نے لکڑی کا کرپڑے ہی ٹھہریے انداز میں گلہ صاف کیا اور بولی ”یہ ابھی تک آپ دونوں کی آمد کے مقصد سے ہے خبر ہوں؟“

”ٹائیگر بیک ایک سنجیدہ ہو گیا۔ اوشان دوبارہ پینسلوں سے کیلے میں معروف نظر آئے لگا۔“

”اوشان خانڈان کے دو بیٹوں کی پراسرار ارمات کے بعد ہم تیسرے بیٹے کے سلسلے میں دیکھ رہے ہیں؟ ٹائیگر نے کہا۔“

”مستردی لگی ہے بارے میں؟“ ڈاکٹر اسٹون نے کچھ۔

”ٹائیگر نے اثبات میں سر ہل دیا۔ ہاں اس کا نام غالباً ڈیوگن جی ہے۔ بھانے خیال میں اسے کوئی ایسا طبی مسئلہ تو قوی نہیں جو ہم اسے علم میں ہونا چاہیے؟“

”ہنس... وہ سب سے چورٹا بیٹا ہے۔ بلکہ وہ بد شخص اس کی عادت ثانیہ ہے اگر وہ لگی کسی بیمار بزرگ کی تو سب سے زیادہ مجھے حیرت ہوگی۔“

”میں ایک سیاہ فام عورت کی تلاش میں بھی ہوں؟ ٹائیگر نے اچانک ہی سوال کیا اور ڈاکٹر اسٹون کی آنکھوں میں جھلکنے

لی پینسلوں میں گہری دل چسپی لے رہا ہے۔“

”اس جگہ انسانی صحت کے انتہائی اہم ہولڈوں پر کام ہوتا ہے۔ وہ ان دونوں کو خاموش دیکھ کر بولنے لگی۔ دل، ہڈی، پشیرہ و غیرہ میں کیمیائی کمی بیشی کے علاوہ...“

”اور یہ سب کچھ تھی کرتی ہو؟ ٹائیگر نے اس کی بات قطع کر دی۔“

ڈاکٹر اسٹون کا دل خوشی سے جھجھک اٹھا۔

”ٹائیگر کے لیے میں اس نے اپنے لیے ضعیف سی تعریف محسوس کر لی تھی۔“

”ہاں... اس کے علاوہ ہم ابتدائی تجربات جانوروں پر کرتے ہیں۔ وہ بڑے قوت پر بھی ہیں تیلے لگی؟ اس تحقیقی کام کے سلسلے میں مسٹر ایمرے حد قیاس ثابت ہوئے ہیں؟“

”اچانک اس کی نگاہ بڑھے اوشان کی طرف اٹھ گئی۔“

”اس نے دو پینسلین ہولڈر سے اٹھالی تھیں اور وہ جینگ کی جانب سے ان کی نوکیں آپس میں بلا رہا تھا۔ اگرچہ ایک عام سی حرکت تھی جو وقت گزاری کے لیے بہت سے لوگ کرتے ہی رہتے ہیں... لیکن نہ جانے کیوں ڈاکٹر اسٹون کا جسم صدمہ اٹھاتا تھا۔ لگا۔ وہ کچھ یوں محسوس کر رہی تھی جیسے اوشان دو تھوڑوں کی نوکیں آپس میں پراسرار ہے۔“

”مٹا اوشان کی آنکھیں پتھر کی جڑیں۔“

”ڈاکٹر اسٹون کی آنکھیں پتھر کی جڑیں۔“

اوشان نے دونوں کناروں سے پینسلین تمام لٹھیں اوڑھ کر کے سہاے آفجہ حالت میں یوں تھام لیا تھا جو ڈاکٹر اسٹون کی دلاست میں ایک ناممکن کام تھا۔ ٹائیگر نے کن پینسلین سے اوشان کی طرف دیکھا اور مسکراتے لگا۔

”جی فادر... اس نے غرض دل سے کہا۔ آج کل کی لوکیں اتنی معمولی سی شعبہ بازی سے نہیں رنجیتیں؟“

اوشان نے نگاہ اٹھا کر ڈاکٹر اسٹون کی طرف دیکھا۔

”کیا تمہیں یہ عقیدہ پسند نہیں آیا؟ اس کا بوجھ بے حد عجیب تھا۔“

ڈاکٹر اسٹون گرا بڑھ کر ہنسنے لگی۔

”اے! تو تمہارے مذاق سمجھ رہی ہو؟ اوشان برہم ہو گیا۔“

”میں پینسل کے سکے کی تباہ کاریوں کے بارے میں تمہاری کیا معلومات ہیں؟“

”پینسل کا سب سے بڑا بوجھ ہے، جناب!“

”بے اور نہ ہی کہیں پڑھا ہے؟“

”کیا خیال ہے، تم ان دونوں کی کوئی مدد نہیں کر سکتے؟ میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اگر کچھ بگایا جاتا تو شاید کچھ کر سکتی تھی جب وہ اس پراسرار مرض میں مبتلا ہوا تو مجھے فکر نہیں کیا گیا تھا۔“

”جوں... ٹائیگر نے کہا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ تمہارا کیا کام کہنی ہو؟ اس نے بڑے عجیب سے جھجھکے میں دیا۔“

”یہ شہر محفوظ ہے ہم یہاں ہمارے کام شروع کرنا چاہتے ہیں۔“

ان کے جھجھکے سے پہلے ہی احتیاطی تدابیر اور علاج دریا فضا کیا جاسکے۔ اس کے علاوہ ہم جسمانی معائنہ بھی کرتے ہیں۔ اس سے بھی ہمیں عین شہر کے مراض سے بچاؤ میں بڑی مدد ملے گی۔“

”یہ فزین کر کے کہہ رہی تھی کہ پینٹ کے عضلات میں کم زیادہ کچھ ڈوب رہے ہیں تو کوئی خطرہ پیدا ہونے سے پہلے ہم اس کے لیے ورزش کے مختلف طریقے تجویز کر دیتے ہیں۔ اس طرح وہ شخص کسی عارضے میں مبتلا ہونے سے بال بال بچ جاتا ہے۔“

”خواب مقاصد کے لیے اچھی جگہ ہے؟ اوشان بڑھ کر بولا۔“

”مجھے کچھ فرمایا...؟ ڈاکٹر اسٹون چونک کر اس طرف دیکھنے لگی۔“

”جی ہاں۔ یہ جوان عورتوں کی موجودگی میں بڑھانے عارضے میں مبتلا ہیں۔ ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ فرصت ملی تو انہیں یہاں اس مقصد کے لیے ضرور لاؤں گا کہ تم ان کے۔“

کوئی ورزش تجویز کرو؟“

ڈاکٹر اسٹون قبل کہلا کر منہ پڑی۔

اس نے ٹائیگر کی طرف ایسی نظروں سے دیکھا جن سے جھلک دینے والا تھرا تھرا ہوا تھا۔ لیکن جب اس کی نگاہیں انہیں تو ڈاکٹر اسٹون یوں محسوس کر لے لگی جیسے وہ خود پتھر کی دیوار ہو، گھر کر اس نے جلدی سے نگاہیں جھکا لیں۔ اس کا دل شدت سے دھڑکنے لگا تھا وہ کچھ ایسا عسوس رہی تھی جیسے شہزاد کی آنکھوں میں پینسلوں کی بجائے دو خلائ... اور وہ ان دو گول گول خلائوں میں گم ہو رہی جا رہی ہو۔

وہ اوشان کی طرف دیکھنے لگی۔

اوشان ان دونوں کی طرف سے بے نیاز میز کی طرح متوجہ تھا۔ اندازاً ایسا ہی تھا جیسے وہ خود کو اس کمرے میں تنہا رہا ہو۔ ڈاکٹر اسٹون نے محسوس کیا کہ وہ پینسل ہولڈر میں رکھا

یوں شہزاد ہو گئی ہو۔ وہ تراجیح چھ بڑوں کی جھیل جیسی آنکھوں کے تانبے ہیں پینسل باقی تھی کہ اوشان نے اسے بے پناہ سستی میں مبتلا کر دیا۔

”ماسٹر... اس نے زیر لب کہا۔ کیا آپ کچھ چھلاتے ہیں؟“

”ہاں... اوشان نے معنی خیز انداز میں سر جھنجھٹا دیا۔“

”جوں... میں لوگوں کا انسانیت کی قدر کرنے کا سبق دیتا ہوں۔“

”آپ سچ کر رہے ہو؟ خوشی ہو گئی، مسٹر اوشان،“ ڈاکٹر اسٹون نے خود کو پوری طرح سمجھاتے ہوئے کہا اور شہزاد کے قریب سے دوڑتے وقت اپنی ہستی، اس سے مس کر گئی تھی ایک گرمی پھر پھوٹ گئی۔

”ٹائیگر کے ہاتھ ایک لمحے کے لیے متحرک ہو کر رکت ہو گئے۔“

”اسے ایک مخصوص خوشبو کا احساس ہوا تھا۔ یہ خوشبو اسے یاد دلا رہی تھی کہ وہ ایسی ہی خوشبو پہنے ہوئے تھے جیسے کبھی اس نے وہیں پر وہ پڑھیں دیا وہ اسے یاد آ جاتا کہ یہ خوشبو اسے پہلا خانہ خلائ کے سربراہ مسٹر ایمرے کے ہاں سونگے کا موقوف ہوا تھا۔“

”میں آپ کی یادداشت کر سکتی ہوں؟ وہ مسکرا کر بولی۔“

”پہلے پھر اور اس کے بعد رہنمائی پراسرار حالات میں ہلاک ہو گئی۔ ٹائیگر نے اسے دیکھتے ہوئے سوال کیا کہ کیا تم جانتی ہو کہ ہولڈر اٹھانے اس انداز میں مرنا کیوں قبول کیا؟“

”ہیران نظر آنے لگی۔“

”وہ اصل میں مسٹر ایمرے نے بتایا تھا کہ تم ان کی فضا ڈاکٹر ہو؟“

ڈاکٹر اسٹون کے حق سے ایک طویل سانس بھل گئی۔

”آپ کا خیال درست ہے، جناب، میں ان کی فضا میں ٹائگر ہوں۔“

”یہ کہتے ہوئے اس نے سر کو مٹنی جھنجھٹ دی۔ لیکن میں اس سلسلے میں کچھ نہیں جانتی کہ انھوں نے ایسی عجیب و غریب سرت قبل کیوں کی۔ ان دونوں کی صحت قابل رشک تھی اور ان کا دائمی توازن بھی ہر اعتبار سے ٹھیک تھا۔ انہیں کوئی سنجیدہ قسم کا جذباتی مسئلہ صحت لاحق نہیں تھا۔ وہ منشیات کے بھی مادی نہیں تھے۔ میں خود حیران ہوں کہ ان کے ساتھ کیا مسئلہ پیش آیا۔“

”رہنمائی لباس سے عورت زدہ تھا؟ ٹائیگر نے کہا۔“

”آخری لمحوں میں یہ حالت ہو گئی تھی کہ وہ اپنے جسم کے قریب کوئی کپڑا بھی برداشت نہیں کر رہا تھا۔“

”یہ بھی میرے لیے ناقابل فہم ہے۔“ ڈاکٹر اسٹون انہوں سے

بولی۔ ”میں نے آج تک کسی ایسی حالت کے بارے میں نہ تو سنا







اس نے انکیش میں بھرا ہوا استیال دیکھنے کے لیے اسے اپنے ہرے کے سامنے کر لیا۔ چمپ پر خفیت سا دباؤ ڈال رہی تھی وہ ماستر آہستہ غزالہ کی جانب بڑھنے لگی۔ سرخج کی موٹی کے سولخ سے پہلے وارنٹ بیل خارج ہو رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ان دونوں کا درمیان فاصلہ بھی کم ہوتا جا رہا تھا۔

وہ انکیش کی طرف متوجہ رہی۔  
غالباً وہ غزالہ کی طرف سے بڑی طرح مطمئن تھی اس لیے اس نے ادھر توجہ دینے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی کہ کس ہاں سے خود کو آزاد تو نہیں کر لیا، وہ بہتر کے قریب رک گئی اور کس کا ہاں ہاتھ غزالہ کے بائیں بازو پر گئی۔ اس نے ٹوٹنے میں مصروف ہو گیا۔

شش لمبی گئی تو اس نے سرخج بازو پر چھکا دی اس دوران میں وہ بائیں ہاتھ سے مسلہ اس جگہ کو گڑوا رہی تھی تاکہ شش مزید ابھر کر سامنے آجائے۔

اب وہ غزالہ کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

مجھے انکس ہے ڈیڑا! اس کا بوجھ باریک جاشی میں ڈوبا ہوا تھا مکمل وہ اس کے جسم میں زہر اندھنا جا رہی تھی غزالہ کے دل میں اس نے بے پناہ نفرت پیدا ہو چکی تھی۔ اس نے قیل سے دھکے میں فیصلہ کر لیا تھا کہ اس حیثیت عورت کو بڑی ہی دردناک موت سے بھگد کرے گی۔

”تمہیں انکس ہونا بھی چاہیے؟ غزالہ نے لہجے پر قابو رکھتے ہوئے کہا۔ تم ایک امیر عورت کو ہلاک کرنا چاہتی ہو جس نے تمہارا کچھ نہیں بچا۔“

”نہ ڈیڑا! ایسی باتیں نہ کرو جن کا تعلق دل کے نرم گوشوں سے نہ رہے۔ یقین کرو میرے دل کا کوئی بھی گوشہ نرم نہیں ہے۔“

”لیکن تمہارا آج ایک نرم گوشہ پیدا ہو گیا ہے۔ تمہارا یہ دوست شہزاد کیا آدمی ہے؟“

”آدمی کیسے ہوتے ہیں؟ غزالہ بے ساختہ لبلی۔“

”یقیناً وہ صرول سے بے حد مختلف ہے۔ مجھے موقع ملا“

تو اس نے دونوں پر بڑا ہی عجیب جھوڑ کر دی۔ اس کے ساتھ جو بڑا بھلا تھا، میں اس کے دل و دماغ میں یہ احساس اندیل دے دی کہ وہ بیس بائیس سال کا ایک نوجوان ہے اور تمہارے دوست شہزاد کو کجا بمیکش لگے گا، وہ اسے دینی اعتبار سے سو سال بڑھا بنا دے گا۔ تب میں اُن کی دلچسپ حرکتوں سے محفوظ رہوں گی؟

”تم مجھے ایسا بمیکش کیوں نہیں لگاتیں؟“  
”کیسا...؟ ڈاکٹر اسٹون چونک پڑی۔“

”جو میرے دل و دماغ میں یہ احساس جاگزیں کرے کہ میں کوئی عورت نہیں بلکہ ایک مرد ہوں۔ یہ تجربہ ہی یقیناً تمہارے لیے دل چسپی سے خالی نہیں ہوگا۔ غزالہ کے لہجے میں کئی مگنی کی پسینا جیسا تاثر تھا۔“

”ڈاکٹر اسٹون چونک پڑی۔ لگتا تھا کہ اس نے جلدی سے سرخج اس کے بازو سے ہٹال۔ اس کی آنکھوں میں یکایک بے پناہ چمک پیدا ہو گئی تھی وہ اسے بڑی ہی عجیب اور ناقابل فہم نظروں سے گھورتے ہوئے تھی۔“

اوشان نے عتیقہ دروازے کا ہاتھ لیا۔

چند لمحوں تک وہ اسے گھورتا رہا۔ یہ چہرہ دہرا سا فضا میں اُچھلا۔ اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں تیزی سے حرکت میں آئے۔ شہزاد کو کشش کے باوجود یہ نہ دیکھ سکا کہ اوشان نے سب سے پہلے ان چاروں ہاتھ پیروں میں سے کس سے مرع لگائی تھی... لیکن یہ وقت کوئی ٹیکنیک سیکھنے کا نہیں تھا اس کے دل و دماغ پر غزالہ کی سوار تھی۔ اس سیاہ فام روک سے اس کی اب تک ڈھنگ سے ایک بھی تعلقات نہیں ہوئی تھی لیکن وہ اس کے لیے دل میں نرم گوشہ محسوس کرنے لگا تھا... اور وہ روک اس وقت زندگی اور موت کے درمیان بازو ملنے لگی یا پھر اس کی مائش کی ڈوری کٹ چکی ہوگی۔ اس خیال نے ٹانگہ کے دل میں بے چینیوں بھروں۔

دروازے کے پیچھے آڑ چمکتے تھے۔

اوشان تارک رک راہ داری میں داخل ہو چکا تھا۔

ایک جگہ روک کر اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ ادھر سے راہ داری دو خائف سمتوں میں تقسیم ہو رہی تھی۔ وہم اور ہرجاؤ میں ادھر دیکھتا ہوں؟ اوشان نے ایک طرف اشارہ کیا اور خود دوسری طرف دوڑنے لگا۔

وہ اسی چند قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ اسے ٹھک جانا پڑا۔

اس کے ہاتھ تیزی سے پھٹنے لگے۔

”خلن کیو...؟ وہ بڑبڑایا۔“

لگے ہی گئے وہ تیزی سے ایک اور دروازہ توڑنا چاہا

اندھ لگتا چلا گیا۔ اس کمرے میں داخل ہوتے ہی اسے ایک زبردست چٹخاؤ لگتا تھا۔ وہی آدمی اُس کے ایک سیاہ جسم اچھل

کی راہ میں حائل ہو گیا۔

اوشان کا دایاں ہاتھ تیزی سے آگے بڑھا۔

اس ہاتھ میں وہی بیٹیل دلی ہوئی تھی جسے اس نے ڈاکٹر لہون سے مانگا تھا۔ بیٹیل سیاہ جسم میں داخل ہو گئی۔ وہ جسم تیزی سے اوشان پر چھکا لیکن اتنی دیر میں وہ اس کی پشت ٹوٹ رہا تھا۔ بیٹیل سیاہ جسم کے ذل میں داخل ہو کر پشت کی طرف مل گئی تھی۔ بیٹیل نکال کر یہ دیکھنے لگا کہ اس کے ہاتھوں... چتر ہلاک ہوئی ہے۔ وہ تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ تب اسے ماس جگا کہ وہ غلط جگہ آ گیا ہے۔

غلی کا احساس ہوتے ہی وہ ٹھٹھک گیا۔

یہ ایک نیم تارک رک تھا۔ وہ چند لمحوں تک پچیس جھپٹا ہا... پھر اس نے چاروں طرف فرش پر پڑنے والی چیزوں میں... سیاہ جسم اسے اوشان میں ایک اڑ رہا تھا۔ اوشان نے کمرے میں روشنی کر دی۔ تب اس نے ایک غیر متوقع منظر دیکھا۔ روشنی ہوتے ہی تمام سیاہ جسم اوشان کے طرف پچھتے ہیں۔ اگلی ہی ساعت وہ اس پر حملہ آور ہونے کی بجائے اس کے جسم پر پٹ پٹ گئے تھے۔

اوشان نے دروازے کی طرف دیکھا۔

وہاں ایک بن مائش کی لاش تھی... لیکن جب اس نے دروازے دیکھا تو یہ بن مائش نہیں بلکہ ایک سیاہ فام تھا۔ اس کے جسم پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی لیکن جسم بالوں سے اس قدر ڈھکا ہوا تھا کہ اسے لباس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ وہ ٹوٹنے کے بل فرش پر پڑا تھا اور اس کی پشت پر دل کے مقام سے خون ابل رہا تھا لیکن مڑوہ سیاہ فام کے جسم میں مزب نہیں تھی اس کا جسم ساکت تھا۔

اوشان اڑدے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

مٹھا اس کے کانوں سے ایک عجیب سی آواز نہ لگ رہی تھی۔ لیکن لگ رہا تھا جیسے برابر کے تارک رک کمرے میں بیٹھا کوئی کسی کی ہڈیاں چبا رہا ہو۔ اوشان جیسے ہی اڑدے کے قریب پہنچا اس نے ایک پسینا کار ماری۔ بڑی ہی خفیت ناک آواز تھی۔ اس کے ساتھ ہی کوئی چیز دروازے سے اوشان پر گڑو گئی۔

اوشان نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور پھر اس کا دایاں ہاتھ مڑوہ کی صورت میں بڑھ گیا تھا۔ اس کی پٹیل کا لٹکا ہوا جھوڑا جانور کی طرح بڑھ رہا تھا اور آنکھوں سے دہانے تک کا حقیقہ چمچ کر نکال گیا۔ یہ جھڑپ جیسا لگتا تھا۔ وہ فرش پر گر کر اڑدے پر

بغیر سیاحت ہو گیا کیوں کہ وہ اڑدے کے قریب تھا اس لیے اڑدے نے اسے اپنی پیٹ میں سے لیا... اڑدے کے جسم پر ان گنت سانپ لپٹے ہوئے تھے اور وہ خود اس جسم کے کھانے سے لپٹ گیا تھا اس کے بل تیزی سے تنگ ہونے لگے اس کے پیچھے میں ایسی آوازیں پیدا ہوئیں جیسے گنے کی ہڈیاں ٹوٹ رہی ہوں۔ اوشان نے جھک کر اڑدے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

اڑدہ چمکا کر اس کی طرف پٹکا۔  
اُسی ساعت اوشان کی انگشت شہادت چمکی کر لک لکھو آگے بڑھی اور اڑدے کی کھوپڑی میں آ کر گئی۔ اڑدہ بڑے زور سے اچھل پڑا۔ اس کے گرد لپٹے ہوئے سانپ بیک وقت پتھک اوشان کے بل تیزی سے کھٹنے لگے...

اوشان پچھلے کبل درازا اچھل پڑا۔

اس کا جسم فرش سے کچھ اونچا اٹھا اور پھر وہ فرش سے تھری جھک کر دروازے کی طرف تیز گیا۔ دروازے میں روک لکھنے نے عقب میں دیکھا۔ سانپ اب اس سیاہ فام کی لاش پر... حملہ آور ہو رہے تھے جس کی پشت سے پٹنے والا خون فرش پر پھیل چکا تھا۔ اوشان نے دوسرے کمرے میں داخل ہو کر وہاں ہی روشنی کر دی۔

یہ کمرہ بھی مختلف جانوروں کے پنجرے سے بھرا ہوا تھا۔

اوشان دبے قدموں سامنے کے بند دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

غزالہ خوش تھی کوئی اسٹون کی بچاگاہ ابھی تک اس کی لان کی آڑ میں کھلے ہاتھ پر پٹا پڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں لالچی کی لہریں سی چمک تھیں۔ کچھ کے ٹھیلوں سے، چھت پر بٹھرتے ہوئے فلور وینڈیل بلب کی چمک دار روشنی محسوس ہو رہی تھی۔

”تم نے اپنی زندگی کی خطرناک طویل کر لی ہیں؟ غزالہ وہ اس کی طرف جھک کر لپٹی تھی اسے تمہاری آخری خواہش سمجھ کر ضرور پورا کر دیں گی؟“

غزالہ کا ہاتھ چاقو کے دستے پر بندھ رہا تھا... لیکن اس سے قبل کہ وہ ڈاکٹر اسٹون پر حملہ آور ہوئی، ڈاکٹر تیزی سے پٹ لکھ کیٹ کی طرف بڑھ گئی جس میں مختلف دواؤں کی نشیانی تھی۔

مچھلی تھیں۔

اس نے دوسری سرخج نکال اور ایک نشی سے اسے

بھرنے لگی۔

غزالہ نے چاقو والا ہاتھ اٹھایا اور دوسرے ہاتھ کو آزاد کرانے کے لیے غریب کانٹے لگی لیکن اس کی قوت کے خلاف ڈاکٹر اسٹون سرجن بھرنے سے جلدی خارج ہو گئی۔ غزالہ نے بڑی تیزی سے چاقو والا ہاتھ اپنی ران کی اوٹ میں کر لیا۔ ڈاکٹر اسٹون سرجن بھرنے سے اس کی طرف آئی۔ وہ غریب اگر مسکرانے لگی۔

اس کی آنکھیں بے پناہ روشنی تھیں۔ ایک بار پھر وہ غزالہ کے بائیں بازو پر ہاتھ رکھے، ٹٹول رہی تھی۔ نس پر انگلی سے گزرنے کے بعد اس نے سرجن کی سٹول رکھ دی۔ اور جیسے ہی ہوا بول پڑھا غزالہ کا چاقو والا ہاتھ حرکت میں آ گیا۔

چاقو کا ہلکا، روشنی میں پھلکی کے کندے کی طرح چمک اٹھا۔

دار اس کے اسی ہاتھ پر جو اس سے وہ غزالہ کے گھٹن لگا رہی تھی ڈاکٹر اسٹون کے حلق سے ایک طویل سسکاری نکلی۔ سرجن پر دباؤ بڑھ گیا اور پھر وہ جہاں آنکھ کی جارہی تھی وہاں کسی ایسے پرندے کی طرح ٹپک گئی جس کی چونچ پلے شکار کے جسم میں بیویٹ ہو چکی ہو۔

ڈاکٹر اسٹون روکھو لگئی۔

اسی لمحے غزالہ نے دوسرا وار کیا۔

اس بار چاقو ڈاکٹر اسٹون کی پیسیوں میں گھس گیا۔ اس کے حلق سے ایک دلدرد زچخ نکل گئی۔ وہ روکھو اگر کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئی تھیں اور اس کا چہرہ مارے شے کے تارک ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے اپنی زخمی کلائی تمام لی اور زخمی ہاتھ پیسیوں پر رکھ لیا جہاں سے خون کی تیز دھار بہنے لگی تھی۔

غزالہ کو اپنے بائیں بازو میں چنگاریاں سی بھرنی ٹھکس ہو رہی تھیں۔ اس نے چاقو سے بندش کانٹے کی بجائے سرجن تمام لی اور اسے کچن کر دوڑ پھینک دیا۔ سرجن قریب پر گری اور کورپول میں تبدیل ہو گئی۔

اس نے چاقو کی طرف ہاتھ بڑھایا تو ڈاکٹر اسٹون پاگلوں کی طرح چیختی ہوئی اس پر چوٹ پڑی۔ یہ ایک لمبی ماحول تھا۔ غزالہ کو جبکہ اس سے اپنی زخمی حالت میں اس حرکت کی توجہ نہیں تھی اس لیے وہ بوکھلائی اور ٹھوکر اس کی کھپ میں بوکھلاہٹ

کا دوسرا نام ہوتا ہے۔ غزالہ موت کا شکار نہیں ہوئی لیکن اس کی موت کا سامان ڈاکٹر اسٹون کے ہاتھ میں پہنچ گیا تھا۔

چاقو ہاتھ میں لے لے وہ اسے گھوم رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں درد کر رہا تھا۔ اس کے ہونٹ سکڑ گئے تھے اور اس کے رخساروں پر زردی پھیل چکی تھی۔ غزالہ کے بائیں بازو میں جہاں آنکھیں لگا تھا، وہاں شدید جلن ہو رہی تھی اور اب دائیں کلائی کا زخم بھی تکلیف دہ ہو گیا تھا۔ اس کے دونوں بازو آنا دھتے لیکن ابھی دھڑا دھٹانگیں مینڈ پڑ گئی تھیں۔ دونوں بازو ہاتھوں سے وہ ڈاکٹر اسٹون کو کوئی نقصان پہنچانا قادر کار، اپنا دفاع بھی نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن اس پر مایوسی کا غلبہ نہیں ہوا تھا وہ صرف اس دوا سے گھر جا رہی تھی جس کی ذمہ داری کئی مقدار اس کے بازو میں آ کر اس کے خون میں شامل ہو چکی تھی۔

رفتہ رفتہ اس کے بازو میں جلن کم ہوتی جا رہی تھی۔ او چنگاریاں سرد ہوتی جا رہی تھیں لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ ذہن پر ایک عجیب سا غبار چھا رہا تھا۔ اسے اپنے جسم اور اعصاب میں ناخواب فہم سا بیچان محسوس ہونے لگا تھا۔ ڈاکٹر اسٹون خود بخود انداز میں چاقو والا ہاتھ اٹھائے آگے بڑھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے اب دیرانگی جھلک رہی تھی۔ اس کے چہرے پر انتقام کے جزا ترات تھے، انھوں نے اس کا حسین چہرہ بگاڑ کر بڑا ہی بھیاں بگاڑ دیا تھا۔

غزالہ نے جسم کو ایک تحدید بھیج دیا۔ پیسیوں والا ہینگ دیوار کی طرف تھوڑا سا کھسک گیا۔ اس نے جسم کو ایک ادھکا دیا۔

ہینگ تھوڑا سا دور کھسک گیا۔ اس دوران میں ڈاکٹر اسٹون بھی تھوڑا سا اور آگے آ گئی۔ اس کے ہونٹوں پر زری سی سفاک شکوہت پیدا ہو گئی۔ غزالہ نے اس کے اوڑھے ہینگ کے درمیان فاصلے کا جائزہ لیا۔ اگر وہ کسی طرح میڈ کو دیوار کے قریب سے ملے

میں کامیاب ہو جائے تو وہاں سے چاقو کی کوئی صورت نکل سکتی تھی۔ اس نے سوچا کہ دیوار کے قریب جا کر وہ فاصلے کی مدد سے ہینگ اتنی قوت سے ڈاکٹر اسٹون کی طرف دھکے گا کہ اس کی ہڈی ڈاکٹر کے جسم سے ٹکرائے گئے پر مجبور کر دے گی۔

سہ جاتی تھی کہ زندگی اور موت کے درمیان میں چند قدموں کا فاصلہ ہی باقی ہے۔ ڈاکٹر اسٹون کے دونوں زخم گہرے اور کاری تھے ان سے جس رفتار سے خون بہہ رہا تھا، اس سے اندازہ ہوتا

تھا کہ زندگی تیزی سے خارج ہوتی جا رہی ہے۔ وہ ہرگز رتے ہونے لے کے ساتھ موت کے قریب ہوتی جا رہی تھی۔ اسے اس وقت تک ڈاکٹر اسٹون کی دسترس سے باہر رہنا تھا جب تک اس کی ٹانگیں جم کا بوجھ سہانے سے ادا کر رہیں کہ پیسیں اور وہ خون کی کمی کے باعث قریب پر گرنے لگیں۔

جسم کو دھتے جیسے لے کر وہ اپنا ہینگ دیوار تک سہانے میں کامیاب ہو گئی۔

ڈاکٹر اسٹون کی رفتار بے حدست تھی۔

اس کی پیسیوں سے خون اب بھی بال رہا تھا اور وہاں اپنا ایک ہاتھ رکھے ہوئے تھی۔ جون... اس کی انگلیوں کے درمیان سے نکل کر اس کا دامن بھونکا۔ انہوں نے ایک پھینک دیا۔ دیوار کے قریب پہنچ کر غزالہ نے دونوں ہاتھ دیوار سے لگا لے اور ہینگ کا زخم بدل دیا۔ اب اس کے پاؤں ڈاکٹر اسٹون کی طرف تھے۔ اس نے فاصلے کا تعین کیا اور پھر قدموں سے بھر لپٹے جیسے گرد لپٹی ہوئی ٹپ ہٹانے کی کوشش کرنے لگی۔ اسے اپنی اس کوشش میں کامیابی نہیں ہوئی۔

ڈاکٹر اسٹون ایک قدم اور آگے بڑھ گئی۔ وہ اب بڑی طرح جھوٹے تھی۔

اس کا انداز لٹے میں دھتے کسی شرابی سیسا تھا۔ لیکن ابی تک اس کی مضبوط ٹانگیں جم کا بوجھ سہانے ہونے تھیں۔ ممکن ہے انھیں حرکت دینے میں اسے دشواری ہو رہی ہو۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ کہی چاقو کا بلید غزالہ کے جسم میں ڈھل کر رہتی ہوئی غزالہ نے جسم آزاد کرانے کی جدوجہد ترک کر دی۔ اب وہ دیوار سے دونوں ہاتھ ٹکائے

طرف ایک قدم اور آگے کا انتظار کر رہی تھی۔ جیسے ہی ڈاکٹر اسٹون نے قدم لگے بڑھایا، اس نے دونوں ہاتھوں کو دیوار کی طرف دیا اور پھر کم کو کھینچ کر تھوڑے سے جھکا دیا۔ جھکنا اس شہ بہا کا ایک بندش بھی ٹوٹ گئی۔ ہینگ تیزی سے پھسلا اور ڈاکٹر اسٹون کی طرف بڑھا۔

وہ اب بھی چاقو ہاتھ میں لے لے ایک اور قدم آگے بڑھانے کی کوشش کر رہی تھی... لیکن جب اس نے میڈ اپنی طرف تیزی سے پھسلنے اپنے دھکا تو اس کا چاقو والا ہاتھ سر سے بلند ہو گیا۔ یہ حرکت اسے بہت پہلے پڑی۔ پیسیوں کے درمیان شکاف میں چھوڑ پڑا۔ زخم تھلے اور کھل گیا۔ خون کا فوارہ سا جھل پڑا۔ وہ دھکا مل گئی۔ ایک لے ہینگ اس کی دونوں رانوں کے سامنے دالے جیسے سے ٹکرایا۔ لیکن پھر وہ سامنے کی طرف کچھ جھک گئی تھی اس لیے رانوں پر لٹکائے سے اس کے قدم قریب سے ٹکھ گئے اور وہ ٹھٹک کے بل

غزالہ پر گر گئی۔ اس کا چاقو والا ہاتھ تیزی سے نیچے آیا تھا لیکن غزالہ اسے دھکا کرنے کے لیے تیار تھی۔ اس نے بڑی ماحول میں سے کام لیا تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ ڈاکٹر اسٹون کی کلائی پر جم گیا۔

اب صورت حال یہ تھی کہ ڈاکٹر اسٹون اس پر پھینک ہوئی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ غزالہ کی گرفت میں تھا۔ اور وہ دوسرے ہاتھ سے

اس کے زخم سے دباؤ ڈال رہی تھی۔ اس میں زور آزمائی کی ہمت نہیں رہی تھی۔ وہ بڑی طرح اس پر رہی تھی۔ اس کی ہونٹوں میں گرم گرم سانس غزالہ کو اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھیں۔ خود غزالہ بھی بڑی طرح اس پر رہی تھی۔ اس کی کلائی کا زخم بے حد تکلیف دہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس زخمی ہاتھ سے اس نے ڈاکٹر اسٹون کا چاقو والا ہاتھ روک رکھا تھا۔... چاقو اپنے بے پناہ کی وجہ سے لمحہ بے لمحہ اس کے جسم سے قریب ہوتا جا رہا تھا۔

غزالہ کی کوشش تھی کہ چاقو والا ہاتھ اس کے پہلو کی طرف سے ہینگ کی ہڈی کی طرف نکل جائے۔ اس طرح وہ اسے ڈاکٹر اسٹون کی گرفت سے نکالنے کے ساتھ ساتھ چاقو کے لمبائی کے ذمہ سے محفوظ بھی رہ سکتی تھی... لیکن وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہ ہوئی۔ ڈاکٹر اسٹون کا چہرہ اس کے سامنے تھا۔

اس کی آنکھوں سے اب ٹوٹتی جھلکی تھی۔

غزالہ نے اس کی کلائی کو کھٹکا دیا۔ ڈاکٹر اسٹون کی آنکھوں میں کرب بڑھ گیا لیکن اس کی دیوانگی میں ابھی تک کی نہیں آئی تھی۔ اس نے دانت غزالہ کی ٹھوڑی میں کاڑھے۔ غزالہ تھلکائی۔ اسی لمحے اس کے ذہن پر وہ زوال رخسار شدت سے حملہ آور ہوا۔ اس کے فاصلوں میں ٹوٹنے میں کسی ٹھوڑی کی آئی جس نے اس کا دل دماغ پر شہ کر دیا۔ اس کی گرفت ڈاکٹر اسٹون کی کلائی پر کھڑو پڑی گئی اور پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے اسے قہام لیا۔ اس کے ہڈیوں کی دنیا میں جو سال پہلے ہوا تھا لیکن ڈاکٹر اسٹون کی دھت تیزی سے جسم کا ساتھ چھوڑتی جا رہی تھی۔

غزالہ کی آنکھیں دھندلا گئیں۔

وہ بڑی طرح اس پر رہی تھی۔

اس کا جسم تیزی سے پیسیوں میں شہ آور ہو رہا تھا۔

ایک اسے اپنے سینے پر کوئی گول سی چیز ٹکرائی محسوس ہوئی۔

اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھی۔ ڈاکٹر اسٹون کا سر دھکک گیا تھا اور اب وہ اس کے سینے پر سر ٹکائے ابدی نیندیں ڈوب گئی تھی۔



سے معصومیت چھینے کی جی جی مانیگو اسے دونوں ہاتھوں سے تھامے  
حیرت زدہ کھڑا تھا کیسا اس کی سانس تک بے جبر کے لیے رک  
گئی تھی۔ اچانک مانیگو کو جھک جانا پڑا۔  
پچھلی کمر پٹی کا جعبی جھٹہ... جہاں سے اس نے نکل  
بنائی تھی، وہاں سے خون بہنے لگا تھا۔ خون کی بوندیں فرش پر پڑی  
رہی تھیں۔ جیسے جیسے خون غارت ہو رہا تھا، پچھلی حالت بگڑتی جا  
رہی تھی اور اس کا جسم لمبی اور نرم ہوتا جا رہا تھا۔  
مانیگو نے اس سورخ پر نکل رکھ دی۔  
خون کی بوندیں گرنا بند ہو گئیں۔

پتھر اب بھی روبرو تھا لیکن اس کی آنکھیں بند تھیں اور لگی  
لگتا تھا جیسے وہ جھک کے پک رہا ہو۔ وہ اسے بازو کے چمکے  
میں لٹائے، ایک انگلی، کمر پٹی کے سورخ پر چمکے دروازے  
کی طرف بڑھا گیا۔ ایک لمحے قبل وہ اس پچھلی کمر پٹی میں گھس گئے  
کا ازالہ کر رہا تھا لیکن اب اسے پچھلی معصومیت پر پارا رہا تھا۔  
یہی وجہ تھی کہ اس نے اسے دیوار سے دھکے مارنے کا خیال ذہن  
سے جھٹک دیا تھا۔  
وہ اس کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں گیا۔  
یہ کو خالی تھا۔

وہ اس کمرے کے دوسرے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔  
اچانک اس کی سماعت سے کچھ ایسی آوازیں نکلیں کہ اسے ٹھٹک  
جانا پڑا۔ یہ آوازیں طعنے کمرے سے آرہی تھیں۔

اگوشان نے بند دروازہ کھول دیا۔  
سامنے ایک خالی کمرہ تھا۔ اس نے کمرے میں قدم رکھا تو  
مانیگو کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ وہ بازو میں ایک پتھر لیے کھڑا تھا۔  
اگوشان کی آنکھوں میں لمحے بھر کعبرت پیدا ہوئی لیکن اگلے ہی لمحے  
وہ مخصوص انداز میں ہنس پڑا۔  
"میں اس حالت میں دیکھ کر مجھے کتنی خوشی ہو رہی ہے؟  
اس نے پچھلی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ کیوں ہے؟  
کس کا پتھر ہے؟"

"کچھ دیر پہلے تو سورا کا پتھر تھا، مانیگو بولا۔ بڑی مشکل  
سے آدلی کا پتھر بنانے میں کامیاب ہوا ہوں؟  
"ٹھیک ہے، اسے گوئے لو؟"

"فی الحال تو اب ہی اسے سنبھالنے، میں اس کو کٹنے کی  
لاؤں کر تلاش کرنا چاہتا ہوں۔ اگر اسے کچھ ہو گیا تو میرے

ن سلاخیں، تنکوں کی طرح بکھیر دیں تھیں اور اب وہ مانیگو کے ہاتھوں  
ن دبا جاتا تھا ایک لمحے کے لیے مانیگو کو کھینچیں ہوتا تھا جیسے وہ پتھر کا  
انجام ہوا۔ اسے یوں لگتا تھا گویا اس کے دونوں ہاتھ تھیں گئے  
ن۔ اگلی سماعت اس کے بازوؤں کے ریشے اڑتے چلے گئے  
پتھر کی طرح تھیں۔ اس کے بازوؤں میں فرلاؤ کی سی سختی پیدا ہوئی  
ن۔ اس کا ہر لمحہ پچھلی کمر پٹی کی پشت پر لگی ہوئی نکل انگ  
نے کسے بے رحم تھا، وہ نکل پر جبر کیا تھا... لیکن اس سے پہلے  
ن نکل انگ کرنے میں کامیاب ہوتا، پچھلی کا ایک پتھر اٹھا اور  
ن نے مانیگو کا بازو تھام لیا۔  
مانیگو پچھلی کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

"سنو بنجہ دروازے کا پتھر کمرہ میں ایک کھڑا نور جوان  
ن اس پتھر کے سلسلے میں میرا تجربہ مضر ہے۔ میں ناشا ہوں کہ  
رکھیں یا گولا تھکے نسل سے تعلق رہتے ہو... لیکن کیا یہ اچھا نہ  
کا کو کم ترلوں کا احترام کرنا سیکھو؟"

پچھلی کا ہاتھ اس کے بازو پر جما ہوا تھا، اس نے مانیگو  
الحال کو دیکھ لیا تھا۔ مانیگو کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا اسے  
پچھلی میں کئی دشواری نہیں ہوئی تھی کہ یہ پتھر معمولی پتھر، اسی سبز  
ال کی وجہ سے اس قدر غیر معمولی ہے، اس لیے سبز سیال کا  
سلسلہ اس کی کمر پٹی کے جعبی جھٹے سے قطع کر دینا چاہیے، لیکن  
نے کا پچاس کے بازو پر کسی آہنی کھینچنے کی طرح جبر کیا تھا، اس نے  
ہنے بھی ریشوں کو مزید سخت کر لیا اور پھر پچھلی کے پتھر کو ایک  
جکا دیا، اگلے ہی لمحے اس نے نکل تھام لیا۔

پتھر نہ کھول کر پتھر۔ یہ پتھر اتنی دلدرد تھی کہ مانیگو کے  
انگے کمرے پر گئے لیکن اس کا ہاتھ نکل تک پہنچ چکا تھا۔ وہ ایک  
خود سے پتھر کو درپے ہوئے تھا اور پتھر اسے پتھر کی طرح محسوس  
س رہا تھا، ایک جھٹکے سے اس نے نکل کھینچ لیا، فرلاؤ ہی اسے یوں  
دھیسے پتھر کا ایک دم پڑ گیا، اس کی آنکھوں کی طرف ناک چمک  
ہوئی اور وہ یوں روئے لگا کر گویا کھینچا تھا سا پتھر دور ہوا۔

نکل جیسے ہی پچھلی کمر پٹی سے جدا ہوئی، سبز سیال کا مزین  
ن کا دھکے سے پٹ پٹ مانیگو نے جیت اور بے نشینی سے کمرے  
ن اور وہ تھیں، پتھر سے دیکھ، ان میں موجود تینوں جاندار بھی تڑپنے  
گئے اور پھر دیکھنے ہی دیکھتے وہ ساکت ہر کر یوں بن گئے جیسے  
کے جسموں سے روح نکل گئی ہو۔

پتھر اب بھی روبرو تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے  
وہ پتھر معمولی پتھر اب ایک عام سا پتھر بن گیا تھا۔ اس کی صحت

اس مرتبہ میں سبز سیال جبر اٹھا اور ایک نکل دہلیں  
سے کمرے کے دوسرے جھٹے کی طرف جاتی دکھائی دے رہی تھی۔  
مانیگو کی نگاہ اس نکل کے ساتھ ساتھ سفر کرتی ہوئی وہاں تک  
جانب بھی جہاں اس کا آخری جھٹہ تھا اور پتھر وہی طرح چل پڑا۔  
اس کے سامنے ایک اور پتھر تھا اس پتھر سے ایک تین سالہ  
پتھر بیٹا ہوا تھا۔ دو پتھر تین پتھروں میں بند جانوروں کی طرح اس  
پچھلی کی آنکھوں میں چمک رہی تھیں اور وہ ساکت بیٹھا تھا... دیکھنے  
کے مرتبہ سے نکل اس کی کمر پٹی کے جعبی جھٹے تک پہنچتی تھی۔  
اور غالباً وہاں سے اندر داخل ہو رہی تھی۔ مانیگو نے جراثیمی  
کڑا ہنسی سنیں، وہ اسی پتھر کے حق سے نکل رہی تھیں۔

اس کا دل باز بار بار کھل رہا تھا اور بند ہو رہا تھا۔  
اچانک پچھلی کے حق سے ایک دلدرد نکل گئی۔  
اس نے دونوں ہاتھوں سے پتھر کے کمرے کی سلاخیں تھام  
لیں اور پھر مانیگو کی ریلوں محسوس ہوا جیسے اس کا پورا وجود وحشی  
کی لہروں میں ڈوب گیا ہو۔ پچھلی آہنی سلاخیں تھام کر ان پر  
زور لگا کر شروع کر دیا تھا... اور آہنی سلاخیں یوں ملتی جا  
رہی تھیں جیسے وہ دم کی سی ہوئی ہوں۔ اب سلاخیں میں آہنی جھج  
پیدا ہوئی تھی کہ پتھر ان میں سے باہر آ سکتا تھا۔

وہ پتھر سے نکل اور پھر اس نے مانیگو پر چلائی  
لگا دی۔ مانیگو کو لگا کہ اسے صاف جھڑوے... ارے...  
اس نے روکھا ہٹ میں کیا اور پھر اس کے دونوں ہاتھ تیزی  
سے آگے بڑھے۔ اس نے پتھر کو درج دیا اور اس کا ایک ہاتھ  
پتھر کے سر میں لگی ہوئی نکل کی طرف بڑھ گیا۔

مانیگو کی روکھا ہٹ دیکھتے ہی تعلق ہوئی تھی۔  
وہ ناکا کھات و دھیر میں شخص اور ایک کھجورے جیسے پتھر  
سے کھل جائے۔ بات محسوس کرنے کی مذہک کو مٹھ کر تھوکی ہوئی  
پتھر غیر معمولی تھا شہزادہ کی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا کہ اس کی  
کمر پٹی کی پشت میں چمک رہی ہے، اس کا تعلق ایک ایسے  
مرتبان سے تھا جس میں تین ہنگ جانوروں کے جسموں سے مشابہ  
نکلیاں پہنچ رہی تھیں۔ ایک پتھر سے وہ، بندہ بھی دیکھ چکا  
تھا۔ دوسرے میں اثر اور دوسرے میں ایک بیٹھا باب۔ بھی  
بلجھان تھا... پتھر تین سال کے اس پتھر نے آہنی پتھر۔

اس کی سماعت سے عجیب عجیب آوازیں نکلیں تھیں اسے  
حیرت تھی کعبی سماعت سے آنے کے بعد انھیں کس قدر حیرت بخش  
صوت حال کا سامنا کرنا چاہیے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا اس  
راہ داری کا بعد تھانے میں اس جسم کے کمرے بھی ہوں گے  
جن میں جانوروں کے پتھر ہی پتھر کے کمرے ہونے ہیں  
وہ جس آواز کو کر، کر رہا تھا، یہ ایک ایسی آواز تھی جیسے  
قریب ہی کئی انسان بے پناہ اور ناقابل برداشت آواز کے  
تحت کڑا رہا ہو وہ آواز پر کان لگائے کھڑا رہا... پتھر اسے  
آہستہ آہستہ بڑھ گیا اسے احساس تھا کہ جس پر زور میں جگر  
پر قدم رکھا ہے یہاں قدم قدم بچھڑات ہوں گے... لیکن وہ  
عام آدمی کی طرح وحشت زدہ نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی وہ کئی  
عام آدمی تھا۔ اس کی شخصیت مثالی تھی اور وہ ایک غیر معمولی آدمی  
تھا۔ اپنی ذات میں طاقت کا بیڑا تھا اور اس کی تباہی ہستی  
کسی بڑی فرج کے مقابلے میں جاری تھی۔

ٹوکا کٹر سٹون سے طاقت کے بعد اس کے دل میں عجیب  
اور ناقابل فہم سے جذبات سرشار رہے تھے اب تک وہ بہت  
سی خطرناک اور غیر معمولی شخصیتوں سے مل چکا تھا اور وہ لوگ اس  
کے ہاتھوں انہم کو کبھی پہنچے گئے تھے... لیکن یہ عورت... وہ  
کامیاب گیا۔ اس کے ذہن میں پرانا وہ خاندان کے بڑے رشکے کی  
حیرت انگیز موت اور اس کے بعد زندگی کی ہلاکت اچھی تازہ تھی۔  
وہ مختار تھا... بے حد محتاط... کیونکہ وہ اپنے کو جانی باپ اور  
استاد اگوشان کو بے پناہ محتاط محسوس کر چکا تھا۔

اس کی آنکھوں نے ایک ناکا کھول ڈالا۔  
تلاش ایک کمرے کو دروازہ دھکیلتا ہوا اندر پہنچا تو اس کے  
پاؤں فرش پر چمک گئے۔ اس کے سامنے تین پتھر تھے۔ ان میں  
سے ہر ایک میں کئی کئی جان دار موجود تھا۔ ایک پتھر سے  
جڑا سا اثر دیا تھا، دوسرے میں ایک بھاری جگر بند تھا۔ اور  
تیسرے میں ایک سمیڑا مانیگو ہوا تھا... وہ بیٹھلی ساکت تھے۔  
حالاں کہ ان کی آنکھیں غلام کر رہی تھیں کہ وہ زندہ ہیں۔  
مانیگو نے دیکھا کہ ان تینوں کی کمر پٹیوں میں ایک ایک نکل  
لگی ہوئی ہے۔ ہر نکل سے ایک باریک ٹیوب ٹھٹک تھی یہ ٹیوبیں  
پتھروں کے اوپر سے چھت کی طرف جاری تھیں، چھت پر ایک  
کڑا لگا ہوا تھا۔ جس میں سے گزر کر یہ ٹیوبیں کا پتھر کے اندر مزینان  
میں جا گئی تھیں۔  
مانیگو کی نگاہ اس مرتبان پر جم گئی۔

سرک و دایں بائیں پٹختے چمکتے اس نے ایک بار پھر چاقو کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ بلند ہراس کی انکھیاں جم گئیں اس نے اسے کیچنے کی کوشش کی لیکن چاقو قش سے سن نہ ہو سکا۔ یوں لگتا تھا جیسے ڈاکٹر اسٹون کی انکھیاں اکڑ گئی ہوں اور ان کی گرفت سے ہاتھ نکلنے کے لیے اس کا ہاتھ کاٹنا پڑے گا۔۔۔ یہ ناممکن تھا کیوں کہ اگر اس کے پاس کٹنے کے لیے کچھ ہوتا تو وہ اپنی پٹیاں کاٹ کر چھینک دی اور آٹھ کھڑی ہوتی۔

اٹھنے کا خیال آئے ہی اس نے سر جھکا کر اسے کم از کم ڈاکٹر اسٹون کی لاش، وہ فیکل کر سیکھ چھینک دینی چاہیے ممکن ہے اسی طرح ذہنی حالت کچھ قابو میں آئے۔ اسے جرموندی سوندھی بڑ محسوس ہو رہی تھی وہ ڈاکٹر اسٹون کی وجہ سے ہی تھی۔ اچانک اس کی سماعت سے ایک خفیف کی گراہ مچ گئی۔ اس نے اپنے سینے کی طرف نگاہ اٹھائی۔

ڈاکٹر اسٹون کا چہرہ رفتہ رفتہ بند ہو رہا تھا۔  
"اوہ... تو تم بھی زندہ ہو۔ وہ بیخ بڑی دیکھو یہ آزاد اس کے حق ہی میں گھٹ کر رہی گئی۔ ڈاکٹر اسٹون کا چہرہ آہستہ آہستہ اس کے چہرے کے مقابل آگیا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ غصہ تھا لیکن اس کے ہونٹ مشکرا رہے تھے اس مشکراہٹ میں کتنا شیطانی تاثر تھا کتنی مکروہ لگ رہی تھی۔ وہ... غزالہ کا نپ کانپ گئی۔

متل کا احساس ایک بار پھر شدت اختیار کرنے لگا۔ ڈاکٹر اسٹون کی سانسوں سے اس کے ذہن پر پھر وہی غبار چھلنے لگا تھا اس نے سانس روک لی لیکن زیادہ دیر لسانہ کر سکی۔ اس کا دم گھٹنے لگا اور سینے میں شدید تکلیف ہونے لگی۔ پسپاں لڑتی محسوس ہونے لگیں۔ مجبوراً اس نے ایک گہری سانس لی۔ یہ سانس قیامت نوحائی۔ اس کی ہتھی میں جو جنگ ہو رہی تھی وہ اپنے عروج پر پہنچ گئی۔

ڈاکٹر اسٹون کی سانسوں کا سلسلہ ایک بار پھر ٹوٹ گیا۔ ایک مرتبہ جیسا کہ سونڈھک گگ

گول گول، بالوں سے بھرا ہوا سر غزالہ کو کسی ایسی چٹان کی طرح محسوس ہوتا تھا جو اسے پیس ڈولنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس نے ایک اور گہری سانس لی پھر اپنی تمام تر توجہ چاقو پر مرکوز کر دی اس کا ہاتھ آہستہ آہستہ چاقو کے ہینڈل کی طرف دھکے دے رہا تھا اور جیسے ہی اس کی انگلیوں نے چاقو کی ہینڈل کو محسوس کیا اس نے اسے جکڑ لیا اور ہاتھ واپس کھینچا تو وہ اس کے ہاتھ میں دبا ہوا ڈاکٹر

سے بھانسنے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔  
"میں ایسا ضرور کروں گی۔ وہ بڑبڑائی۔  
بڑبڑاتے وقت کچھ ہونٹ و انتوں کی گرفت سے نکلی گیا اور تب اسے اپنے منہ میں گرم گرم مٹی لکھنے سے سیال کی بھونٹ کا احساس ہوا۔ وہ اس وقت خواب اپنے ہی خون کا مزہ چکھ رہی تھی۔ یہ ذائقہ اسے برای عجیب محسوس ہوا۔ یکایک اس کی طبیعت بدلنے لگی۔ اس نے بھونٹ صرف کر کے اپنی بوچھل پٹکیں اٹھائیں۔

ڈاکٹر اسٹون کی لاش اب بھی اس پر بوجھ ڈال رہی تھی۔ اس نے انھیں کھسک کر اس کا سر برسی طرح گھومتے دنگا۔ ایک بار پھر اسے اپنی رگوں میں دوڑنے پھرنے شراؤں کا احساس ہوا۔ جیسا کہ اس کی نگاہ ڈاکٹر اسٹون کے ہاتھ میں جکڑے ہوئے چاقو پر جم گئی۔ اس چاقو کی اسے شدید ضرورت تھی اس کے بغیر وہ خود کو آزاد نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے ایک ہاتھ چاقو کی رین بڑھالیں اس کا ہاتھ جیسے ہی ڈاکٹر اسٹون کی گلائی سے ٹکرایا، اس کے جسم میں ایک گرم گرم اور جھکادینے والے تاثر سے بھر پور ہر وہو گئی۔

بڑی شکل سے اس نے ہاتھ چاقو پر رکھا اور اسے کیچنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ چاقو پر ڈاکٹر اسٹون کی انگلیوں کی گرفت خاصی سخت تھی۔ اس کے علاوہ چاقو کا دست اس کی نٹھی میں دبا ہوا تھا اور وہ صرف ہینڈل کی طرف سے ہی اسے کیچنے کی تھی۔ مگر اسے اپنے پورے وجود پر زور سے اوڑھ لیا کا احساس ہوا۔ اس کا ہاتھ اتنی تیزی طرح کا چپا کر فوراً ہی اسے چاقو کے ہینڈل سے نہ جلتا بلکہ تیز دھار کے بانٹ کا ہاتھ لگ گیا ہوتا۔

ایک بار پھر اس کے وجود میں وہی جنگ شروع ہو گئی جس نے جیسے کہ نہج تات بل گئی تھی۔ اس نے پوری شدت سے لات ذہن سے بکھال دینے کی کوشش کی اور ذہن کو دباوا حاصل کرنے کی طرف متوجہ کر لیا۔ لیکن وہ کیپا جیٹوں پر قابو نہ لگا۔ اس کا ہاتھ ٹوٹ کانپ رہا تھا جیسے اسے جاڑا دے گا یا اسے اس کا پورا وجود دھیرے دھیرے کانپ رہا تھا اور کیفیت میں اسے اپنی ہستی خود ہی محسوس ہو رہی تھی۔

"نہیں... ایسا نہیں ہوگا" اس نے سوندھی سوندھی دھڑکے سے کھینچ ڈالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ یہ ایسا ماہر نے دوں گی خدایا، میری مدد کر۔

بائیں بھی تیروں کی طرح ہوتی ہیں، جواکیم باور زبان سے ادھر ہاٹیں تو کمان سے نکلے ہونے تیروں کی مانند بھی واپس نہیں آئیں ایس نے بھی غصے میں آکر ایک تیر بھونڈا تھا۔۔۔ اور یہ تیر شالے پر لگ کر تیرن کا نقصان پہنچانے کی بجائے خود اس کے لیے ہی مصیبت کا باعث بن گیا تھا۔ اسے اپنی پٹکیں بھاری ہوتی محسوس ہونے لگیں۔

لاکھ کوشش کے باوجود وہ پکوں کا بوجھ اٹھانے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ اس کے خنوں میں اب بھی سوندھی سوندھی بو گھسی گھسی تھی۔ یہی جو اس کے حواس پر گہری گھونڈ کی چادر ڈال رہی تھی اس نے کچھ ہونٹ و انتوں میں دبا لیا۔ اس کے دانت اپنے ہی ہونٹ میں پیوست ہو رہے تھے لیکن اسے تکلیف کا احساس نہیں تھا۔ وہ ایک طاقتور لڑکی تھی۔ اخلاقی اور جسمی اعتبار سے وہ عام لڑکیوں سے کہیں بلند تھی اور اسے اپنے جذبوں پر پکوں کا برا حاصل تھا لیکن اس وقت یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے جھپٹا کا بند ٹوٹ جائے گا۔ اسے اپنا جسم اور اپنی ہستی کسی حقیرے تنے کی طرح ہتھی محسوس ہو رہی تھی۔ جن خیالات کو اس نے زندگی میں کبھی اہمیت نہیں دی تھی، انھوں نے اب اس کے دماغ پر بے لگا کر دی تھی۔ اگر یہ معاملہ صرف خیالات تک ہی محدود رہتا تو شاید وہ کسی نہ کسی طرح خود کو نسیلے میں کامیاب ہوجاتی۔ لیکن یہ خیالات عملی تھے اور ٹھیک چاہتے تھے اور وہ ایک انجانی سی جنگ میں مبتلا ہو گئی تھی۔ ایک ایسی جنگ جس کے لیے خود اس کا جسم میدان جنگ بنا ہوا تھا اور اس کی پاکیزہ و نوح آؤدگی کے خیالوں کے خلاف نبرد آزما تھی۔

یہ سب کچھ اس بچکون کی وجہ سے ہو رہا تھا، جو ڈاکٹر ایسا اسٹون، دم کوٹھنے سے پہلے اسے لگانا چاہتی تھی، اگرچہ اسے اپنے مقصد میں پوری طرح کامیابی نہیں ہو گئی تھی تاہم پتہ کی سٹی سے تھوڑی بہت دوا اس کی نش میں داخل ہو چکی تھی اور اب خون میں شامل ہو کر اس کی رگوں میں شراؤں کی مانند گھوم رہی تھی۔

اس نے ایک بار پھر خود کو اس پریشان خیالی سے بچا۔ کی کوشش کی۔ سوندھی سوندھی جواب بھی اس کے منتوں میں گھس رہی تھی۔

تم آؤ اور میری پوٹی مٹی جیسی گوریکاک اسے احساس ہو کر کہ یہ گودہ ڈاکٹر اسٹون کی وجہ سے محسوس کر رہی ہے۔ اس کی لاش آؤ پیرے ہٹ جائے تو وہ اپنی پاکیزہ و نوح کو گوارہ نہیں دے گی۔

دو دن کان کھا جائے گا اور مدد فرمیتا ہی تر شاہید میری بریٹیاں ہی لڑ جائے۔

مائیگر نے ہچکچاہٹ کی طرف بڑھا دیا۔  
اوشان نے سختے پھیلے اور کچھ سوچنے لگا۔  
"عون... موت... خوف... وہ بڑبڑایا اور مائیگر کے ہاتھ سے ہتھکڑیاں ہٹا کر اسے آسکی سے قفس پر ڈال دیا۔ پتے نے چند لمحوں میں دنا بند کر دیا تھا اور اب گول پڑ سکتا تھا جیسے گہری میند میں دوبا ہوا ہوا۔  
مائیگر کا ہاتھ خون میں تھک گیا تھا۔  
اوشان نے جھک کر پتے کا جائزہ لیا۔

یہ بچکا ہے وہ بڑبڑایا۔  
مائیگر نے کئی جواب نہ دیا اور اوشان کی طرف دیکھتا رہا جس کے چہرے پر پتے ہی عجیب سے تاثرات پہل گئے تھے۔ غزالہ غصہ میں ہے وہ اوشان بڑبڑایا اور اڑھ اڑھ دیکھنے لگا۔ اس کی نگاہ اس دروازے پر جم گئی جس کے عقب سے شاید کچھ چیز عجیب سی آواز سن کر کرک لگتا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ ہوا کے تیز جھرنے کی طرح اس دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

غزالہ کا ذہن غبار آؤد ہوتا جا رہا تھا۔  
ڈاکٹر اسٹون کا سر اس کے سینے پر کچا ہوا تھا اور وہ مریکی تھی۔ اس کا چاقو والا ہاتھ پتوں سے بے جان پڑا تھا لیکن ابھی تک چاقو کے دتے پڑ گھیلوں کی گرفت مضبوط تھی، غزالہ نے اپنے ذہن سے اسے عجیب سے غبار آؤد ہوا تو کچھ جھک دینا چاہا لیکن اس طرح یہ دھند مزید گہری ہو گئی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس پر بھٹی کیفیت طاری ہو رہی ہو۔ وہ شدت سے کسی عورت کی ضرورت محسوس کر رہی تھی۔ وہ عورت تھی اور اس پر ایک عورت مردہ حالت میں جچی ہوئی تھی۔ اس نے دو گول ہاتھوں سے ڈاکٹر اسٹون کی لاش اپنے اوپر سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن اس جہد و جہد میں اسے دانتوں پسینہ آگ لاش یکایک ہی جھک رہی تھی۔

اسے انھوں نے ہٹا کر اس نے ڈاکٹر اسٹون سے ایسا بھونڈا مذاق کیوں کیا تھا، اگر وہ اسے اپنی طرف اس گھناؤنے انداز میں متوجہ ہونے کا طعنہ نہ دیتی تو ڈاکٹر اسٹون کے شیطانی ذہن میں یہ خیال کھولے سے بھی پیدا نہ ہوتا۔ اس نے ڈاکٹر اسٹون کی کینٹ سے ناخن نکال کر جہاں تک مٹا کر لیا تھا، اس سے یہ بات ثابت ہوئی تھی کہ وہ ایسا کرنے پر قادر ہے۔ لیکن ایک بار ہر سکتا تھا۔



اس کا دایاں ہاتھ اٹھا اور بھلی کے گوندے کی طرح جھک گیا۔ ٹانگہ لے کر انھیں بند کر لیں۔

کچھ دیر وہ اسی طرح انھیں بند کیے کھڑا رہا پھر اوشان کی آواز پر اس نے انھیں کھول لیں تو جھجھکی سے کہہ گیا۔ زندگی میں شاید دوسری یا تیسری بار اسے احساس ہو رہا تھا کہ کسی سے جذباتی وابستگی جو کواں کا عجزت ناک انجام انسان کو کس قدر تکلیف میں مبتلا کر دیتا ہے۔

مبتلا کر دیتا ہے۔ اس کو کس ہے؟ اوشان نے کہا۔ اس کے بلجے سے گہرا غم جھک رہا تھا۔

”اُف اوشان! آپ نے اسے مار ڈالا؟“ ٹانگہ بڑبڑایا۔

”اس لوگ کو بلک کر ڈالا جیسے آپ اپنی بڑبڑانا چاہتے تھے۔“

”ہاں... کیوں کہ میں اسے مزید اذیت میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا تھا۔“ اوشان کی آواز بھی بچی بچی تھی۔

”یہی جس طرح رینڈی کا علاج کیا گیا تھا، ویسے اس کا بھی۔“

ٹانگہ نے احتجاج کیا۔

”نہیں... اس سے میرے آگے جا چکی تھی۔“ اوشان بڑبڑایا۔

”ہمیشہ یاد رکھنا ٹانگہ! زندگی اور موت صرف خدا کے ہاتھ میں ہے۔“

”تھمنا... یہ میرے ہاتھ میں ہے۔“ اوشان کی حرکتوں کو دیکھ کر ٹانگہ نے کہا۔

”تو پھر ایک ایسا ہی ہاتھ، میری کھوپڑی پر میری رسید کر ڈیجیے۔“

اگر زندگی رہی تو پیسے ہی جان کا گاہیہ ٹانگہ تھی سے بولا۔

”اس کی نگاہ غزالہ پر جمی ہوئی تھی جس کا چہرہ مرنے کے بعد بھی ایسے ناک انداز میں بگڑا ہوا تھا۔“ آخری جتن، موت کی نفرت

میں بھی کرنا کیوں کا فکرا تھا۔ اس نے ایک بار پھر انھیں بند کر لیں۔

”یہ ایک اسے اپنے بازو و پاشاں کے ہاتھ کا لمس محسوس ہوا۔“

”مجھے اس لوگ کے مرنے کا بہت غم ہے، اوشان!“

”میں جانتا ہوں، میرے بچے۔“ اوشان نے میکی ہوئی آواز

میں کہا۔ ”یہی میں تو تمہیں اپنا دکھ نہیں بتا سکتا۔ چلو، یہاں سے نکل چلیں۔ یہاں مجھے اپنا قدم لگنا محسوس ہو رہا ہے۔“

”یہی نہ لائی...“

”اے مجھل جاؤ۔ غزالہ میری ہے۔“ لیکن تم نے دیکھا کہ تم نے

سے پہلے یہ کیسے غزاردی تھی۔ ٹانگہ کو گھبراہٹ ہوئی تھی۔

”ٹانگہ! اپنی آنکھیں مٹی پر نہ لگائیں۔“

”میں اوشان سے پٹا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ عقب میں اسے اوشان کے قدموں کی چاپ دروازے تک سنائی دی۔... پھر اسے لوں محسوس ہوا جیسے کوئی دیوار دھڑام سے گر پڑی ہو۔ اس نے پلٹ

ن سے جس ہاتھ سے ریسیور تھام رکھا تھا، اس کی کیکاپاٹ سے ریسیور اٹھا لے گئے۔ میں ناگام بننے پر ہلکی ہوئی تھی۔ ریسیور ہانسی کی تھانہ پر ٹکسوں سے لٹکا تھا کہ ٹانگہ بیڑ کرنا پڑا بازو لٹا اور ٹکسے ٹکسے ہوتا محسوس ہوا۔

”ٹانگہ بیڑ، پیڑ، دوسری طرف سے زندگی چھوٹی آواز سنائی دی۔“

”جینیل... اس نے بھی بھڑائی ہوئی آواز میں کہا۔ لیبارٹری میں بند کر کے فرما دوں سے نصحت ہو جاؤ۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

وہ اپنے ڈیسک کے سامنے بیٹھی آنکھوں میں کال لگائی تھی۔

”ٹانگہ بیڑ کرنا پڑا بازو لٹا اور ٹکسے ٹکسے ہوتا محسوس ہوا۔“

”ٹانگہ بیڑ، پیڑ، دوسری طرف سے زندگی چھوٹی آواز سنائی دی۔“

”جینیل... اس نے بھی بھڑائی ہوئی آواز میں کہا۔ لیبارٹری میں بند کر کے فرما دوں سے نصحت ہو جاؤ۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“

”نہیں۔ میں نے بھی بدھری آواز میں تھی۔“



بیمہ ز چند محوں تک سالت لھر اس قیامت بودیچھا

”میں بوڑھے کو یہاں بُھلائی نہیں۔ جب وہ اُوپر آجائے تو

بابا جیسے۔ اس سے بعد ہی ہمیں ایک دوسرے کو خُدا حافظ کہنا چاہیے۔

”تم کیا چاہتے ہو؟“ وہ سبرائی ہوئی آواز میں بولا۔

اس نے کاجل لی اسٹ اسٹی اوپا پی اے اے کا یہ ہر اس کے  
میں معروف ہوئی۔ یہ کہتے کہ اس کو امرت کہہ سکتے ہیں۔

بیمہ زچہ عدول ملک سات تھرا اس کی حالت روزیہ صاف ہے۔



اس کی "تعلیم ایک نئے کے لیے بھی لڑی کے چہرے سے نہیں ہوتی تھی۔ ان آنکھوں میں بے پناہ گہرائی تھی، ایسی گہرائی جس میں گہر کوئی، اپنی ہستی بھی گہر سمجھتا تھا... اس کے ہونٹوں پر ایک بھی عجز و کینہ والی مسکراہٹ تھی۔ لڑی بالکل ان آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور اس کے گانوں پر شرمیلی سیبوں جیسی جھلک اچھلائی دھت نمایاں ہو رہی تھی۔

"تعلیم شاید کسی اور کا اشتغال تھا۔" ٹائیگر نے بات شروع کی۔  
"نہیں تو... میں... دراصل... وہ گورنر تھی۔"

"نہیں ابھی لڑی اس نے تمہارے میں ڈوبے ہوئے ہیں۔" کہا۔ "آج صبح لڑی کے کتے جین بول پر جھوٹ جیتا نہیں ہے۔ بتاؤ تعلیم کس کا اشتغال تھا؟"

"ڈاکٹر میز۔" وہ بڑبڑا۔ "یہ اس کے ساتھ ہی ایک بار چمڑا کی آنکھوں میں خوف سٹ آیا۔ غالباً اس کے ذہن میں وہ منظر گھم گیا تھا جسے وہ بھی کبھی دیر قبل لائف لائن لیبارٹریز کے ترخانے میں دیکھ کر آ رہی تھی۔"

"ڈاکٹر اسٹون کا ساتھی؟" ٹائیگر نے سوالیہ انداز میں کہا۔  
"لڑی نے بے بسی سے سر کو مثبت جنبش دی۔"

"تم شاید بخوف زندہ ہو۔ اگر میری جیسے ایسا ہے تو معذرت چاہ کر نصرت ہو جانا چاہوں۔" ٹائیگر کے لیے میں نے جانے کیا بات تھی کہ لڑی سر سے پاؤں تک کاپ گئی، ٹائیگر اپنا جملہ جسم کے ساتھ گھبرا جوا اٹھا۔

"مجھے افسوس ہے، میں تمہارے لیے تکلیف کا باعث بنا۔" اس نکلنے جیسے لڑی کے دل میں اس کے لیے نہایت ہی نرمائشیں ہر دلی اور وہ بے تاب ہو کر کسے گڑھ آئی، انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ بے کا ایک خیر سارہ و ہواد ٹائیگر کے دُوب میں ایک خیر معمولی مثالیں اُسے اپنی طرف کشش کر رہا ہو۔ اس غمگین کشش کے سامنے وہ بے بس ہوئی جا رہی تھی۔

اس نے ٹائیگر کے بازو پر ہاتھ رکھ دیا۔

"مت جائیے۔" پلینز... اس کے پیچ میں تو پانچ فیٹالی پہنچتی تھیں جو ترناؤم خوف زدہ کیوں ہو؟

"نہیں تو... میں... وہ دوبارہ گڑبڑ گئی۔"

"کیا تم نے بھی آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر جھوٹ بول لیتے؟"

"کیا مطلب؟ میں دراصل..."

"اگر تم نے بھی ایسا کیا ہوتا تو تعلیم اندازہ ہو جاتا کہ جب تم جھوٹ بولی ہو تو تمہارے ہونٹوں کی کڑکشی قوس اپنا سلاخ کھینچتی ہے۔"

"تم مجھے مار دو گے؟ وہ دہانسی ہو گئی۔"

"میں تمہارے لیے کوئی تیز سا مشروب بناتا ہوں۔" ٹائیگر نے اور اُدھر دیکھتے ہوئے کہا اور پھر ایک انداز پر اسے برائڈ کی بول نظر لگتی۔ وہ ہنسنا آہستہ آہستہ انداز کی طرف بڑھتا اور اس کی حسیات بتا رہی تھیں کہ لڑی اس کی پال کر بغور دیکھ رہی ہے اس کی پال میں کسی بار خفا جس جیسا اثر تھا۔ بول نکلتا تھا جیسے وہ دہن پر

سجھ رہی ہوئی تاکہ تاکہ جیتوں سے بچ کر پاؤں کھنے کی کوشش کر رہا ہو کہ وہیں ان میں سے کوئی نام نہاد تھی جس میں اس کے ہونٹوں سے کھینچ کر جانے اس نے برائڈ کی بول اور ایک جام اٹھا لیا۔ جب گھونٹ برائڈ کی نڈل کردہ لڑی کی طرف متوجہ ہوا تو وہ کوسے کے وسط میں بول کھڑی تھی جیسے کسی عرصہ میں جلا ہو کر، پتھر کی ٹھوڑی بن گئی ہو۔ وہ اس کے قریب آ گیا۔ اس نے برائڈ کا جام لڑی کی طرف بڑھایا۔ "میں تمہارا نام کتب میں جانا لیکن مجھے بول لکھا ہے جیسے میں ہوں سے تمہاری ہی کلاخ میں جھلک رہا ہوں۔"

لڑی نے جام لینے کے لیے اُدھر بڑھایا تو دونوں کے ہاتھ ایک دوسرے سے جھک گئے۔

"آئیگر کی گرفت اگر جام پر مضبوط ہوئی تو لڑی کے ہاتھ سے وہ گم کر چکی جو رہ گیا ہوتا۔ اس نے گلاس جھوٹا ہی نہیں تھا کیونکہ وہ دیکھ چکا تھا کہ لڑی کی آنکھیاں اس کی آنکھوں سے جھک گئے کہ بعد کیا پکارتوں؟ جلا ہو گئی تھیں۔"

اس کا ہاتھ اٹھا اور جام لڑی کے ہونٹوں سے لگ گیا۔

دو گھونٹ پینے کے بعد لڑی کے ہاتھ پر لینے کی تھی تھی پھر دھکے لگے۔ ان پر شفاف ہونٹوں کا گمان ہوتا تھا۔

لڑی کو راہ پر لے گئے اسے مزید بندہ میس منٹ لگ گئے اس کا نام ہیزل تھا اور وہ تین سال سے لائف لائن لیبارٹریز میں مستعدیہ کلک تھی۔ لیبارٹریز میں اس کے علاوہ صرف جلاوطنین تھے جن میں سچ کا بھی بٹن ہی تھا لیکن ہیزل کے بول کسی کو کسی سے بٹھنے کی اجازت نہیں تھی۔ اُسے وہ اسے اپنی زیادہ خواہش تھی کہ اس پابندی کو کبھی اہمیت ہی نہیں دی تھی۔ ڈاکٹر اسٹون اور ڈاکٹر ہیزل اس لیبارٹریز کے سربراہ تھے۔ ان دونوں کے علاوہ ہیزل نے کبھی کوئی اور ڈاکٹر وہاں نہیں دیکھا تھا۔ کسی کی دانست میں یہ ایک ایسے لیبارٹری تھی جہاں تحقیق کا کام ہوتا تھا۔ پچھلے حق میں جانوری جانور تھے اور وہاں ہلنے کی کسی کو اجازت نہیں تھی۔ ہیزل نے بتایا کہ اگر وہ دیوار گرنے کا دھماکا نہ سن سکتی تو اس طرف جانے کا خیال بھی اس کے ذہن میں نہ آتا... پھر کس نے ٹائیگر کو ترخانے کی گری ہوئی دیوار اور دیے

کے پیسے سے جھانکتی ہوئی ڈاکٹر اسٹون اور ڈاکٹر لائٹوں کے بارے میں بتایا۔ یہ جانتے ہوئے بھی اس نے خوف سے ہر چہری کی سی اور بالبار اس کا ہوا لاپ جاتا تھا۔

"ہوں... میں نے کبھی اُسے قتل دیتے ہوئے کہا۔" کہنے لگا کیا کیا؟  
"میں نے فوٹا ڈاکٹر ہیزل کو فوٹا کر دیا۔"

"جہاں؟" ٹائیگر کے پیچ میں بے پناہ نرمی تھی۔  
"وہ فوٹا تو خاندان کے ساتھ مقیم ہے اور منظر گھبرا کا ذاتی محل ہے۔"

"پھر اس نے یہ سب کچھ کس کو تمہیں کیا جاہت تھی؟"  
جواباً ہیزل نے اسے سب کچھ بتا دیا اس نے یہ سب کچھ لگایا کہ وہ ڈاکٹر ہیزل سے جنت میں منتقل تھی۔ یہ جانتے ہوئے اس نے جبراً انداز میں سر گھٹکا لیا تھا جیسے بے پناہ مذمت میں مبتلا ہو۔ ٹائیگر نے اسے ملتان دلا دیا کہ اس میں اس کا کوئی مقعد نہیں۔ یہ تو ایک فحش جہز ہے جو خود بخود ہی خود کو کتا ہے اور انسان اس فحش کی جذبہ کے ماتحت بے بس ہے۔

"لیکن جو حالات ملنے لگے ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر اسٹون اور ڈاکٹر ہیزل کسی جہز کا بعد کار ملوث ہیں وہ زندگی بھر کی آواز میں بولی۔ اور میں ان کی لازم ہوں۔"

"تمہارا خیال دوست ہے لیکن اس سے تمہاری صحت پر کیا اثر پڑے گا؟" ٹائیگر نے اسے بے جا احساس گناہ سے نجات دلانے کے لیے ایک بار پھر سمجھانے کی کوشش کی۔ "تم جس عمارت میں رہتی ہو گلاس کے تمام کینڈوں سے لائف چو؟"

"نہیں تو...؟ وہ جھجک پڑی۔  
"مگر تعلیم معلوم ہے کہ وہ لوگ کیسے ہیں، ان کا کردار کیا ہے اور وہ کیا کیا اہندہ کرتے ہیں؟"

"نہیں۔ میں یہ بھی نہیں جانتی۔"  
"ایسی صحت میں، تم پر کوئی دتے وادی عاید نہیں ہوتی۔ اور جو خود کو مجھ پر سمجھو اور خواہ مخواہ منیر کی تعلیم میں مبتلا ہونے کی وحش نہ کرو۔"

"لیکن مجھے شہر ضرور تھا کہ وہاں کوئی ایسا اہندہ ہو رہا ہے جسے ناظرین کی نظروں سے باہر رکھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔"  
"میں سمجھ رہا ہوں۔ شاید اسی لیے تم نے عورتی بہت مزاح رسانی بھی کر ڈال تھی۔" ٹائیگر نے شکار کر کہا۔ لیکن جب تمہارے فیے انوکھوت دینے کے لیے کوئی ثبوت حاصل نہ ہوا تو تم اپنا تعجب سن دینے پر مجبور ہو گئیں۔

"آپ کو سب کیسے معلوم ہوگا؟ وہ تیزان رہ گئی۔"

"میں عموماً عموماً تیار تھا سناں سناں سناں؟  
"پلینز۔ بتائیے نام وہ اسٹوٹا کئے گئے۔"

"سیدھی سی بات ہے۔ اگر تم ایسا دیکھو تو تمہیں یہ کبھی معلوم نہ ہوگا کہ ڈاکٹر ہیزل، لوبا تو خاندان کی منظر گھبرا کا ذاتی محل ہے۔ یہ بات تعلیم خود ڈاکٹر ہیزل نے تو ہرگز نہیں بتائی ہوگی۔ ٹیکس ہے؟ نام؟ ہیزل ایک طویل سانس لے کر تائیگر میں سر ہلنے لگی۔

ٹائیگر نے ہیزل سے بات چیت کے بعد یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ایک صاف ستھری اور اچھے ذہن کی مالک لڑکی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی واضح ہو گئی تھی کہ اس کا لائف لائن لیبارٹریز سے کوئی درپردہ تعلق نہیں ہے جب وہ لڑکی کے ہاتھ میں ایک تھی نتیجہ پر پہنچی گیا تو اس نے ہونے ہی عورتی پرلے میں اُسے بتایا کہ لائف لائن لیبارٹریز میں درحقیقت کیا ہو رہا ہے۔ اس نے ڈاکٹر ایڈاسٹون کے سلسلے میں بھی انکشاف کر دیا اور خدشہ تھا کہ کیا ڈاکٹر ہیزل بھی اسی سلسلے کی ایک اہم لڑکی ہے۔ یہ سب کچھ سن کر ہیزل نے ایک طویل سانس لی تھی اور تشکر آمیز نظروں سے ٹائیگر کی طرف دیکھے تھی کہ اس نے اُسے تباہ ہونے سے بچا لیا۔

"اب تم میں سے اس سلسلے میں رائے طلب کرنا چاہتا ہوں۔" ٹائیگر نے کہا۔ "سب کچھ تمہارے علم میں آ چکا ہے اس لیے ذہن پر زور دے کر بتاؤ کہ کہیں تو تم کی ایسی بات تو نہیں بھول رہیں جس کا اس معاملے سے کوئی تعلق ہو؟"

ہیزل سوچ میں ڈوب گئی۔

"ایک بار... اس نے سوچ کی گہرائی سے اُٹھتے ہوئے کہا۔  
"ایک بار ڈاکٹر جیپ سائنس دفتر میں آتا تھا۔ میں سمجھتی ہوں یہ سب کچھ اس شخص کی آمد کے بعد ہی شروع ہوا تھا۔"

ٹائیگر، بولے سکون سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ ہیزل ذہن پر بہت زیادہ زور ڈال رہی ہے اس لیے وہ کوئی مداخلت کر کے اس کی سوچیں منتشر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ رفتہ رفتہ غالباً وہ پُرانا منظر اس کے ذہن میں اپنی تمام تر تجزیات کے ساتھ ابھر آیا تھا۔

"تین سال پہلے کی بات ہے۔ میں نئی نئی وہاں ملازم ہوئی تھی اس نے تیزی سے بتانا شروع کیا۔ وہ شخص استقبالیہ پر آیا اور مجھ سے کہا کہ ڈاکٹر اسٹون سے ملنا چاہتا ہے۔ اس نے ملاقات کا وقت بھی پہنچے لے نہیں کہا تھا۔ ڈاکٹر اسٹون وہاں ایک اہم تجربہ میں مصروف تھی اس لیے اس کا علم تھا کہ ایسے ایک ایک دن کے ملاقاتیوں کی حوصلہ افزائی نہ کروں... لیکن اس شخص میں دھچکے کا کیا تھی کہ وہ گڑبڑ کی باہت فراوان کر رہی تھی۔ میں نے فون پر اس سے رابطہ قائم کر کے

اس شخص کے بارے میں اطلاع دی تو وہ ہر دم ہوشی... اس دوران اس شخص نے میرے ہاتھ سے سیورے لیا اور بات کرنے لگا۔ اس نے دو تین ہی بجے ادا کیے تھے اور پھر لیسو میرے ہاتھ میں واپس عقابا... میں نے ڈاکٹر ایلک سے بات کی تو اس نے بڑے پرجوش بلے میں کہا... کہ میں اسے بیمار فری کے ادھر واقع اس کی خواب گاہ میں بیٹھا دوں۔ وہ بہت ہی عجیب الخلقت آدمی تھا اور ڈاکٹر اسٹون جیسی سین عورت اس شخص کے سامنے یوں بھی جاری تھی جیسے وہ کسی ملک کا شہنشاہ رہا ہو۔ حال حاضر اس کی صورت اتنی مکرر تھی کہ اس پر ٹھونکنے کو بھی نہیں چاہتا تھا۔

کیا تم اس کا تجربہ بیان کر سکتی ہو؟ ڈاکٹر نے کافی دیر بعد مداخلت کی۔  
"اس کی صورت پر گھوڑے کی شکل کا لگان ہوتا تھا۔"  
"بیوقوف... ڈاکٹر کے حق سے غرا بہت نکل گئی۔"  
"لگ... کیا تم اسے جانتے ہو؟ ہینرل ایک بار پھر زور پر ہوشی نہیں... میں نے اس اسپرٹو شخص کے بارے میں نفرت کا ظہار کیا تھا۔ ڈاکٹر نے بڑی غصہ منی سے بات ٹال دی۔ اس نے گھوڑے کی شکل والے اس خطرناک شخص کے بارے میں کئی سوالات کیے حتیٰ کہ اسے لکھن پر ہیکر ڈاکٹر اسٹون اور اس کا رفیق ڈاکٹر پیرز ایمراف کے ہاتھ میں کیسٹے سجے ہیں۔ وہ ایک خوب سانس لے کر کھٹکھٹا ہوا۔ ٹھیک سب سے ہینرل۔ اس سب باتوں کو اپنی ذات تک محدود رکھنا بلکہ میرا مشورہ ہے کہ میرا اپنے ذہن سے کھنچ کر ڈاکٹر ایلک سے ایک خواب پریشان سمجھ کر بھول جاؤ۔ اس میں تمھاری بہتری ہے اور میری تمھاری بھائی ضمانت بھی ہے۔"

"کیا تم جارح ہو؟ وہ انفرہ ہو کر بولی۔  
"ہاں... اور میری ایک اور بات پر بھی عمل کرنا۔"  
"وہ کیا؟ اس نے چونک کر پوچھا۔  
"مجھے بھی بھول جانا۔"  
ہینرل کے انداز سے مزاحیہ لاشی جھکنے لگی۔ کیا تم کچھ دیر تک نہیں کہتے؟ اس کے لیے میں استعدا تھی۔  
"نہیں ہینرل... مجھے فوراً واپس جانا چاہیے۔"  
"اگر ڈاکٹر پیرز یہاں آئے تو...؟"  
"نہیں۔ وہ نہیں آئے گا۔ ڈاکٹر ایلک کا پھر حتی تھا۔"  
ہینرل اسے ایسی نظروں سے دیکھنے لگی جیسے اس کی بات کا مطلب نہ سمجھ ہو... لیکن ڈاکٹر ایلک کی بات کی وضاحت کے لیے ہاں ڈاکٹر نہیں۔

وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا اور جب اس نے تاب پکڑ کر کھینچا تو عقب سے ہینرل کی آواز سن کر ہلٹ پڑا۔  
"تم نے... تم نے اپنا نام تو بتایا ہی نہیں۔ وہ مسک کر لپٹا۔  
"مجھے انجینیئر ہی ہے نہ وہ ڈاکٹر ایلک پر ہم رہا۔ ڈاکٹر ایلک کو فزکس کا انسان ثابت ہوتا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے دروازہ کھولا اور باہر راہ داری میں نکل آیا۔ اس نے عقب میں بڑی ہی آہستگی سے دروازہ بند کیا تھا خفیف آواز آ رہی تھی۔ ٹٹ تک نہیں پید ہوا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ دس قدموں کسی حسین لڑکی کے خزاں میں نکل آیا ہو صرف ایک لمحے کے لیے وہ دروازے کے سامنے لگا۔ اس ایک لمحے میں اسے عین سی سسکی شادی دی تھی اور پھر وہ لپٹ کی طرف بڑھ گیا تھا۔

لپٹ کے قریب پہنچ کر اس نے عقب میں دیکھا۔  
ہینرل کے بار لپٹ کا دروازہ بند تھا۔  
اس نے اطمینان کے اعتبار میں سر ہلایا اور گراؤ ڈنڈوں سے لپٹ اوپر لانے کے لیے مین دیوار عمارت سے نکلنے کے بعد وہ دروازے کے سامنے چند لمحوں کے لیے کھڑا رہا اور پھر اُدھر دیکھنا دیا پھر اس نے بجاد اٹھا کر سائوٹس منزل کی طرف دیکھا۔  
ایک بند کھڑکی کے عقب میں لپٹوں پر وہ حرکت میں آیا تھا اور اس پر بڑے کی اوٹ سے ایک چہرہ جھاک رہا تھا۔ ایک ایسا چہرہ جس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہا تھا۔ ہر ڈھنگ رہے تھے لیکن ڈاکٹر ایلک اسٹون کو دیکھ سکا۔  
وہ تیزی سے ایک غالی ٹیکسی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

✱

بوڑھا ایراب کافی بہتر محسوس کر رہا تھا۔  
س کی جوان سہ بیوی جاتی تھی کہ اسے کیسے خوش رکھا جائے ہے۔ رگڑتہ تھپ پاپو خانان کے سرماہ ایراب اس سال گناہ آ حد تک افزائش ہوا تھا کوئی کمنی فٹش اسے بڑی طرح سے جینے لگا تھا اس کے دو جوان بیٹے جوئے ہی پر اسرار حالات کا شکار ہو کر مر گئے تھے اور اسے ان کا خون اپنی لیکن پر محسوس ہو رہا تھا... لیکن جیہ گھوریلے بڑے ہی نرم اور ملا لچھ میں اسے سمجھایا تھا کہ وہ اجا گناہ میں مبتلا ہو کر ٹیکسی گرا رہا ہے۔ ایراب کے ذہن میں بھی یہ بات تھی مگر وہ واقعی غلطی بہرے۔ سب سے پہلی بات تو یہ تھی کہ وہ دونوں اس کے حقیقی بیٹے نہیں تھے۔ سب وہ اس کا خون ہی تھے تھے تو ان کی موت کا سوگ منا گیا مگر نہ کھنچا۔ سب سے پہلے بات اسے انٹ لائن لیا۔ ریز کی میز پر ڈاکٹر ایلک اسٹون۔

بقی اوداس انکشاف نے بوڑھے ایراب کی زوج تک کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ دراصل اولاد پیدا کرنے سے ہی محروم ہے۔ اس سلسلے ڈاکٹر اسٹون نے صرف بلا میٹ کیے تھے بلکہ اس نے شریعت کے خلاف بھی کیے تھے جن سے یہ بات روز روز سن کی طرح جاں ہر تھی کہ کمر اور رینڈی اس کے حقیقی بیٹے نہیں تھے۔ ڈاکٹر اسٹون نے اپنی مخصوص ادویات سے اسے اولاد پیدا کرنے کے قابل بنانے کا تجربہ کیا تھا اور پھر اس نے حسین گھوڑا سے شادی کر لی تھی کچھ دن بعد دوبارہ واقعی محسوس کرنے لگا کہ صاحب اولاد ہو رہا ہے اس کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔ اس کی سہیل جو بیل بیوی آئندہ سے تھی وہ تقریباً ایک بچے کی ماں بننے والی تھی۔ اس بچے کے لیے وہ بے حد ہے جن کتابوں کو دیکھتی تھی اس نے روز ناول ہی سے ڈاکٹر اسٹون کی ہدایت پر ڈاکٹر پیرز جیسا ذہن حلاجی مستقل طور پر اپنے گھر رکھ لیا تھا۔ اور اس بچے کی آئندہ ہوتے ہی اس نے بڑے بیٹے کو مر رینڈی اور لپٹ کی کوڑھن سے آٹا سنے کی کوشش کی تھی لیکن نچلے کی بات تھی کہ دونوں انجینیئر بیٹے اس کی کوشش کے ذمہ نہ گئے تھے اور وہ کوشش کے باوجود ان کی یاد اپنے دل سے نہیں نکال سکا تھا۔

گورنر قب گورنر ہائے اسے سمجھایا تھا کہ پیدائش کے سلسلے میں اس کے تینوں بیٹوں کا کوئی قصور نہیں کیونکہ انھیں تو قدرتی طور پر جنم لینا ہی تھا اس لیے ملنے والے دو بیٹوں کا سوگ نہ ملنے اور خود کو ان کی موت کا ذمہ دار نہ ٹھہرائے۔ اس کے ساتھ ساتھ گورنر نے بڑی مافیائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی انجینیئر بیوی کی بھی صفائی پیش کی تھی کہ ایراب جیسے شوخ ہے وابستہ رہنے کے لیے ضروری تھا کہ اس کے بیٹوں کی ماں کو اپنی ہر لایا نہ ہو۔ آزاد اد کی خواہش میں وہ بھی کا اسے دھکا کر کسی ڈاکٹر کا ہاتھ ختم چکا ہوتا۔ اس نے دونوں بیٹوں کی موت کو گناہ کا ذات قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ بوڑھا ایراب اس سلسلے میں پوری طرح بری الذمہ ہے۔

حسین گھوریا کی رفاقت کے بعد بوڑھے ایراب نے اس سلسلے میں ذاتی طور پر غور و فکر کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ وہ واقعی بے گناہ ہے اسے اپنے ضمیر بھائی پوچھ نہیں رکھا چاہیے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اسے اطمینان تھا کہ گورنر ہائے اس کا اپنا بیٹا جنم لینے والا ہے اس بچے کی پیدائش پر خوشی کے اعتبار سے ساتھ ساتھ ایک تکلیف دہ خیال بھی اس کے ذہن میں پڑ رہا تھا کہ ایراب جو دونوں ناجائز بیٹے ہاک ہو گئے... لیکن ابھی تبسلا ڈاکٹر موجود تھا اس نے تھی سے سوچا کہ اس سلسلے میں اسے کیا کرنا چاہیے؟ یہ بیٹوں اسے مسلسل برائیاں کر رہا تھا اور وہ لاکھ کوشش کے باوجود کسی نتیجے پر نہ پہنچنے سے

تار مرد ہاتھ دہ دنیائے چند دولت مند قریب خانانوں میں سے ایک خانان کا سرماہ تھا اگر وہ ڈیگی کو فوری طور پر خود سے الگ کر دے تو پوری دنیا میں ہلکا ہلکا ہوتا۔ اس کے علاوہ پہلے دو بیٹوں کی موت بھی اسی سے منسوب کی جاسکتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ایک اہم معاملہ تھا کہ اس کے انجینیئر بیٹوں نے اس کا تمام کاروبار بڑی خوش اسطی سے سنبھال رکھا تھا۔ وہ بیٹوں کی ہلاکت کے بعد جو کاروباری انتظامی امور میں فراہم جاتے ہوئے تھا۔ اسے اس کی طرف سے بھی تشویش تھی اس لیے اس نے فیصلہ کیا تھا کہ جب تک وہ ڈیگی کے بارے میں کسی خاص سچ پر نہیں پہنچ جاتا، دونوں انجینیئر بیٹوں کا کام بھی کسی کے سپرد کر دینا چاہیے تھا۔ اس سلسلے میں اس نے گھوڑا سے مشورہ کیا تو اس نے نہ صرف اس خیال کی زبردست حمایت کی تھی بلکہ اس کی غیر معمولی ذہانت کو بھی سراہا تھا... اور آج اس سلسلے میں اس نے ڈیگی کو اپنے دل طلب کیا تھا اور اس وقت دونوں باپ بیٹے ٹائمر بیوی میں آٹھ سالے بیٹے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

اسے سامنے دیکھ کر دجانے کیوں بوڑھے ایراب کا دل بھل پھل ہونے لگا۔ اس نے ایک طویل عرصے تک اس نوجوان کو اپنا حقیقی بیٹا سمجھا تھا اور اس سے سچی محبت کی تھی۔ اس نوجوان نے بھی جوان چاہت میں اسے مایوس نہیں کیا تھا۔ اسے ڈیگی کی محبت پر کئی بار رشک کا بھی احساس تھا اور اس وقت بھی جذبہ اس کا دل گرا کر رہا تھا۔ تب اس کے ذہن میں اس خیال نے جنم لیا کہ اگر وہ ایک لک اس کی جائز اولاد نہیں ہے تو اس میں اسے چارے کا کیا قصور ہے؟ سارا قصور اس کی ماں کا تھا جو اس وقت قبر میں لیٹی شاید اپنے لک ہول کی سزا جگت رہی تھی۔ نہیں... مجھے اس لڑکے کو اپنا بیٹا ہی سمجھنا چاہیے کیونکہ اگر نہیں جانتا کہ میں اس کا باپ نہیں ہوں تو اس خیال نے بوڑھے کے دل میں اضطراب کا سمندر موجزن کر دیا۔ کتا بڑا ایسا تھا۔ وہ اس کی ماں کا شوہر تھا لیکن اس کا حقیقی باپ نہیں تھا۔

ابھی وہ ڈیگی سے کاروباری سلسلے میں گفتگو کا آغاز کرنے ہی والا تھا کہ ایک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ دونوں باپ بیٹے نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا... پھر بوڑھے ایراب نے رسید رکھا۔ ایک دوسری طرف سے کسی کی آواز سن کر اس کے لبوں پر بڑی ہی آسودہ سی مسکراہٹ قہقہے کرنے لگی۔

"ہاں ڈاکٹر اس نے بڑی محبت سے کہا۔ میں ابھی اوپر آ رہا ہوں کیا میں ڈیگی کو بھی ساتھ لیتا آؤں؟" وہ اچھا۔ میں سمجھ گیا۔



کا اندازہ تھا کہ یہ ہر وقت کسی نہ کسی منصوبہ بندی میں معروف رہتا ہے۔ اس نے ڈاکٹر بیڑی کی آمد نظر انداز کرتے ہوئے دوبارہ کیفنڈ کی طرف توجہ مبذول کر لی۔

”ہیلو ڈاکٹر... اس نے سرسری سے انداز میں کہا اور اس کیفنڈ کی طرف بڑھانے لگا۔ میلو کیفنڈ کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ اس شخص کو دھتکار رہا ہو۔

”ڈاکٹر ڈنگ مشر ڈنگلی: بیڑی نے کہا۔

ڈنگلی نے جواباً اثبات میں سر ہلادیا۔ اس نے گولف اسٹک کا سرا گیند سے چھو لیا۔ اس کے ساتھ ہی ڈنگلی کے ذہن میں ایک جھپکا سا ہوا۔ ڈاکٹر بیڑی کا اسٹک دیکھ کر اس کے باپ کی لائبریری میں داخل ہونا نا اچھب اور غلات معمول محسوس ہوا۔ آخر یہ یہاں کیوں آیا ہے اس خیال نے ڈنگلی کا ذہن پریشان کر دیا۔ وہ سبب معلوم کرنے کے لیے ڈاکٹر بیڑی کی طرف توجہ مرکوز ہوا۔ اسے اپنی جانب بڑھتے پایا۔

اس کے ہاتھ میں ایک سرخ دلی ہوئی تھی۔ ڈنگلی نے فوراً ہی گولف اسٹک اٹھائی لیکن اس دوران میں ڈاکٹر بیڑی اس کے آقا قریب پہنچ چکا تھا۔ چھری سے اس کی نقصان نہ پہنچا سکی۔ اس کی بجائے ڈاکٹر بیڑی اسے اطمینان سے پکڑنے اور کھینچ کر اس کے ہاتھ سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے گولف اسٹک ایک طرف پھینک دی اور عجیب انداز میں مسکراتے ہوئے بولا: گولف اسٹک سے بیڑی ڈھکیا پچھ چھا نہیں لگا۔ مشر ڈنگلی: ”کیا بھوس ہے تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ ڈنگلی غصا ہوا۔ ”میں اس گھر کا خدمت گزار ہوں۔ ڈاکٹر بولا: ”اب آج اچھے بچوں کی طرح یہ انجیکشن لگوا لیں۔ یہ کہتے ہوئے اس نے نہ جانے کس خیال کے تحت گری ہوئی گولف اسٹک بھی اٹھالی۔ اب اس کے ایک ہاتھ میں سرخ دلی ہوئی اور دوسرے ہاتھ میں اس کے چھری سے تمام رکھ لیں۔

ڈنگلی حیرت سے اسے دیکھتا ہوا گیا۔ ”میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس انجیکشن سے آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچاؤں گا۔ ڈاکٹر بیڑی کے لہجے میں نرمی پیدا ہو گئی۔

ڈنگلی کو اس کی اس حرکت پر بے حد شامہ غصہ آ رہا تھا۔ خاص طور سے چھری جس میں تو اس نے اس کے تن بہن میں شراکت سے بھر دی تھی۔ وہ چھری سے پٹا عقبہ میں الماری سے اس نے الماری کے ایک خانے میں ہاتھ ڈالا اور جتنی کتابیں بھی اس کی گرفت میں آ سکیں، انھیں ڈاکٹر بیڑی کی طرف اچھال دیا۔ ایک کتاب سرخ دلی ہوئی تھی۔

اس نے ریسپورڈ دیکھا اور اپنے تیسرے لیکن آخری زندہ بیڑی کی طرف دیکھ کر بولا: ڈنگلی امیر! انتظار کرنا۔ گھبراہٹ کسی اہم معاملے پر مجھ سے فوری گفتگو کرنا چاہتی ہے۔ میں جلد ہی واپس آ جاؤں گا۔

”بہت بہتر، پاپا! ڈنگلی نے بڑی سعادت مندی سے جواب دیا۔ وہ اپنے باپ سے بہت کم اختلاف کرنے کا عادی تھا اور یہی وجہ تھی کہ اگر اسے سب سے زیادہ پسند کرنا تھا۔ ڈنگلی ایک صحت مند نوجوان تھا۔ اس کا جسم دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ دن بھر دفتر میں بیٹھنے والا اور ایک تعیش پسند نوجوان ہے۔ اس کا جسم محسوس تھا اور اس کے بازوؤں کی پھلیاں پھر پھر کر کے پناہ توانائی کا اظہار کرتی تھیں۔ بوڑھا اہم کرے سے نکل گیا تو ڈنگلی کے پوچھوں پر بڑی ہی شرمیلی مسکراہٹ دھس کر کہنے لگی۔ ”خانا بد اپنے بوڑھے باپ کی کرداریوں سے خوب آگاہ تھا اور اسے اندازہ تھا کہ ٹھکانے اس کے بوڑھے پاپا کو کس مقصد کے تحت اور کیا ہے۔ اسے معلوم تھا کہ حسین و جمیل گوریا اس کے باپ پر کس قدر اثر انداز ہے۔ وہ جانتا تھا کہ ایسی جہاں سال بھر یوں کی بوڑھے غمخواروں کے دل میں کس قدر منزلت ہوتی ہے۔ وہ ایسے ہی مظاہرے اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔

ڈنگلی کو یہ بھی معلوم تھا کہ گوریا نے درحقیقت اس کے باپ سے کیوں شادی کی ہے۔ اگرچہ وہ ظاہر تو یہی کرتی تھی کہ اسے بوڑھے اہم سے بے پناہ محبت ہے لیکن اس محبت کے پس پردہ اہلوں کی دولت سے وابستگی کا جذبہ پرستیدہ تھا۔ گوریا بوڑھا اہم کو اپنی قیمت جتنا کر اپنی زلفت کا ایر بنا چکی تھی لیکن اسے ڈنگلی کو یقین دلانے میں آج تک کامیابی نصیب نہیں ہوئی تھی کہ وہ ایک وفا دار عورت ہے۔

باپ کے جانتے ہی وہ ہمیں کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ نمبر پری میں موجود ایک ایسی ہی میز کی طرف بڑھ گیا۔ اس میز کے کناروں پر بول رہے تھے۔ اس نے گولف اسٹک اٹھائی اور ایک گیند پر چھپک کر گولف اسٹک کا سرا آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھانے لگا۔

اچانک لائبریری کا دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ وہ سمجھا کہ اس کا باپ واپس آ گیا ہے۔ گولف اسٹک ہاتھ میں لے کر دروازے کی طرف نظر ڈاکٹر بیڑی کو دکھائی دیا۔ ڈاکٹر کے دونوں ہاتھ اس کی پشت پر بندھے ہوئے تھے اور وہ وہاں چل رہا تھا جیسے ڈنگلی نے ایک ٹھنڈی پوزیشن کو نشہ کیا تھا۔ ڈنگلی کے دل میں جہاں اپنی سہیلیاں مل گوریا کے لیے پائندہ مدد کی عزت تھی وہاں وہ اس شخص کو بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ اس شخص کے بارے میں ڈنگلی

سرخ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر شہرے قالین پر گر گئی۔ ڈاکٹر بیڑی تیزی سے پکڑا اسے سرخ پر قبضہ کر کے اس کے ساتھ ڈنگلی نے بھی کسی جانب جست لگائی تھی۔ اس سے قبل کہ وہ اسے ٹوٹے انجیکشن پر قبضہ جاتا اور ڈانٹنے دوسرے ہاتھ میں صفائی کی گولف اسٹک چوری قوت سے ٹھکانی۔ اسٹک ڈنگلی کے ہاتھ میں جبر سے مٹ گئی۔

اس کے جبرے کا بالائی گوشہ چھٹ گیا اور وہاں خون بہنے لگا۔ جوت آتی شدید تھی کہ وہ سنبھل نہ سکا اور لڑکھانا ہوا، قالین پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے چہرے کا بالائی حصہ شدید تکلیف میں مبتلا تھا اور اس سے دد کی لہر اس پر سرسریں پھیل رہی تھیں۔ وہ جہاں گر کھٹا، وہاں چارہ لیا جب کہ اس دوران میں ڈاکٹر بیڑی نے انجیکشن پر قبضہ کر لیا۔

وہ سرخ سنبھالتے تیزی سے اس کی طرف پکڑا۔ ڈاکٹر بیڑی کے انداز سے اچانک ہی بے پناہ درد لگنے لگی تھی۔ ڈنگلی ابھی تک شدید کرب کی حالت میں، بیڑی کی طرف سے غافل نظر آتا تھا۔ ڈاکٹر بیڑی کے جوتوں پر شفا کا مسکراہٹ آگئی۔ ایک نوجوان اس کے سامنے بے بس پڑا تھا اور اس کے اس جسم میں سرخ کی کوئی داخلی کونے کی دیر تھی اس کے بعد سب کچھ خود بخود ہی ہوجانے لگا۔ جوت کے اثر سے ڈنگلی کی آنکھوں کے سامنے دھند سی جاتی تھی اور اس کا ذہن غنودگی کا شکار ہو رہا تھا۔ بیڑی نے اس کا بازو تھام لیا اور چاہتا تھا کہ ڈنگلی کے جسم میں وہ مہلک سیال داخل کر دے کہ ایک آواز نے اسے خشک جانے پر مجبور کر دیا۔

تم دار گئے... ایک عجیب سی آواز تھی۔ بیڑی بگڑے دروازے کی طرف اٹھ گئی۔ اس نے ڈنگلی کو بھی لپکے پوچھ لیا۔ اس نے بھی بے آواز سن لی تھی۔ وہ دھندلا لگا۔ جوت سے آواز کی طرف دیکھنے لگا۔ دروازے میں ایک نوجوان کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اس کے بال سیاہ تھے اور اس کی آنکھوں میں اتنی ترس جاک تھی کہ کچھ فاصلہ ہونے کے باوجود اس کی طرف نگاہ جمائے رکھنا مشکل محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے عقب میں گہرے رنگ کا بادہ لہر رہا تھا۔ یہ ایک بڑا شخص تھا۔ نحیف اور ناز سار، بوڑھا کسی طرح بھی اسی سال سے کم کر کا نہیں تھا۔ اس بوڑھے کے ساتھ ایک اندھ شخص بھی موجود تھا۔ اسے سوت میں اس کی شخصیت کچھ اور بھی نکھری نکھری ہو گئی تھی۔

تم کون ہو؟ ڈاکٹر بیڑی نے بغل جاؤ یہاں سے۔ ”نہیں ختم ہو گیا۔ ”تائیس لکری آواز کرے میں گوج اٹھی

ڈاکٹر بیڑی کی حالت ایسی ہو گئی جیسے اس پر دیرانی کا درد چڑھا ہو۔ اس نے انجیکشن والا ہاتھ اٹھا کر اپنے ذہن تک بند کر لیا اور پھر اسے یوں سرسریا جیسے وہ کوئی جیوٹا سائیز ہو۔ اس کے ساتھ ہی وہ سرخ تان کر تائیس لکری کی طرف لپکا... غیظ و غضب سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

ڈنگلی نے سر جھٹک کر اپنی آنکھوں کے سامنے چھائی کوئی دھند ختم کرنے کی کوشش کی تاکہ وہ اس منظر کو واضح طور پر دیکھ سکے۔ وہ بیچ خر دوڑا زے میں کھڑے اس کھنڈر سے اسے جوتانا چاہتا تھا کہ ڈاکٹر بیڑی ایک خطرناک آدمی ہے لیکن اگلی ہی ساعت وہ پکلیں جھپکا کر رہ گیا۔

جب وہ دوبارہ دیکھنے کے قابل ہوا تو نوجوان کمرے میں داخل ہو چکا تھا اور اب ڈاکٹر بیڑی کی پشت اس کی جانب تھی جبکہ وہ اپنی ہی جھونک میں اسے سرخ تھاے بوڑھے کی طرف گردا تھا۔ بوڑھے کے جسم میں کوئی حرکت پیدا نہ ہوئی... اور اگر کوئی بھی تھی تو ڈنگلی نے دیکھنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس نے تو بس اٹھنا ہی دیکھا کہ ڈاکٹر بیڑی اس کی طرف بڑھتے بڑھتے اچانک ہی انوکھی طرح محسوس کر دیا کہ اس کھنڈر سے نوجوان کے سامنے پہنچ گیا تھا۔ چارے زمانے کے حادثوں کی طرح، آدھان اپنے گیر وے لہا سے، دروازے میں جھانک رہا تھا اور اس کے دھول، ہاتھ اپنے سامنے بندھے ہوئے تھے۔

بیڑی زور پکڑ کر اٹھا۔ اس نے بوڑھے کو صرف ایک لمحے کے لیے ہاتھ بڑھانے دیکھا تھا۔ اس کے بعد کیا ہوا اور وہ کیسے محسوس کیا، یہ تو اس کے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں تھا۔ ڈاکٹر بیڑی جیسے ہی ٹھوٹا ہوتا تائیس لکری کے سامنے آیا۔

وہ بھرے ہوئے تھا، اس کے سامنے سے ہوا اور پھر اس کا دایاں ہاتھ اس کی طرف لپکا اور جب واپس آیا تو اس کی انگلیوں میں سرخ دلی ہوئی تھی۔ اگلے ہی لمحے وہ پھر اٹھ کھڑا۔ اس بار اس کی عضو کی ڈاکٹر بیڑی کی دان کے پرکشت جیسے پرتھی تھی۔ ڈاکٹر کی ٹانگ اس کے جسم کا ساتھ چھڑ گئی اور وہ بول فوش پر گر گیا جیسے ایک ٹانگ والا کوئی شخص جیسا کھی چھین چلنے پر جوت کھا کر گر پڑا ہے۔ تائیس لکری نے سرخ دلی پر چھپک دی اور ڈنگلی کی طرف توجہ کر گیا۔

کیا تم ہی ڈنگلی ہو؟ پوچھا۔ ڈنگلی نے جواب دیا جی ہاں لیکن اس کا حلق خشک ہو چکا تھا۔ اس نے مجبوراً اثبات میں سر ہل کر تائیس لکری کی تائید کر دی۔ ”کیا تم خشک ہو؟ تائیس لکری نے دوبارہ پوچھا۔ ”ہاں... میں... زندہ ہوں۔ ڈنگلی نے کھل کر بولا۔

وہ بیز کو کھنڈر، اٹھایا کچھ لمحے قبل کھنڈر، انظر آنے والا ٹامیسکر

ذہن میں سب سے پہلے یہی شہر چھایا کہ ہم آپ کے بیٹے منہر ہیں۔  
ڈاکٹر ایلا سلون اور ڈاکٹر بیزر... وہ دونوں شہرستان نے خزانہ  
منصوبہ کے ہمارے خزانوں میں داخل ہونے سے پہلے اور انھوں نے ہمیں  
تباہ کر ڈالا۔ سب سے پہلے انھوں نے آپ کو یہ ثابت کر کے دکھایا  
کہ اس سے قبل: مذکورہ آپ اور آپ کے پیدا کرنے کے قابل نہیں تھے۔  
یہ سب کچھ ایک مخصوص انجینئر کی وجہ سے ہوا آپ کی ذہنی حالت  
یہی جانی گئی کہ جو کچھ وہ ثابت کرنا چاہتے تھے، اسے آپ قبل کریں۔  
آپ نے اس شیطانی دوا کے زیر اثر یہ سب کچھ قبول بھی کر لیا۔ اس کے  
بعد انھوں نے خود ہوا کو آپ کی زندگی میں داخل کیا اور تباہ دوسرے  
انجینئر سے آپ کی یہی سیخ جمال کر دی۔ اس انجینئر نے اصل  
پہلے انجینئر کا اقرار لیں کر دیا تھا۔ اس کے بعد آپ کو ذہنی طور پر تباہ  
کیا گیا کہ ہم تینوں بھائیوں کو سزا دی جائے۔ اور اور ذہنی جن حالات  
میں موت کا شکار ہو گئے، وہ آپ سے ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ کیا  
ایسی اصوات پہلے کبھی دیکھنے یا سننے میں آئی ہیں؟ جیسے... انھیں  
مخصوص دواؤں کے تحت قتل کیا گیا تھا، یا آپ کیا آپ اتنا بھی نہیں  
سمجھتے؟

پوچھا ایرویل کھڑا تھا جیسے کسی نے اسے پتھر بنا دیا ہو۔  
اس کی پیشانی پر ان گنت شکنیں تھیں۔  
آج وہ پتھر بنا ہوا دکھائی دے رہا تھا اس سے پہلے وہ کبھی  
اتنا ٹوٹا نظر نہیں آیا تھا۔ اس نے ڈیگی کے چہرے سے بھلا بھلا  
کر اس کے عقب میں کھڑے آؤشان کی طرف دیکھا۔ ایرویل نگاہیں  
سوالیہ تھیں۔  
آؤشان نے انہماک میں سر ہلادیا۔  
ایرویل نگاہ پر ہم پر مڑ گئی۔  
ڈیگی کو کچھ کہہ رہے تھے کہ وہ اپنے ہمراہ سے جواب دیا۔  
ایرویل نگاہیں خود مگرنا شیگی کی طرف اٹھائیں۔  
"اور اس کا ثبوت آپ کی اسٹوڈی میں چڑا ہے۔ مسٹر ایرویل  
ناہیجے ہماری منت سے جواب دیا: آپ کی ہیکر کا بیٹا ڈاکٹر بیزر  
اس وقت اسٹوڈی میں تھوڑے چڑا ہے۔ آپ کو اس لیے اوپر آیا  
گیا تھا کہ جب آپ ڈیگی کو اسٹوڈی میں تنہا خود کر کے سے  
نکل جائیں تو ڈاکٹر اسے ایک ایسا انجینئر لگائے گا کہ اس کا بیاب ہو  
جائے جس کے بعد موت کا باعث حرکت قلب بند ہو جائے اور جو بیزر  
کیا جاسکتا تھا۔ لیکن کھیل ختم ہو گیا۔ ڈاکٹر بیزر بھی انجینئر کی وجہ  
سے آپ کی اسٹوڈی میں چڑا ہے اور اس کی حرکت قلب بند ہو گئی ہے۔  
ایرویل چہرہ رفتہ رفتہ کسی لاش کی طرح سپید پڑنے لگا۔

"ہاں... وہ کچھ یقیناً خوبصورت ہو گا لیکن اس کا باپ اور  
اس کی ماں دونوں ہی خوبصورت ہیں... لیکن تم نہیں ہو کیوں ہیں  
تائیس کہ اس بچے کا باپ کون ہے؟ بھاری آواز میں مزید کھڑکی  
ہوئی تھی۔

ایرویل کو کمرہ وائس کی طرف پلٹا۔ اس کا چہرہ خستہ اور  
فرت کی زیادتی سے اپنے نقش و نگار تک کھو رہا تھا۔ سامنے،  
وائس میں اس کا سب سے چھوٹا بیٹا ڈیگی کھڑا گھور یا کھڑا  
ما۔ اس کے عقب میں بہرام، ٹائیگر اور آؤشان بھی نظر آ رہے تھے۔  
"تمھاری اس ناشائستہ بات کا کیا مطلب ہے؟ ایسر  
نہوں کی طرح بچہ بڑا۔

ڈیگی اطمینان سے قدم اٹھاتا ہوا آگے میں داخل ہوا۔  
"کسی نے کہا تھا کہ پوڑھوں سے زیادہ احمق کوئی نہیں ہوتا  
اور آپ نے یہ بات ثابت کر دی ہے۔ ڈیگی کے لیے میں  
بات کا پورا ایک دفتر تھا۔ اس کی آوازوں کی ذہنی پکار لگ  
تھی۔ اس کی آنکھوں کے گوشے جیسے جوڑے تھے۔ یہ منظر ناگ  
آوارہ عورت جس بچے کی ماں بننے والی ہے، وہ آپ کا بچہ نہیں  
ہوگا۔

"شاید تم بھول رہے ہو کہ اس وقت کہاں کھڑے ہو۔ پوڑھا  
پانی سے بھر رہے ہیں۔ میں بولا۔ لیکن وہ سوچنے پر مجبور ہو گیا  
ڈیگی جیسا سعادت مند جو ان ایسی باتیں بول رہے تھے کہ  
خیال کے باوجود اس نے ٹھکانے میں کہا۔ یہاں سے نکل جاؤ  
نہہ بھی ادھر کا رخ نہ کرنا؟

"میں ابھی کچھ دیر قبل ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بھی رخصت ہو سکتا  
ہوں خوش قسمتی سے نہ کیا۔ اس نے جیتی جیتی نگاہوں سے  
ایک طرف دیکھا۔ اور بھاری بد قسمتی سے میری چان ہنسی ہو  
رہا اپنے باپ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ گھبراہٹ میں باپ۔ میں  
ایک نگاہوں سے دھڑ بھڑاؤں گا لیکن پہلے میں آپ کو یہ جانا  
گا کہ آپ کس طرح میرے دو بھائیوں... بلکہ اپنے دو  
بھائیوں میں شریک جرم تھے ہیں؟

"وہ میرے بیٹے نہیں تھے۔ پوڑھا ایرویل کا داس ہاتھ  
پوڑھنے لگا۔ اور اگر جانتا چاہتے ہو تو کوئی دیکھ ہی میرے بیٹے  
ہوئے۔

"موت کا وقت بن گیا آپ کے خیالوں میں بھی کھل رہی ہے  
رہی ہے میں بولا۔ آپ کو اتنا بھی احساس نہ ہو کہ ان لوگوں  
کا آپ کے ساتھ کیا سازش کی ہے، انھوں نے آپ کے

ہوتے ہیں۔ جب آسمان پر ستارے نہیں نکلتے۔



لوہا نوخانہ کے سرورہ پوڑھنے پر ہوا کی آنکھوں میں ٹنڈو  
اور فکر مندی کی پچی نیاں قہقہے رہی تھیں۔ وہ محبت پاش نظر  
سے اپنی جواں سال بیوی کی طرف دیکھ رہا تھا جو بہتر مہم وراز  
اس نے ایک بلی سی چادر سے اپنا سر ڈھک رکھا تھا۔ ایسر  
کچھ دیر جھپٹنے کے بعد وہ رک گیا اور فکر مندی سے بولا:  
اب تم کچھ بہتر محسوس کر رہی ہو ڈیگر؟  
گھوریا کے حلق سے ایک عورتی سی کراہ نکل گئی۔

"ہاں ڈاکٹر! وہ بولی دھڑلے فٹوس ہے۔ ابھی چند  
قبل میں کس قدر دل شکستہ ہو رہی تھی۔ میں اس اندیشے  
مبتلا ہو گئی... کہ... وہ رک کر آپ گئی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے  
کسی خیال کے تحت اس نے پتھر پھیر لی ہو۔ نہ جانے کیوں  
یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے کچھ کو کوئی نقصان پہنچنے والا  
ہے۔ کچھ کو کھو گیا نقصان پہنچ سکتا ہے؟ وہ بھانے  
انداز میں بولا۔

"میں نہیں جانتی۔ بس یہ ایک احساس تھا جس  
مجھے دل گڑبڑ کر دیا۔ وہ غفلت آمیز لہجے میں بولی۔  
"شاید تم بھول جاتی ہو کہ ملک کا بہترین ڈاکٹر یہاں  
موجود رہتا ہے۔ اگر کوئی بچہ پیدا ہو بھی گئی تو وہ اسے با  
سنبھال لے گا۔ ڈاکٹر بیزر نے کہاں؟ ایسر نے اس کی طرف  
ہوئے نرمی سے پوچھا۔

"نہیں ایسر! وہ ایک اداسہ بولی۔ یہ ادا بولے کی عادت  
دیزیر سے کا کام کرتی تھی۔ سب ٹھیک ہے۔ میں نے اسے  
کیا تھا اور وہ میرا معائنہ کر کے چا گیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ  
ٹھیک ہیں۔ تب مجھے اندازہ ہوا کہ دراصل تم مجھے دوسرے  
سامنے پا کر برا احساس اور ہر اندیشہ خود بخود دھوکہ ہو گیا ہے۔  
پوڑھا ایرویل غور سے دلی سے سکڑنے لگا۔

"تم جاہر تو اسٹوڈی میں والہیں جاسکتے ہو ڈیگر!  
"اگر تمھاری اجازت ہو تو...  
"میں اب ٹھیک ہوں کچھ دیر آرام کروں گی تو بالکل  
ہو جاؤں گی۔ مجھے تو یقین ہے کہ ہمارا بچہ جو حد خوبصورت  
ایسر نے انہماک میں سر ہلادیا۔  
وقفہ عقب سے ایک بھاری آواز سنائی دی۔

ڈیگی کے سر منڈوں پر ایک سو گوارسی مشکلاہٹ اتر آئی۔  
"میں نہیں جانتا کہ آپ لوگ کون ہیں؟ باس نے بھڑائی ہوئی  
آواز میں کہا۔ یہی میں سمجھتا ہوں کہ مجھے آپ کیوں کا بے حس  
فکر کرنا پڑا ہے؟  
"میں اس انتظار میں یہ تصویر دیکھ رہا تھا کہ آؤشان پلٹ کر  
بولا۔ اب جب کہ تم نے ہمارا شکریہ ادا کر دیا ہے ہمیں ٹھنڈے سے  
خندے ہیں سے رخصت ہو جانا چاہیے۔  
"مجھے بھی ایک ضروری کام نظر آتا ہے۔ وہ ڈیگی کی عیب سے انداز  
میں بولا۔  
"اگر میں تمھارے ساتھ چلوں، تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں...؟  
دیکھو گئے کہا۔

"آپ میرے بہترین دوست اور مہمان کی حیثیت سے  
میرے ساتھ چل سکتے ہیں۔ ڈیگی اسے فکرا کر نگاہوں سے دیکھتے  
ہوئے بولا۔ میں آپ کی رفاقت میں فخر محسوس کروں گا۔  
"اگر رفاقت میں فخر محسوس کرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو ان  
کے ساتھ جاؤ۔ یہ ٹائیگر نے بہرام کی طرف اشارہ کر دیا۔

اس پر آؤشان کھل کھلا کر ہنس دیا۔ کافی عرصے بعد وہ اپنے  
مخصوص انداز میں کسی لہجے جیسی آواز نکالتے ہوئے ہنسا تھا۔  
"وقار کی حد تک ان کی رفاقت بھی بری نہیں ہو جائیگی۔  
آؤشان کی طرف اشارہ کیا جس پر آؤشان کی ہنس مزید تیز ہوئی۔ ٹائیگر  
بھی غور سے اس کے انہماک پر نگاہ رکھا۔ بہرام کا چہرہ تو ماسے تھی  
کے یوں ہی کھلا ہوا تھا۔ سوٹ باٹ، "ٹائیگر اس کی طرف  
دیکھ کر بولا۔ آج اتنے خوش ہیں تو کم از کم یہی ایک بات کا جواب  
تو دے دیں؟

"وہ ایک بات ہے، فرزند۔ پوڑھا بہرام نے مسکرا کر کہا۔  
"اگر کسی صورت کے بہرے پر ان گنت مجھ سے جوڑے تن  
ہوں تو اس کی مثال...  
"مٹے آپ یہ بہرام یکایک غرا آٹھا۔ اب تم غریبات پر  
اتر آئے ہو۔ اگرچہ اس نے خامی گرج چمک کا مظاہرہ کیا تھا...  
یہی ڈیگی نے صاف محسوس کر لیا کہ اس شخص کی بیاد کا ایک سند  
موجزن ہے۔

وہ جرات جرات نفروں سے کبھی ٹائیگر اور کبھی بہرام کی طرف  
دیکھ رہا تھا۔ ٹائیگر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اسے درواز  
کی طرف لے جاتے ہوئے بتانے لگا کہ اس عورت کے چہرے پر ان گنت  
مجھ سے جوڑے تن نہیں ہوتے، اس کی مثال ایک ایسی رات جیسی

نے استغریبہ یہی میں کیا،  
گلوکار کی حالت مگر گرتے ہوئے لمحے کے ساتھ ساتھ جھوٹی  
ہنس تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایسے ناخراش تھے جنہیں کوئی مہم  
نہیں پہناتا جاسکتے تھے۔  
"گلوکار گلوکار... ڈیئر... اسے بتا دو کہ... پورے امریکی آواز فون  
"مجھے تم سے شدید نفرت ہے۔" گھبراہٹ پڑی، وہ ڈر  
سے غائب تھی اور دیر پاؤں سے بھر پور ہجے میں بول رہی تھی اصل  
کی سانس کی آہد رفت کا عالم یہ تھا جیسے اس کے پیچھے بول کی کار  
مناسٹرو گئی ہو۔ میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔"  
"آپ نے جواب نہ دیا، پایا؟"  
"نہیں، کون؟" امر بڑھایا۔ اس نے ایسا کس لیے کیا؟



یہی کشتن کا شور مچتا جا رہا تھا۔

زیرِ قتل تھا جیسے ان کشتن پر دو اونچی عمارتیں ہوتی ہو۔۔۔  
جہاں ہاں لوٹ رہی تھیں اور کئی پہنچنے لگا تھا کہیں کھانسی  
آواز کون کی غرا ہوتیوں میں ڈب کر وہ کئی تھی۔ ٹائیگر نے کھڑکی  
کی سہل تھالی اور جسم کو اس پر مڑوان کر لیا۔ اب وہ کھڑکی کے ٹیپے  
سے اندر جھانک رہا تھا۔ ایک خواب گاہ بھی اور اس کے درمیان  
ایک بہت بڑا البستر لگا ہوا تھا۔ اتنی بڑی مہربانی ٹائیگر۔۔۔ نہ زندگی  
میں پہلے بھی نہیں دیکھی تھی۔۔۔ یہی مہربانی تھی اور اس کا البستر۔۔۔  
بلے شکن تھا۔

کمرے کے دور افتادہ حصے میں ایک کسادہ کرسی پر ایک  
شخص براجمان تھا جس کی پشت کھڑکی کی طرف تھی وہ سانسے رکھی  
میز پر جھکا کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔ ٹائیگر نے بچے دیکھا۔ غافلکی  
مناظرے سے بچنے والی درختی جھاڑیوں میں چھوڑی تھی اور کشتوں  
کی غرا ہوتیوں میں تھیں۔ اگر غافل نا راج کی روشنی اوپر ڈالتا تو  
کھڑکی کی سہل پر اسے ٹائیگر لپٹا لپٹا جاتا دیکھتا وہ اس بات کی  
توقع نہیں کرتا تھا کہ کوئی شخص ایسی پھولوں دیوار پر لٹکی ہوگا  
کے چہرہ بھی سکتا ہے۔

ٹائیگر نے کھڑکی پر ہوا ڈالا۔

کھڑکی بند تھی۔

اس نے اٹھ کر پورے کمرے پر جھانکی اور پھر اسے ہلکے سے دباؤ  
سے ٹوڑ ڈالا۔ قیبتہ سے کچھ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے ایک اندر فرش  
پر گرے وقت ان ٹکڑوں کی وجہ سے آواز دہن پیدا ہوئی تھی۔  
... اس نے ہاتھ ڈال کر نہایت اطمینان سے کھڑکی کھول دی اور کمرے  
میں اتر گیا۔

کرسی پر پر ہمارا غصہ غالباً اپنے کام میں کچھ زیادہ ہی اہم  
سے لاپے رہا تھا کہ اسے وہ اہمیتیں سنائی نہیں دیں۔ جیسے ٹائیگر نے  
دانتے پیدا کیا تھا۔ کمرے میں آتے کے بعد وہ آہستہ آہستہ آگے  
بڑھا۔ اب اس کے قدموں سے آہٹیں نہیں پیدا ہو رہی تھیں۔ غافلناں  
نے پہلے خیال کر دیا کہ کچھ اور مڑنا شروع کیا تھا۔

وہ اس شخص کے قریب جا کر رک گیا۔ اس کی نگاہ اس کا ہاتھ  
پر جم گئی جس پر وہ آدی کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔ ٹائیگر نے پڑھنے  
کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا کیوں کہ جو کچھ بھی تحریر کیا جا  
رہا تھا، اس کے لیے خطہ تصویر استعمال ہو رہا تھا۔ لکھتے لکھتے  
وہ شخص ہلک جاتا اور پھر میز پر رکھی ہوئی ایک کسادہ ٹرسے میں  
موجود گوشت کے پارچوں میں سے ایک ٹکڑا اٹھا کر منہ میں رکھ

لیتا۔ جب وہ منہ چھتا تو ایسی چڑچڑاہٹ آواز پیدا ہوتی جیسے کوئی  
کنا اپنی لمبی زبان سے گوشت کے پارے پارے اپنے من میں پیچ رہا ہو۔  
"مرا بہ ختم ہو جائے تو میری طرف توجہ دو" ٹائیگر غصہ سے  
"میں تمہارے باپ کا نوکر نہیں ہوں کہ تمہیں تھکن کرنے کے لیے  
منظر کھڑا کروں۔"

یہ آواز سن کر وہ غصے میں اٹھ بیٹھا۔

اس نے پشت پر کھڑکی کی طرف دیکھا۔

اس کی آنکھوں میں حیرانی، خوف اور تشویش کے ہلے چلے  
مناظرے تھے۔ "تم۔۔۔ وہ بولا تو اس کے گھوڑے سے محرومت کا  
دباؤ نکلا۔" اور اس میں سے گوشت کا ٹکڑا فرش پر گر گیا۔

"مرا بہ ختم ہو گیا۔" ٹائیگر نے درنگ سے پھر قریب سے کہا لیکن  
اس وقت تک غیرت خود کو سنبھالنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اس کا  
ہاتھ آہستہ آہستہ ٹرسے کی طرف بڑھا۔ ٹائیگر بھی کہ وہ گوشت کا ٹکڑا  
پاچھا ٹھانے لگا ہے لیکن ٹرسے کے برابر میں ایک سفید مٹی کا گچرا  
تھا۔ غیرت نے وہ بین دیا۔ اٹھ ہی لمحے وہ عمارت گھنٹیوں کی  
خوف ناک آوازوں سے گونج اٹھی اور اس کے ساتھ ہی کمرہ ایک  
ہو گیا۔ ٹائیگر کھڑکیوں لگا جیسے اس کے پیروں سے فرش دھڑام  
سے گر گیا ہو۔۔۔ پھر اسے خود اپنا وجود چھوڑ کر انٹری میں داخلہ ہوا  
محسوس ہونے لگا۔ وہ سر کے بل گر پڑا۔ گچرا اور اس کی کھوپڑی میں  
اندھے سے اترتے چلے گئے۔



ٹائیگر ہوش میں آیا تو اس نے سب سے پہلے اپنی کھوپڑی  
نہول کر دیکھی۔ کھوپڑی ہلکی ہو گئی اور موجود تھا۔ اب اس کی زندہ ولی  
بھی حواس کے ساتھ ہی وہاں اٹھی اور وہ سوچنے لگا کہ ان گت ٹکڑے  
بچے توں کے بغیر عورتیں ایسی راتوں جیسی ہوتی ہیں، جب تک  
نہیں بچتے۔۔۔ اس کی کھوپڑی میں بھی ستارے نمودار ہوئے تھے  
لیکن کوئی تل وارچہرے والی خاتون دکھائی نہیں دی تھی اور اب تو  
اس کا خیال ہی مہلت تھا کیونکہ اس کی کھوپڑی میں نمودار ہونے والے  
تمام ستارے غائب ہو چکے تھے۔ اس نے مٹی خلی نظروں سے اوجھڑ  
دیکھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی شرمیلی مسکراہٹ دھن  
کرنے لگی۔

اسے ایک سلام دار کمرے میں رکھا گیا تھا۔

اس بچہ نما کمرے میں اس کی حالت کسی بند بچے کے

شریمشی ہوئی اور وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ یہ یقیناً کوئی ترخانہ ہی تھا۔  
ٹائیگر کو یاد آیا کہ وہ غیرت کے کمرے میں تھا تو ایک ہلکے فرش اس  
کے پیروں تلے سے نکل آیا تھا۔ اگر وہ لمبائی غفلت کا شکار نہ ہوتا تو  
غیرت کی اس ہال میں ہرگز آتا لیکن بہر حال وہ ایک انسان ہی  
تو تھا۔۔۔ غفلت کا پتلا انسان جس کی سرشت ہی میں غلطیاں اور غلطیاں  
شامل ہوتی ہیں۔

وہ میں بچہ نما کمرے میں تھا اس کے چاروں طرف ایسے ہی اور  
پچھلے سے ہی موجود تھے۔ ٹائیگر نے دونوں ہاتھوں سے مدھنیں تھام لیں  
اور اوپر گردن کھڑے ہوئے پچھلے کی طرف دیکھنے لگا لیکن ان میں سے  
کسی بھی شے سے اس کی آنکھیں نہ لگا سکیں۔ دیا ٹائیگر کے دونوں بازو  
آہستہ آہستہ سخت ہونے لگے اور پھر سلاخوں پر اس کی گرفت بڑھنے  
لگی چند ہی لمحوں میں اس نے مدھنیں تھیلوں کی طرح ٹوڑ ڈالیں۔  
پچھلے سے نکل کر وہ ایک آہنی دروازے تک جا پہنچا۔  
مناظرے سے اس کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھیں بے یقینی سے  
پھیل گئیں۔ اللہ یہ یقین کی کیفیت ہی بالآخر اس کے لیے موت کا پتلا  
ثابت ہوئی۔

ٹائیگر کا ہاتھ اوپر سے نیچے کی طرف لمبائی سفر کے بعد تھم گیا  
ترخانہ کی کھوپڑی دو حصوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔

تھا نے سے نکل کر گھسانا لہ داری میں پہنچا تو اس کے  
ہونٹوں پر بڑی ہی خوف ناک مسکراہٹ پیدا ہوئی تھی۔ وہ چران تھا  
کہ غیرت اس کی طرف سے آغا فائل اور اسے پر داکھوں ہو گیا ہے؟  
فائل آگے اپنے میکا کی تھیلوں پر کچھ زیادہ ہی اعتماد تھا کئی لہ داری  
میں بچنے اور کئی آدمیوں کو کھانے دھانے کے بعد ٹائیگر بالآخر اسی  
تھیلے میں پہنچ گیا جہاں سے غیرت نے اسے تھیلے میں پھینک دیا  
تھا۔ اس کمرے کا فرش اب ٹھیک نظر رہا تھا اس رنگت کا کہیں نا کا  
نشان ملے نہیں تھا جس کے ذریعے وہ تھیلے میں گر رہا تھا۔

غیرت، وسیع مدھنیں میڈ پر پڑ پڑاٹھا۔

ٹائیگر میڈ کے قریب پہنچ کر کڑک گیا۔

"غیرت؟ اس نے بلند آواز میں کہا۔

جواب ایک زوردار آواز آگے کر رہ گیا۔

"غیرت۔۔۔ ٹائیگر نے اس کی بائیں ٹانگ پر پڑنے کے قریب  
جھپٹل سے ایک ضرب لگائی۔

تھا نے فوراً ہی رنگ مچا۔ غیرت بیدار ہو گیا اور جیسے ہی  
اس کی نگاہ ٹائیگر پر پڑی، اس کی گھڑے سے بھی غیر معمولی بڑی بڑی  
آنکھیں بے یقینی سے جھپٹ گئیں۔ "تم۔۔۔ تم۔۔۔ وہاں سے کیسے

نکل آئے؟

"میں نہیں جانتا کہ میں۔۔۔ ٹائیگر نے شکرا کر کہا۔ لیکن اس کے لیے  
پہلے تھیں۔ یہ جانا پڑے گا کہ تم پہلی کا پتہ تیار ہونے سے باوجود زندگی بچے  
کے لیے تھے؟"

"وہ۔۔۔ وہ میں نہیں تھا۔ یہ غیرت نے کہا اور پھر اٹھ اٹھا۔ اس  
کی نگاہ اپنی ٹانگ کے اس حصے کی طرف اٹھ گئی جہاں ٹائیگر نے ضرب

لگائی تھی اور جب اس نے دہان اپنا ایک پاؤں غائب پایا تو وہاں  
ہاتھوں سے آنکھیں ملے لگا۔ اندازاً ایسا ہی تھا جیسے وہ خود کو ترخانہ  
حالت میں محسوس کر رہا ہو۔۔۔ اور پھر اسے اچانک ہی ٹھیک کا  
احساس ہوا لیکن اس کے من سے یہ کئی پہنچ نہیں رہی۔ ایسی غصہ  
مزدور پیدا ہوئی تھی جس پر گھڑے کے ہنہانٹ کا گانا ہوتا تھا۔  
"تم شاید اسے تلاش کر رہے ہو۔" ٹائیگر نے ٹھیک کر میڈ  
کے نیچے سے اس کا ٹوٹا ہوا پاؤں اٹھا لیا۔ اسے ہاتھوں میں  
ٹھاتے کے سینے پر دیکھ کر وہ یاد دہان ہوا تھا اور سینے پر پڑے  
اپنے پاؤں کو دیکھ کر اس کے چہرے پر موت کی سی دیوانی  
بڑھتی جا رہی تھی۔

"اگر پہلی کا پتہ میں نہیں تھے تو کون تھا؟" ٹائیگر نے پوچھا  
غیرت نے ہونٹوں پر گھڑے سے جیسی لمبی زبان نکال کر پھیر دی۔

اور پھر اس کے تاثرات میں جیسا کہ تبدیلی پیدا ہونے لگی وہ اس کی  
نہیں کوئی بدروح لگ رہا تھا۔ ٹائیگر وہی دل میں اس کی بہت  
اور برداشت کر سارے بغیر نہ سکا۔ اس کی جگہ کوئی اور جوتا تو اسے  
بچیلوں کے اب تک کہ گونج آ رہا تھا یا پھر وہ شخص ہے ہوش غرور  
ہو گیا ہوتا۔ غیرت کی ٹانگ سے غصہ بہہ نکلا تھا اور پھر وہ پیرول کی  
جانب مڑ کر دھک کے سیال کا لالاب سنا جاتا جا رہا تھا۔

"وہ غیرت تھا؟ غیرت نے کچھ دیر بعد عجیب سے ہلے  
میں جواب دیا۔

"اور تم کون ذات خریف ہو؟"

"میں بھی غیرت ہوں؟"

"اور غالباً تمہارے باپ کا ناں بھی غیرت ہی تھا؟" ٹائیگر کا  
دلچسپ ہلک ہو گیا۔ اور اس کے باپ کا نام بھی غیرت ہی تھا ہو گا یا  
کون چاہتے ہو نا؟

غیرت نے دونوں ہاتھ بستر پر جا کر رکھنے کی کوشش کی لیکن  
ٹائیگر کا سر سے بلند ہونے والا ہاتھ دیکھ کر رک گیا۔

"جب مجھے تمہاری تہمت کا پتہ چلا تھا تو میں اپنا ایک لیاؤ لیا  
سانے لایا تھا، جو میری جگہ سے نکلتا تھا۔ وہی آدی میرے ادب میں

ان کی سائنس ایک محسوس دین مگر وہ اپنے گھروں اور بیوی بچوں کو چھوڑ کر اس تپش اور جلادینے والی لوگوں، ثابت قدمی سے کھڑے رہے۔  
... اور پھر وہی جو اس کا خاتمہ دار یعنی انیسویں صدی کے لوگ تھے

ذکر کیا تھا۔  
"میرے خدا...! یہ ناقابل یقین ہے۔ ممتاز حسین نے کہا۔  
وہ ممتاز دوبارہ کھنسل، شہر کا مالک تھا جس کی کئی شاخیں، زمین، اور کھیتیں شہر میں تھیں لیکن صدر دفتر وادی کساری میں تھا وہ دارالحکومت کے کسی کالج سے تعلیم حاصل کرنے کے علاوہ دلائل بھی جانچا تھا اور اس نے وہاں سے پانچ روڑے کا ڈسٹ کی ڈگری حاصل کی تھی لیکن وطن واپس پر اس نے ڈگری کرنے کے بجائے اپنا ذاتی کالج شروع کیا۔ جو ترقیات سے کہیں زیادہ کامیاب رہا تھا۔ کسپا تعادری ٹیڑھی میں جس میں بی بی جی کو پہلی منٹ ہوئے ہیں، پہلی وہاں نے اپنے دایں طرف کھڑے ہوئے فوٹ رائے سے بوجھا۔

"اے... فوٹ رائے نے جواب دیا۔ وہ کسپا ترقیبانی کا پوریشن کا صدر تھا۔ اس کی عمر پچاس سال سے کم نہیں تھی۔ وہ قد میں ممتاز حسین سے ایک ڈیڑھ انچ لمبا تھا لیکن چہرے پر بچوں کا نام نشان تک نہیں تھا۔ وہ اپنا آدے کے تعلیم یافتہ وکیل کی طرح گہرے رنگ کے ٹوٹ اور سفید قمیض میں ہر قدر اظہار تھا۔

ممتاز حسین مقامی رئیسوں، شاکر، پور، پٹیل اور لال کے برعکس خوب صورت جسم، دلکش چہرے اور انتہائی خوب صورت طرز تیوں کا مالک تھا۔ مقامی لوگ اسے فلوں کے ایک مقبول ہیرو سے زیادہ خوب صورت سمجھتے تھے لیکن اس وقت ممتاز حسین کے چہرے پر خوشی کے اثرات اتنے گہرے تھے کہ اس کا شرم بھی اندر لپکا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ لوگ واقعی اس کا کہتے ہیں: اس نے ہاتھ پیرے کیا۔

"اے... اس حد تک ذکر کرتے ہیں۔ اب ہم بھی اس دھوئے کی بچائی کے صفی شاہ ہیں، فوٹ رائے نے جواب دیا جو اسکو خود میں ممتاز حسین کا گلاس لیڈرہ چمکا تھا۔

"اگر انھیں اس حد تک کامیابی حاصل ہو سکتی ہے تو پھر وہ اس سے کہیں زیادہ کے بھی اہل ہوں گے۔ ممتاز حسین نے سگریٹ نکالنے پر غور کیا۔

"اب تمک کہتے ہیں: انیسویں صدی کے جواب دیا: ان کا دعو ہے کہ وہ ایک جنگ جاکتے ہیں۔ جرم کا راز پر پکار کے ہیں۔ بیگم کی سرگود... میں نے پہلے کبھی ایسے لوگ نہیں دیکھے۔ وہ دیکھو... انھیں نے انگلی سے ایک طرف اشارہ کیا جہاں ایک زرد دار چمکا رہا تھا۔

"خدا کی قسم، یہ سب ناقابل یقین ہے۔ ممتاز حسین مگرٹ چمکے

ملک کے ایک اہم ترین مسئلے کی حیثیت اختیار کر لی جس میں مسلمان آباد تھے، ہندو تھے اور سکھ بھی رہتے تھے۔ ان میں بڑے مذاہب کے ماننے والوں نے عیسائیت، یہودیت اور دوسرے مذاہب کے لوگوں کو بھی ایمان آباد کے گناہ دامن میں جکڑ دینے میں نکل سے کام نہیں لیا۔

... اور ان مذاہب کے پیروکاروں کا خیال تھا کہ وہ مرگ پر سے ایک سوسال کی خاموشی کے بعد ایک باہر تہی تاریخ کو سراہا جا رہا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ خاموشی پانچ منٹ، پانچ دن، پانچ ماہ یا پانچ سال کے اندر اندر ٹوٹ جائے گی پھر ہر طرف تباہی ہوگی، موت کا قفس ہوگا اور ایمان آباد دوبارہ مظلوم ہستی سے مٹ جائے گا۔

لہذا جب دارالحکومت کے احکامات کو کامیاب شخص نے یہ بتایا کہ وہ لوگوں کو اس خطرے سے نجات دلا سکتا ہے تو انھوں نے اسے دُعا دینا نہیں سمجھا بلکہ ایک نہیں سمجھا کہ ان انسان اس دعوے کو حقیقت میں بھی بدل سکتے۔

... اس دعوے پر کسی نے توجہ تک نہیں دی لیکن پھر دفاتی دارالحکومت میں ایک ماہر ارضیات نے جو باتیں سنیں ان سے اس کی سانس تک ٹپک گئی۔ وہ ان باتوں پر یقین ہی نہیں کر سکتا تھا۔

"ہاں... ماہر ارضیات نے لفظ میں سر ملاتے ہوئے کہا۔  
"ہاں ممکن... بالکل اسی طرح ناممکن جیسے...  
"جیسے لوگوں کو تینوں چھوٹے دیا جانے زمین آباد کی وادی

کسار ہے اسے لالے شخص نے جواب دیا۔

پرواقعی ناممکن سی بات تھی لیکن اب انھیں ممکن نظر آرہی تھی۔ برہمنے کو گھونٹے چھوڑ کر اڑنے لگے، خوشیوں کے درمیان بھاگنے لگے۔ گھبراہٹ اور خوف کو چھوڑ کر گھنڈیوں پر اس طرح دوڑنے لگے جیسے کوئی شکار یں کے تعاقب میں ہو۔ درختوں سے پتے پھرنے لگے۔ وادی کسار میں ہر طرف شرمیلہ بیت اڑنے لگی اور ایسا لگا جیسے کوئی این آواز پر شرمیلہ رت گر رہا ہو۔

وادی کسار کے بارہ فرشتے اور ایک خاتمے دار ایک بگڑے ہوئے بار بار تہی ٹیڑھی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ اس وقت گونڈ سنگھ کے قدامت کے مرکز کی گیٹ پر ایک ٹیڑھی لار کے قریب کھڑے تھے۔

ایمپن آباد کے دو سالے سروکار کی جڑ پانڈیوں کے باوجود ایسی کاریں اپنی آسائش کے لیے کسی بھی طرح عدم حاصل نہیں تھیں۔ تھانہ والے کے وال نے انھیں یقین دلایا تھا کہ وہ یہیں کھڑے کھڑے بہت کچھ دیکھ سکیں گے۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ لوگ یہیں بڑول سمجھیں۔ اس سے معزز بن سکتے۔

دھوپ کی شدت میں اضافہ ہو گیا۔ چلنے لگی اور اس کو

دوسرے موت اور تباہی اور بربادی آگیا ہے... لیکن... جو لوگ سیکولر فٹ کی گہرائی میں دفن نہیں ہوئے، جو اپنے منہ میں گھروں میں زندہ دو گز نہیں ہوئے اور اس خطرے سے نا آشنا رہے ان کے لیے یہ تباہیاں ایک عام ارضی جمع تفریق یا ارضی تبدیلی سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھیں۔ وہ کہتے تھے کہ زمین سے دباؤ کا اخراج ہوتا ہے تو زلزلہ آتا ہے۔

یہ زلزلے کہ مرگ میں موجود ایک زخم خفا خدا خ سے جنم لیتے تھے جسے بہت کم لوگوں نے دیکھا تھا۔ کہ مرگ کے طویل سلسلے میں ایسے کئی سو گز تھے جن کے باعث اس سلسلہ کو وہ ایک ایسا جتنا جاتا اہم قرار دیا جاتا، جو کسی بھی وقت پھٹ سکتا تھا۔

کہ مرگ کا سلسلہ ایمن آباد سے شمال کی طرف دوڑتے چلا گیا تھا اور جنوب میں اس کی چوٹیاں خاموشی بند تھیں۔ اس کا دوسرا بی علاقہ ایمن آباد کے ضلع پر مشتمل تھا اور جب بھی شمال جنوب کی مثبت اور منفی کیفیات کا اتصال ہوتا تو زلزلہ ایمن آباد کے کئی شہروں اور قصبوں کو ترو ترو کر کے رکھ دیتا تھا۔ بڑے پوروں کا کہنا تھا کہ ایک صدی میں دو مرتبے بڑے زلزلے آئے ہیں اور سائنس دانوں کا کہنا تھا کہ شہریت گھر کے مشرق میں یہ مثبت اور منفی عناصر باہم آئیں ہیں

مل کر دو آواز پیدا کرتے ہیں اور جب الگ الگ ہوتے ہیں تو قدرت انسانی جانوں کے حاجات و مصلحت کوئی ہے... پھر آگیا تھا کہ کائنات ختم ہونے والی ہے پھر زندگی کا بیج تک نیست و نابود ہونے والا ہے۔

... اور بعض لوگوں کے لیے تو دنیا میں ایسا ہوتا ہی رہا ہے۔ بیشتر ماہرین ارضیات کو یقین تھا کہ اگر اس مرتبہ زلزلہ آتا تو اس کی تباہ کاریوں کے سامنے اہم ایمن آباد کا تھوڑا سا حصہ صرف بچ کر رہ جائیگا۔

سوال پہلے ایمن آباد ایک ایسے ہی زلزلے کی وجہ سے برباد ہو گیا تھا، زمین کسی تازہ ایک کی طرح کٹتی ملی تھی، دشت چوٹی ہوئی زمین میں دفن ہو گئے تھے، گھروں کی چھتیں تاش کے ٹپوں کی طرح بکھری تھیں یا پھر ان چھتوں نے اپنے کمینوں کو زندہ دو گز دبا دیا تھا۔

فراروں کی جس بے حس ہو گئے تھے۔ فراروں کا انداز بے جا نہ ہو گئے تھے۔ تہذیب اور ثقافت زلزلے کا تفریق نہیں تھی اور ایمن آباد مظلوم ہستی سے مٹ گیا تھا... لیکن جب کہ مرگ خاموشی تھا تو زندگی نے ایک بار پھر دڑتے دڑتے سر اٹھان شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ زمین بے نیس تھیں

اور اہل نظر نے ایمن آباد کے کھنڈرات پر ایک نشا پڑا شہر آباد کیا جو بچے ہوئے پانی کی طرح چاندل طرف پھیلا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے پھر دڑتے دڑتے سر اٹھان شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ زمین بے نیس تھیں اور اہل نظر نے ایمن آباد کے کھنڈرات پر ایک نشا پڑا شہر آباد کیا جو بچے ہوئے پانی کی طرح چاندل طرف پھیلا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے

یہاں...  
تو حاصل ہونا چاہیے نہ پوچھا۔

جہاں غیرات کے حق سے ایک فتنہاں پڑا۔ اسی لیے اس کی گرفت انگ پر چٹ پڑی اور وہ دوسرے پاؤں سے ہی محرم ہو گیا۔ ایک ہے۔ اور پھر غریب، اگر غریب تہی ہوئے تو نہیں اس سوسائٹ پر کچھ ختم کر رہا ہوں... اس کے بعد جتنے ہی سوپ میں برسے سالے آؤ گے، میں انھیں ایک ایک ٹپ کر کے کاٹا چھوٹا کر

تم نے میرے بارے میں بہت فحش اندازہ لگایا، غیرات لوہ! اس سے کہیں بھی خفیہ کسی پکچا پکچا تھی۔ میرے دپ ختم نہیں ہوا اس ملک کو جلا کر پتھر لوگوں کی جنت بنانے کا خواب بھی دیکھ رہا ہوگا۔ میں اب تو سر ہل چکی لیکن میرا خیال ہے، مہلہ ہی مہلہ کٹلی

میں سے ملقات ہوئی اور تب...

پہننے ہی ٹانگہ پر جیسے دیرانگی کا دورہ پڑا۔

گھر میں ایسی آوازیں گونجتی ہیں جیسے کوئی گھبراہٹ سے کہے کسی تنے کے چھوڑے کر رہا ہو۔ بلیاں گونجنے کی آوازیں گونجتے ہوئے گھر سے آوازیں آئیں گی آوازیں کرسے میں نہیں...

لیکن ان کی ایک ہی گراہ تھا۔ انھیں نہیں تھی۔  
ٹانگہ سے خود کو سنبھالنا اور اس ڈھیر کی طرف دیکھنے کا چہرہ جو کسی غیارت کی حیثیت سے زندہ تھا، اس عفریت کو کھانے لگا کہ بے بناء سکون کا احساس ہو رہا تھا... لیکن غیرات نے ہر سے جو دھمکی دی تھی، وہ اس کے باعث مضطرب ہو گیا۔ پھٹکاٹا

بے بناء سکون کا احساس ہو رہا تھا... لیکن غیرات نے ہر سے جو دھمکی دی تھی، وہ اس کے باعث مضطرب ہو گیا۔ پھٹکاٹا میں وہاں میں ہل چکی۔ اس کے ایک میل سانس لی۔ یہ پرواز کو زبردستی پیرے ہوئے جی سے بعد امداد کر رہا تھا

اس نے کوئی کھول دی۔

باہر رات کی تاریکی میں سجدہ سو کی گئیں، دیوار کی دیں جیسی لگ رہی تھیں۔ اس نے کھڑکی کی بل پر پاؤں دوڑا کر ڈگایا۔ اگلے ہی لمحے وہ جھڑپوں میں دوڑ رہا تھا۔

نہیں ملتا تھا جیکہ ڈرہا تھا کیوں کہ اس کے پیروں کی حرکت آٹھک کی جینی سے بعد تھی۔

خدا نے جہاں انسانی جسموں کو روح کا قفس و دہشت کیا وہیں نے ایمن آباد کے باشندوں کو موت کا قفس چھانے کے لیے لالا دے سلسلہ کو کی شکل میں، ایک متعلق خطرے سے بھی دشمناس کا خاس کے بارے میں لوگ کہتے تھے کہ وہ ایک صدی میں

کی ہے یہاں اسپتال اور اسکی جڑلے... یہی ہیں، یہی کہتا ہوں کہ اب تم اس برادری کا بھی ایک جتنہ ہوا اور تمہیں برادری کو خطرے میں ڈالنے کا کوئی حق نہیں؟

”ہیں شرمی! مجھے آپ نے اس وادی میں اتنی آسانی سے خوش آمدید نہیں کہا تھا؟ ممتاز حسین نے منسکارتے ہوئے جواب دیا۔ یہاں مجھے جن لوگوں نے سہارا دیا تھا ان میں شرمنا کا کوئی سامہوکار شامل نہیں... مجھے تو بلونت رائے کی دوستی حاصل تھی ورنہ آپ میرا بھی دی ہشتر کرتے جو ایک ماہاجی کسی نئے مسلمان کا کرنا ہے۔ بہرحال میرے کچھ اہل مقصد یہ ہے کہ میں واقعی ایک برادری کا حقہ ہوں اس لیے میں نہیں چاہتا کہ میری برادری کے سر پر بیک میننگ کی تلوار لٹکی رہے؟“

”یہی اگر تم نے کوئی بھی ایسی حرکت کی جس سے وہ لوگ ناامنی ہو گئے تو میرے بچے نزلے کا شکار ہو جائیں گے؟ شرمی نے بول دیا کہ کیا۔“

ممتاز حسین نے بلونت رائے کی طرف دیکھا جو ایک میز کے ساتھ بیٹھا تھا... یہ میز اسے اپنے باپ گولی نالان سے دہشتے میں ملی تھی... ممتاز کے والد عوامیہر حسین اور بلونت کے والد اراکون کے سب سے بڑے کالج میں کلاس ٹیلور بن چکے تھے۔

ممتاز غلوں دل سے چاہتا تھا کہ اس کا کوئی دوست حتیٰ کہ کوئی دشمن بھی نزلے کے سازش کا شکار نہ ہو اور جب شرمی نے اپنے چہلوں کا ذکر کیا تو وہ دنگا سا گیا... شرمی نے بھی اپنی تمام ترقیوں کے باوجود اس کی زندگی کا ایک حقہ تھے اور وہ عداوت کے باوجود ان سے الگ نہیں ہو سکتا تھا۔ اُسے لوگوں سے محبت کرنا سیکھائی گئی تھی اسی لیے وہ شرمی سے بھی نفرت نہیں کرتا تھا۔ مدلل اللہ کو ان کے بچپن کے ساتھیوں میں سے ایک تھا۔ برسوں پہلے جب خواجہ میر علی خان خاندان سمیت وادی کھسار آئے تھے تو ممتاز کی طرح مدلل اللہ اور دوسرے سب اچھے بچے تھے۔ انھوں نے ایک ساتھ پڑھائی تھی لیکن جب وہ جوان ہوئے تو انھوں نے الگ الگ راستے اختیار کر لیے اور مدلل اللہ ان پیکڑن گیا۔ مادرش بھی اس کا ساتھی تھا۔ وہ کہیں میں جب مادرش نے اپنی چھوڑا وہ بہن میری کے ساتھ دست درازی کی تھی تو بہت شور مچا تھا اور میری کو اس کا باپ نے، فوراً اپنی بہن کے پاس انگشتان بھیج دیا تھا... یہ سب مادرش نے فرما کر بہن پر بھی ویسی ہی نگاہ ڈالی تو مذہبی اختلافات کے باوجود اسے پڑھنی سے شادی کرنا پڑی تھی۔

ممتاز بہت کچھ سوچا رہا پھر ایک نتیجے پر پہنچ کر اس نے گہری سانس لی اور کہا: ”میں وہی کروں گا جو مجھے کرنا چاہیے۔ مجھے زندگی میں لالہ نے میرا شکاف کیا؟... اور ایسا نزلہ نہ کروانے کے عوض وہ صرف اتنی چیز روپے مانگ رہے ہیں... میں ہزار روپے فی کس مانگوں...“

”یہ بیک میننگ ہے مدلل لالہ... کھل جوتی بیک میننگ؟ ممتاز حسین نے ایک باہمی رائی بات پر زور دیا۔

”میں تمہارے احساسات سمجھتا ہوں، ممتاز یہ بلونت رائے نے دھیمی آواز میں کہا۔ مادرش اور شرمی کی بات کا وزن محسوس کر سکتے ہیں... پر آخر تم اسے بیک میننگ کے بجائے میچھو لو تو بہتر ہوگا اور میری مغلن سب سے گا۔ اس بچے پر غور کرو۔ آج رات آجھ سے تک سب لوگ میرے دفتر جا رہے ہیں پھر ہم کوئی حقہ منید کریں گے؟“

اسی شب بلونت رائے کے دفتر میں داخل ہونے والے لوگوں میں ممتاز حسین آخری شخص تھا اور جب وہ بلونت رائے کے کمرے میں داخل ہوا تو اس پر چہرہ اسی کی طرف متوجہ ہو گیا، اس نے دروازہ بند کر دیا اور ایک لمبوں سانس لی پھر اس نے جیب سے ایک وزنی لٹاؤ نکال کر میز پر پھینک دیا جس میں بیس ہزار روپے لکے ہوئے تھے۔

”یہ ہے بیس ہزار روپے؟ ممتاز حسین نے تلخ لہجے میں کہا... میں یہ رقم پہلی اور آخری بار دے رہا ہوں، اس طرح میں ایک ماہ کی جہلت مل جائے گی اور اس دوران میں والد حکومت جا کر سرکار سے اس مسئلے میں تفصیل بات چیت کروں گا؟“

”کیا تمہیں یاد نہیں آ رہی کہ میں نے کہا ہے کہ اگر تم نے اس مسئلے میں کسی سے کچھ کہا تو نزلے کے چھٹے وادی کوڑھس نہیں کر دیں گے؟ مادرش دیکھنے پر جھوڑ کر کہا۔

”ایسا نہیں ہوگا؟ ممتاز حسین نے اپنی سرخ قمیص کا لار ٹھیک کر کے مجھے جواب دیا... ہم اچیس ایک ماہ کا معاوضہ دے رہے ہیں اور جب میں یہاں سے جاؤں گا تو تم لوگوں کے علاوہ کسی کو بھی میری روانگی کا مقصد معلوم نہیں ہوگا۔“

”ہم کوئی خدوہ نہیں ہے سیکھتا ممتاز؟“ فرماتے کہا کہ اس وقت خلاف معمول دھرتی اور گرتے ہیں بلورس تھا۔

”اس میں خطرے کی کوئی بات نہیں شرمی!“

”ممتاز حسین! ہم نے ایک ایسے وقت تمہارے لیے وادی میں گہنی نش پید کی تھی جب سارا سناہرا خون کی ہولی کیل رہا تھا... ہندو مسلمانوں کو اور مسلمان ہندوؤں کو پتھر پتھر سے تھپتھپاتے کی بھی جگہ نہیں مل رہی تھی لیکن ہم نے تمہیں خوش آمدید کہا تھا... میں شرمی کے ساتھ ہوں کہ تم نے وادی کو اپنی جہم جوئی ہی سمجھ کر اس کی پیرا

”میں ہزار روپے فی کس زیادہ نہیں ہوتے؟ مدلل لالہ نے قہر سے ممتاز حسین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا لیکن اس نے بلونت رائے سے نظریں پھرائیں جو اس کے حقائق میز پر پڑے قدم سے بھیجے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”مجھے روپے پیسے کی فکر نہیں... اس سے دس گنی رقم نہیں اپنا آباد اور وادی کے اسکول کو عطیہ کر چکا ہوں۔ اس سے بچاں گئی رقم اتنا مل کر دیتا ہوں... لیکن یہ بیس ہزار روپے بیک میننگ میں وصول کیے جا رہے ہیں... میں رشوت اور بیک میننگ پسند نہیں کرتا۔ مدلل لالہ... ممتاز حسین نے بڑے بڑے فقاہت پر بھیج کر کہا۔

مدلل لالہ خاموش رہا... ممتاز حسین سے اس کی پیشہری ان بن رہی تھی لیکن وہ ممتاز کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا تھا کیوں کہ وادی کے لوگ ممتاز سے محبت کرتے تھے، امین آباد میں ممتاز کو ایک خاص مقام حاصل تھا اور اس کی فیاضی نے اسے دیوتا بنا دیا تھا۔ اس کی فیاضی کا دائرہ مسالوں تک ہی نہیں بلکہ ہندوؤں کیسے پڑا۔ ویل مغلن کو سہرا ایک تک دیئے تھے اس نے مسجدیں بھی بنوائی تھیں اور آخر میں ہونے کے لیے بھی چندہ دیا تھا... جیت کر گھڑا کر تھیم خاداس کو دیوالی کا تقید المثل غوث تھا۔

مدلل لالہ کو اس سے صرف اس وجہ سے عداوت تھی کہ اس نے غریبوں کی تعزیتوں کو دل کو مدد کی لیکن کبھی خود مدلل لالہ کی طرف توجہ نہیں دی جس کے اثرات اپنی خواہ سے سونگنا یاد آتے اور وہیں پڑا کر کے لیے اُسے وادی کھسار کے متحمل گھراؤں سے بیک یا رشوت وصول کرنا پڑتی تھی۔

ان معززوں کو مدلل لالہ ہی نے نزلے کے بارے میں بتایا تھا۔ اس کا کہنا تھا کسی نے اسے ٹیلی فون کر کے دعوایا کہ وہ معززوں کو نزلہ پید کر سکتا ہے لیکن بقول مدلل لالہ میں نے اس سے کہا کہ ہم میں جاؤ اور پھر فون بند کر دیا... اس پر فون کرنے والے نے کہا کہ وہ اگلے روز دوبارے وقت نزلے کا ہلکا سا جھکا پید کر کے اپنے حویلی کا بکتر پیش کرے گا... اور وہ غیور پیش کر دیا گیا... اسی شخص نے دوبارہ فون کیا اور کہا کہ وہ وادی کھسار کو ایک معمولی سا تحفہ دے گا لیکن اس کا اثر زیادہ تر پندروں پر ہوگا جب کہ کوئی انسان تین سو کچھ پینٹ پر کھلے میدان میں کھڑا ہو تو نزلہ کا جھکا پنے پیروں سے سرسری کر سکتا ہے۔

”انھوں نے بتایا کہ وہ ایسا بھی کب نزلہ بھی پید کر سکتے ہیں جس سے امین آباد سے ہرگز نہ جاتا... جہنم جہنم جہنم کے ہونے پر جہاں سے اور سب کچھ ہو جائے گا... کیا کریم کو نہ لاسے بھی نہیں میں گے؟“

”ایسا بگ رہا ہے جیسے ہم بہاری کے بعد آئے لادھوواں دیکھو ہوں... مارن دیکھو کہ ہرگز ہرگز ہرگز کہیں کا ملک تھا اس اور صدارت انگشتان سے پیش کیا گئی کے ساتھ کا ہوا کر کے لیے آئے لیکن پھر انھوں نے بڑے ملک پر تسلط کیا تھا تاہم آزادی کے وقت نے دوسروں کی طرح ملک چھوڑنے کو ترجیح نہیں دی اور یہ کہ سی سے انکار کر دیا کہ میری جڑیں اسی ملک میں ہیں اور انہیں میں رہوں پھر بڑا سا تھا طیارہ... بہاری کے بعد آئے لادھوواں۔“

”ٹھیک ہے دوستو اس مظلوم کے بعض مثبت پہلو بھی ہیں پھر میں تو کرنا چاہتا ہوں شرمی نے کہا۔ وہ وادی کھسار کے ولایت دست و تجارت کا مسدود کر دیا، طرح وہ بھی چھوٹ لیا تھا اور اس کے بعد بھی نمایاں تھی لیکن عام ہندوؤں کے برعکس وہ انگریزی طرز کا سوٹ پہنے ہوئے تھا۔ وادی کھسار امین آباد کا ایسا ملازم تھا جہاں مغربی طرز کی چھاپ خاصی نمایاں تھی اور دولت نے علاقے کے شہسوار کو اس میں سائیں فراہم کر دی تھیں جو ان کے آباد و اجداد سے خواب میں نہیں دیکھی ہوں گی۔

”ہیں مثبت پہلو بھی نظر رکھنا چاہئیں؟ شرمی نے پھر کہا۔ مدلل لالہ نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ نزلہ پید کر سکتے ہیں اور وہ یہ بھی کرتے ہیں کہ نزلے کو نکلنا ان کے اہل کا کام ہے۔ وادی کھسار کو نکلنے کے لیے اس سے اچھی اور کیا بات ہو سکتی ہے؟ وادی کھسار کو نزلے سے خطرہ تو نہ ہو رہا تھا دن کوئی قرنی ہو رہا تھا اور کو محفوظ حاصل ہوگا۔ کیا خیال ہے، مدلل لالہ بہا ہم ان پر اعتماد کر سکتے ہیں؟“

”یہی تو نہیں کہہ سکتا... لیکن یہ بات آپ سبھی لوگ جانتے تو انھوں نے مجھ سے جو کچھ کہا تھا وہ سچ کر دیا ہے۔ شرمی نے چہرے کے پیکڑنے جواب دیا لیکن تو نہ بڑے وادی والی کسی فقاہت سے ہیں تھی اس کے سینے پر بیٹے اور سرخ رنگ کے تین انٹانات تھے جو اس کے کپڑوں کے منظر تھے جب کہ وادی پر پائی ٹرسے ٹرسے چمک رہے تھے اور اس کا کہنا تھا کہ یہ نقطے ان پانچ انسانوں کی نسبت ہیں جو فاقوں کی گھمائی میں بنائے کی راہ میں حاضر ہوئے اور اس کے دیوالے انھیں ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا تھا۔

”براہ راست ہزار روپے زیادہ تو نہیں؟ شرمی نے پھر جوش نمایاں کیا۔

نزلہ روکے کے لیے یہ بہت ہی معقول معاوضہ ہے۔“

”بہاری کے بعد آئے لادھوواں... یہ کیسی نظریں اب میں پرہیزگار تھیں اور وہ خود خود اس کے انداز میں مبتلا تھا۔

”ماہمکن... ممتاز حسین نے کہا۔“

جہاں اس کا قلع رہے گا کم لوگوں کے ایک ناک مرغلے پر میرے  
خبردار کو کوئی اہمیت نہیں دی۔  
فرمانی کے مدد میں ہاتھ ڈال کر اپنا لفظ بچا اور میر  
پر دھک دیا۔ بلونت مانے اور دیکھو یہ بھی اس کی تقلید میں رقم میر پر  
لکھ دی۔

مدن لال نے ہماروں لفظی میٹ کر ہاٹک کے ایک  
بیک میں رکھ جانے کی اجازت چاہی۔  
”تم دارا حکومت ہاؤس کے متاز؟“ دیکھنے پر کچھ۔

”ہاں... آج ہی رات“ یہ کہہ کر وہ مدن لال سے پہلے ہی  
چلا گیا... اور اس کے جانتے ہی وہ ہماروں سے جڑ کر بیٹھ گئے۔  
آئیں اس طرح کو لڑا پید کر کے دلوں نے مدن لال کو ایک حضور مہتمم  
پر رقم رکھنے کی ہدایت کی۔ یہ دیکھ کر وہ نہیں جانتے تھے کہ متاز کی ہند  
کا انجام کتنا سچا تھا کہ اسے نقصان پہنچے لیکن اسے یہ بھی اس جھگڑا  
میں اسے بے اثر بنانے کی تجربوں پر گفتگو کر رہے۔

بلونت مانے، اپنے ساتھیوں کے ہاتھ کے بعد بھی ہر ایک  
کمرے میں بیٹھا مادہ متاز حسین کی طرف سے بے مدد کو زندہ تھا۔ وہ  
نہیں چاہتا تھا کہ اسے نقصان پہنچے لیکن اسے یہ بھی اس جھگڑا  
کے بچپن کے ساتھی کی باتوں میں کان فٹن ہے۔

... پھر وہ اسی طرح سوچ میں ڈوبا جتا ٹیلی فون کی طرف جڑے  
گیا اپنے ایک ایسے قریبی دوست کو ٹیلی فون کیا جو وزیر اعظم نے بھی  
مکرمیز سرکاری معاونین میں سے تھا۔ اس نے اسے سب کچھ بتلایا۔  
”میرے خدا...“ وہ سری طرف سے آواز سنائی دی۔ ”اگر  
تم سچ کہہ رہے ہو تو اس کا مطلب صرف اور صرف یہ ہے کہ وہ لوگ تمہارے  
این آؤ کو تباہ کر سکتے ہیں۔“

”ہاں... میرا کہہ رہی تھا ہے۔“ بلونت مانے بڑھایا۔  
”جیکب سے بولی... میں وزیر اعظم سے لڑا لڑا کر کرشنش  
کروں گا۔ یقیناً وہ اس مسئلے کو کوئی حل نکالیں گے۔“

... مگر اسے وزیر اعظم کے تو فون سے دھچکا سا لگا۔ اس نے  
بلونت مانے سے گفتگو پر مبنی رپورٹ پیشہ دارانہ انداز میں دہر  
اعظم کو پیش کر دی تھی۔ اور اس کا دھماکا کہ بلونت مانے کے ایک  
ایک لفظ پر لغت اڑا دیا جاسکتا ہے۔ اس نے ہر سے وہ فون بے کما  
کو لڑا پید کر کے کی باتیں خالی دھمکیاں نہیں دیتے۔ لیکن  
جب وہ رپورٹ پیش کر چکا تو وزیر اعظم نے اپنے جگہ سے بالکل کی  
سیدھ ایک طرف کر کے جڑے کہا۔ ”جیکب ہے۔“ اب سب کچھ  
بھول جاؤ جھید! یہ باتیں کسی اور سے مت کہنا۔

... لیکن کیا آپ کو میری اطلاعات پر یقین نہیں آیا ہے۔۔۔  
جھید نے بے چینی سے پوچھ دیتے جڑے کو چھا۔  
”مجھے یقیناً لگتا ہے۔“

تب چہرہ مللی انٹیلی جنس کو کارروائی کا حکم دے دیں۔  
یہ عام پولیس کے پس کا رنگ نہیں ہے۔  
”قیامت لڑائی میں کیا ہو چکے ہو جھید...“ وزیر اعظم نے فون  
تکنت سے جواب دیا۔ اب تمہارا مکمل خاموش رہو گے جڑے  
حفاظت۔۔۔

جھید کا منہ گیا اس نے اپنے سامنے بچھوے ہوئے کاغذات  
اٹھا کر چاہے لیکن وزیر اعظم نے خود کار کو تمام تر شہیں جوڑ ڈھانچے  
اور جب وہ لیجن زدہ سا کمرے سے نکل گیا تو وزیر اعظم نے حکم  
کاغذات اٹھا کر الیکٹرونکس میں چھپک دے دیے۔

یہ سبک پر راز کو جگہ رکھ کر دیتی تھی۔  
اس کام سے فائدہ ہو کر وزیر اعظم نے ایک الماری سے کاسی  
رنگ کا ٹیل فون بیکل کر قالین کے نیچے چھپے ہوئے بیک میں اس کا  
سرچھ لگایا اور ایک خاص بزم دیا یا پھر کسی گھنٹی پر دوسری طرف  
سے رسیدار اٹھا لیا گیا۔

”ہم پہلے ہی کام شروع کیے ہیں۔“ کسی نے رسمی جملوں کے  
بغیر کہا۔

”این آباد کے مسئلے میں؟“  
”جی ہاں...“  
”اوہ... تم بہت تیز کار رہے ہو۔“  
”میں تیز چلتا ہوتا ہے۔“  
”لیکن وہ لوگ بڑی تباہی پھا چکے ہیں۔“

”جی ہاں... ہمیں صدمہ ہے۔“ دوسری طرف سے سنا  
میں جواب ملا۔ ”میں جی جی جی کے منہ کو نہیں ہیں۔“  
”کیا تم اپنا خاص آدمی استعمال کرو گے؟“  
”اس کے علاوہ اور کون۔“ ایسے کام کر سکتے ہیں؟  
”... لیکن اگر اسے کوئی نقصان پہنچا تو کیا ہو گا؟“ وزیر اعظم کے  
بچے میں تشویش تھی۔

”آپ فکر مند ہوں۔“ ایسے حالات اور ایسے عزم اس کیلے  
کوئی نئی بات نہیں۔ خدا حافظ! یہ کہہ کر دوسری طرف سے بولنے لگے  
نے سب سے متعلق کر دیا۔

شہزادہ نایو نے اپنے بھیل کے کمرے میں موجود جیلو کی  
بہت سی کتابوں میں سے بشمول ایک جی کتاب پڑھی تھی۔ اس نے

اس ٹیڈ پر بھی کوئی تجربہ نہیں دی جو اسے جیالو میں انٹرمنٹ  
لپنی کا لڑا بزم سہل میں کچھ... لیکن کی ساخت پہاڑوں کے  
لرہ اور لڑا لڑا کے ہاٹے میں کچھ سمجھنے کی کرشنش کر رہا تھا۔  
اس کا مطلب یہ نہیں کرشن ہزاروں لڑا لڑا کے ہاٹے میں  
کچھ سیکھنے کی کرشنش ہی نہیں کی۔ اس نے جیلو کی کتاب اول تا  
آخر پڑھ کر ایک طرف چھپک جی جی اور اس کے ذہن میں پہاڑوں  
کے پیش پائیک، پانی اور بازاری لوگوں کی لفظ اور پانچ رہی تھیں اس  
لے کچھ پڑھا تھا اسے کچھ بھی لگتا تھا لیکن کچھ بھی اس نے ان معلومات  
پہاڑا وہ تجربہ نہیں دیتی تھی۔ اگلے روز وہ کتاب کا پانچواں ہی صفحہ زور  
لڑ چکا تھا اور باقی جودہ فیصلہ لگے روز اس کے وہن سے صاف ہو گیا  
اسے زور پیا یاد آیا لیکن یہ فراموش کر گیا کہ یہ آلہ درحقیقت چٹان کی  
بے صرف یہ یاد ہو کر سائنڈل کسی چیز کو زور لڑ چکا ہے۔  
وہ بھولے سے کچھ دور ایک سبز میدان میں کھڑا موشہ نام تھا کہ  
لڑا لڑا پیا لڑا لڑا لڑا ہے۔ اس کے سامنے تقریباً سو گز فوٹ  
اور محض حد تک چوڑی ایک صاف پٹی تھی جس پر گھاس کا نام و  
لٹان بک دھا۔

شاید اس جگہ پانچ افراد کمرہ تھا۔  
”آئیں خاموشی سے موت کی آغوش میں سو جانا تھا... اور  
اس طرح کہ لوگ ان کی موت کو محض حادثہ تصور نہ کریں۔  
محفل کرنا... بہت ہزاروں کے لڑا لڑا ایک فن تھا اور اسے اس فن  
میں مہارت حاصل تھی۔

وہ ایک دھن کے تنے سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے آنکھیں  
بند کر لیں اور دونوں ہاتھ باندھ لیے۔  
”وہ ان تین افراد کی باتیں سننے لگا جاپنے چہرے سے ٹوک  
کے قریب بیٹھے تھے۔

”آئیں لیکن حکم کوئی بھی اس میں جھگڑا نہیں کرے  
گا اور وہ پریقین تھے کہ مال جلد ہی آنے والا ہے۔“ وہ عرض تے  
اور جانتے تھے کہ لوگ کسی نے ان کی راہ میں روکے انکے لئے تو وہ  
اس شخص کو دوسروں کے فائدے سے بھی نشانہ بناسکیں گے۔

ان میں سے ایک کام پکھیل تھا۔  
نایو نے اپنی گردن کو موڑ کر سے سیکھنے کے لیے پہلو دیا۔  
اس وقت وہ جبرہ کو دوسرے کس کس شہزادے معتقد نہیں تھا۔  
مگر بزم کی اپنا پرورش لے لیا تھا اور کمرے کے مٹیا کے سپہ  
کے بڑے اعزاز نایو کو کے لیے قربت دی تھی۔ کسی پناہی  
مصرم جو بہت اچھا لگتا تھا... لیکن اب کی جی اسے جبرہ

فردوس کا اس پکھل شہزادہ میں نہیں کر سکتا تھا کیوں کہ اسے تو کبھی کی  
تیس پر جھکا کر مڑا موت دے دی تھی تھی۔  
وہ جی جی تو اسے ان لوگوں کی باتیں سننے لگا۔  
”مجھے کچھ ڈانگ رہا ہے۔“ پکھیل کہہ رہا تھا۔  
”اگر کوئی گزیر جی جی تو اسے سفید فاموں کی کھار ڈالوں گا۔  
ہم کوئی معمولی کام نہیں کر رہے ہیں... اور اگر پولیس آئی تو اس  
اُسے جی جی جی ڈالوں گا۔“

”سفید فاموں نے دھوکا دیا تو اسے جی جی ان لوگوں کو نہیں  
بخشوں گا۔“ پکھیل نے بڑے عزم سے کہا۔

نایو کے ہنسنے پر پکھیل سٹ کھینچنے لگی۔ وہ موشہ نام تھا  
کہ اگر پکھیل سفید فاموں کو قتل کر دے تو اس کا کام پورا ہو جائے گا۔  
اور پھر وہ گہری نیند سو سکے گا۔ اچانک اسے کہیں دودھ سے انجن  
کی جھینکا ہٹ مٹائی دینے لگی۔  
”وہ بے شک کوئی نیکریت کر رہا ہے۔“ پکھیل کی آواز سنائی دیا۔  
”کیسی نیکریت؟“

”اسے اس بڑی بھاری بھاری باتوں کے ہاٹے میں کچھ ہاتھ  
جوڑنے پر مالاخپ رہی تھی۔“  
”اس نے کیا کہا تھا؟“

”وہ آج کے بارے میں پیش گوئی کر رہی تھی۔“  
”اوہ...“ پکھیل کے اس انکشاف پر اس کے ساتھی جھٹک  
اٹھے۔

”لیکن دیکھو اس کی نیکریت کر دے۔ وہ ایسی ہی فضول باتیں  
کہتی رہتی ہے۔“  
نایو کو شک تھا کہ اسے نقیب ہو گیا تھا کہ پکھیل پھارن کا ذکر  
چیز کو اب پھینکا رہا ہے لیکن وہ خوب جانتا تھا کہ اس کا بھینکا واحد  
ہی غم ہو جائے گا۔

”وتا پکھیل... پھارن کیا کہہ رہی تھی؟“ ایک ساتھی ہمدرد  
کرنے لگا۔

”دیکھو... وہ ایسی کوئی چھپا دینے والی بات کہ نہیں کہتی ہیں  
کی وجہ سے ہم اس پر بھت خور ہو رہے۔“

”تاؤ دیکھیں ورنہ میں اپنے جھک میں بیٹھ کر واپس چلا جاؤں  
پھر اپنے ساتھ کے ساتھ میں بیٹھ جھک مارتے رہتا۔ دوسرے  
نے بھی دیکھی دی۔

”اسے اس نے صرف تباہی کا تھا کہ آج سب کچھ ٹھیک ٹھاک  
رہے گا۔“ پکھیل نے بیجا چھڑکنے کے لیے کہہ دیا۔  
”تم جھٹک لال رہے ہو۔“



”اچھا ٹھیک ہے... لیکن اگر میں نے سب کچھ بتا دیا تو تم کسی ایسی لڑکی کی طرح راہ فرار اختیار کر لو گے جو اپنی ناموس خور سے یں مٹا دینا چاہتی ہو۔“

”میں بزدل نہیں ہوں۔“  
 ٹائیگر کے ہنڑوں پر ہلکا سا پتھر مسکراہٹ آگئی وہ ممبروں کے پیچھے دوڑنا پسند نہیں کرتا تھا بلکہ اس کی پٹری یہ کوشش کرتی تھی کہ تمام جرم ایک ہی جگہ مل جائیں تاکہ وہ انہیں بیک وقت شکستے دے سکے۔ اس لڑکی کے بارے میں غور کر کے جس کے چہرے پر ہر آن گنت مجھڑے جھڑے تل ہوتے ہیں۔

”میرے دوست! یہ جان لے کہ تھاکم لوگ اگر آج اپنی ہم پر نیچے تو قریب ایک ایسی قوت کا سامنا کرنا پڑے گا جو مقرر... دوتاؤں سے زیادہ طاقت ور ہے اور جس کے سامنے کوئی انسان نہیں ہٹ سکتا۔“

”اب تم مذاق کرنے لگے ہو کہیں...؟ اور میرے نے ہنستے...“

”نہیں... یہ جان لے ضرور کہ تھاکم جہاں مقابلہ ایک ایسے شعلے سے ہو گا جسے کوئی بھی نہیں بجھا سکتا... اس نے کہا تھا کہ میں ایک ایسے شخص سے مقابلہ کر رہا ہوں جس کی رفتار کا مقابلہ ناممکن ہے۔ وہ سب ہنسنے لگے۔“

”خبر ہے کہ تم خوف زدہ نہیں ہو؟ یہ کیل کی جھنڈا آواز سنائی دے... لیکن میں انہیں بتاؤں کہ یہ جان لے یہ پیش گوئی سب گمراہ پریشانی تھی اور کہ تھاکم اگر مر گیا تو نابالغی سے بچنا چاہتے ہو تو مندر میں جا کر پلٹنا کرو۔ گنگا بیل سے اشدان کرو اور اس شخص سے دور رہو جو اپنے ہاتھوں میں تمہاری موت بے گموم ہوتا ہے۔“

کیل کا بچہ آواز پر اسرار تھا کہ اس کے ساقی خاصوش گنگے آسے تھے انہیں کسی طیارے کے انجن کی آواز ابھرنے لگی۔ یہی جہاز ایک ایسے علاقے سے آ رہا تھا جہاں پوست کاٹش کی جاتی تھی۔ اس علاقے میں بیرون بنانے کی ایک نیچرل بھی قائم تھی جسے کسی طرح بھی قانونی نہیں کہا جاسکتا تھا۔

”ادھر طیارے کے ہوا باز اور مسافر سے صرف ایک غلطی ہوئی کہ انہوں نے گنگے شروع کر دی۔ بیرون کی اس سنگین کرنے والے ایسی غلطی کسی نہیں کرتے... یہی غلطی سرزد ہو چکی تھی اور انہیں اس کا احساس تک نہیں ہوا تھا۔“

یہ گنگے کوئی جھگڑائی نہیں تھی بلکہ اس کی سمت اور لینڈنگ پلیس کا اندازہ دینا کہ تمام معلومات ایک خاص فون نمبر پر دی گئیں اور پھر ایک فون کال کے ذریعے ٹائیگر کو اس کی اطلاع مل گئی۔

طرح وہ لڑنے کی معلومات جمع کر کے کرستے بیرون کے بیچ میں پڑ گیا تھا۔

بیرون کے مسکروں کو زیادہ پریشانی کا کبھی سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ اگر وہ گرفتار ہو جاتے تھے تو انہیں زیادہ سے زیادہ تین چار سال کی سزا سنائی دیتی لیکن حکومت نے منشیات کی بڑھتی ہوئی اسٹوریج سے گھبر کر یہ کیس ایک غیر سرکاری تنظیم کو بھی سنبھال رکھا تھا اور اگر اسٹوریج کے ہاتھ آ جاتے تھے تو کسی بھی عدالت فیصلے کے بغیر انہیں جیل میں وہیں مار ڈالنے کی بنیاد پر قتل کر دیں جاتا تھا۔

ٹائیگر مختلف سنگین مہمات نٹانے کے ساتھ ساتھ بیرون کے اسٹوروں سے بھی نشانہ رہا تھا۔ اس وقت بھی وہ ایک ایسے ہی شخص پر کام کر رہا تھا۔ حالانکہ اسے بتایا گیا تھا کہ ان تباہیوں میں ایک اہم اور خطرناک کام اس کا منتظر ہے۔

وہ انویسٹریٹور کو نوادار ہوتے دیکھتا رہا طیارہ اب وسیع اور لمبی جھیل کے اوپر پرواز کرتا تھا میدان کی طرف بڑھ رہا تھا اس کی بلندی بہت کم تھی۔ شاید ہوا باز چکھنے جانے کے خوف سے کئی پرواز کر رہا تھا کہ وہ انداز سے ہوا باز کی مہارت ظاہر ہو رہی تھی اس نے لینڈنگ کے لیے پتھر لگانے کے بجائے سیدھی پرواز کر تیز دی تھی۔

ٹائیگر کسی سانپ کی طرح ترقی جھاڑیوں میں رینگ گیا اور پھر ٹھیک اس جگہ پہنچا جہاں اسے طیارے کو روکنا تھا۔ یہاں تک طیارے نے ڈوبی نکالی... اس کے پیچھے زمین سے نکلے لیکن وہ پھر اٹھ گیا... پیچھے دوسری مرتبہ زمین سے نکلے تو مھول اڑنے لگی۔

... اور پھر شہزاد بھی دوڑنے لگا۔

اس کا اوپر ہی ہم باطل ساکت تھا لیکن جہاز دھڑاتی تیزی سے حرکت کر رہا تھا کہ پھر ٹھیک اس کی رفتار کا اندازہ نہیں لگا سکتا تھا اور وہی کوئی کیمرا اس کے بیرون کی تصویر لے سکتا تھا۔ اس وقت اگر کوئی اسے دیکھ لیتا تو یہی کہتا کہ اس نے ایک ایسے شخص کو دیکھا ہے جس کے پالان دکھائی ہی نہیں دیتے۔

وہ دوڑتا رہا... طیارہ اس سے آگے تھا... ٹائیگر نے اپنی رفتار میں کچھ اضافہ کر لیا تاکہ طیارے کے رکنے سے قبل ہی اس کی دم پکڑ لے۔ طیارے اور مھول کو ایک ساتھ تہم رسید کرنے کا یہ اچھا خیال بس اچانک ہی اس کے ذہن میں آ گیا تھا۔

اس کی قیص میں ہوا بھری اور بدن کے جن حصوں پر قیص دھیل تھی وہاں ہوا کا دباؤ بڑھ گیا... قیص سے دھجیاں اڑنے لگیں

... تیز ہوا میں یہ دھجیاں اڑتی ہوئی ہلنے لہان کھولیں اور ٹائیگر... طیارے کے پیچھے دوڑتا رہا۔

طیارے اور ٹائیگر کا فاصلہ مستقل دو گروہ کا اتنا اس نے بہت لگا کر اس کی دم پکڑ لی... اب وہ طیارے کے ساتھ ساتھ اچھل رہا تھا لیکن اس نے دم نہیں چھوڑی تھی وہ اس جگہ سے بعض چالیس گز دور تھا جہاں اسٹوروں کا ٹکڑ اور ان کے تین آدمی منتظر کھڑے تھے اور جن میں کچھ تائی قیص بھی شامل تھا۔

”چوہا بانٹنے! ابھی مذکورہ کے بریک لگانے شروع کر دیے۔ شہزاد نے طیارے کی دم پر دباؤ بڑھا دیا... اس کی وجہ سے طیارے کا اگلہ حصہ زمین سے اٹھنے لگا اور بریک نہیں لگ سکے اس لیے شہزاد نے دباؤ کم کر دیا اور اگلہ حصہ زور سے زمین پر پڑا۔ اس نے دم کو زوردار سمٹایا تو پھر اسے طیارے کا رخ واپس رٹ ہو گیا۔ اسٹوروں کا طیارہ اب ڈک کی طرف دوڑ رہا تھا۔ اس کی ایک زوردار بیچ فضا میں بلند ہوئی اور فضا میں لہلہا ہوتی چلی گئی۔“

طیارے کے پیچھے نے ایک شخص کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا عاقباتی دو جگہ کے عالم میں اپنی انگلیں سیدھی کرنے لگے۔ لاک پٹ سے شہزاد کو کچھ تیزی زبان میں ایک مہم سنا رہا۔ ہوا باز اور مسافر، فرانسیسی زبان میں پیچ پیچ کر رہے تھے۔ شہزاد طیارے کے دائیں باقی دو افراد سے کچھ کہہ رہے تھے۔ شہزاد طیارے کے دائیں بازو پر چڑھ گیا... زمین پر موجود باقی مھولوں نے اسے دیکھ لیا اور ناہین ایک زمین پر لیٹ کر اس کا نشانہ بننے لگا۔

ٹائیگر نے کبھی ہی سمجھ لگائی مگر اس وقت میں وہ سب گز فاصلے کر کے نشانہ لینے والے شخص کے عقب میں جا گیا... بھی وہ شخص سینٹھ کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ ٹائیگر کی انگلیاں مانگیں۔ ان میں فلاو جی سنی آگئی اور پھر دائیں ہاتھ کی انگلیاں اس شخص کا سر پر لگتی ہوئی نکل گئیں۔ جیسے کوئی غریبہ نشانہ ہے۔

وہ شخص بے آواز ہی موت کی آواز میں پڑ گیا۔ ٹائیگر نے اپنے کیڑوں سے، انگلیوں پر لگا ہوا ہیمو میاں کیا۔ دوسرے اسٹور کے ہاتھوں سے داخل ہو گئی اور وہ بے لطفی کے عالم میں اسے مھولے لگا۔ طیارے کے پیچھے سے نکلے دلا شخص بہت زور سے مچا تھا مگر ٹائیگر کے ہاتھوں میں سے نکلنے والے سے کسی بھی نہیں کی تھی۔

اسی لمحے طیارہ ٹک گیا اور ٹائیگر نے اٹھی چھلانگ لگاتے ہوئے لاک پٹ کا اندازہ مھول دیا... اندر موجود دو مسافر تو بچنے بچ کر ہوا باز سے کچھ کہہ رہا تھا۔ دونوں کے ہاتھوں میں سب

ضیق نہیں محسوس وہ اسے دیکھ کر اچھل پڑے۔

”خوش آمدید! یہاں سے فرانسیسی دوستوں! ٹائیگر نے مسکرا کر استقبال کیا انداز میں کہا: اور اس کے ہاتھ ہی خدا حافظ... یہ کہتے ہوئے اس نے سیکڑے ہزاروں میں سے اپنا انگوٹھا مسافر کی آنکھوں پر مارا، آنکھ تو باہر کی گئی لیکن انگوٹھا مغز تک گھستا چلا گیا اور وہ ایک کریہہ آواز کے ساتھ لاک پٹ میں، ہوا باز کے قدموں میں گر پڑا۔

ہوا باز کی حالت بھی ترقی۔

”سنو... سنو...“ لکھنے سے سو کر لو سو سو! ہوا بانٹنے ضیق ٹن جھپٹ کر دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔ اس کی پیشانی پر پسینے کے ان گنت قطرے جھلکا رہے تھے، بعضی سیٹ پر کرسی اور بیرون پر موجود دہے تھپا ہو تو طیارے سمیت چلے جاؤ... لیکن کچھ چھوڑ دو...“ ایسی ہوا باز کا جملہ مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ ٹائیگر انگلیاں اس کے سینے کی طرف بڑھیں... وہ پسینوں کے ڈھانچے میں محسوس چلی گئیں اور انہوں نے پائلٹ کا دل ٹک زخمی کر دیا۔

ہوا باز نے گرنے سے قبل آخری سانس لی اور خون اٹھ دیا۔ ٹائیگر دو چھلانگوں کی میں اس شخص تک پہنچ گیا تو پھر ہاتھ کے بجائے اپنی مالٹا سے اس کا نشانہ رہا تھا۔ اس نے موت کو سر پر دیکھ کر راتھلی پھینک دی اور اس مرتبہ فرار ہونے کی کوشش کی مگر موت تو مگر تھاقب کرتی ہے... یہی اس کے ساتھ بھی ہوا... ٹائیگر نے اس کی پیشی پر ہلکا سا ہاتھ مارا تو وہ پڑ مھول انداز میں گر کر مر گیا۔



دونوں دریاں ابیکر مندر لال کو دیکھ کر مٹی غریب انداز میں... مسکراتے گئیں جو پلاسٹک بیگ اور اپنی توند بھینچنے مٹی کے پٹلے کی اوٹ سے ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ہلکی ہلکی ٹھیک ہوا اچھل رہی تھی اور مشرقی افق پر غریب رنگ بکھرا ہوا تھا۔ وہ دونوں پٹلے بیکے بیکے بائیں میں تھیں اور وضع قطع سے کسی ایسے خاندان کی چشمہ دہاں لگتی تھیں جو مغرب سے آئے والے ہر شخص کو تھیل اور وقت ہی اٹھاتا ہے۔

”اگر ہم اسے کچھ کہہ دیں تو شاید یہ مری جائے گا! ایک لڑکی نے اُنے والے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو اُن سے ابھی کچھ دور تھا۔

”تب پھر کچھ کہہ دیا جائے“ دوسری نے اپنی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا۔ اس وقت وہ ٹیم کے ایک سپاہی دار درخت کے تنے سے ٹھیک لگائے تھم رہا تھا انہیں ابھی بھی

ننگے پیر کھڑی زمین پر گر گئے تھے۔

چند منٹ بعد مدن لال ہانتا کا پتا اس ٹیلے پر چڑھ گیا جہاں وہ دونوں اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

”یہ رہا سب کچھ...“ مدن لال، بلاشبہ بیک ان کے قدموں میں رکھتے ہوئے پسینہ پٹختے لگا۔... لیکن ممتاز حسین کو دیکھ کر رہا ہے۔“

”ہمارے ساتھ کوئی جیٹور نہیں کر سکتا، ایک لڑکی نے سیدتان کر کہا اور مدن لال کی سانس تک گئی یہ تو ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی قصیب پریشان کرتا ہو... لیکن تمھاری پریشانی سے ہمارا کیا تعلق؟“

”تو ممتاز حسین تمھیں پریشان کر رہا ہے، سوئے؟ دوسری لڑکی نے ایک ادا سے تمھاس کا تھکا چاتے ہوئے پوچھا۔

”اسے تھوڑو... یہ تو عیشہ جی کسی پریشانی کا شکار رہتا ہے گا دوسری لڑکی نے تبسم ریزہ انداز میں کہا۔

”مذاق کرو دلجو... میرا مطلب ہے عورتیں ادا دار، حکومت جاکر حکام کو سب کچھ بتانے کی دھمکی دے رہا تھا...“ مدن لال نے جڑی بے جا مدگی سے جواب دیا۔

”مجھ سے شکایت کیوں کر ہے، ہو گئی مار کراس کا خاتہ کیوں نہیں کر دیا اب تک؟“

”تھک... بھولی... نہیں... میں گئی ہوں مار کراس...“

”اچھا... تو تم بزدل بھی ہو، ایک لڑکی نے اس کی تو دھکی م ہاتھ دھکایا تو وہ ایک جھجھکی سے گرد و قدم بھی بٹ گیا۔

”تم تو لڑکی ہو جو بے ناہ؟ دوسری نے پوچھا۔

”ہاں... لیکن ممتاز حسین دارا حکومت جا رہا ہے...“

”تو اسے دھک لو... تم نے اپنے خرافوں کی بجائے دوسری میں بگو، کوئی دھکی طرح راستے سے توڑنا ہی ہوگا۔“

”م... مگر میں اسے قتل نہیں کر سکتا...“

”تو چھرم کر دیں گی... پہلی لڑکی نے اپنے رضامندی پر انگلیوں سے مساج کرتے ہوئے کہا۔

”لیکن یہ قانون کی خلاف ورزی ہوگی،“ انسپکٹر مدن لال نے کڑے جہ سے اعتراض کیا۔

”اس ملک میں لوگ کیڑے مکوڑوں کی طرح مارے جاتے ہیں، ہمارے ساتھ سا...“ دوسری لڑکی نے جواب دیا۔

”میں جہانمی بھی ہو سکتی ہے...“

”دھمکیاں مل جاتی ہیں، مگر کسے بچنے؟“ پہلی لڑکی ہنستے سے بھولی ہوئی... یہ بہت عجوبہ کر خود تمھیں بھی مرادہ قتل کیسا جا

سکتا ہے۔“

”حم... میرا مطلب یہ نہیں تھا... یہ قانون کا محاذ مرم کی طرح نرم ہونا چاہیگا...“ اچھا، یہ بتاؤ کہ کیا زلزلہ پورے امین آباد کو تباہ کر سکتا ہے؟“

”ہاں ممکن ایک ہی جھٹکے سے“

”... تو کیا تم اسے... زلزلے پر...“ تاؤ بھی پاسی ہو؟“

”کیوں نہیں... یہ بہرہ کہ ایک لڑکی نے مدن لال کو مزید ہدایات دیں اور بتایا کہ اسے ممتاز حسین کے سلسلے میں کیا کرنا ہوگا۔

”کیا اس کی واپسی پر ایسا کرنا ضروری ہوگا؟“ مدن لال نے پوچھا۔

”کیا تم اسے زبردستی بہرہ کرنا چاہتے ہو؟“ دوسری لڑکی نے فیصلے پیچھے کیا۔

”لیکن ایسا کرنا کیوں ضروری ہے، تم اسے زبردستی ہو، چاقو بازی ہو، کوئی اور طریقہ کیوں اختیار نہیں کرتیں؟“

”دونوں لڑکیاں نفی میں گردن ہلاتے لگیں یہ عیسائی لڑکیاں ہیں، وہ ایک آواز نہ لیں...“ پھر انھوں نے رقم کے ہتھے

کئے، مدن لال کو دو سو مال حقہ ملے ساتھ ہی یہ یقینی دہائی بھی ملا گئی کہ اگر مکتوب پر بغاوت خرابہ ملے تو اسے کالا مال کر دیا جائیگا

”میں یہ کام روپے پیسے کے لیے نہیں کر رہا ہوں،“ مدن لال نے جواب دیا۔

”تب مجھ پر رقم واپس کر دو،“ ایک لڑکی نے ہنستے ہوئے کہا اور رقم کی طرف ہاتھ دھکایا... مگر مکتوب انسپکٹر نے عدلی سے رقم اپنی جیب میں چھوٹی لی۔

دارا حکومت سچ کو مصلحت میں نے اپنے اندر سونے سے کام لیتے ہوئے نائب وزیر داخلہ سے ملاقات کا وقت حاصل کر لیا

لیکن پھر اسے معلوم ہوا کہ یہ کیس پیسے سے ہی متعلق حکام کو بیچ دیا گیا ہے... اسے بتایا گیا کہ وہ دفاتی ادارہ خزانہ رسائی سے رابطہ قائم کرے۔ وہ فوراً ہی اس ادارے کے ہیڈ کوارٹر جا پہنچی۔

”کیا یہ کسی سیاسی کارکن کی نیا میر ہے؟“ ممتاز حسین نے ایک طرف سے ناظر نظر ڈالتے ہوئے کہا، ”آپ کی باتوں سے تو یہی احساس ہوتا ہے کہ کوئی انشورنس کمپنی زلزلے کا انشورنس کر رہی ہے۔“

”نہیں... یہ انشورنس کا معاملہ نہیں بلکہ ایک انتہائی گھناؤنا کاروبار ہے۔“

”متعلقہ انشورنے اس کے بارے میں چند سوالات کیے“

اپنا بک ہی پوچھا... کیا آپ آج کل اپنی اہلیہ سے ناراض ہیں؟

”کیسی ناراضگی؟ اس نے چونک کر انفر کی طرف دیکھا۔

”کسار کے بھاننے دانے میں فون پر بتایا ہے کہ آج کل آپ خاتمی جھگڑوں کی وجہ سے پریشان ہیں اور ساتھ ہی درخواست بھی کی ہے کہ آپ کا مذاق نہ اڑایا جائے، ہم نے وادی کے کئی ممتاز شہریوں اور آپ کے دوستوں سے بھی بات کی ہے جنھوں نے انسپکٹر مدن لال کی تائید کی ہے۔ وہ سب آپ کا بے حد احترام کرتے ہیں اور انھیں آپ کے بارے میں خاصی خوشی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ آپ کسی نفسیاتی اطمین کا شکار ہیں لہذا میں آپ کو یہ مشورہ دے سکتا ہوں کہ آپ کسی ماہر نفسیات سے رابطہ قائم کریں۔“

اس معاملے پر ممتاز حسین کو یقین ہو گیا کہ نہ صرف وادی کے کسار بلکہ پورا صوبہ ایسے بلیک میڈیوں کے جنگل میں ہے جو سب جاہلیں زلزلہ پیدا کر سکتے ہیں۔ وہ وزارت داخلہ کے دفتر واپس گیا جہاں اس نے ایک سیکشن آفسر سے بات کی اور جب اس نے زلزلے کے بارے میں تفصیل بتائی تو وہ مسکرانے لگا۔

”آپ نے اتنی زحمت کی ہے تو میرے مشورے پر پروفیسر کو بھی بلانے میں۔“ وہ زلزلوں میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں۔ آپ ان سے پہلی منزل کے کمر پر باغ میں ملاقات کر سکتے ہیں۔“

ممتاز حسین کو پہلی منزل پر کڑوں کی پیچیدہ بناوٹ کے باعث مطلوبہ کلاسش کرنے میں بہت مشکل لگنے اور جب اس نے کمرے کے دروازے پر دستک دی تو مزید ایک منٹ کی تاخیر سے آجڑائی کی آواز سنائی دی۔

ممتاز نے اندر جا کر کسی انسان کو تلاش کرنے کے لیے چاروں طرف نظریں دوڑائیں لیکن اسے خاتونوں کے ایثار اور کاغذات کے ڈھیر کے سوا کچھ بھی نظر نہ آیا، ایک طرف تو فرش سے چھت تک بڑے بڑے ڈبے ڈبے بھی گئے ہوئے تھے۔ ممتاز کو پریشان سا ہو گیا۔

”میں یہاں ہوں جناب!“ ایک بڑے ڈبے کے عقب سے آواز سنائی دی۔ ”میرا نام کر مجی ہے۔“

ممتاز نے چونک کر ڈبے کے دوسری طرف دیکھا جہاں واقعی ایک خوبصورت شخص نائب رائل پر بٹھا ہوا تھا، اس کا بیڈٹ ایک طرف پڑا ہوا تھا، آٹائی گچھے میں غول رہی تھی اور وہ مٹے مٹے والی ایک ٹیبلٹ لگائے ہوئے تھا، اس کے چہرے پر معصوم اور بے عری مسکراہٹ تھی۔

پروفیسر کر مجی نے گرم ہو جی سے مصافحہ کیا۔

”مجھے ممتاز حسین کہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو ہنگام پر میرے بارے میں اطلاع مل گئی ہوگی۔“

”اوہ... پروفیسر کر مجی کے چہرے پر مسکراہٹ مزید بڑھتی ہوئی۔ مجھے تو کوئی اطلاع نہیں ملی، مسٹر حسین!“

”تو پھر آپ نے آؤد بہرہ کر حیرت کا اظہار کیوں کیا؟ پروفیسر ممتاز نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”اس لیے کہ مجھے آپ کی آمد کا مقصد معلوم ہے۔“

”مگر یہ میرے بھائی...“

”بھو دوست... جہاں بھی مگر نے بیٹہ جاؤ، میرا کہو یا وہ آؤد بہرہ نہیں اور نہ ہی اس میں قیمتی فریج ہے لہذا بلا تکلف بیٹہ جاؤ۔“

ممتاز حسین نے گرمی ناش کرنے کی کوشش کی مگر اسے ناکامی ہوئی کیوں کہ کسار کی کھوٹی گرمی پر خود پروفیسر کر مجی پر اجماع تھا لہذا ممتاز اس کے قریب مزید نہک کر بولا، ”آپ، میں کیا کرنا چاہتا ہوں؟“

”سب سے پہلے تو یہ جانو کہ میں مقصد سے آئے ہو؟ پروفیسر نے بے تکلفی سے پوچھا۔

”آپ تو کہہ رہے تھے کہ آپ کو میری آمد کا مقصد معلوم ہے، ممتاز کا دل بھر دھبے لگا۔

”ہاں... میں نے عمومی طور پر کہا تھا کیوں کہ یہاں آنے والے صرف زلزلوں پر گفتگو کرتے آتے ہیں۔ ان میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو بالائی منزل پر بیٹھنے والے خفاہوں سے مطمئن نہیں ہوتے... اب تم مجھے اپنی کہانی سنناؤ، میں بہت خوش ہو جاؤں گا۔“

”میں کچھ تو بہت عجیب تعارف بھی کر رہا ہوں گا۔“

”کاش...“ ممتاز نے ایک لمبی سانس لے کر کہا اور پھر اس نے اپنی پوری کہانی پروفیسر کر مجی کو سنی سنائی۔

”یہ میرا وہ حقائق جن کو لوگوں نے میری نفسیاتی بیماری قرار دیا ہے پروفیسر...“ اور اب شاید آپ بھی ایسا ہی کہیں گے لہذا مجھے اجازت دیجئے؟“

پروفیسر نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ یہ باؤر غلوں اور دوستانہ محبت کی آکھوں میں ٹھوس اور خوف کے سامنے

نزد رہے تھے، نہیں ممتاز حسین... تم ایسے نہیں جاؤ گے؟

ممتاز کا زلزلہ اس خوشی سے مجسم ہوا تھا۔

”میں ماہر ارضیات ہوں، ممتاز جی... اور تم نے جو کچھ کہا ہے اس پر یقین کرنے کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے، تمہیں یہ بتانے سے کوئی فائدہ نہیں کہ میں آباد زلزلوں کا علاقہ ہے، ہر سال ہزاروں

جیسے اُن کے پیٹ پر بے تحاشہ دباؤ ڈال گیا ہو۔۔۔ منٹو سے آنتیں اور  
رجسٹر کے دیگر نمٹاؤں سے سیبا دینے اور سفید کوٹھڑے باہر جھانک  
رہے تھے۔

انسپکٹر مدن لال کو پہلے ہی بتا دیا گیا تھا کہ اگر کسی نے گود بڑی  
تو اس قسم کی موت اس کے حصے میں آسکتی ہے لیکن اس عملی مظاہرے  
سے قبل انسپکٹر نے اس دھمکی کو زیادہ اہمیت ہی نہیں دی تھی۔ وہ  
مسل خفہ میں جا کر پیٹ دانے لگا بیٹھ کر اُسے بُری طرح متلی  
ہو رہی تھی لیکن بیٹھ میں کچھ بھی نہ تھا، جو باہر نکلتا۔

انسپکٹر مدن لال کی موٹر سائیکل کا رخ بھرت رائے کے دفتر  
کی طرف تھا اور وہ مسلسل سوچ رہا تھا۔ اسی کیفیت میں وہ منزل  
تک پہنچ گیا اور پھر بھرت رائے کی سیکرٹری اور اُپلی سائے سے ملتا  
ملاتا، رائے کے شاندار کمرے میں داخل ہو گیا۔

”ممتاز حسین مرگیا جناب! اس نے بھرت رائے کی طرف  
دیکھے بغیر کیا جو بیٹھری چری گئی تھی دھنسا ہوا تھا۔

”اوہ۔۔۔ نہیں۔۔۔ بھرت رائے کچھ اس طرح تڑپا جیسے  
اُسے بچھونے ڈنک مارا ہو کیا سمجھا۔۔۔ بتاؤ مدن لال کیا ہوا؟  
”کچھ چہ نہیں۔ ممتاز کے ساتھ ممکنہ داخلہ کے ایک آدمی کی  
ہش بھی ملی ہے۔ میں سیدھا شیش محل سے آ رہا ہوں، دونوں  
دہیں مقیم تھے۔ ان کے بچوں پر ایک دھجی تک نہیں تھی۔ میں  
نے کل ہی ممکنہ داخلہ کے اسی آدمی سے بات کی تھی، اس کا نام پرنسپل  
کمری تھا۔ گل اس کی گفتگو سے اندازہ ہوا تھا کہ ممتاز نے دارالحکومت  
میں اس سے ملاقات کی اور دونوں سیدھے یہاں پہلے آئے لیکن مجھے

حیرت ہے کہ وہ دونوں ہی گھناؤنی عادت میں مبتلا تھے۔  
”حکومت۔۔۔ بھرت رائے کا پھر پولیس کی زبانی سے سُرخ  
ہو گیا۔ اس سلسلے میں اگر تم نے کسی سے ایک بھی لفظ کہا تو نہیں  
تعمانی کمال اور چھوڑ دو گا میں جانتا ہوں کہ ممتاز حسین غلیظ نہیں  
تھا کیا تم نے کچھ ممتاز کو اطلاع دے دی ہے؟

”نہیں۔۔۔ میں لائشیں دیکھ کر سیدھا آپ کے پاس ہی  
چلا آ رہا ہوں۔ مدن لال نے نبوت سے تھوڑے کما۔ وہ جاتا تھا۔ اگر  
بھرت رائے اس کے خلاف ہو گیا تو پھر دارالحکومت کا بھی کئی افسر  
اسے نہیں بچا سکے گا۔

”ٹھیک ہے۔ تم انھیں پریشان مت کرنا، میں خود اطلاع  
دے دوں گا۔۔۔ اور ایک بات یاد رکھو۔۔۔ اگر تمہاری رپورٹ  
میں یہ لکھا ہوا ہو کہ ممتاز اور کمری کی لائشیں اس حالت میں تھیں تو  
تم وادی کسار میں نہیں رہ سکو گے۔

”اور مقامی پولیس کو بھی اطلاع دے دوں گا، اس ہڑتال گفت  
حصہ وادی کسار کے دائرہ کار سے باہر ہے جناب۔

”نہیں۔۔۔ یہ کام ہم خود ہی سنبھال لیں گے۔  
”فرزاد کو فزول کرلوں جناب!

”بالکل درست۔“

”ایک لاش کی حالت تو بہت ہی خراب ہے جناب!

”اِس۔۔۔ میں نے بھی لائشیں دیکھی ہیں۔ مدن لال کا پارہ  
چڑھنے لگا۔

”ممتاز ان کی موت کیسے واقع ہوئی؟

انسپکٹر مدن لال نے کوئی جواب نہیں دیا کیوں کہ اُسے  
معلوم تھا کہ موت کس طرح واقع ہوئی ہے اور ان اسات کے ذمے دار  
کون ہیں۔ وہ لمبی لمبی سانسیں لیتا ہوا متلی خفہ سے باہر گیا۔

”کیا آپ اُسی کمرے میں واپس جا رہے ہیں جناب! لائشوں  
کی حالت بہت خراب ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے دو آدمی ہاتھوں نے  
مرنے والوں کو بھیج کر مار دیا ہو۔“

”یہ سن کر انسپکٹر کی طبیعت بھر تھلنے لگی اور انھیں سُرخ  
ہونے لگیں۔ اس نے سب انسپکٹر پر کاش کی طرف دیکھا جس کا منہ  
چل رہا تھا اور پھر لوگوں کو راہ داری سے دھانچ جانے کا حکم دے کر  
ہڑل کے ایک سے بولا۔ تم بھی اس کمرے سے دور رہو، میرا نائب  
سے بعد میں پوچھ گچھ کرے گا۔“

”انسپکٹر! یہ تو بہت ہی بُرا ہوا، میرے ہڈل کے نام پر وہ بے  
لگ جانے لگا۔“ ہانگ کو فزول نے لگا۔ ان میں سے ایک کو تو میں پہچانتا  
ہوں، جناب!

مدن لال اس پر توجہ دینے بغیر قتل گاہ میں داخل ہوا، جہاں  
دو بلباس لائشیں پڑی تھیں، دھماکوں کی سوچ بھی سنا سکتا تھا کہ  
ممتاز حسین جیسی شخصیت کا یہ انجام بھی ہوسکتا ہے۔ وہ سوچتے لگا۔  
دوسرے شخص کی جیب سے بڑھتا ہوا کاش نکلا تھا اس کے مطابق  
وہ سرکاری ہمار رضیات پرنسپل کمری تھا۔ وہی کمری جس سے کل

مدن لال نے فون پر بات کی تھی۔  
انسپکٹر کی آنکھیں لائشوں کی ناچوں پر رہیں کیوں کہ وہ ان کے  
بہرہوں یا مہرلوں کی طرف نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ دونوں کی کمرے نیچے  
بستر پر تھوڑے تھوڑے اُن دھتے تھے۔

مدن لال کی نظریں اچانک ہی چہروں کی طرف اٹھ گئیں تو  
وہ نمبر پر ہاتھ رکھ کر ایک باہر متلی خفہ کی طرف جھانک کھڑا ہوا۔  
وہ اس گھناؤنے منظر کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ مرنے  
والوں کی آنتیں اُن کے منہ سے باہر نکلی ہوئی تھیں، ایسا لگتا تھا،

میں آدمی وادی کسار بھیج دیں اور ان آدمیوں کو بھی علم نہ ہو کہ وہ کچھ  
فریضی مشین پر بھیجے جا رہے ہیں، اس طرح بات بن جائے گی؟

”ارے نہیں۔۔۔ میں اس حد تک رحمت کی درخواست نہیں  
کر رہا تھا پرنسپل مدن لال کی پرنسپل شیش آواز سنائی دی۔

”مگر کون نہیں انسپکٹر؟

”میرا خیال ہے کہ کوئی غیر ضروری ہوگا۔“

”لیکن میں تو کسی نہ کسی کو ممتاز کے ساتھ فرود بھیجوں گا کہ وہ اس  
کے اس عقیدہ دارندہ شے کی تحقیق کر سکے۔ مگر جی نے ممتاز کی طرف

دیکھا جواب مسکرا رہا تھا۔  
دوسری طرف سے کسی نے ماؤ تھہ چیں پر ہاتھ رکھا، چہ

نا قابل فہم آواز سنائی دیں اور پھر مدن لال نے کہا: ٹھیکہ  
پرنسپل آپ کی تجویز معقول ہے۔ ہمیں غرضی ہے کہ آپ ایک

ذہنی مریض کے اطمینان کے لیے اس حد تک تعاون کر سکتے ہیں؟  
مگر جی نے ریسپر دھتے ہوئے ممتاز حسین کی پشت پر ہاتھ

رکھ دیا ہم ٹھیک کہتے تھے ممتاز حسین! انسپکٹر مدن لال اتنا ڈپر  
نہیں ہے۔ وہ یقیناً کسی کا لکڑا ہے۔۔۔ لیکن اگر یہ کال تھا تو

سے قبل آئی تو میں بھی انھیں نفسیاتی مریض سمجھ کر فرما دیتا۔۔۔ چلو،  
ذرا کام شروع کر دیں۔“

ممتاز حسین اور کمری دونوں ایک گھٹے بعد عمارت سے نکلے  
لیکن پرنسپل نے دفتر چھوڑنے سے قبل ایک فیل انسپکٹ شیش

کمری کے نام خط لکھ دیا۔ ممتاز حسین اور کمری کا آخری تحفہ تو  
ایسا تحفہ جو کمری نے بھی پہلے کبھی اپنے مادر وطن کو نہیں دیا ہوگا۔

۔۔۔ لیکن انھوں نے ایک غلطی کر ڈالی۔۔۔ وہ این کاڈ  
اور انھوں نے زلزلوں کے بارے میں ایک ممتاز سائنس دان او

ک دو محاذوں سے تفصیلی گفتگو کر ڈالی۔

۔۔۔ اور جب انسپکٹر مدن لال نے وادی کسار سے کچھ  
دور مشیش محل ہڑل میں لائشیں دیکھیں تو اس کا بھی تھلنے  
سے جھکنا۔۔۔ رحم کر۔۔۔ رحم کر۔۔۔ یہ کتنا ہوا وہ ایک غلط

میں غصہ کیا جہاں اس نے منہ بھر کر لائشیں کیں پھر اپنے بڑے  
اُس نے فزول دھوا۔۔۔ نہیں۔۔۔ تو قیاس سے منہ نہ بھیجے تھوڑے اُس

کسی تحقیق کی تردید کرنی چاہی۔ وہ توکل دار دار الحکومت  
میں تھا۔

”جی ہاں۔۔۔ اس کا تو عرضاں، سب انسپکٹر پر کاش  
مسل خفہ میں غصہ کیا یا؟ پرنسپل شیشوں جناب!

”اِس۔۔۔ مدن لال بھرت رائے کوئی آزاد نہیں بولا۔

آتے ہیں لیکن انھیں صرف چند ہند ہی محسوس کر سکتے ہیں۔ تاہم ان  
زلزلوں کو باقاعدگی سے دیکھا نہ گیا جاتا ہے۔ گزشتہ چھ ماہ سے بے حد

پریشان تھا اور پریشانی کی وجہ صرف یہ تھی کہ میں آباد کے ایک خاص  
علاقے میں زلزلوں کی فریکوئنسی بدل گئی ہے لیکن آج تم سے ملاقات

کے بعد مجھے یقین ہو گیا ہے کہ کوئی کاروبار قدرت میں مداخلت کر رہا  
ہے۔۔۔ کسی نے وادی کسار کا اپنے لیے جو کچھ بنا لیا ہے؟

اسی لمحے تلی نوٹ کی گھنٹی بجی اور کمری نے ادھر ادھر مارتھ  
مار کر کاغذوں کے ایک ڈھیر کے نیچے نئی فون سیٹ نکال ہی لیا۔

اس نے ریسپر کان سے لگائے ہوئے منہ کو فزول اور پرنسپل ریسپر اس حد  
تک کان سے جھپا کر ممتاز بھی گفتگو کرنے لگی۔ جی ہاں۔۔۔ انسپکٹر

مدن لال۔۔۔ اوہ۔۔۔ آں۔۔۔ ہاں۔۔۔ وہ یہاں موجود ہیں۔۔۔  
انسپکٹر۔۔۔

اس نے کان ریسپر کے نزدیک کر لیا اور جب اُسے مدن لال  
کی پُرسوں کا فزول سنائی دی تو وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ اس کا مطلب تھا کہ

مدن لال اس کی گزلی کرتا رہا ہے۔  
”پرنسپل صاحب! میں مری ممتاز حسین کے بارے میں بے حد

تشویش ہے۔ وادی کسار کے باشندے ان سے محبت کرتے ہیں۔ ان  
کی ذات سے آج تک کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ وہ بہت محاس

اور ایمان دار شخص ہیں۔ انھوں نے اپنی غیرتی انداز سے قائم کیے ہیں،  
لیکن زلزلوں کے بارے میں وہ ایک نفسیاتی اچھن کا شکار ہیں! انھیں

شبہ ہے کہ زلزلے کس سازش اور انسانی کشش کا نتیجہ ہیں۔ وہ  
اپنے اس شبہ پر یقین رکھتے ہیں اور جہاں دوسروں کو بھی قائل کرنے

کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ انھوں نے آپ سے کس  
قسم کی گفتگو کی ہے کیا انھوں نے آپ کو یہ بتایا کہ انھیں الہام ہوتا ہے؟

”نہیں۔۔۔ مگر جی نے ممتاز حسین کو کچھ کا اشارہ کسے ہوئے

جواب دیا۔  
”اوہ۔۔۔ تو پتہ ہے کہ وہ خود کو ادوار بھی سمجھنے لگے ہیں اور ان

کا کہنا ہے کہ جھکنا نے انھیں لوگوں کو زلزلے سے نجات دلانے کے  
لیے بھیجا ہے۔ میں وہ فانی ادارہ کراخ سرائی کے قلم سے بھی بات کر

چکا ہوں بعد آپ سے بھی درخواست کرتا ہوں کہ انھیں کسی نہ کسی  
طرح داپس بھیج دیجئے، ان کا معصومیت آڑے کیوں کر اس طرح

ان کا حواس بول ٹوٹ جائے گا۔ بس یہ کہ کڑاں دیجئے کہ آپ اس  
سلسلے میں کس تفتیش کریں گے۔ شاید اس طرح وہ گھر واپس آ کر اپنی

جو بیوی سے ملے کر لیں جن سے ان کا اسی بات پر جھگڑا رہتا ہے۔“  
”اوہ۔۔۔ میں سمجھا گیا پرنسپل نے ایک طویل سانس لے کر

جواب دیا: میرا خیال ہے، ہم ممتاز حسین کے اطمینان کے لیے دو

آپ نے ان کی لاشیں نہیں دیکھیں جناب...! میں نے زندگی میں کبھی ایسی گھناؤنی موت نہیں دیکھی۔ ان کی آنتیں منہ سے نکل کر پھیلی ہوئی تھیں اور کئی جگہ سے گوشت کے ٹکڑے نکل رہے تھے۔

"اُف...! جہنم لسنے نے ایک بھڑکھڑی لے کر کاٹنے پڑے ہاتھوں سے گریٹنگ لنگال پر تسخو، من لال، جھادی رپورٹ میں صرف یہ ذکر ہو گا کہ ان کی موت کی ایسی ذہریل غذا سے ہوئی جو انھوں نے غالباً دارالحکومت میں کھا لی تھی؟"

"میں حقائق نہیں چھپا سکتا جناب!"  
"میں وہی کرنا ہے جو میں کر رہا ہوں من لال!"  
من لال ایک لمحے تک ساکت کھڑا رہا... پھر ہلکا ہلکا سے ہار چلا گیا۔

پروفیسر کرجی اور ممتاز حسین مادر وطن کے لیے ایک تحفہ چھوڑ گئے تھے۔

یہ تحفہ کرجی کے ایک خط کی شکل میں تھا جو اس نے اپنے اہل علاقہ کے نام لکھا تھا۔ یہ اطلاع ضرورت سستانی، بدعنوانی اور ملک دشمنی کی کڑی کٹ چھیننے کے لیے دن رات مگر مگر عمل میں تھا۔ کرجی نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ اسے ایک با اعتبار شخص ممتاز حسین کی زبانی ائین آباد کی وادی کہسار میں ایک ارضیاتی بدعنوانی کا علم ہوا ہے۔ وہاں کوئی قوانین قدرت کو کھجوا ثابت کرنے کے لیے مصنوعی زلزلے پیدا کر رہا ہے اور انھیں روکنے کے لیے قربان کر رہا ہے۔ ممتاز حسین کا یہ دھما غلط نہیں ہے اور اگر اس پر فوری توجہ دی گئی تو ائین آباد تباہ ہو سکتا ہے لہذا میں وادی کہسار کے ایک سائنس دان سے گفتگو کرنے جا رہا ہوں۔

اس آفر کو پیسے ہی خیر تھا کہ ائین آباد میں کوئی گروٹر ہو رہی ہے لہذا اس نے یہ خط فائل میں لگانے کے بجائے ان لوگوں کو بھیج دیا جنہوں نے حال ہی میں ائین آباد کے ارضیاتی سروے اور وادی کہسار کے پہاڑوں میں دل چسپی ظاہر کی تھی۔ یہ لوگ اسے ایسی معلومات کا ماحول تو نہیں دیتے تھے لیکن پھر بھی اسے پار ہزار روپے مالانہ کا بونس ضرور مل جاتا تھا اور سب سے عجیب بات یہ تھی کہ بونس کے اس چیک پر ٹیکس سے سٹش کی خبر ہو گئی تھی۔ انہی لوگوں نے اسے تیزی سے ترقی دلانے میں بھی اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ان لوگوں کا تعلق دفاتی ادارہ معراج سامانی یا طری ائین جنس کے کسی خفیہ ترین شعبے سے ہے... لیکن وہ غلط سمجھا تھا۔ ویسے اگر وہ ان لوگوں کو پہچان لیتا تو پھر تنظیم کا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔

دارالحکومت کی انتہائی شان دار عمارت کی تیسری منزل کے ایک کمرے میں ڈبلے پتھر سے والا ایک شخص پروفیسر کرجی کے نظر پر ٹھکا ہوا تھا۔ یہ خط اسے ملکر ڈاؤنڈ کے ایک افسر نے بھیجا تھا۔ اس نے خط کا کئی کئی بار مطالعہ کرنے کے بعد ایک طویل سانس لی اور پھر ایک دوازے کے گرد رنگ کا کٹیل فون میٹ نکال کر گھبراہٹ سے "ہیلو...! ہیرام بول رہا ہوں!" اس نے بڑبڑکھاتے ہوئے کہا اور پھر اس کے بول پر کشفقت مشکراہٹ دوڑ گئی کیوں کہ دوسری طرف سے بولنے والا کسی ایسی عورت کا پرت پرت ہوا تھا جس کے ہجرے پر ان گنت بھورے بھورے تل ہوں۔

"جو اس وقت کر دو...! تمہاری چھپا لی ختم ہو گئی ہے ہیرام نے زیر لب کرتے ہوئے اطلاع دی اور پھر ریسپورڈر تھے ہی اس نے جھجھکی ل۔ اسے اچانک ہی غزالہ یاد آئی وہ جانتا تھا کہ غزلہ کی لٹاک مت کے چندا شیگے میں عرض خود کو اپنے قابو میں رکھا تھا۔ غزلہ کی طرح وہ بھی کسی طرح جیسا تھا کہ غزالہ اور شہزاد کی شادی ہو جاتی تو وہ ایک ایسے پرمین کو ختم دیتے جڑا لیگر اور غزالہ کی صلاحیتوں کا زندہ جاوید نمونہ ہوتا۔

دوسری طرف فون رکھتے ہی ڈائیگے ایک زوردار انگڑوائی لی کیوں کہ چھپا لی ختم ہونے کا شے ہی اس کا دل شدت سے دھڑکنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ کوئی غیر ملکی کیل شروع ہونے والا ہے۔

ممتاز حسین کو وادی کہسار کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ لیکن کسی کو بھی اس کے آخری دیدار کی اجازت نہیں دی گئی۔

"تدوین کے بعد بھی کسی کو فوری طور پر یہ علم نہ ہوا کہ ممتاز کی ساری جائیداد اور شہزاد کی منسل اسٹور کا چھڑا کا مباد شہزاد نامی کسی شخص کو فروخت کر دیا گیا ہے۔ اسی شخص نے ممتاز کا خاندانہ ملامت بھی خرید لیا تھا اور ممتاز کی بیوہ اپنے بچوں کے پاس ڈالر کی رقم بٹلی میں بھی۔

"مگر میں وہاں داری سے پہلے واقف نہیں ہوں۔ مجھے اس کی خبر سے میں نہ چھٹائیے، وہ فزولہ نے ہی کہہ کر وہ عیادت منزل اسٹور کے مالک بن گیا ہے، ہیرام نے شدید احتجاج کیا۔ وہ ہیرام کی کال تھے ہی دارالحکومت پہنچ گیا تھا... اس وقت وہ ہیرام کا تھا جب کوئی دوسری کالیں آئیں انہیں سامان سمیت آ رہا تھا۔

"میں کاروبار کی فکیر نہیں کرتی ہوں کیوں کہ منیجر کو بتا دیا

یہ وہ بیڑہ تھا کہ وہ ہار چلا تھا رہے اور تم مزید چند ایک سرگرمی سے اہلکار میں دل چسپی نہیں لے سکتے۔ میرا خیال ہے ہتھالا یہ مشن یادہ مشکل ثابت نہیں ہوگا۔"

"میرے لیے تو یہ چیز آسان سمجھی جاتی ہے یہ ڈائیگے تمہنی سے جواب دیا۔

"میں معلوم ہو چکا ہوں گا، وادی کہسار کے محترمین سے کہا لاپے کہ وہ زلزلے سے بچاؤ کے لیے رقم اکٹرا لیں۔ ان محترمین میں ممتاز حسین بھی شامل تھا اور اب تم اس کی جگہ سے لے رہے ہو۔

وہ لوگ یقیناً تم سے جی تو طلب کریں گے مگر ان کا انھیں کئی کہنی ہوں گی... ان لوگوں نے تلاش کرنا ہوگا جو یہ دھندلا کر رہے ہیں۔ میری بات یاد رکھو کہ زلزلہ کی تباہی سے ہی یہ معاملہ قری ایسے میں بدل سکتا ہے۔ بہت ہوشیار رہنے کی ذمہ داری ہے کہ ان کے راستہ پر آہٹ نہ ہو گی کہ کم کم ان کو زلزلہ ایسا زلزلہ پیدا کریں گے جس سے صرف وادی ہی نہیں بلکہ پورا ائین آباد بھی تباہ ہو سکتا ہے اور ذریعہ تاریخ کا بدترین المیہ ثابت ہوگا۔"

"دوسرا تدوین المیہ چیت...! وہ شہزاد سے بڑی ضمانت بنا۔ چہلو کون سا تھا...؟ ہیرام نے حیرت سے اس کی طرف دیکھ۔

"جب انسان نے دنیوی زندگی باندھ لی ہے؟"

"سچیدہ ہو جاؤ نا شیگر...! تم سمجھتے کیوں نہیں کہ یہ نہیں ارضی سائنس سے روشناس کرانے کے لیے پڑھو کیوں...! نہ تو وادی کہسار کی منسل حال پر ہم کی مینٹن سے غور کیے ہوئے تھے لیکن ہم یہ دیانت نہیں کر سکتے کہ وہاں کیا ہو رہا ہے اب جب کہ ممتاز حسین اور مگر بھی مرچے ہیں مگر وہاں محراب ہو گئی ہے۔ ان دونوں کو ان کی لوگوں نے قتل کیا ہے جو زلزلہ پیدا کرنے جاتے ہیں۔"

"یہ ضروری تو نہیں کہ زلزلوں کے پس پشت کسی کا ہاتھ رہے؟"

"نہیں...! یہ محض اتفاق نہیں ہے؟"

"اس کا مطلب ہے کہ ان لوگوں کو قتل کر دیا جائے گا جو زلزلہ پیدا کرنے کا ڈھنگ بچا کر ایک منبک کر رہے ہیں؟"

"ہاں...! مگر اسے ڈھنگ مت سمجھو...! تمہارے اپنے پڑوسے زمین اور زلزلے کے بارے میں بہت کچھ سمجھ لیا ہوگا؟"

"نہیں...! وہ شہزاد سے جواب دیا۔

"تب پھر وادی کہسار میں ڈاکٹر سلیم پر کا ش سے تعلقات ضرور لگنا...! اے ڈاکٹر زلزلہ بھی سمجھتے ہیں۔ گوشت چند برس میں وہ

سٹیا لگا ہے لیکن زلزلوں کے بارے میں اس کی معلومات کو کئی پتھر نہیں کر سکتا۔ مگر وہی اور ممتاز کسی سے پتے لگے تھے۔ انھیں جب بھی کسی قسم کی خدمات دکھار ہو تو ڈاکٹر پر کا ش سے مل لینا۔

"ممکن ہے ڈاکٹر زلزلہ ہی اس ڈھنگ سے کام لیتا ہو؟"

"ہر سکتا ہے... ہیرام نے جواب دیا لیکن اس کے بچے میں اعتماد نہیں تھا۔ مجھے ہر بات سے آگاہ کرتے رہنا ممکن ہے

ہمیں یہاں ماہرین ارضیات کی کوئی ٹیم بھی بھیجی پڑے۔ انھیں اس ٹیم پر بھی نظر رکھنی ہوگی؟

شہزاد خاموش رہا۔

"اوشان ہی تمہارے ساتھ رہے گا؟"

"مقدس باپ...! شہزاد نے مشکرا کر مقب لڑائی میں کیا

تو اسے ٹپل محسوس ہوا جیسے وہ اوشان کی موجودگی میں ہر خطرے سے بے نیاز رہے گا۔

وہ علیحدہ ایک وسیع لان کے قریب بیٹھنے کے چاروں طرف ٹھہرے پتھروں کی چھٹی سی دیوار تھی۔ لان کی پارکنگ میں کاروں کھڑی تھیں بہت سے لوگ جانے یا شرب کی چکیاں لینے یا صرف تھے۔ ہیرام نے گاڑی لان کی طرف جانے والی پارک پر موٹی...! میرا خیال ہے تدوین توکل ہی ہو گئی ہوگی...! اس نے کہا۔

"آپ نے بتایا تھا کہ محترمین کی آنتیں منہ سے باہر آ گئی ہیں؟"

"ہاں...! اسے زبردست ڈاؤنڈ کے ذریعے قتل کیا جا سکتا ہے

ہیرام کے جواب میں شہزاد کو بڑی کشش محسوس ہوئی۔ اسے بھی قتل کرنے کے لیے خصوصی تربیت دی گئی تھی لیکن وہ قتل کے کسی ایسے طریقے کے بارے میں سوچ ہی نہیں سکتا تھا جس کے باعث قتل کی آنتیں منہ کے سامنے باہر نکلے۔

"...! لیکن اخبارات میں صرف یہی کہہ رہے ہیں کہ وہ دونوں زہریلی

خودکشی دھبے سے قتل ہوئے ہیں اور تم بھی اسی پر تامل نہ کرنا۔...! پو

یہ کھلو...! ہیرام نے ایک استعمال شدہ پرس اس کی گرد میں پھینکے پڑ

کہا۔ تب شہزاد احمد جواد کا دھڑکا ہوا شروع کرنے میں دل چسپی رکھتے

ہو۔ تمہارے والدین کا انتقال، تمہارے بچپن میں ہی ہو گیا تھا...!

انھیں تمہاری ایک خالہ بچہ حشمت نے پال پوس کر جوان کیا ہے

جواد کا میں رہتی ہیں۔ تم فوج اور دل دینے انظر سلطان ہو لہذا جب

مجی بھی تم سے چندہ مانگا جائے انکار مت کرنا؟

اس مرحلے پر گاڑی لان کی چار دیواری میں داخل ہو گئی تھی لہذا

وہ خاموش ہو گیا اور گاڑی دیکھتے ہی وہاں جمع لوگ خاموشی سے مٹھ

ہونے لگے۔ خا بدہ ممتاز حسین کو آغوشِ خلجہ عقیدت پیش کرنے

کے لیے اس لان میں جمع ہوئے تھے...! اور اب یہ ٹکڑ ہوا کی



ملکیت تھا۔

اسی وقت اوشان کی جگہ گڑی احاطے میں داخل ہوئی پہرام  
اوشن ہزاروں سال کے اترنے کا انتظار کرنے کے ڈرا بیٹھنے کو دیکھ کر  
کامیاب دھڑا نہ کھولا اور ہنر نگ کے بارے میں اپنا بٹایا اوشان کو  
اس طرح کا رستہ اتارنے کی کوشش کیا جس پر ایک بھٹی سے دوسری  
بھٹی پر بیٹھ جاتے ہیں۔ اوشان نے بڑے پرجا خلق انما میں ٹھانڈے  
کا شکر دایا جو اسے قریب الگ لڑھا جھک کر خود ہی اس کے تینوں  
سوت گیس اٹھا نہ تھا۔ خود بخود نے اوشان کو پیش کش کی کہ وہ مرنے  
دروانے کی میز پر چڑھنے کے پہلے اسی سوت گیس پر بیٹھ جائے  
تاکہ اسے صحت مند ہو۔ اوشان نے فوراً یہ پیش کش خلیفہ کر لی اوشن ہزاروں  
کے جبے پر مسکرا ہٹ ناپتے تھے۔ اوشان اس وقت کسی ایسے پڑھے  
کی طرح لگ رہا تھا جو کسی سہارے کے بغیر ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا۔  
حاصل حقیقت یہ تھی کہ وہی پڑھا محض اپنے ملحقہ سے اسے ترمیم  
ڈرائیو کر رہے تھے ڈھیر میں تبدیل کر سکتا تھا۔

شہزاد نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے اس صاف مستحضرے  
 لایا کہ کوئی نین لے رہا ہے۔ دیکھا جس میں ہر طرف سفیدار سرخ گلاب  
 کیلے ہوئے تھے۔ پھر چاک چاک ہی وہ سوچنے لگا کہ اسی سوگ وادوں  
 میں سے کوئی ایک جرم بھی ہے... البتہ مجرم جنم دہشت کی ہر س  
 میں انسانوں کو نہ لے کے سمیٹ کر پڑھا دینے سے بھی دریغ نہیں  
 کرے گا؟

تبھی ایک نئے درخت کی شاخوں پر بیٹھے ہوئے بہت سے پرندے  
اس طرح چہرے اڑا کر اُڑے ہوئے تھے کہ کسی بل سے خوف زدہ ہو  
گئے۔ ہوں۔ شہزاد نے فوراً ہی محسوس کر لیا پرندے نازک کے ایسے چہرے  
سے خوف زدہ ہوئے ہیں جسے انسان محسوس نہیں کر سکتے۔

اُسی رات دزلزلے کے دو دروازے کھلے۔ ان سے پتھر مکانات  
توڑا تو نہیں پھٹے لیکن ان کے مکینوں نے جیسے فرود عروس کیے۔  
شہزاد بگے پیر باہر نکل آیا۔ اسے یہ دیکھ کر کوئی حیرت نہیں ہوئی  
اُدھان اپنے کمرے میں گھر ڈسے بج کر سرور اٹھا۔

باہر... لان میں کسی طرف سے بنی کی چاؤں میاؤں سنائی  
دی اُدھ... آسمان پر زرد رنگ کا چاند کسی بادل سے ہم آغوش ہونے  
کا خواہش میں دلاوار اور ڈوڑیا نغرا... اس نے ایک لمبوں سانس لی  
اور جیسے کہ وجہ سے پیدا ہونے والی ساری ہی جہنی اس ختم ہو گئی۔  
اُس رات، وادئی کھسار کے کئی کسانوں کے کچے مکانات میں ہم  
ہوئے۔ یہ دو کسان تھے جبکہ وادئی کھسار کا رخ کر تے تھے او  
میں گرامک دوسروں کے زمین میں کھیتی باڑی میں مصروف رہتے تھے۔

زمینوں کے مالکان نے کوزلے کو محسوس نہیں کیا لیکن ان کے کئی گھر تباہ ہو گئے۔ امیدوں نے کھسکیوں سے جھانکے ہوئے کھسکار غریب گھروں سے جھل آئے اور انھوں نے طبعی دے ہوئے کو نہانے کا کام شروع کر دیا۔

کسی شین کی جھٹ کے نیچے سے ایک معمور عمارت آواز سننا  
گ تھپ تھپ کی گئی تیر خوجہ پنہم مکان کے بیچ سے دبا ہوا  
لوگوں نے جزئی انداز میں ہے کہ اٹھانا اور جینکا شروع کرونا  
پینے ہر گئے دیکھ نیچے کھلاش ہیں کر کے ... اس کی آواز سنائی  
ہر ... دو دو تار ... کافی دور بعد روکنے کی آواز ہر گئی ...  
وہ بھیجو دور تو لگ اٹھا ... اور جب تلاش کرنے والے جہر  
تک پہنچے قزوہ واقع مرحا تھا ... وہ سب گنگ ہر گئے ... ان  
انص بار نہیں گئے۔

اس رات چھ کسان بھی ہلاک ہوئے۔  
 اگلے صبح کوئی کسان کیتوں پر نہیں گیا۔

★★

ہیں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ ممتاز حسین کی حرکت پر  
 خبردار کرنے کے لیے زلزلہ اُسے گلاباب ... اس کے بعد  
 نے جوت رائے سے کہا: وہ بتانا چاہتے ہیں کہ آئندہ کوئی بڑا  
 حرکت ذکر سے روز اس سے طر زلزلہ ہم سب سے

”سات افراد مر گئے ہیں مدن لال... یہ کوئی معمولی بار ہے اور وہ سب کے سب کسان تھے، بلونت رائے نے سچو سے کہا۔“

مجھے معلوم ہے... کیڑے مکوڑے اسی طرح کچلے جاتے  
ملک وال نے خباثت سے کہا اور زحمت ہو گیا۔ وہ شاہراہ کی د  
جاتے ہوئے بھی یہی سن رہا تھا کہ ممتاز حسین کی جائیداد اور

خرید نے دادا نوادر کو کیا ہوگا۔ اسے سب سے زیادہ حیرت پہنچی کہ نوادر کے ساتھ ایک ایسا نوکر بھی آیا ہے جو خود اپنے بوجھ ثابت ہوتا ہوگا لیکن اس مخفی بوڑھے کے طور طریقوں بہت زیادہ مشکل تھا کہ وہ شہزاد احمد کا نوکر ہے۔ شہزاد احمد کے

[illegible]

اسی روز وہ بلونت رستے کے پاس گیا اور اس نے زلزلہ  
 ہونے والوں کا کوئی پیغام دینا چاہا لیکن رستے نے جھوٹے پیش کی کہ

کے دنت وہ اس کے گھر آجائے تاکہ سب کے سامنے ٹھنڈی ہو جائے۔  
 بونٹ رائے اور دن لال اس بات پر متفق تھے کہ ممتاز حسین کی  
 جڑ لینے والے شہزاد احمد کو بھی اعتماد میں لیا جانا چاہیے۔  
 بونٹ رائے نے فون ہی پر شہزاد کو اپنے گھر ملوکیا اور یہ

طے پایا کہ انہیں کھڑن لال اسے موت دے گا مگر پہچانے گا تاکہ  
نوراد کو اسے تلاش کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔

ملن لال شہزاد کے لان میں داخل ہوا تو وہ بہت تعجب ہوا  
تھا۔ اس نے کچھ سوچتے ہوئے فرنٹ ڈور کی اطلاعی گھنٹی پر انگلی رکھ  
دی۔

دروازہ معنی سے پہلے نے کھولا۔

مہمب تشریف لے گئے ہیں :-  
 کیوں نہیں : سنا ہو کہ استاد مارشل آرٹس کے عظیم آقا  
 ٹائٹل کے خالق نے حجاب دیا۔

”کیا میں ان سے ملاقات کر سکتا ہوں؟“

”تم انہی سے ملاقات کا شرف حاصل کر رہے ہو۔“

"اوہ... میں... میں دماصل جناب شہزاد احمد سے ملاقات کر لے حاضر ہوا تھا،" بدن لال نے اپنے زرد زرد دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے کہا۔

مشرقی اسرائیل کا ملک بھی مسکرائے گا۔ اس لیے جسے  
سے سرخ کیا ہے چارہ بوڑھا، ملن لال نے سوچا۔ بوڑھے نے ملن  
لال کا اندر آنے کی دعوت دیے بنیر شہزاد کو اطلاع کرنے کے لیے

ایک قدم پیچھے ہٹایا ہی تھا کہ من لال نے اندر داخل ہو کر  
کوشش کی اور پھر صاف ہی اسے پیٹ میں شدید ترین اور جان  
لیوا تکلیف محسوس ہوئی، ایسا لگا کہ کوئی چاقو ناف کے اوپر ہی تھکے

میں اترتا چلا گیا ہوں۔

”تمہیں اس مکان میں داخل ہونے کی دعوت نہیں دی گئی۔“

نئی انکوائری! اوشان نے سر ہلچل میں کہا۔ اس کا دایاں ہاتھ جس سے اس نے من لال کو پکچھے دھکا دیا تھا اب ناپاس کے اندر غائب ہو گیا تھا۔

مدن لال بیٹ پکڑ کر گھر آ گیا۔ اسے یقین تھا کہ لڑکے سے  
 غول بہہ رہا ہے۔ ہے بھگوان! وہ دھڑکنے لگا۔ تیس سو...  
 اے... اے... اس نے زخم پر ہاتھ رکھا ہوا تھا اٹھا اٹھا کر  
 دیکھا لیکن انگلیوں پر غول کا ایک بھی دھبہ نہیں تھا۔ اسے شدید  
 حیرت ہوئی۔ پھر وہ لپٹا ہوا دروازے کی کھجکھٹ سے لگ کر

کھڑا ہو گیا۔ وہ دُعا کر رہا تھا کہ شہزاد نامی شخص آکر اسے اس

ایک نوجوان کی سنسنی خیز لہو رنگ خود نوشت

پیش کرد

سلیم فاروقی کے ایڈونچرس قلم سے

☆ وہ محبت وطن ہونے کے باوجود

دهشت گرد کهلاتا تھا

☆ وقت کی راہیں تھامتے

اس کے ہاتھ لہو ہو گئے تھے

☆ ایک پاکستانی کی سر فروشانہ داستان

چار حصوں میں

مکمل سیٹ = 180 روپے

ناشر

مکتبہ القریش سرکلر روڈ

اردو بازار لاہور نمبر 2

**7668958**

ہوتی ہے۔  
”کہاں ہے؟“ شہزاد نے پہلو ہل کر کہا۔ ”آپ لوگ اتنی بڑی رقم آخر کسی فیہرمنی شخصیت کو تو نہیں دے سکتے؟“  
”جی ہاں۔۔۔ لیکن یہ سچ ہے کہ میں نے انھیں کبھی نہیں دیکھا۔“ مدلل لال نے فقرہ دیا۔

”کیا وہ محبت ہیں؟“

”میں نے کہا نا کہ میں نے انھیں نہیں دیکھا۔ وہ فون پر مہارت دیتے ہیں کہ رقم کہاں پہنچانی ہے۔ میں قلم سی جگر رکھ آتا ہوں۔“ مدلل لال نے اس مرتبہ قدرے برہمی سے جواب دیا۔  
”تم ان سے فون پر بات کرتے ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آواز دیکھتے ہیں کیا وہ مرد کی آواز ہوتی ہے؟“

”ہاں۔“ مدلل لال نے سینہ تان کر جواب دیا۔ ”اور مجھے امید ہے کہ آپ کو ان سے ملاقات کا بھی موقع ضرور ملے گا۔“

”ایک منٹ مدلل لال۔ اپنی جو بچ بند کھو، بلونت رائے نے بڑی حقارت سے انپکڑ کر دھوڑتے ہوئے حکم دیا۔  
”ادھر چھ شہزاد کو بتایا کہ وادی کبسا اور کدو بار کی ترقی کے لیے یہ ادائیگی کس قدر ضروری ہے۔“

”۔۔۔ لیکن یہ فیصلہ کون کرے گا کہ رقم کون کون دے گا؟“ شہزاد نے اعتراض کیا۔

”میرا خیال ہے کہ۔۔۔ میں۔۔۔ بلونت رائے نے جواب دیا۔  
”اور آپ یہاں بینک کے بھی ڈائریکٹر ہیں۔“

”درست۔“ بلونت رائے نے قدرے بڑھڑکے جواب دیا کہ وہ شہزاد کا مطلب سمجھ رہا تھا۔

”اسی لیے آپ کو یہ علم ہوتا ہے کہ کس کے پاس کتنی رقم ہے۔“

”یہ بھی درست ہے۔“

”... اور اب یہی کسی ممتاز زمین کے اسٹور اور جاننا دگا مالک ہوں تو آپ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ میں بھی رقم ادا کرنے پر تیار ہو جاؤں گا؟“ شہزاد نے بلونت رائے کو گھوڑتے ہوئے کہا۔  
”یہ بات نہیں۔ شاید آپ کو معلوم نہیں کہ ممتاز زمینیں نے زلزلہ پیدا کرنے والوں کو گرفتار کرانے کی کوشش کی تھی۔ کیا آپ نے کل زلزلے کے جھلکے محسوس نہیں کیے؟“ بلونت رائے نے اپنے ناخنوں کو گھوڑتے ہوئے سوال کیا۔

”نہیں۔ میں نے کچھ بھی محسوس نہیں کیا۔“

یہی بھی کھانا کھا سکتا ہے۔

”شہزاد صاحب۔“ بلونت رائے نے اصل مقصد لپٹتے ہوئے کہا۔ ”وادی کبسا میں ہم ایک انتہائی مشکل صورت حال کا شکار ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ علاقہ زلزلوں لڑیں رہتا ہے۔“

”اور۔۔۔ مرحوم ستان کی جاننا کا سودا ہوتے وقت کسی نے یہ بات مجھے نہیں بتائی؟“ شہزاد نے چہرے کو معنوی طور پر پرتویش بناتے ہوئے کہا۔

”۔۔۔ لیکن اس کا بھی کوئی حل ہے۔ یہاں زلزلے بھی کسی قدرتی آفت کی شکل میں آتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے پہلی روک مائے لوگوں کا کہنا ہے کہ یہاں رات بھر جوتے کوئی بھی مڑ سکتا ہے۔ حرکت قلب بند ہونے سے۔۔۔ لیکن موت کی اصل وجہ زلزلے کا جھٹکا ہوتا ہے۔“

”یہ تو بڑا مسئلہ پیدا ہو گیا حضرات! زلزلے سے تو دلاریاں تک ناچنے لگی ہیں اور میں نے بھی ہماری قیمت دے کر سب کچھ خریدا ہے۔ اب کیا ہوگا؟“

”شرما اور میرے معنی فیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور مدلل لال زلزلہ دانت لگا کر بے آواز ہنسنے لگا۔

”جی ہاں۔ لیکن یہاں یہ بھی زندگی کا ایک جھٹکا ہے۔ یہاں کار کے حادثوں سے کم اور زلزلوں سے زیادہ اموات داغ ہوتی ہیں۔“

”بلونت رائے نے ہاتھ ملتے ہوئے جواب دیا۔ ”لیکن۔۔۔ ہم اس پوزیشن میں ہیں کہ آپ کو زلزلے کی پوزیشن سے نجات دلا سکیں۔“

”میرا خیال ہے کہ آپ زلزلے کا آئینہ بنا کر میری بریک فاسٹ ٹیبل پر رکھ دیں گے۔“ شہزاد نے بڑی سنجیدگی سے تبصرہ کیا لیکن ان میں سے کسی نے بھی اس جگہ پر توجہ نہ دینے کی کوشش نہیں کی۔

”پھر بلونت رائے نے اسے پوری کہانی سنا ڈالی۔ اس نے تباہی کا زلزلہ سے ہونے والے نقصانات کا ذکر نہیں کیا جاسکتا لیکن یہ پیش کی گئی کہ زلزلے نہیں آئیں گے۔ اس نے تباہی کا زلزلہ پیدا کرنے والوں نے ایک مقررہ وقت پر زلزلہ آنے کی پیش گوئی کی تھی جو درست ثابت ہوئی جس کے بعد معززین رقم کی ادائیگی پر رضامند ہو گئے۔

”یہ کیوں لوگ ہیں؟“ شہزاد نے دریافت کیا۔  
”۔۔۔ ہمیں ان کا کوئی پتہ نہیں، انپکڑ مدلل لال رقم ہوتا ہے لیکن اس نے بھی انھیں نہیں دیکھا اور نہ ہی میں ان سے ملاقات

انکھیں نے کچھ دیر بے نیے تمھاری کھال کے نیچے اعلیٰ فو کا توازن درم برہم کر دیا تھا اور میں۔“

”اور۔۔۔ مدلل لال نے شہزاد کے ہاتھ کھینچ کر اسے بڑھ بٹل پر معصوم اور بے ضرر سے پوچھنے کو دیکھتے ہوئے ایک فو سائنس اور پھر کٹر کٹر ہوا بولا۔ ”سنو بابا۔۔۔ اگر تم نے میری بھی اعلیٰ فو نکھیں سے جو چھائی کی تو یہ نہیں گولی ماڈول گا۔“

شہزاد اور آدھان دونوں ہی ہنس پڑے۔ مدلل لال آدھان کی مخصوص ہنسی بیت بڑی جلی کر وہ بولا کچھ نہیں۔ پھر آدھان کی طرح ہنس پڑا۔

”چند لمحے بعد شہزاد اپنی در آمد کی ہوتی فو فو فو فو میں بلونت رائے کے گھر کی طرف ہمارا تھا۔ مدلل لال بار بار رات بتاتا تھا میری انکھیں سے اُسے دیکھتے گھٹا۔ وہ ان فو کی شخصیت سے بے حد محروم ہو رہا تھا۔

بلونت رائے نے انتہائی گرم جوش سے شہزاد کا ہاتھ کیا۔ ”مجھے آخری ہے کہ آپ سے ان حالات میں ملاقات کا شرا حاصل ہو رہا ہے جناب۔“ رائے نے اُسے کسی پیش کر۔

”ہوئے کہا۔

شہزاد سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھتا رہا۔  
”میں میں حالات کا ذکر کر رہا ہوں ان کے بارے میں فو بھی کروں گا۔“ بلونت رائے نے کہا تھا اور پھر چند لمحے بعد ہی دو افراد اس شاندار کرے میں داخل ہوئے۔ یہ مارن ریکارڈ تھے۔ انکھوں نے شہزاد سے ہاتھ ملاتے ہوئے اپنا منظر مسکراہٹ میں چھپانے کی بددیانتی بھی کی تھی۔ اس دوران صدا پھر تاسف انداز میں جھٹ کی طرف دیکھتا رہا تھا۔

موسم اور وادی کے بارے میں عمومی گفتگو کے دورا شہزاد ان چاروں افراد کا باطنی مطالعہ کرنے کی کوشش میں محو رہا۔ اسے آدھان نے ایسے مطالعے کی خام ترسیت دی تھی وہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ خطروں کی طرف سے پیش آ سکتا ہے۔ یہ فن کی انتہائی کہ آدھان کسی کے قلب کی گہرائیوں میں بھی جھانک کر اس کا حالی دل بتا دیتا تھا۔

”وہ سوچنے لگا کہ مدلل لال نے اگر کسی کو قتل بھی کیا تو وہ قتل عمد نہیں ہوگا۔ شرما اور ماہرین ریک کے بارے میں اس نے یہ فیصلہ کیا کہ دونوں وقت پڑنے پر خفا میں نہ ہوں۔ لیکن بلونت رائے کے بارے میں اس نے یہ محسوس رائے قائم کی کہ گہری سیاہ انکھیں اور دیانت دار چہرے والا یہ شخص قتل کرنے کے بعد ہاتھ دھوئے

معصیت سے نہات دلا دے جو سزا دے میں اس کے سامنے کھڑا ہے گھوڑی ہی تھی۔ اسی لمحے دوسرے دروازے سے کوئی سامنے آیا۔ یہ شہزاد ہی تھا۔

”کیا جو رہا ہے؟“ آدھان؟ اس نے انپکڑ کی حالت زار سے تلفظ لیتے ہوئے لیکن سنجیدہ ہاتھ میں پوچھا۔

”کچھ بھی نہیں۔“ آدھان کے ہاتھ میں شرفی آئی۔  
”تب پھر انپکڑ کیوں کر راہ رہا ہے؟“

”میں نے اُسے تہذیب سکھانے کی کوشش کی جن شاید اب کبھی کسی بھی دروازے میں ملا جازات قدم نہیں رکھے گا۔“

”انپکڑ مدلل لال شدید تکلیف اور غصے کی وجہ سے اپنے لگا۔ ”اور۔۔۔“ شہزاد نے اس کی طرف پلٹتے ہوئے کہا۔

”تم تو بہت تکلیف میں مبتلا ہو انپکڑ۔۔۔ لیٹ جاؤ۔۔۔ چلو لیٹو۔۔۔ ہاں۔۔۔ اب ان پوزیشن سے ہاتھ دھو کر ہنسیک ہے۔ انکھیں

انپکڑ نے انکھیں بند کر لیں اور پھر تعابلی اُسے احساس ہوا کہ اس کے زخم پر کسی نے ہاتھ پیرتے ہوئے لگ کر کی ہے لیکن وہ انکھیں بند کیے چارہ۔ وہی ہاتھ اس کی ہٹل تک اور پھر زانہ تک آیا۔ اور پھر۔۔۔ درد جاتا رہا۔ ایسا کہ انکھوں کی دھڑکتی ہی نہیں حالانکہ اس کی انکھوں سے آنسو بہہ نکلتے تھے۔

اس نے انکھیں کھول کر وہ ہاتھ دیکھنے کی کوشش کی جو اس کے خیال میں شہزاد نے زخم سے نکالا ہوگا لیکن وہاں تو کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کی قمیص پر بھی کوئی دھبہ نہیں تھا۔ اسے یقین ہو گیا کہ مسلمان بھی جاؤ گے ماہر ہوتے ہیں۔

”شکر ہے بہت بہت شکر یہ جناب ہو جاؤ کہیں گیا؟“ اُس نے اُسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”کیسا جاؤ؟“ شہزاد نے حیرت سے پوچھا۔  
”وہی جو پڑے یہاں نے میرے پیٹ میں گھرنے دیا تھا توئی چاہتا تو نہیں تھا انپکڑ۔“

”لیکن میں جانتا ہوں کہ چاہتا تھا وہ کبسا ہوتا ہے۔ اُس نے مجھے چاہتی مارا تھا اور اتنی تکلیف نہ ہوتی۔“

”مگر تمہیں اب بھی تکلیف ہو رہی ہے انپکڑ؟“

”نہیں۔“

”مگر تمھارے جسم پر کوئی زخم ہے؟“

”گھٹا تو نہیں۔“ مدلل لال نے اپنی تونڈ پر ہاتھ پیرتے ہوئے جواب دیا۔

”یہ تب پھر تم اس شریف آدمی پر چاہو توئی کا انعام کیے لگا سکتے ہو؟ سنو۔۔۔ اس نے تمہیں کوئی زخم نہیں لگایا۔ اس کی

میں دادا ملکومت فن کی تھا۔ تمہیں یہ کام کرنا ہوگا۔ ورنہ تم تھامے  
جسم کا کوئی ناکرہر جھٹکا کٹ کر چھینک دیں گے۔

"نہیں... دن لال کا نپ اٹھا۔"

"ہم انکار تو سن ہی نہیں سکتیں، ہمارے نانا اہل بیل تہم  
جانتے ہی ہو کر اگر تم تے تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ کر لیا تو تم  
نونا کو مرنے دکھانے کے بھی قابل نہیں رہو گے۔"

دن لال نے انہیں بند کر لیں۔ وہ بڑی طرح جھنس چکا  
تھا۔ پھر پور اس کے پیروں میں بیڑیوں کی طرح پڑی پڑی تھیں  
وہ سوچتا رہا... سوچتا رہا... اور جب کوئی آواز سنائی نہ دی تو اس  
نے انہیں کھول دیں۔

وہ دونوں جا چکی تھیں۔

وہ کھڑا ہو گیا اور اس نے گردن جھٹکے ہوئے سوچا کہ میں شہزاد  
کو قتل نہیں کروں گا کیونکہ وہ مجھ سے وہ لے لے رہی تھی۔ وہ جانتا  
تھا کہ لنگیں اب خود ہی شہزاد کا خاکہ کر دیں گی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ  
وہ شہزاد کی لاش دیکھنے بھی نہیں جائے گا ورنہ اسے بھرتلی ہوئے  
لگے گی۔

یہ لاشوں کی موت کے دور و زلیلا کا واقعہ ہے کہ سبھا چند  
اپنے سونگ پل کے باہر تھیں ایک جانچنے میں نوا کی خوبصورت  
لال جیڑہ پر دم دراز تھا کہ وادی کسار سے ایک شخص ملاقات کے  
لیے آیا۔ سبھا چند صرف اس شخص سے بلکہ اس کے باپ سے  
بھی واقف تھا۔ لہذا اس نے اسے فالے کو بڑی شفقت سے اپنے  
پاس بٹھا یا اور بڑے ہی غلیظ لہجے میں اس سے باتیں کرنے  
لگا۔ "تم ہمارے پاس کیوں نہیں آتے گورنڈ ملکہ! اس نے ملکہ  
جوئے پوچھا آ جا یا کہو۔ ہمیں بڑی خوشی ہوتی ہے جب تم ہمارے  
قریب رہتے ہو۔ شاید تم کسی سے میرے خلاف کچھ نہ لیا ہے  
لیکن یقینی کرو گورنڈ ملکہ سب افزا ہیں۔"

گورنڈ ملکہ کی غلام کی طرح سر جھکے بیٹھا رہا۔

"میں اپنے پیاروں کا بہت خیال رکھتا ہوں گورنڈ ملکہ  
جہاں کہیں بھی ہوں ان کے بارے میں ساری اطلاعات مجھے دستی  
رہتی ہیں اب تم اپنی ہی مثال لے لو... مجھے معلوم ہے کہ آج کل تم بہت  
پریشان ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہارے کھیت مزدور فصل بڑھ  
ہی میں چھوڑ کر جانے کا فیصلہ کر چکے ہیں مجھے معلوم ہے اگر ایسا ہوا تو  
تمہاری شاندار فصل کچنے سے پہلے ہی تباہ ہو جائے گی۔ لیکن تمہیں پتہ  
ہو سکتا ہے چنناں ضرورت نہیں۔"

"میری بے وفائی جس نے آپ لوگوں کے سامنے دے  
یہ مجھے موت کی دھمکی دی ہے کیا آپ نے محسوس نہیں کیا کہ  
موت کا ذکر کر کے دراصل یہ مجھے دھمکی دے رہا تھا کہ میرا حشر  
بے غلت نہیں ہوگا۔"

شہزادہ ریکر تمہارے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے  
تم جوہرے ہو۔ شہزادے پہلی مرتبہ غصے کا اظہار کرنے کے لیے  
میں یہ بات تو ہمارا ایک آداب گفتگو بھی فراموش کر گیا لیکن شہزادہ  
ابا کیونکہ وہ جیت چکا تھا۔ اب زلزلے کے سوا گروں کی باری  
وہ کوئی قدم اٹھا نہیں۔

... اور شہزادہ فیصلہ کر چکا تھا کہ زلزلے کے بیوپاری جب  
نی قدم اٹھا نہیں گئے وہ انہیں کوہر کر صرف مرنے والے  
ن کا حساب چکا ہے بلکہ اس شہر خرابی کے موت کا بھی  
انتقام لے گا جو انہیں ملے کے لیے روتے روتے مر گیا تھا۔

فیصلہ کرنے کے لیے تو سینو گراف دیکھنا پڑا اور نہ ہی کوپڑ  
حاصل کر یا بڑی شہنشاہ کو بہر صورت مرنا تھا اس کی شخصیت  
الذات ہو سکتی تھی اور جیلا ان پڑھن لال کو شہزاد کی موت  
ن کا اعتراض ہو سکتا تھا وہ ایک ٹرلر کے اندر لڑکی کی کڑی  
باہر دیکھ رہا تھا وہ ان کے سن کی تاب نہیں لاسکتا تھا لہذا  
نے ان کی طرف دیکھنے کی کوشش بھی نہیں کی۔

"تم متنازعہ ہیں کے ساتھ تھیں نا۔ دن لال نے مومنوں  
نے تمہارے کہا... اور تمہیں نے اسے قتل بھی کیا ہے۔"

"اں... سر علی آواز اٹھ کر کہہ رہے ہیں سننی پھیلائی ہوئی۔  
اور تم نے سرکاری انکو بھی قتل کر دیا؟ دوسری آواز نے

پوچھا۔

"ٹھیک ہے؟"

"زیادہ باتیں نہ کرو، موٹے سگڑے ایک لڑکی نے اٹھلا تے  
ہا اور اپنی لمبی زلفوں کو جھٹک دیا۔

اور اگر شہزاد کا بندہ ولایت نہ کیا تو تم بھی ان دونوں کی طرح  
ہو گئے۔"

"میرے برداشت نہیں کر سکتیں کہ کوئی ہماری راہ میں حائل  
ہے۔ اسے قتل کرنا ضروری ہے۔"

"میں... میں اسے قتل نہیں کر سکتا۔ دن لال نے بے جا لگی  
پا۔"

"کیسے نہیں کر سکتے، مومنہ جیسے: ایک لڑکی مسکراتی ہوئی  
بالکل اسی طرح کہ جس طرح تم نے متنازعہ حسین کے بارے

"صرف اس لیے کہ میرے ساتھ انصاف نہیں ہوگا؟  
ہونٹ رائے نے سچا کچھ میں جواب دیا۔

"تب پھر تم چاری کیوں ادا کریں۔ آپ ادا کی کے لوگوں پر  
نہیں لگا کر دلوں پر ہم آسانی حاصل کر سکتے ہیں۔"

"لیکن اس طرح ان کے اس حکم کی خلاف ورزی ہوگی اور  
کا معاملہ بھی خفیہ رکھا جائے۔"

"وہ لوگ ہر بات خفیہ رکھنا چاہتے ہیں: دن لال نے تھر  
وہ۔ میری کھمب میں یہ نہیں آتا کہ جس شخص کو وادی میں آنے اچھا  
ایک دن ہی ہوا ہے وہ دن پڑھانے کی کوشش کیوں کر ہوا ہے  
خاموش ہو دن لال: ہونٹ رائے نے انکو کو کڑی

نظروں سے گھورتے ہوئے کہا اور پھر شہزادہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔  
جرات کی ٹی پیسک حکام میں سے کسی کو بھی اس معاملے کی سن سن نہیں  
ملی چاہیے... آپ کو شاید یہ معلوم تھا کہ متنازعہ حسین کی موت نہ پڑا  
خوارک کی وجہ سے واقع ہوئی ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے  
اسے قتل کیا گیا ہے۔ اس کا جڑ مہر ہے تھا کہ اس نے حکام کو گواہ کر دیا  
تھا لہذا صرف وہ خود بلکہ اس کے ساتھ آنے والا سرکاری افسر بھی  
مارا گیا۔"

"مثلاً... شہزادے نے مسکرتے ہوئے کہا اور ماتن ریکر کو  
محبوب استعجا بہر انداز میں بتاتے ہوئے دیکھیں، شہزاد کی پشت  
سے ٹپک لگا کر اسے دیکھنے لگا اور ہونٹ رائے کی آنکھوں میں  
سرو نہری جھمپنے لگی۔ مثلاً... اس نے پھر کہا۔ پھر شہزادہ ریکر کو  
طرف دیکھنے لگا۔ کیا آپ لوگ بھی ہونٹ رائے سے اتفاق کرتے  
ہیں؟"

ریکر کے چہرے پر ہجرت کی ہر چھائیال لڑنے لگیں۔  
"میں سمجھا نہیں: شہزادے نے کہا۔  
"میں پھر دہرا تھا کہ کیا آپ لوگ واقعی رقم ادا کرتے ہیں یا پھر  
مجھے لوٹنے کی منصوبہ بندی ہو رہی ہے؟"

"تم ادائیگی کرتے ہیں؟ شہزادے جواب پر ریکر نے بھی ہانپا  
میں سر ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے حضرات! میں آپ کی رقم بھیجائیں تو شہزادہ  
نے بڑے اعتماد سے اعلان کیا۔ "میں آپ کے سامنے اس شخص کو  
بے نقاب کیے دیتا ہوں جو سب کو بیک میل کر رہا ہے۔ یہ وہ  
وہ شخص: اس نے انکشت شہادت سے ہونٹ رائے کی طرف  
اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

وہ سب کے سب لڑکھڑکھ گئے اور شہزادہ بہت را۔

"مگر ہے اب نے محسوس دیکھا ہو، ویسے ہی زلزلہ زیادہ  
شدید نہیں تھا اور اس سے صرف کچھ مکان ہی منہدم ہوئے تھے۔ آپ  
کا مکان کی نہیں ہے۔"

"بس چند غریب غراؤں کے کھسکا ہوئے، باقی کسی کو نقصان  
نہیں پہنچا۔ دن لال نے بڑی حقارت سے لہو یا اور اس کے اس  
انکار کھٹو پر ہونٹ رائے کا چہرہ ٹھٹھے سے شرع ہو گیا لیکن شہزادہ کی  
موجودگی میں انکو کچھ بڑا کر رہے ثابت نہیں کرنا چاہتا تھا کہ قانون کا  
محافظ اس کے گھر کی لڑکی کی حیثیت رکھتا ہے۔

"انکو کو زلزلے سے قبل جلی دن کا بلی صحن کو مٹانے کی غذا دی  
پڑی تھی کا انہما کرنے کے لیے وہ لوگ زلزلہ پہنچا کر اس کے ساتھ ہی  
اٹھلے تے مٹانے کی زلزلہ نہیں ہوا یا لاکھ ہزار ہونے کے لیے  
کس رقم میں ہزار سے جھکا کر جائیں ہزار کر دی ہے لیکن اگر ہم لوگوں کی  
نقطہ نگاہ سے دیکھیں تو رقم دے کر بھی: ہمارے میں نہیں رہیں گے  
یہ عیال کی نئی شہر سربا کاری ہوگی۔ بہت را اور سود مند سربا کاری  
اتنی سود مند سربا کاری سے مجھے تو صاف ہی دیکھیں، مثلاً ہزار

سے جواب دیا۔

"شہزادہ صاحب: ذرا تھکے پٹل سے سوچے، یہ سب کچھ  
ہماری ہی بھلائی کے لیے ہوگا۔ مارش ریکر نے پہلی مرتبہ زبان کھولی۔  
"لیکن میں اتنی خطر رقم ادا نہیں کر سکتا: شہزادے نے دو لکھ  
انداز میں جواب دیا۔

ریکر نے جھجکا کر ہنر ہو کر ہمارے ہونے کہا: میں بھی ادا  
نہیں کر سکتا... میں بھی اتنی استطاعت نہیں رکھتا جناب:  
"تب پھر کیوں ادا کر رہے ہیں؟"

"کیونکہ میں اپنے خاندان کو ملے میں دب کر مرتے نہیں  
دیکھنا نہیں چاہتا۔ اگر ہم نے انہیں رقم ادا نہ کی تو کیا زلزلہ آئے گا کہ  
ہماری جائداد، مکان اور زمین حتیٰ کہ سب کچھ ہمیں نہیں ہو جائے گا۔  
اور اگر ہمیں سے کوئی بھی زلزلہ بچا تو وہ اپنے پیاروں کی لاشیں  
دیکھ کر یا خودکشی کرے گا یا پھر زلزلہ دہر دہر ہو جائے گا؟"

"میری تجویز یہ ہے کہ زلزلہ پیدا کرنے والوں کو ان کی مطلوبہ رقم  
اس وادی کا سب سے امیر شخص ہونا مدد سے ادا کرتا رہے: شہزادہ  
نے مسکراتے ہوئے: ہونٹ رائے کی طرف دیکھ کر کہا: اور میرا خیال  
ہے، رائے صاحب ہی سب سے امیر رہتی ہیں۔ میں نے وادی کے  
لوگوں سے سنا ہے کہ اس علاقے کے مالک ہیں۔ اگر انہیں کافی  
دلوں سے اتنا ہی پیار ہے تو ہر ساری رقم بہ خود ہی کیوں ادا نہیں  
کرتے؟"

گورنر ملکہ کسی چھوٹے سے بچے کی طرح خوش ہو کر سہا ش  
بندگی طرف دیکھنے لگا۔

”پھر وہ ٹھٹھا چلاتا گیا۔ اس نے سرمائے کی کمی اور کسانوں میں  
بے چینی کی تفصیلات بتائیں۔ اس نے مدن لال اور ضمرا کے ہاتھ  
میں بھی تباہی بوز لڑ پیدا کرنے والوں کے لیے رقم کا بندوبست کر  
نہے تھے۔ اس نے ایسے دزدوں کے بارے میں بتایا جن کا اسے  
کبھی احساس نہیں ہوا۔۔۔ پھر بلونت دانے کا بھی ذکر ہوا۔ گورنر ملکہ  
نے اس شبیہ کا اظہار کیا کہ بلونت دانے ہی اس بدلیک میفلنگ کا  
سرگزشت ہے۔

”سہا ش چند نے اس پر سوالوں کی بوچھا کر دی کہ وہ زلزلہ پیدا  
کرنے والوں میں زیادہ دلچسپی لے رہا تھا۔

”تمہارا خیال ہے کہ بلونت دانے زلزلہ پیدا کرتا ہے؟“

”ہاں بھائی...“  
”مگر زلزلہ پیدا کرنا انسانی کام نہیں گورنر ملکہ! یہ تو جھگڑا  
کا کام ہے۔ تم نے سنا نہیں کہ سبھی جھگڑا کرنے والے پڑوسیوں کو  
سیکڑوں پر اٹھانے والا سیل ہوتا ہے تو زلزلہ آتا ہے۔۔۔ ہم انسان  
اس کے کاموں میں جھگڑا کیسے وصل دے سکتے ہیں۔ سب کچھ محمول جاذ  
میں محسوس پچاس ہزار روپے سے رہا ہوا، اس سے سختی باڑی کا  
جدید انڈاز بنانا، ٹریکٹر خرید لو۔ اس طرح مہلکیں اچھی ہوں گی۔  
اور ہاں کھاد کا بھی میچ استعمال کیا کرو۔۔۔“

”مگر... میں رقم کا کیا کروں جناب...! بچے تو کام کرنے  
والوں کی ضرورت ہے۔“

”تم انھیں خاتم کی شکل میں کچھ رقم دے دینا اس طرح وہ...  
نقل مکانی کا خیال ترک کر دیں گے... میرا خیال ہے، وہ دزدوں سے  
کچھ زیادہ بھی خوفزدہ ہو گئے ہیں۔۔۔“

”لیکن میرے کسان کہتے ہیں کہ یہ چھوٹے چھوٹے دزدے محض  
ابتدا ہیں۔ اس کے علاوہ بہادرلوں کے دیوتا صاحب میداؤں کے دیوتا سے  
ہاتھ ملاتے ہیں تو دین میں مل جاتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ میری زمین بھی...  
محسوس ہے فدا ہو اس پر کام نہیں کریں گے۔“

”مگر نہ کرو گورنر ملکہ! وہاں دین جاکر ان کے لیے بونس کا اعلان  
کرو، پھر میرے آدمی وہاں پہنچ کر انھیں اچھی طرح سمجھا دیں گے کہ زلزلوں  
سے زیادہ خطرناک اور بھی چیزیں ہوتی ہیں۔ لہذا وہ اس سلسلے میں فکر  
نہ کریں۔“

”لیکن وہ چھوٹی فرار ہوتے ہیں جناب! زلزلہ بندے فوری  
مالوسی کے عالم میں جواب دیا... ان کے خوف کی اصل وجہ وادسی  
میں آنے والے دواجنی ہیں۔ میرے کسان اچھی دواؤں سے خوفزدہ

ہیں۔“

”اور... اس کا مطلب یہ ہوا کہ اچھی تمہارے کسانوں  
دھمکا رہے ہیں۔“

”نہیں جناب! وہ تو سب سے ایک تھک رہتے ہیں  
”تب پھر کسانوں کے خوف کی وجہ؟“  
”میرے کسان بہت دہمی میں۔ آپ کو علم یہ ہے کہ ہر  
ملک میں جادو، ڈسٹے اور مافوق الفطرت باتوں کو کافی اہمیت  
جاتی ہے۔ کسان کا کہنا ہے کہ یہی دواجنی اپنے ساتھ موت  
کراتے ہیں۔“

”ان میں سے ایک جوان ہے، سہزادو... اس نے حال  
میں ممتاز زمین کی جائیداد، مکان اور دوکان خریدی ہے۔  
ساتھ ایک انتہائی ضعیف اور مضمی ساز ڈھلے جسے لوگ  
کہتے ہیں۔“

”سہا ش چند نے سہزادو کا پتہ نوٹ کرتے ہوئے گورنر ملکہ  
دلیا کہ سب کچھ ٹھیک تھا۔ پوچھنے لگا۔ پھر اس نے جیک  
طلب کر کے دس فیصد ماہانہ سود پر گورنر ملکہ کی سہزادو کے  
دوا اور گورنر ملکہ خوش و فرم داسی چلا گیا۔

”ہمان کے جاتے ہی سہا ش چند نے مسکراتے ہوئے نا  
کے پھلے اچھا ل دیے اور اپنے آدمیوں کے لیے فون کرنے لگا۔  
”انھیں ڈرو! طلب کر رہا تھا لیکن اس نے ہر شخص سے انتہائی زہ  
میں بات کی تھی وہ ایک سے فون پر یہی کہتا رہا یہ کیا آپ؟“  
تشریف لائے ہیں جناب! اعلیٰ“

”اگرچہ محض ایک درخواست تھی لیکن اگر کسی کو کھانا  
”دران فون ملا تو اس نے کھانا چھوڑ دیا۔ اور سب سہا ش  
کی کوٹھی کی طرف چل دیے۔

”ان سب کی ملاقات سہا ش کی ویسٹ لائبریری میں ہوئی  
نے کمرے میں داخل ہوئے پھر سہا ش کے ہاتھ جوئے اور اپنی  
گزبوں پر بیٹھ گئے وہ ان سب کے ساتھ بدرد انداز میں  
کوٹھی کے باہر کاروں کی نظارنگ گئی۔

”وہ خود اس میں اٹھائیں تھے سب کے آتے ہی سہا ش  
کارروانی کا آغاز کیا۔

”گشت چند منتقل سے میں ایک معمولی سی بات خا  
سے دیکھ رہا تھا لیکن میں نے اس پر زیادہ توجہ نہیں دی تہ  
میرا معمولی سا شک یقین میں بدل گیا ہے۔۔۔ اس نے بڑے  
انداز میں ان سب کو مخاطب کیا، چونکہ چپ پوری تو جڑ سے  
کی بات سن رہے تھے۔ اب میں سوچتا ہوں کہ کم زیادہ کام

کئے ہیں، ہماری طاقت میں بے پناہ اضافہ ہو سکتا ہے۔ دنیا ہم  
سے خوفزدہ ہو سکتی ہے اور لوگ ہمارا زیادہ احترام کرنے پر مجبور ہو  
سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس نے باری باری تمام چیزوں کا جائزہ لیا اور  
ان لوگوں کو دیکھا جن کی وہ گنگ رنگ سے واقف تھا۔

”اب یہی سب ہوش کر سکتا ہوں کہ ہوشوں کا کاروبار انتہائی  
مفاد دہ ہے، دس کلب میں جانا محض بے وقوفی ہے، کاندوں کی...  
چوری کی بھی کوئی حقیقت نہیں، خود توں کا دھندا بے کام ہے سب  
نفسوں اور بڑے منفععت محض ہے میرے دوستو!“

”تمام چیزوں پر حیرت کا اظہار منڈلانے لگا۔ اگر کوئی اور  
ایسی بات بٹنا تو وہ پت پتہ پتہ کہتے ہوتے پتہ پتہ کہتے لیکن  
یہاں سہا ش چند کہتا تھا۔

”میں جس نئے کاروباری تجویز پیش کرنے والا ہوں۔ وہ نہ  
مرف منان محض ہے بلکہ اس سے خوف دہر اس بھی پھیل سکتا ہے۔“  
”کیا آپ انیم ٹم کی خرید و فروخت پر فوکر کر رہے ہیں جناب؟“  
”اس کے سب سے فز جڑ سے ساتھی جوزف نے پوچھا جو دوغلی،  
نسل سے تعلق رکھتا تھا۔

”سب خاموش رہے کیونکہ انھیں یقین تھا کہ اگر سہا ش نے  
انیم ٹم کی خرید و فروخت کا فیصلہ کیا ہے۔ تو وہ اس پر عمل بھی کر...  
سکتا ہے۔

”نہیں میرے عزیز دوست! سہا ش نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے  
جواب دیا۔ اس نئے کاروبار کے سامنے انیم کے دھندے کی بھی  
کوئی قدر و قیمت نہیں۔“

”یہ وہ مرحلہ تھا، جب بہت سے لوگوں نے لمبی لمبی مانیں  
لی تھیں اور پھر سہا ش نے انھیں دزدوں کی تجارت کے بارے میں  
اپنے منصوبے سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔

”ہم صرف وادی کساری پر اکتفا نہیں کریں گے دوستو! اس  
نے تقریر شروع کرتے ہوئے کہا... یہاں دارالحمل پورا ملک ہو گا۔ ہم  
صرف صنعت کاروں، سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور عام لوگوں  
سے زلزلہ لیں... وصول کریں گے ہر کچھ دنیا کی سب سے بڑی...  
مجموری قیدی مبتلا حکومت سے کہیں گے کہ وہ ہر ہفتے میں زلزلہ  
نیکس ادا کرے ورنہ ہم پورے ملک کو زلزلے سے تباہ کر دیں گے۔

”ہمارے منٹے کی آبادی کیا ہوگی شیورام جی؟“ سہا ش نے اپنا کتہ ہی  
ایک موٹے سے مخرج وسیعہ منت سما منتھ سے پوچھا۔

”دو کروڑ پچیس لاکھ ایتیس ہزار سو سو پندرہ...“

”آہ... آپ اعداد و شمار کے معاملے میں بے حد محتاط رہتے

یہی شیورام جی... اگر ہم کیس ایک روپیہ فی ہفتہ میس لگائیں  
تو ہر ہفتے دو کروڑ پچیس لاکھ روپے وصول ہوں گے، ایک کروڑ  
روپیہ صوبائی حکومت اور اتنی ہی رقم مرکزی حکومت سے وصول  
کی جائے گی، اس طرح تین چار کروڑ سے زیادہ کی رقم بنے گی۔  
لیکن آپ لوگوں کو یہ بھی کہہ دو کہ ہر ایک کو ہر ایک کا ہر ایک اور  
ہر جاگیردار پر اتنی ہی ٹیکس بھی لگا سکتے ہیں۔“

”لوہم! اور سرمایہ داروں سے تو رقم مل جائے گی لیکن مرکزی  
حکومت یقیناً انکار کر دے گی۔“ جوزف نے خندے کا اظہار کیا۔

”تب پھر ہم وہ ہتھیار استعمال کر سکیں گے جس سے زلزلہ پیدا  
ہوتا ہے۔ ہم ہاڈوں اور دواؤں کو کھینچتے رہیں گے حتیٰ کہ مرکزی اور  
صوبائی حکومت ہمارا مطالبہ مان لے۔“

”لیکن وہ کیا چیز ہے جس سے زلزلہ پیدا ہوتا ہے؟“ امر ناتھ  
نے پوچھا۔

”اس کا تو بچہ بھی علم نہیں...! سہا ش نے صاف گوئی  
سے کام لیا۔

”کیا وہ ہتھیار انیم ٹم سے بھی زیادہ طاقتور ہے؟“ جوزف  
نے سوال کیا۔

”انیم ٹم کے خنکار، ہر دشا کو دوبارہ قیر کر لیا گیا ہے جوزف۔  
مگر زلزلے سے تباہ ہونے والے کسی بھی علاقے کو اننگ  
تقیر نہیں کیا جاسکتا۔“

”پھر یہ فیصلہ ہوا کہ امر ناتھ کی آدمی ساتھ لے کر بلونت  
راٹے سے ملنے جائے اور زلزلے کے بارے میں کسی دیکسی طرح  
اس کی زبان کھلوائی جائے انھیں معلوم تھا کہ وادی کسار کے  
بلونت راٹے کو بھی رقم کی ضرورت ہے کیوں کہ دارالحکومت  
میں اس کے اثاثے مسلسل کم ہو رہے تھے اگر زلزلوں کا زلزلہ  
کے کوٹھ بلونت راٹے نے رقم طلب کی تو امر ناتھ اسے منہ مانگی رقم  
دے دے۔

”مگر وہ کتنی رقم مانگ سکتا ہے، جناب! امر ناتھ نے پوچھا  
”جتنی چاہے مانگے... ہم ایک کروڑ روپے تک  
دے سکتے ہیں۔“ سہا ش نے جواب دیا۔

”فرخ کریں کہ میں رقم دے لیجی رہی اس سے سب کچھ اگلا  
ول تو...“

”تب میں تمہیں شہن کی ایک پوری بوس پیش کر دوں گا شہ  
صرف یہ کہ اس... سب کو صدمہ کر لیا جائے۔ اس سلسلے میں کوئی  
مذہبک ذہن قبول نہ ہو گا۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ زلزلہ



کیسے پیدا کر لے اور اگر اس میں تمہیں ناکامی ہوئی تو میں یہ سمجھوں گا کہ تم نے شہنشاہی توڑ دی ہے۔

میرا تھوڑا ہی ہتھیار ہے، بیس گنیں، وہ جانتا تھا کہ سماسٹ کے اس نرم لیے میں کون سی دھمکی بھیجی ہوئی ہے۔ اسے سماسٹ کی اہمیت کا اندازہ تھا۔ تنہا اسی کے دم سے قائم کی گئی اور فیصلہ کا ماحول یہ تھا کہ تیرے کاروبار کا کیا ہو گا۔

جوزف کی گاڑی بہت تیزی سے شہزادے کے گھر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ایرکنڈ شہزادہ کو یہی راز سے پتہ تھا کہ جس کی وجہ سے کار ڈرائیو فریڈ کا لایا گیا تھا، شہزادہ کی وجہ سے یہی حال اگلی سیٹ پر براجمان راج کمار کا تھا۔

جوزف نے قطعی فیصلہ کر لیا کہ وہ راج کمار کو ایک سگڑی لگا دے گا۔ زبانی ایسی بات تھی کہ ایرکنڈ شہزادہ کا ریس ہونے کے باوجود اسے پسینے آ رہے تھے۔ اس نے ایک قطبی کو مال سے پشانی تو بھیجی، یہ کو مال گھر سے نکلے وقت سے بعد نفیس لگا رہا تھا لیکن اب تو اس کی نکت بھی نہیں پہچانی جاتی تھی۔ جوزف سوچ رہا تھا کہ اس

نے شہزادہ کو کھلی ہے۔ یہ سچ تھا کہ یہ دونوں اس کے جانبدار تھے لیکن ان کی ہر جوش اور گرم طبیعت بننے ہونے کا بھی لگاؤ دیتی تھی۔ وہ ہمیشہ جیسے شہر میں تو کام آ سکتے تھے لیکن دہلی کی کسار جیسی نرم اور لطیف سنی میں انہیں دیکھتے ہی لوگوں کا شک میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ بھی تھا۔

جوزف شہنشاہی شخص کے گھر زبانی جتن خرچ کے لیے جلا رہا تھا اور وہاں ان کی خدمت نہیں تھی کیونکہ یہ دونوں زبان کے بولنے والے تھے۔ کام لینے کے علاوہ تھے۔ اسے ان دونوں سے محبت تھی۔ ان میں سے ایک اس کی بہن کا بیٹا راج کمار تھا اور دوسرا...

فریڈ... وہ اس کے بھائی کا بیٹا تھا جو ایک مسلمان لڑکی سے شادی کے لیے مسلمان ہو گیا تھا لیکن پھر موت نے بھائی اور بھائی کے دونوں کو جدا کر دیا اور فریڈ اس کے پاس پہنچے۔ لگا۔ اس کی بہن بھی عیسائی تھی لیکن اس نے ایک ہندو سے شادی کر لی تھی۔ بہن اور بہنوئی والے حکومت میں رہتے تھے اور ان کا راس کے ساتھ رہتا تھا۔

”متو... اس نے لگے تھکے ہوئے کھڑے وہاں تم دونوں میں سے کوئی بھی بات نہیں کرے گا۔ سارا کام میں خود کرو گا۔“

”بہت بہتر انکل جوزف... راج کمار نے ہنسنے ہوئے جواب دیا اور فریڈ عرض سمجھا کہ اگر لگا۔

شہزادہ کے گھر مرکزی گیٹ پر کار کھڑے ہی راج کمار نے کوڈ

کوڈ کے لیے کار کا دروازہ کھولا۔ اترنے سے پہلے اس نے فریڈ کو راج کمار پر نظر رکھنے کی ہدایت کی تاکہ وہ کوئی ٹرو فریز نہ کر سکے۔ وہ دونوں ابھی کار سے اترے ہی تھے کہ راج کمار نے کال پیل کے جن پر ہاتھ رکھا۔ اور ابھی وہ دروازے سے چند قدم آگے ہی تھے کہ دروازہ کھلی گئی اور اس کے ساتھ ساتھ کھٹکا چلا گیا۔

جو کھٹکا ایک شخص سا روٹھا تھا کہ انہیں گھور رہا تھا۔ جوزف ٹھکانے لگا۔ بوڑھے کا قد مشکل پنج فٹ اور وزن یقیناً اتنی پانڈے سے زیادہ نہیں تھا۔ اس کے ناخن لمبے اور لوک لگتے تھے۔ ”فریڈ... کیا آپ لوگ بعض ٹھکانے کے لیے تشریف لائے ہیں؟“

بوڑھے نے ان کی طرف دیکھا۔

”اوہ... میں اس راج کمار کا ایک آئے پر افسوس ہے میں یہاں کسی سے ملنا چاہتا ہوں۔“

”کیا تم مجھے کسی کی تعریف میں شامل نہیں کر سکتے؟“ بوڑھے کے اس بھلے پر راج کمار نے ہلکا سا دھکا دیا لیکن جوزف کی کڑی نگاہ عروس کے غامض ہونے پر مجبور ہو گیا۔

”کیا آپ کا نام چوستان ہے؟“ جناب؟“ جوزف نے پوچھا۔

”میرا نام اوشان ہے۔ چوستان نہیں، چوستان ایک مقامی بادشاہ کا نام تھا اور ایش بادشاہ تھے۔ یہ کہتے تھے کہ اوشان نے قریبی کیاری میں شہنشاہ کو قتل کر دیا تھا۔ راج کمار کے بعض نصف راج اوپر سے گزرا تھا۔

”میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“ باہر بہت گرمی ہے۔ تب پھر تم اندر آ سکتے ہو۔ مگر تمہارے بیڑے باہر ہی بٹھا رہا تھا۔ کریں گے۔ خاص طور سے یہ بدھماں اور بدھماں شخص اس پاک صاف گھر میں داخل نہیں ہو سکتا۔“ اشارہ راج کمار کی طرف تھا۔

”بہت بہتر...“

راج کمار نے تو بڑی راحت نہیں کر سکا تھا بلکہ انہی جوزف نے کہے میں قدم رکھا۔ وہ یہاں تک نہیں چھوٹ ہی ہو رہا ہوگا۔

دروازہ بند ہوتے ہی اس نے دیوار سے ٹک لگا لی۔ جوزف اور اوشان بند دروازے کی دوسری طرف غائب ہو گئے تھے۔

”کیا ہوا...؟“ فریڈ نے اس پر چلنے ہوئے کہا۔

”بہتر نہیں کیا ہوا۔“ بیٹ میں مڑوڑے اٹھ رہے ہیں۔“ پھر اس نے سید سے کہہ کر بول کر کہا۔ ”اب ٹھیک ہے۔ شاید بوڑھے نے گھوٹا مار دیا تھا۔“

... اور گھر کے اندر جوزف اوشان کی رہنمائی میں ایک انتہائی نفیس ڈرائنگ روم کا جائزہ لے رہا تھا۔ گھر میں خوش گوشت کی

ہی تھی۔ اوشان کے کہنے پر ایک مہرے نیلے صوفے میں دھنس گیا۔ اوشان بستر پر کھڑا رہا۔ اب کچھ کیا بات ہے؟ اس کے لیے کچھ نہیں تھا۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس طرح کی باتیں...“

”جس طرح میں ممکن ہو... میں شروع ہو جاؤں۔“

”اوشان صاحب، بات دراصل یہ ہے کہ میرے ایک دوست

یکیتور پرکاشاؤں نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے اور بظاہر کسی کی جواب گوار ہیں۔“

”ہم... اوشان اسے گھومنے لگا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے چمکایاں سی نکلنے لگیں۔ جوزف کو یوں لگا جیسے وہ ان چمکایاں کے راج سے غلبہ جاتے ہوئے۔ اس کا سر بڑی طرح چٹوٹے لگا۔ آنکھوں کے اندر اندر جھلک رہا تھا۔ دھڑکنے بہت تیز ہو گئیں۔ یوں لگا جیسے

وہ تاج رہا ہو۔ اسے بڑھا کسی ایسی حضرت کی طرح لگا۔ اجاوی حقیقی نامت کے باوجود اسے بڑبڑا رہا تھا۔ اس کے دماغ جواب دینے لگے۔ ٹھنک ماحول کے باوجود اس کا جسم پسینے سے جھجک گیا۔

اس کی ہتھیلیوں نے بھی پسینہ لگا دیا۔ بوڑھے کی آنکھوں سے نکلنے والے شعاعیں اسے منور کر رہی تھیں۔ اس نے گھر کا صوفے پر گھٹکے گاؤں سے ٹھیک لگا لیا۔ انہیں ملیں اور ایک باہر اوشان طرف دیکھا جو خوفناک انداز میں اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس

بڑبڑا رہے حرکت تھا۔ لیکن قدم مسلسل آگے بڑھ رہے تھے۔ جوزف نے... وہ... اوشان آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔ فاصلہ مسلسل کم ہونے لگا۔ خوف کو یقین ہو گیا کہ موت اس کے سامنے نہ صرف موجود ہے بلکہ ماضی میں بھی کر رہی ہے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے تارے سے

لگے۔ وہ مرنے نہیں چاہتا تھا۔ لیکن موت اس کی طرف لڑ رہی تھی۔ اسی لمحے باہر دروازے پر سب سے پہلے پتھر پڑا۔ پتھر لگا جیسے کسی کی دھڑکنے والے دروازے پر پڑا ہوگا۔ پتھر کی ہر ہر حرکت اس کی ایک ایک جگہ پر ایک اور خوفناک اور خوفناک آدمی کا دم ہو اوشان کی آنکھیں خون آلود ہو گئیں۔

جوزف نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

اس نے حیرت سے باہر دیکھا۔ اندازہ ایسا ہی تھا جیسے وہ لوگوں اور تھا جب تک کہ کوئی خود کو نہیں اور پھر اسے شہید نہ ہو کر ہو... لیکن سامنے ہی اوشان کا مسکرا ہوا چہرہ دیکھ کر اسے یاد آ رہا تھا۔ وہ اوشان کی باتیں یاد آ رہے تھے۔ اوشان نے لگے لگے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ”تم کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہو۔“

”اے... میں... نہیں تو...“ جوزف بول رہا تھا اور انہیں بھاڑ بھاڑ کر دھڑک رہا تھا۔ لگا لگا لیکن اب اس کی وہ حالت نہیں تھی جو چند لمحوں قبل کسی مبتلائے مرگ بستی کی طرح اس پر مل رہی تھی۔ اب تو

یاد آ رہی۔ وہ یوں محسوس کرنے لگا تھا جیسے اس کے جسم میں کوئی توانا نہیں

جہلے ہوئی ہیں۔ وہ نیلے رنگ کے صوفے پر سیدھا ہو کر بیٹھا گیا اور اپنے پر چھلکا رہے۔ بڑے پسینے کی ہڈیوں پر پھینکے گئے۔ مگر اسے وہ چہرہ یاد آ گئی جسے اس نے کچھ پہلے دیکھا تھا۔ اس نے بوڑھے اوشان کی طرف دیکھا جو بڑی ہڈیوں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اس کے انداز سے تو یہی ظاہر ہو رہا تھا جیسے اس ماحول میں کوئی غیر معمولی بات نہ ہوئی ہو۔

”ہاں تو تم کہہ رہے تھے، شہزادہ؟ اوشان کا بھرپور دم دیا۔

”اوہ... ہاں۔“ جوزف متحکک لگ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس نے جس کسی کی چیخ سنی تھی کہیں وہ راج کا فریڈ ہی نہ ہو۔ کوئی ایک

تو نہیں تھا۔ ”غیر صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ یہاں کے کہان بے حد دھمکی سے لگ رہے ہیں۔ کل رات ڈاڑی میں زلزلہ آیا تھا اور کہان یہ سمجھتے ہیں کہ اس کی وجہ آپ لوگ ہیں۔“ جوزف خود پر قابو پا کر بولتا رہا۔ ان لوگوں کا دوا ہے کہ آپ کے ساتھی میسر شہزادہ کی پسرانہ لیکن خوفناک قوت کے مالک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو ان کے کام بند کر دیا ہے۔“

”لیکن ہم دونوں کا کاروانوں یا کاشت کاری سے کیا تعلق ہے، کہیں لوگ یہ تو نہیں کہتے کہ ہم ان کے کھیتوں سے کھانا کھا لیتے ہیں یا پھر کسی نے ہیں اپنی فصلوں میں جڑتے ہوئے بیٹھا تھا؟“

”اوہ... نہیں؟“ بات نہیں ہے جناب۔“ جوزف اس کے جواب پر پریشان ہو گیا۔ ”میں دراصل یہ چاہتا ہوں کہ آپ دونوں میرے ساتھ ذرا کھیتوں تک نہیں اور لوگوں کو بتا دیں کہ آپ بھی ان کی طرح عام سے انسان ہی ہیں۔ کوئی تعزیرت، یا ایسے نہیں ہیں۔ اس طرح ان غریبوں کو کھجور کر مرنے سے نجات مل جائے گی۔“

”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔ اوشان کے لیے جس حیرت تھی۔

”ظاہر ہے کہ آپ وہ لوگ کام نہیں کر رہے تو انہیں فائدے ہی کرنے میں کس کے؟“ جوزف نے وضاحت کی اور ایک ہی اس کی نگاہ کھڑکی کی طرف اٹھی۔ اس کھڑکی سے کسی کی لڑکھائی نظر آ رہی تھی۔ اس سے پہلے شاید اس نے اس طرف توجہ ہی نہیں دی تھی۔ دروازہ اسے پہلے ہی نظر آ جاتا ہے۔

اوشان نے اس کی نظروں کے تعاقب میں کھڑکی کی

عزت دیکھا۔

باہر فریاد اور راج کر گاڑی سے نکل گئے کھڑے تھے۔  
"ٹھیک ہے... اوشان نے رُسے ہی شاہِ ادا انداز میں بکھا۔  
"میں تمہارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوں لیکن شہزاد کے بارے میں  
کچھ نہیں کہہ سکتا۔ وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔"

"لیکن آپ..."

"میں اپنی مرضی کا مالک ہوں۔"

"مم... میزاعلم تھا آپ صبر بیکار کرسکتے ہیں۔"

"سنو... اوشان نے ایک بار میرے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ  
دیا۔ لفظ جو مجھے فضا بہت نہیں۔ یہ ایک انسانی خصوصیت کا حامل  
لفظ ہے اور مردوں کے لیے یہ سبک ہے اور کمالت ہے جو کہ ان میں بھی موجود  
کے ہاتھوں کی طرح گزرتا ہے۔... جہر کا شہزادہ مجبور ہونے والا  
ہوتا تو آج کم از کم دو بچوں کا یقیناً باپ ہوتا اور میرے بچوں کی نگہ  
کا حساب نہ کئے کے لیے حکمران شہزاد کے ملازمین کو اور ملازم کی عزت  
محسوس ہوتی مگر..."

جوزف بیٹھنے لگا۔ "آپ بہت زندہ دل آدمی ہیں جناب؟  
وہ ہنسی ضبط کرتے ہوئے بولا: اگر میں جو تو شہزاد صاحب سے میری  
طاقت ہی کراؤں۔"

"ٹھیک ہے، تم یہیں ٹھہرو۔ میں اس سے بات کر کے دیکھتا  
ہوں۔" یہ کہہ کر اوشان گلاس ڈور کی طرف بڑھ گیا اور دروازہ کھولتے  
ہوئے پلٹ کر بولا: "لیکن میں اسے مجبور نہیں کروں گا۔ سمجھئے؟"  
جوزف اثبات میں سر ہلا کر دیکھا۔ اگر اس وقت آئینہ نظر  
ہوتا تو یقیناً اسے اپنے جیسے جیسے تاثرات سے پرہیز کرنا پڑتا۔ مجبور  
کہے کہتے ہیں۔

اوشان دروازے سے راہ وادی میں نکل گیا اور پھر بائیں باغ  
میں پہنچ کر ایک لمبی درخت پر چلنے لگا جو سوئنگ پول کی طرف جاتی  
تھی۔ گلاس ڈور کی وجہ سے جوزف اُسے دور دیکھ رہا تھا اور اُسے  
جستجوئی رہی کہ یہ بڑھاڑیں پھیل رہا ہے یا چنداڑچ اور پھر وہاں  
ممنوع حرکت کر رہا ہے۔ اس کا تجربے تک کا باہادریوں کو حرکت کھانسی  
اس کے نیچے پاؤں کی بجائے پھینکے ہوئے ہوں۔  
سوئنگ پول کے قریب پہنچ کر اوشان دنگ گیا۔

اس نے متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا لیکن ٹائیگر نہیں  
دکھائی نہ دیا۔

اوشان نے جھک کر پانی میں دیکھا شعلہ پانی کی سطح پر شکن  
تھی۔ اوشان کی نفوس اُٹھ نہ گئی تھی۔ ایک انگریز اور سوئنگ پول  
کا فرش ٹھہرنے لگی۔ اچانک ہی اس کے پستے تیلے ہونٹوں پر چلی تیلی

سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

ٹائیگر سوئنگ پول کے فرش پر اوندھا لٹا ہوا تھا۔ اس -  
دونوں ہاتھ قریب دوار کے کندھوں سے اٹھے ہوئے تھے۔ بائیں  
میں وہ ایک ایسی جھجک لاش ہی لگا رہا تھا جو شفاف  
پانی میں نشین ہونے کے بعد اُڑنے سے قاصر رہی ہو۔

اوشان چند لمحوں تک اسے دیکھتا اور مسکراتا رہا۔... جہر وہ کہ  
باہر بلائی کوئی ترکیب سوچنے لگا۔ اسی لمحے میز پر کودت  
اور جھٹ بٹا نظر نہ لگا۔ اس کی انگلیاں گھلے ہوئی تھیں اور وہ آواز  
کو بہت سانی دیکھ کر ہٹا۔ اوشان پر نگاہ پڑنے ہی اس نے کندھا  
دیا اور ہاتھ کا شاعر سے اسے نیچے اُتارنے کے لیے کہا جبکہ اوشان  
اُپر اُتارنے کے اشارے کرتے رہا۔ ٹائیگر نے اس کے اشاروں کو نظر  
کر دیا اور جس مشق میں مصروف تھا اس کی تکمیل کے لیے دوبارہ اُتار  
اوشان نے متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔

سوئنگ پول کے قریب ایک چھوٹی سی میز بڑی تھی جس  
اُسے ایک ایٹھ بڑے نظر آگئی۔ اوشان نے ایٹھ بڑے اٹھالی  
سوئنگ پول کے پانی میں پڑے گھبراہٹ میں اس کی سطح کی اسے  
اُڑھنے کے چہرے کی طرف متوجہ رہا۔ درختوں پر گھلے ایٹھ بڑے کسی آواز  
طشتری کی طرح اس کے ہاتھ سے نکلی اور پانی میں ترشیں چوگئی۔

سرسری طور پر تو یہ ایک عام سی حرکت تھی لیکن اوشان پر  
تھا کہ پانی میں کتنی زبردست لہریں پیدا ہوتی ہیں گی اور ٹائیگر  
اصحاب پر کتنا بوجھ پڑا ہوگا۔ یہ ایک اصحاب کی حرکت تھی  
ٹائیگر فولادی اصحاب کا مالک تھا۔ اس کے باوجود وہ باہر آیا  
تھر تھر کا پڑا تھا۔

"وٹل فادر... اس نے ٹھیکے لیے میں کہا: آپ کے شہ

کسی روز میری جان لے لیں گے۔"  
"گھبراؤ نہیں فرزند۔ اوشان مسکرا کر بولا: "میں تمہاری ہر  
قوت سے واقف ہوں۔ تم تنفس کی جو مشق کر رہے تھے وہاں  
جگہ مجھ پر ڈالی تھی لیکن جب گھر میں کوئی ہمارا موجود نہ ہو تو ایسی شہ  
سے اجتناب ہی کرنا چاہیے۔"

"مکون ہے؟" ٹائیگر نے جھجک کر بوجھا اور سوئنگ پول  
کندھے پر بڑے ہوئے تیلے سے پینا جھمٹک کر لے لگا۔

کپڑے بدلنے تک وہ اوشان کی ساری باتیں سن چکا تھا  
مسکرا کر بولا: "گویا شکار خودی شکار کے ام میں آگیا ہے۔ بہر حال  
میں کیا کرنا چاہیے اوشان؟"

"میں کسانوں سے بات چیت کرنا چاہیے۔"

ٹائیگر کے ہونٹوں پر بڑی ہی عجیب سی مسکراہٹ قہقہہ کو

وہ اوشان کے ساتھ اسی کمرے میں آگیا، جہاں جوزف بڑی  
بے چینی سے آن کا انتظار کر رہا تھا۔ ٹائیگر وہ نگاہ پڑنے ہی جوزف  
اُٹھ کھڑا ہو۔ وجہ اس نے مصافحہ کیا تو اُسے پُل محسوس ہوا  
بیٹھنے۔... یہی اس نوجوان کے جسم میں دہائی دو لیچ ہو کر ہوا اور کزنٹ  
اس کے ہاتھ سے منتقل ہوا۔ پھر اس کے اصحاب جھپٹا گئے۔ ٹائیگر نے  
اُس سے سرسری سی بات چیت کی اور چیرتوں باہر لگا جہاں فریاد اور  
راج کیا۔ راج کا انتظار کر رہے تھے۔

"آپ کو زیادہ دشواری تو نہیں ہوئی؟ انکل جوزف؟ راج کار  
نے ٹائیگر کو گھڑتے ہوئے کہا جس کے ہونٹوں پر بڑی ہی مٹی خیر مسکراہٹ  
قہقہہ رہی تھی۔

"شٹ آپ؟" جوزف نے ناگوری سے کہا اور اُسے تیز نظروں  
سے دیکھنے لگا۔ "جولو... گورنمنٹ کے کیمپوں کی طرف چلو۔ اس کا  
بہتر ٹھکانہ تھا۔"

راج کا رنہ کار اسٹڈنٹ کی اور تیزی سے آگے بڑھا دی۔ وہ  
اب بھی بار بار ٹائیگر اور اوشان کی طرف متوجہ نہیں کرتے بلکہ ہاتھ میں  
کھلی میں اس نوجوان سے دو دو ہاتھ کرنے کی تمنا جاگ تھی مگر جبکہ  
اوشان کے لیے وہ بوجھ رہا تھا کہ یہ بڑھا شہزادہ چوٹ کھانے سے پہلے  
ہی انتقال کر جائے۔ وہ جوزف کی طرف دیکھنے لگا اور اُسے حیرت  
ہوئی کہ اس کا انکل اس قدر عرض کیوں ہے؟ جوزف واقعی بہت  
فوش تھا۔ یہ کوئی ایسی داستان میں وہ بغیر کسی تشدد کے اپنی مہم میں  
ایجاب ہو گیا تھا۔ \*

... لیکن وادی میں ہی ایک شخص نہ صرف پریشان بلکہ خوفزدہ  
ہی تھا۔ اس کے سامنے سالوں سے لینے کی سیکورٹی گونڈیں لگی  
کی تھیں۔

بولونت رائے تھا۔

اس کے سامنے دو خود آدمی کھڑے تھے۔

وہ جانتا تھا کہ یہ لوگ جب بھی وادی میں آتے ہیں تو کوئی نہ  
لڑی گزرتا ہے۔

"ان دونوں میں سے ایک مجنونا اور سیاہ جیٹ پہنے ہوئے  
ٹھا اس کے باوجود اس کے زوروں کی پھیلائی صاف نظر آ رہی تھی۔  
اس کے سامنے تھی تیلون اور سفید دھاری دار ٹی شرٹ پہن  
ہوئی تھی اس کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے جیسے وہ جنگ کے  
ملازم سے آیا ہو۔  
مجنونا والا شخص بولونت رائے کے سامنے بڑی ہوئی کڑی پر  
ہو گیا جبکہ دوسرا فخر کی چوٹ سے لگ کر اس طرح ٹھکرا ہو گیا کہ باہر

اور اندر دونوں طرف نظر رکھ سکے۔ اس کے ہاتھ میں ایک نذر تراش  
چاقو تھا جس سے وہ اپنے تاخن صاف کرنے میں مصروف ہو گیا۔  
"تم کیوں نہیں بیٹھتے؟ بولونت رائے نے مضطربانہ انداز  
میں اٹھ کھڑے ہوئے پوچھا۔

جواباً وہ شخص اسی طرح ناخوش کی صفائی میں مصروف رہا۔  
"اچھا... جیسے تمہاری مرضی۔ کیا میں تمہاری اس اچانک  
آمد کا مقصد کچھ نہیں ہوں؟ بولونت رائے نے بے بسی سے سوال کیا۔  
"کیوں نہیں جس طرح تم کاروباری آدمی ہو اسی طرح میں  
بھی ہوں۔ میں تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ بس یہ پوچھئے یا نہیں  
کہ ان پر سرکار زراٹوں کا کیا جواز ہے؟ میں ان مملکت کے عوض  
خفیہ رقم ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"زلزلے...؟ بولونت رائے کا پتہ نہ رہا اور اسی لمحے  
یقین ہو گیا کہ راجاراجین فعلی پر نہیں تھا۔ اب اسے پھینکا دیا ہوگا اس  
نے تمام کی بات پر کان کیوں نہیں دھرتے تھے۔ جمانے ہی تو کہا  
تھا کہ کچھ دنوں بعد جیسی شہزادہ کیون کا شکار ہو جائیں گے اور حالات  
کسی کے بھی قابو میں نہیں رہیں گے۔

... اور حالات اب واقعی قابل سے باہر چلے گئے۔

"ہاں... بس اتنا بتا دو کہ تم زراٹوں کو کس طرح بدلا کرتے ہو؟"

"میں... میں کچھ نہیں جانتا۔ بولونت رائے نے جواب دیا۔  
وہ اندرون کی طور پر بڑی طرح کا پتہ دہاتا۔ اسے ان دونوں کے نام  
تو معلوم نہیں تھے لیکن یہ مرد و عجم تھا کہ دونوں کالے دھندے  
میں ٹوٹ انتہائی معزز شہزادوں کے بالے ہوئے غنڈے ہیں جن پر  
غضب ہونے کا شبہ کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ یہ تم کیسی باتیں کر رہے  
ہو۔ میرے پاس زراٹوں کا کوئی راز نہیں ہے۔ اگر اس مسئلے میں کچھ  
پوچھنا ہے تو ڈاکٹر پر کاش کے پاس جاؤ۔ وہی زراٹوں پر تحقیق  
کرتے رہتے ہیں۔ اس وقت وہ اپنی تجربہ گاہ میں بیٹھ گئے۔

"بولونت رائے؟" مجنونا ایکٹ دلے اڑا ہاتھ کی سرور آواز  
کمرے میں گونجنے لگی۔ "میں تم پر تشدد نہیں کرنا چاہتا بلکہ اشارات  
سے سب کچھ اُگل دو۔ چاہتے ہو کہ مجھے گولانے کے فن میں غامی مہارت  
مائل ہے۔"

"پتہ نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔" بولونت رائے نے میز پر نظرس  
گاہتے ہوئے کہا۔ جہاں تجارتی اختلا کی ایک لاپی گئی تھی جس کے  
معلق بولونت رائے کا ایک شدید مالی بحران سے دوچار تھا۔ اس نے  
ان پر یہ جتانے کے لیے کہ وہ خوفزدہ نہیں ہے سر اٹھا کر بھی نہیں بکھا۔  
لہذا وہ یہ بھی نہ دیکھ سکا کہ دروازے پر ٹھکرا ہوا شخص اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔  
وہ تو یہی نہ دیکھ سکا کہ اس نے اس کے سر پر کس چیز سے ضرب لگائی ہے۔

\*

وہ کسی بیماری پتھر کی طرح سیاہ بادے والی بڑھیا کے قدموں سے محض چند انچ دور رہا ایک بار باز پانچواں اور پھر مینہ کے لیے ناک بڑھ گیا۔

یہیں اب کوئی تنظیم بھی شامل ہو گئی ہے۔ اس کے لوگوں نے جو نرت رانے سے زوروں کا راز اگوانے کی کوشش کی تھی۔

ڈاکٹر اور پھر پولیس کو فون کرو۔ تمہارے پاس کو فوری طبی امداد کی



کمرے میں تین افراد تھے اور ان میں سے ٹاکس پرکاش کو پہچان لینا زیادہ مشکل نہ تھا۔ وہ قد سے ہماری عمر کم آدمی تھا اس لیے ترتیب میں جیسے گھنٹی بجے، بال سفید اور قد سے چھوٹے تھے آکھوں پر سنہرے فریم کی عینک لگی ہوئی تھی اور وہ لیبارٹری میں کے قریب اسٹول پر بیٹھا ہوا تھا۔

کمرے میں موجود باقی دو افراد جوان العمر تھے۔ لباس اور طریقے سے ہی بت چلتا تھا کہ وہ جہازم ہائپر ہیں۔ یہ کیوں ہے؟ ان میں سے ایک نے شہزاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ٹاکس پرکاش سے پوچھا۔

”میں شہزاد احمد ہوں۔ پروفیسر کا خصوصی معاون۔ یہ کہہ کر وہ پرکاش کی طرف پلٹا۔ میڈیا خیل سٹان ان لوگوں سے کوئی بھی بات چھپائی نہیں جاسکتی۔ انھیں زلزلے کا راز بتا دیا جائے تو بہتر ہے۔ وہ دونوں حیرت سے اسے ٹھونسنے لگے لہذا پرکاش کے چہرے پر اٹھانے والی حیرت سے بے خبر رہے۔

”ہم نے ایکسٹینٹین اکیڈمی کے ہنرمند تھے! شہزاد ان لوگوں سے مخاطب ہوا۔“ اسے قد سے زور سے بولنا پڑا کہ ان کے میں کسی مشین کی وجہ سے کافی شور ہو رہا تھا۔ ہم اسے ایم آئی ایس کہتے ہیں۔“

”اوہ...“ وہ دونوں کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ ”اور وہ مشین کام کیسے کرتی ہے؟“

”وٹانس ای کہاؤ بھیسے... ٹاکس پرکاش کہتے وقت اپنی ہنسی پر ہنسنے کا قبو پاس کرتا تھا۔ زمین بھی انسان کی طرح ذہنی ہوتی ہے اور کسی بھی چیز کا اثر قبول کر لیتی ہے۔ بعض اوقات زمین کی نیکیاوی کیفیت میں تبدیلی واقع ہونے سے اس کی صحت کا توازن بوجھاتا ہے لہذا اسے وٹانس ای کے انجینئر مینے پڑتے ہیں۔ میری سراد کھٹ اسٹور سے کھنے والے وٹانس سے نہیں... بلکہ اس کام کے لیے حقیقی اور انتہائی طاقتور وٹانس درد کا روتا ہے۔ زمین میں انجینئر لگتے ہی، توازن اور مدد توازن کی کیفیت میں تضاد ہوتا ہے اور زلزلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ٹاکس پرکاش اپنی تیز رفتاری کی گریز پر انجینیئر ہوتے ہیں بے ساختہ ہتھکڑیوں کو حق ہی میں ٹھونٹ لیا۔

”وہ دونوں احمق یوں حیرت سے منہ بھارتے کھڑے اس کی باتیں سن رہے تھے جیسے ٹاکس پرکاش کوئی انتہائی بڑا دانشور کر رہا ہو۔

”کوئی بھی ایسا کر سکتا ہے۔ ہم نے بھی حال ہی میں چند مینوں

کی آواز سنائی دی جیسے سننے کے لیے شہزاد کو اپنی سماعت پر بہت زیادہ دیر لگا رہا تھا۔

”میں سن رہا ہوں! ایک غلطی ہوئی! آواز سنائی دی۔“ سمجھنے کی کوشش کرو۔ زلزلے مختلف علاقوں میں آتے ہیں زمین کی ساخت میں بعض خرابیاں ہیں۔ یوں سمجھ لو کہ زمین میں بعض جگہ زمین پھیل رہی ہیں جن کی وجہ سے سوراخ کی طرف دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ جب یہ دباؤ شدید ہوتا ہے تو زلزلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ کیا کیا جا سکتا ہے؟ صرف یہ ہو سکتا ہے کہ دباؤ کا چھوٹا پتہ بتا دیا جائے۔ مثال کے طور پر ایک کھیتی باڑی میں پانی آبل رہا ہے، اگر ہم اس کھیتی باڑی کو شاد و نواد کم ہونے جانے کا آواز دہرائیں، تو کھیتی باڑی کے گارہ اس اصول کے تحت زلزلے روکے جاسکتے ہیں۔

”ٹھیک ہے... لیکن تم دباؤ کیسے کم کر سکتے؟“

”ابھی تو اس کام میں کسی کو کامیابی نہیں ہوئی جبکہ میں ایک ایسا پمپ ایجاد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں جو دباؤ پر پمپ کے ذریعے ایسا کرے گا۔ اس طرح ہم جوہرے جوہرے زلزلے پیدا کر کے کسی بھی جگہ سے زلزلے کو روک سکیں گے لیکن پمپ پر بہت سخت رفتار سے کام ہو رہا ہے۔ حکومت نے میرے ذریعہ فنانس میں خاصی رقم کی گئی ہے لہذا میں یقین سے یہ پمپ بہتر بنا کر وہ پمپ بنانے میں مجھے کامیابی ہوگی یا نہیں۔“

اس جواب پر بیٹے کو کسی فوری رد عمل کا اظہار نہیں کیا گیا

لیکن پھر وہی کوشش اور سفاک آواز گونجنے لگی۔

”ٹاکس پرکاش میں تمہاری باتوں پر یقین نہیں کر سکتا کیونکہ وہ زلزلے پیدا کیے جاتے ہیں۔ تاہم خود یہ کام کر رہے ہیں پھر کسی ایسے شخص سے حضور واقف ہو جو یہ کام کر رہا ہے۔ بہتر ہوگا کہ کل جاؤ... درجہ پانچا کام کر کے واپس چلے جائیں گے... اور وہ کام تمہارے لیے بے حد کثیف ہوگا۔“

”میں تمہارے اس وعدے پر یقین نہیں کر سکتا کہ تمہارا اہل حق دفاعی ادارہ سرخ رسانی سے ہے، ٹاکس پرکاش سے بالآخر پانچا خندہ خندہ ٹاکس پرکاش دیا۔

”ٹھیک ہے... تو تمہارے نہیں بتاؤ گے۔“ لہجہ دھکی آمیز تھا۔

شہزاد نے ایک طویل سانس لی۔ اسے مزید تاخیر ڈاکٹر پرکاش کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی تھی لہذا وہ کمرے میں داخل ہو گیا۔

”میں نے ٹاکس پرکاش اس نے پانچا جڑتے ہوئے کہا۔ اس کے

بہرے پر بڑی احمق دسی مسکراہٹ تھی۔

ہر واقعہ کی عمارت اپنا ایک ہی سامنے آجاتی تھی۔ اس عمارت سے محض سو فٹ کی بندری پر کمرہ مرگ کا وہ دہان تھا جس میں ہر وقت موت کا لاوا پکارتا تھا۔

یہاں کی زمین کو بھی تھی، کوہ مرگ کے اسی دہانے میں برسوں سے دباؤ پیدا ہو رہا تھا اور ماہرین کہتے تھے کہ یہ دباؤ کسی بھی وقت موت کی بارش کر سکتا ہے۔

ایک چٹان کے قریب شہزاد کو وہ جیسے پانچ نصب نظر آئے۔ ان کے قریب ہی ایک چھوٹا سا راز کرکین تھا جس کے ساتھ ایک زمین کھڑی تھی۔ اس نے بائیں طرف دیکھا، بہت دور تیرے دو پانچ نظر آ رہے تھے۔

اس نے اپنی کارحالت کے سامنے دیکھ دی۔ وہاں پہلے ہی ایک کینڈلک کھڑی تھی۔ اس نے آتر کر کاہ کے بوٹ پر ہاتھ رکھا اور انبات میں سر ملانے لگا۔ وہ ابھی تک گرم تھا اور اس کا مطلب تھا کہ چار سزار تنظیم کے لوگ کچھ ہی دیر میں پہنچیں گے۔ عمارت میں داخل ہونے کا وعدہ رسانی کے ذریعہ تھا جسے کھول کر وہ ایکس کے ٹنگ خوش گوار ٹنگ ماحول میں کھڑا کھڑے ٹنگ کرتا رہا۔ اس کے حساس کانوں نے بائیں طرف باتوں کی آوازیں سنیں اور پھر وہ ایک ٹنگ راہ داری میں چلنے لگا جس کے ایک طرف مختلف کمرے بنے ہوئے تھے۔

ان کمروں میں سے ایک کا دروازہ کھولا سا تھا ہوا تھا۔ وہ بے دھڑک اسی کمرے میں داخل ہو گیا۔

یہ ایک لیبارٹری تھی جہاں ہر طرف میٹھیو میں ادنیہ رکھے ہوئے تھے۔ ایک دیوار کے ساتھ کمپیوٹر لگا ہوا تھا۔ جس کے ٹیپ مسٹر ٹھوم سے تھے مختلف رنگوں کے نقطے کمپیوٹر پر بار بار بار حل ہو رہے تھے۔

باتوں کی آواز اس کے کمرے کے ساتھ والے حصے سے آ رہی تھیں۔ شہزاد اس کے دروازے سے ٹنگ کر کھڑا ہو گیا۔

وہ غور سے بائیں منہ لگا۔

”سائنسی اعداد و شمار سے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا کسی کی کوشش آواز سنائی دی۔“ ہم صرف یہ چھٹا چلتے ہیں کہ تم زلزلہ کس طرح پیدا کرتے ہو؟

”اس کا تعلق بھی سائنس سے ہو سکتا ہے۔“ ایک بے حد دلچسپی آواز سنائی دی۔

”میں صرف یہ بتاؤ کہ تم زلزلہ کس طرح پیدا کرتے ہو؟“

”میں پیدا تو نہیں کرتا البتہ زلزلہ پیدا ہونے کا سبب بتا سکتا ہوں۔“

”تعلیم... بہرہ نے یہ لفظ بول دیا جیسے شطرنج کی کسی چل پر غور کر رہا ہو۔“ سونا ٹنگر ان لوگوں کو تم سے پہلے زلزلے کے تاجروں تک نہیں پہنچا چاہیے۔

”میں جانتا ہوں موت دلنے سے مرنے سے پہلے مجھ سے درخواست کی تھی کہ میں کسی کمپنن جگہ تک کو آگاہ کر دوں کہ تنظیم کے لوگ زلزلوں میں دلچسپی لے رہے ہیں۔“

”ٹھیک ہے اب تم اسے قبول جاؤ۔“

”مگر کیوں؟“ ٹاکس نے حیرت سے کہا۔

”اس لیے کہ کمپنن جگہ تک ہمارا ہی آدمی ہے لیکن اس کا خود کمپنن کو بھی علم نہیں ہے۔ موت دلنے سے بھی غیر شعوری طور پر ہمارے لیے ہی کام کیا کرتا تھا۔ موت دلنے سے ہی ہمارے کمپنن کے لیے تھا اور کمپنن سے پیغام ہم تک پہنچا تا اب جبکہ پیغام براہ راست کمپنن تک پہنچ گیا ہے تو کمپنن سے رابطہ قائم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بہر حال اب تم کہاں جا رہے ہو؟

”میں ڈاکٹر پرکاش سے ملنے جا رہا ہوں اور مرزا خیل ہے کہ وہ درجہ سے بھی مل جائیں گے جنھوں نے موت دلنے کو نقل کیا ہے؟“

”ذرا احتیاط رہنا۔ بہرام کے بچہ میں شفقت اور مہربانی تھی۔ فکر کرو کہ جیتا... البتہ مجھے ایک چیز خاصی پریشان کر رہی ہے۔“

”وہ کیا؟ بہرام۔“ جس سے پوچھا۔

”یہ کہ جس طور سے چہرے پر چھوٹے چھوٹے ان گنت بچے تلے...“

بہرام نے بات پوری سے لہجہ ری رہی اور رکھ دیا تھا اس لیے باقی شہزاد ٹنگر کو پی لینا پڑا۔ وہ ہونٹ سے نکلا اور وٹانس کوہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

بلونت رائے، ممتاز اور مگر بھی... مینول متعب وطن تھے اور ان کی دو مین انتظام انتظام پک رہی تھیں۔

ٹاکس پرکاش کے چہرے سے بچنے لگے۔

۷۷

عمارت ایک بلند تیلے پر تھی جس میں اس مختصر سی عمارت پر کھیل کی چمت تھی اور دوسرے ایک خوبصورت۔ اگھر وٹانس کی لگ آتا تھا۔

جملی مرگ سے عمارت دکھائی نہیں دیتی تھی لیکن گاڑی جو بیرونی دھڑکے کی شکل میں بنی ہوئی مرگ سے اوپر پہنچتی تو زلزلہ

”وہ... یہاں نہیں آیا... لیکن اسی نے ہمیں یہاں آنے کی ہدایت کی تھی اور کہا تھا کہ ہم کام مکمل کر کے اسے اطلاع دیں۔“

”ہوت مائے کوکس نے محل کیا تھا؟“

”امرا تھنے... وہ ہیلار کو ہلا کر کنوڑوں کی تحفہ اب اس کے لیے ناقابل برداشت ہو گئی تھی۔“

”تم لوگ کیا چاہتے ہو؟“

”یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف چل دیا۔ اس کا قصد تھا کہ وہ دونوں پر کاش سے تڑپیں اور اس کے پیچھے دوسرے کمرے میں آجائیں۔ ان کی چال کامیاب رہی۔“

”فورا ہی ایک غنڈے نے کہا: تم یہیں بھڑو گے پروفسر؟“

”اگر تم نے کسی قسم کی گولہ باری تو اس کے بعد اپنی زندگی کے لمحات شمار کرنا شروع کر دینا۔ دوسرے نے بھی گروہ لگا دی۔“

”وہ دونوں شہزادے کی پیچھے چلے گئے وہاں سے نکل آئے۔“

”ماہیگر، انھیں راہ واری سے مہارت کے دوسرے حصے میں لے آیا۔ اسے کسی ایسے کمرے کی تلاش تھی جس کا دروازہ کھلا ہوا ہو اور اسے جلدی کا سامنا ہوگی۔ اس کی تیز نگاہوں نے ایک کمرے کے کواڑوں میں بھری دیکھ لی۔“

”اسی کمرے میں ہے۔ اس نے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور دھکا دے کر اندر گھس گیا۔“

”دونوں غنڈے فورا ہی اس کمرے میں آ گئے۔“

”یہ یہ تو بادرچی خانا ہے، شاہک غنڈے نے برہی سے کہا۔“

”درست...“

”میں، فرنگ میں کبھی جاتی ہے تاکہ اس کے حساس پرنسے گرمی سے خواب نہ ہو جائیں۔ شہزادے بڑے سکون سے جواب دیا۔ ساتھ ہی فرنگ کھول کر انگشت ہسات سے اشارہ کیا: یہ رہی...“

”وہ دونوں تیزی سے آگے بڑھے... ایک قدم... دو قدم... تین قدم... اور پھر فرنگ کے قریب آ گئے۔“

”مناہزادے اچھل کر ایک ٹوٹے کی گھڑی پر گزری ماری۔ اس کا سر کسی ٹوڑے کی طرح ہی چٹا اور وہ شخص کوئی آواز نہ لگائے۔“

”پروفیسر دھیر ہو گیا۔“

”اس سے قبل کہ وہ سرفراخہ کچھ سمجھتا فہر اڑنے اس کے دونوں ہاتھ تمام کر رہے تھے۔ وہ فرنگ کے کسی کمرے کی طرف چلنے لگا۔ اس کے شانوں میں جان لیوا کیفیت کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔“

”لوہو زندا تم میں سے امرا تھ کون ہے؟ شہزادے سناٹک پہنچیں ہو چکا۔“

”وہ... یہاں نہیں آیا... لیکن اسی نے ہمیں یہاں آنے کی ہدایت کی تھی اور کہا تھا کہ ہم کام مکمل کر کے اسے اطلاع دیں۔“

”ہوت مائے کوکس نے محل کیا تھا؟“

”امرا تھنے... وہ ہیلار کو ہلا کر کنوڑوں کی تحفہ اب اس کے لیے ناقابل برداشت ہو گئی تھی۔“

”تم لوگ کیا چاہتے ہو؟“

”یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف چل دیا۔ اس کا قصد تھا کہ وہ دونوں پر کاش سے تڑپیں اور اس کے پیچھے دوسرے کمرے میں آجائیں۔ ان کی چال کامیاب رہی۔“

”فورا ہی ایک غنڈے نے کہا: تم یہیں بھڑو گے پروفسر؟“

”اگر تم نے کسی قسم کی گولہ باری تو اس کے بعد اپنی زندگی کے لمحات شمار کرنا شروع کر دینا۔ دوسرے نے بھی گروہ لگا دی۔“

”وہ دونوں شہزادے کی پیچھے چلے گئے وہاں سے نکل آئے۔“

”ماہیگر، انھیں راہ واری سے مہارت کے دوسرے حصے میں لے آیا۔ اسے کسی ایسے کمرے کی تلاش تھی جس کا دروازہ کھلا ہوا ہو اور اسے جلدی کا سامنا ہوگی۔ اس کی تیز نگاہوں نے ایک کمرے کے کواڑوں میں بھری دیکھ لی۔“

”اسی کمرے میں ہے۔ اس نے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور دھکا دے کر اندر گھس گیا۔“

”دونوں غنڈے فورا ہی اس کمرے میں آ گئے۔“

”یہ یہ تو بادرچی خانا ہے، شاہک غنڈے نے برہی سے کہا۔“

”درست...“

”میں، فرنگ میں کبھی جاتی ہے تاکہ اس کے حساس پرنسے گرمی سے خواب نہ ہو جائیں۔ شہزادے بڑے سکون سے جواب دیا۔ ساتھ ہی فرنگ کھول کر انگشت ہسات سے اشارہ کیا: یہ رہی...“

”وہ دونوں تیزی سے آگے بڑھے... ایک قدم... دو قدم... تین قدم... اور پھر فرنگ کے قریب آ گئے۔“

”مناہزادے اچھل کر ایک ٹوٹے کی گھڑی پر گزری ماری۔ اس کا سر کسی ٹوڑے کی طرح ہی چٹا اور وہ شخص کوئی آواز نہ لگائے۔“

”پروفیسر دھیر ہو گیا۔“

”اس سے قبل کہ وہ سرفراخہ کچھ سمجھتا فہر اڑنے اس کے دونوں ہاتھ تمام کر رہے تھے۔ وہ فرنگ کے کسی کمرے کی طرف چلنے لگا۔ اس کے شانوں میں جان لیوا کیفیت کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔“

”لوہو زندا تم میں سے امرا تھ کون ہے؟ شہزادے سناٹک پہنچیں ہو چکا۔“

”وہ... یہاں نہیں آیا... لیکن اسی نے ہمیں یہاں آنے کی ہدایت کی تھی اور کہا تھا کہ ہم کام مکمل کر کے اسے اطلاع دیں۔“

”ہوت مائے کوکس نے محل کیا تھا؟“

”امرا تھنے... وہ ہیلار کو ہلا کر کنوڑوں کی تحفہ اب اس کے لیے ناقابل برداشت ہو گئی تھی۔“

”تم لوگ کیا چاہتے ہو؟“

”یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف چل دیا۔ اس کا قصد تھا کہ وہ دونوں پر کاش سے تڑپیں اور اس کے پیچھے دوسرے کمرے میں آجائیں۔ ان کی چال کامیاب رہی۔“

”فورا ہی ایک غنڈے نے کہا: تم یہیں بھڑو گے پروفسر؟“

”اگر تم نے کسی قسم کی گولہ باری تو اس کے بعد اپنی زندگی کے لمحات شمار کرنا شروع کر دینا۔ دوسرے نے بھی گروہ لگا دی۔“

”وہ دونوں شہزادے کی پیچھے چلے گئے وہاں سے نکل آئے۔“

”ماہیگر، انھیں راہ واری سے مہارت کے دوسرے حصے میں لے آیا۔ اسے کسی ایسے کمرے کی تلاش تھی جس کا دروازہ کھلا ہوا ہو اور اسے جلدی کا سامنا ہوگی۔ اس کی تیز نگاہوں نے ایک کمرے کے کواڑوں میں بھری دیکھ لی۔“

”اسی کمرے میں ہے۔ اس نے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور دھکا دے کر اندر گھس گیا۔“

”دونوں غنڈے فورا ہی اس کمرے میں آ گئے۔“

”یہ یہ تو بادرچی خانا ہے، شاہک غنڈے نے برہی سے کہا۔“

”درست...“

”میں، فرنگ میں کبھی جاتی ہے تاکہ اس کے حساس پرنسے گرمی سے خواب نہ ہو جائیں۔ شہزادے بڑے سکون سے جواب دیا۔ ساتھ ہی فرنگ کھول کر انگشت ہسات سے اشارہ کیا: یہ رہی...“

”وہ دونوں تیزی سے آگے بڑھے... ایک قدم... دو قدم... تین قدم... اور پھر فرنگ کے قریب آ گئے۔“

”مناہزادے اچھل کر ایک ٹوٹے کی گھڑی پر گزری ماری۔ اس کا سر کسی ٹوڑے کی طرح ہی چٹا اور وہ شخص کوئی آواز نہ لگائے۔“

”پروفیسر دھیر ہو گیا۔“

”اس سے قبل کہ وہ سرفراخہ کچھ سمجھتا فہر اڑنے اس کے دونوں ہاتھ تمام کر رہے تھے۔ وہ فرنگ کے کسی کمرے کی طرف چلنے لگا۔ اس کے شانوں میں جان لیوا کیفیت کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔“

”لوہو زندا تم میں سے امرا تھ کون ہے؟ شہزادے سناٹک پہنچیں ہو چکا۔“

آج کل کوئی شخص لوگوں کو زور پورا کرنے کی دھمکیاں دے رہا ہے۔  
لیکن اس مشین سے کوئی بڑا زلزلہ نہیں پیدا کیا جاسکتا۔  
چند دنے بعد وہ شہزاد کے بہت قریب کھڑی تھی اور اس کی  
ہلک شہزاد کو اپنی روح میں اتار لی محسوس ہو رہی تھی۔ یہ مشین  
بہت چھوٹی ہے اور اس سے صرف جھوٹے زلزلے پیدا کئے جاسکتے ہیں۔  
وہ بھی بڑے زلزلے پیدا کرنے والا کوئی اتنی ہی ہرگز نہیں کہ  
اسے اس طرح کوئی نامہ حاصل نہیں ہو سکتا۔  
”دولت تھیلے کے لیے قمر کی ہلک مڈلگ کی جاتی ہے۔“

”ہاں... یہ بالکل سچ ہے۔“ مانی نے مسکراتے ہوئے جواب  
دیا۔ اس کے سفید روتوں سے دانتوں میں بے پناہ جھک تھی۔ کیا تم  
کوئی سرخ رساں اور شہزاد؟  
”نہیں... وہ ہشتے تھے۔“ مانی نے عرض کیا۔ ایک دکان دار  
ہوئے۔ مجھے تشویش صرف اس بات پر ہے کہ اگر وہ ہلک سیلر زلزلہ  
پیدا کرنے میں واقعی کامیاب ہوئے تو میرا اکل کلاں سترہ چار بجے  
گا جسے میں نے حال ہی میں خریدا ہے۔  
ڈاکٹر پرکاش اس وقت تک اپنی ڈیسک پر بیٹھ کر کاغذات  
کے مطالعے میں گم ہو چکا تھا۔

”سنو... شہزاد نے ٹیبلوں سے سرگوشی کے انداز میں  
کہا۔ میری ماں تو اپنی حفاظت کے لیے یہاں کوئی محافظ رکھ کر  
اس تنظیم کے لوگ بڑے خطرناک معلوم ہوتے ہیں، ممکن ہے وہ چہرہ  
یہاں آجائیں اور...“

”نہیں... ایسا نہیں ہوگا۔“ چندا نے متبسم ہو کر کہا۔  
”یہ تو بتاؤ کہ ان دونوں کا کیا تہا جو ڈیڑی کے ساتھ تھے۔ ہم  
نے ان کی گاڑی پوری رفتار سے دوڑنی دیکھی تھی۔“  
”ان میں سے صرف ایک واپس جاسکا ہے۔ دوسرا تمھارے  
کچن میں پڑا ہے۔ اور اس کی روح نفسِ فطری سے پرواز کر  
چکی ہے۔“

”اوه وہ مر گیا؟“ مانی نے حیرت سے کہا۔... پھر اچانک ہی  
وہ سنجیدہ ہو کر دائرہ لڑکی کی طرف بٹنی: اگر کوئی اور سوال باقی نہیں تو  
ہم چند ضروری کام نکالیں؟

”کیوں نہیں... پھر ملاقات ہوگی۔ تم دونوں کسی بھی روز  
میرے گھر آ سکتی ہو میرے سونگ پائل میں تمھیں بہت لطف  
آئے گا۔“ شہزاد نے انھیں دعوت دیتے ہوئے کہا۔

”مزدور آئیں گے۔“ مانی نے ہٹ کر کہا اور چندا نے بھی  
اثبات میں سر ہلا کر اس کی تائید کر دی۔

دونوں لوگوں اسے ٹھوکر دے گئیں۔  
مانی نے مشین بند کر دی اور لڑکی میں گہری خاموشی چھا گئی۔  
اس نے دائرہ لڑکا اور پری جھٹکا کہ ایک گلاس پانی اٹھ لے دیا۔  
”اس مشین میں داخل دائرہ سچائی اصول کے تحت کام  
ہوتا ہے۔“ چندا نے وضاحت کی۔  
دائرہ لڑکے ایک پہلو میں گیس سین میں فونٹی لگی ہوئی  
تھی جس کے ایک نٹ کو کھٹاتے ہوئے مانی نے کہا: میں دھماکے  
کو محدود کر رہی ہوں۔ اور پھر اس نے لیزر کو آگیا تھا یا کہ کسی کی  
فونٹی شہزاد کے سامنے آگئی۔

اس نے بارہ مربع انچ کی ایک آہنی پلیٹ اٹھا کر شہزاد کو  
تھمتے ہوئے کہا: اسے فونٹی کے سامنے رکھ کر مضبوطی سے خلعے رکھا۔  
شہزاد نے ایسا ہی کیا۔

لیزرس میں صرف ایک گلاس پانی تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ اس  
پانی کی کتنی قوت ہوگی؟  
مانی نے جیسے ہی ایک سوچ اُن کی مشین چلنے لگی۔ اس  
کی آواز سے صاف یہ چلتا تھا کہ پانی میں قوت پیدا کی جا رہی ہے  
اور پھر اچانک ہی اسے ایک زوردار جھکا لگا۔

دائرہ لڑکی فونٹی سے پانی کی دھار نکلی، آہنی پلیٹ سے  
نکرائی اور پلیٹ دو ٹکڑے ہو گئی۔ جانیگر کے بازو جھکا گئے اور وہ  
پانچ قدم پیچھے ہٹ کر ٹھکرا جا گیا۔

مانی اور چندا اُس کی اس حالت پر کھل کھلا کر ہنس پڑیں  
... پھر مانی نے مشین بند کر دی اور تائید کر لی انداز میں سر ہلانے لگا۔  
”اس مشین کا راز پانی کی عدم حرکت میں ہے۔“ مانی کہہ رہی  
تھی۔ پانی میں کوئی اٹھل پھٹل نہیں ہوتی بلکہ یکساں اور زبردست  
قوت پیدا ہوتی رہتی ہے۔ اگر ہم اس پانی کو تنگ فونٹی سے خارج  
کر دیں تو وہ آہنی پلیٹ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا اور اگر ہم قدرے  
وسیع اور چھڑا خارج کر دیں تو یہ پانی تباہی مچا سکتا ہے۔ تم نے  
ابھی صرف ایک گلاس پانی سے ہونے والا مظاہرہ دیکھا ہے جب کہ  
اس دائرہ لڑکی میں پانچ گیلن پانی آ سکتا ہے۔ آج کل میں لیزر کی  
کارکردگی کا جائزہ لے رہے ہیں؟

”کیا تمھارے پاس صرف ایک ہی دائرہ لڑکی ہے؟“ شہزاد نے  
اُن سے پوچھا۔

”اُں... ہاں... ایک ہی ہے۔“ وہ لے لے بھر کے توقف سے  
بولی لیکن اس کا لہجہ جھوٹ کی نشانی دکھا رہا تھا۔

”مجھے خدشہ تھا کہ کسی نے تمھاری یہ ایجاد چھانڈ لی ہو کیوں کہ

نے ہر دماغ میں کھلتی کر کے ستون ڈال دیے ہیں۔ یہ ستون بڑے  
حساس ہیں جن سے حرارت، دباؤ اور دوسرے امور کے بارے؟  
معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ دوسرے کسے میں موجود دیگر آلات  
کی ریڈنگ ریکارڈ کرتے رہتے ہیں۔ ان کے مسلسل مطالعے سے  
یہ بتا سکتے ہیں کہ کس دماغ پر دباؤ چھ رہا ہے اور کہاں کم ہو  
ہے۔ قدرت اس دباؤ کو توازن بنانے کی کوشش کرتی ہے۔  
زلزلہ آجاتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا جیسے اس نے تائید کر  
سوال کا تسلی بخش جواب دے دیا ہو۔

”مگر یہ مشین کام کیا کرتی ہے؟“ شہزاد نے پھر پوچھا جیسے  
کچھ بھی نہ سمجھا ہو۔

دائرہ لڑکی نامی مشین بہت کام کی چیز ہے۔ دباؤ کے تقاضا  
تک پہنچنے سے قبل یہ مشین اُن ستونوں سے لگا کر تشویش خانی  
میں پانی ڈالا جاسکتا ہے۔ اس پانی کے شدید ترین دباؤ کے باوجود  
چٹان ٹوٹ جاتی ہے اور اس سے انتہائی معمولی جھٹکا محسوس  
ہے لیکن اس طرح ایک بڑے زلزلے سے محفوظ رہا جاسکتا ہے۔  
”اوه... اگر یہ ایجاد کارآمد ہے تو میں اسے عظیم ترین  
سمتا ہوں۔“

”یہ کارآمد ہے، جناب؟“ مانی نے انھیں مشکوکے ہوئے۔  
”ہم اس کا ثبوت پیش کر سکتے ہیں مگر تمھاری حکومت ہمارا  
کوئی مدد نہیں کرے گی حالانکہ ہمیں مزید تحقیق کے لیے ہمارے  
کی ضرورت ہے۔ تمھاری حکومت اٹیم بم بنانے میں مصروف  
لہذا اسے ایسی ایجادات سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔“

”اگر حکومت نے کوئی مدد نہیں کی تو پھر یہ عمارت کس  
بنائی اور تم لوگوں کی گزر رہے ہو؟“ شہزاد نے پوچھا۔  
”ہمارے دوست تعلیمات کے ذریعے سب کچھ کرتے؟  
دوستوں کے تعلیمات نہ ملتے تو ہم اس مشین کا ڈھانچہ بنانا  
میں کامیاب نہ ہوتے۔“

”کس حد تک...؟“ شہزاد نے اس کی سیاہ آنکھوں  
جھانکتے ہوئے پوچھا۔ تم لوگ کس حد تک کامیاب ہو چکے ہو  
”مشین کا تجربہ کرنے کی حد تک... ہم نے کامیاب  
کیا ہے۔ اب ہم اپنے دائرہ لڑکے بہتر بنائے۔ ہم چاہتے ہیں  
کی قوت اور دائرہ عمل وسیع کر دیں۔ کیا تم مشین کا عملی مظاہرہ  
چاہتے ہو؟“

”کیوں نہیں... مظاہروں کے لیے تو میں بہت بے  
واقع ہوا ہوں؟“ شہزاد نے دو حافی انداز میں کہا۔

”مگر تم کتنے میں ندامت محسوس نہ کر دو تو میں تمھیں سب کچھ  
بتا سکتی ہوں۔“ مانی کے لیے جسے خوشی کو ٹوٹ کر بھری ہوئی تھی۔  
”چلو... شہزاد نے اپنی زندگی کی طویل ترین سانس لے کر  
کہا اور اس سانس کے ساتھ ہی اس کی حالت نامرل ہو گئی۔  
مانی اپنی قیامت خیز چال کا مظاہرہ کرتی ہوئی اس کو دیکھنے  
تک پہلی گئی جہاں مشین چل رہی تھی۔ شہزاد بھی اس کے ساتھ ساتھ  
تھا۔ چندا کی خوب صورت آنکھیں اس پر جم کر رہ گئی تھیں اور پھر  
وہ بھی اُن کے پیچھے آگئی۔

”یہ ڈیڈی کی ایجاد ہے۔“ مانی نے مشین کی طرف اشارہ کیا۔  
”میں تمھارے ڈیڈی کی ایجادات کا قائل ہو گیا ہوں۔“ وہ

اُسے گہری نگاہوں سے دیکھ کر بولا۔  
مانی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اس کی آنکھوں کے ذریعے دل  
تک جھانکنے کی کوشش کر رہی تھی۔... پھر وہ بے پروائی سے بولی۔  
”اس مشین سے دنیا کو زلزلوں سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔“  
مشین زیادہ بڑی نہیں تھی۔ بس ایسی ہی تھی جیسے پانچ گیلن  
کی گنجائش کا کوئی ڈبہ ہوتا ہے۔ اس پر گہرا اینڈ پیٹ کیا گیا تھا۔

”یہ کیا ہے؟“ وہ چونک کر بولا۔  
”تم اسے دائرہ لڑکے کہہ سکتے ہو۔“ مانی کا لہجہ فائن ہو گیا۔  
”میں نے ایسی کس چیز کا نام نہیں دیا۔“  
”نہیں بھی کیسے کہتے تھے۔“ اسی تو اس کے بارے میں دنیا کو  
معلوم ہی نہیں ہوا۔ یہ تجرباتی مرحلے میں ہے۔“ عقب سے چندا کی آواز  
سنائی دی۔

”یہ مشین کیا کام کرتی ہے؟“ مانی نے متبسم لہجے میں پوچھا۔  
”تم نے لائٹ لیزر دیکھے ہوں گے جو روشنی کی لہروں کو بڑھا  
کر روشنی کی قوت میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ لیزر سے پتھر اور دھات  
تک کاٹی جاسکتی ہے۔ ڈیڈی نے یہی فائدہ لایا پانی پر استعمال  
کیا۔ پانی لہروں کی شکل میں بہتا ہے لیکن ڈیڈی نے لہروں ختم کر دیں  
تاکہ قوت یکساں رہے۔ کوئی حرکت باقی نہ رہے۔ کسی قسم کا ارتعاش  
پیدا نہ ہوئے۔“  
”یہ مشین انتہائی زبردست اور طاقتور آبی  
دھارے کو فوس کر سکتی ہے۔“

”مگر اس کا زلزلے سے کیا تعلق ہے؟“ شہزاد نے مانی کے  
چہرے پر نظر جماتے ہوئے پوچھا۔

اس نشانی پر کاش میں اُن کے قریب آ گیا۔  
”کوہ مرگ کئی میل تک پھیلا ہوا ہے۔“ پرکاش نے کہا۔  
”اور ایک میل کے بعد اس کا ایک چھوٹا سا بڑا دائرہ ضرور ہے۔ ہم

✱

انسپکٹر مدن لال، مل جل کر کے اسے گھروں میں بیٹھا ہوا تھا اور اس کی طبیعت بڑی طرح متلاطم تھی۔ واپسی پر ٹائیگو کی نظر اس کی موٹر سائیکل پر پڑی تو اس نے فوراً گاڑی روک دی۔ اور پھر دیکھ کر بے ساختہ اس کی جیسی چوٹ گئی کہ مدن لال نے کہا ہے اور اس کا نائب اس کے قریب انٹینس حالت میں کھڑا ہے۔

کیا کھالیا تھا انسپکٹر؟ شہزاد نے جس ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔

”اوہ آپ... انسپکٹر نے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر اس کی طرف دیکھا اور دوسرے ہاتھ سے ایک ٹوکے کی طرف اشارہ کر کے دوبارہ متنبہ ہوا تھا۔“

ٹائیگو نے ٹوکے میں جھانک کر دیکھا اور پھر اسے انسپکٹر سے جلدی محسوس ہونے لگی۔ ٹوکے کا منظر دیکھ کر کوئی بھی عام آدمی انسپکٹر جیسی حالت میں مبتلا ہو سکتا تھا۔

ٹوکے میں دو آدمیوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ دونوں نے نیلے سوٹ پہن رکھے تھے اور ایسا لگتا تھا جیسے کسی نے ان کے پیٹ اور معدے کی لاش کسی چیز سے کھینچ کر نکال دی ہو۔ ان کے منہ سے آتیں لٹک رہی تھیں۔ گویا ان کے پیٹ پر شدید دباؤ ڈالا گیا تھا اور انہوں کو کھٹکے کے لیے صرف دباؤ ہی کا راستہ میسر آیا ہو۔

”کوئی لوگ ہیں، انسپکٹر، ٹائیگو نے مدن لال کو پستولوں میں چال کر اٹھتے دیکھ کر پوچھا۔“

”معلوم نہیں... ممکن ہے انہی میں سے کوئی بولت لائے کا قاتل بھی ہو۔“

”دوبری لگو... میں تمہاری ذہانت کا معترف ہوں تاہم جاہلوں... ان لاشوں کی اطلاع کس نے دی تھی؟“

”میں نے سونے لیا تھا، مدن لال نے ٹوکے میں ٹھیک کر ایک لاش کی جیبیں منوٹے ہوئے کہا لیکن ان دونوں لاشوں کی جیبیں خالی تھیں۔ شہزاد نے دو خاص باتیں نوٹ کیں، پہلی تو یہ کہ پستولوں کی زپ کھلی ہوئی تھی اور دوسری یہ کہ ان کی کمرے گرد قمیصیں اوڑھتی ہیں بے رنگ تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ گیلی ہو کر خشک ہوئی ہوں۔“

”یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے کوئی انہیں اپنی گاڑی سے کچل کر فرار ہو گیا ہو۔ مدن لال نے اپنی توند پر ہاتھ پھیرتے

ہوئے کہا۔

”مگر ایسی صورت میں لاشوں کی حالت کا کافی مختلف ہوتی ہے۔“

”اوہ... تو اب آپ بھی مجھے متورے دیں گے؟ انسپکٹر کو قطعاً آنے لگا، ہر معاملے میں آپ کی مدافعت پسندیدہ نہیں ہو سکتی۔ بولت راسے کے دفتر میں بھی آپ کا ردیو غیر مناسب تھا۔“ ٹھیک ہے... ٹھیک ہے... میں جا رہا ہوں تاہم کسی شور سے یا تمہارے کے بغیر ہی اپنا کام کر سکو۔ ویسے یہ تو بتاؤ کہ یہاں ایسی کوئی عورت مل سکتی ہے جس کے ہرے پرے ہمارے پھر سے مل سکتے ہوں؟“

”لگ... کیا؟ انسپکٹر کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا اور ٹائیگو نے مایوسی سے گردن جھٹک کر اپنی گاڑی اشارت کر دی۔“

مدن لال اس کی شان دار گاڑی کو نظروں سے اوجھل ہونے تک گھورتا رہا۔ وہ بے حد پریشان تھا... اور پریشانی کی وجہ محض وہ لاشیں نہیں تھیں کیوں کہ وہ ایسی لاشیں پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ ممتاز اور کمری کا بھی یہی شہر ہوا تھا۔ پریشانی کا اصل سبب وہ فن کا ل تھا جس سے اسے ان لاشوں کا پتہ چلا تھا۔ ایک نسوانی آواز نے اسے بتایا تھا کہ لاشیں کہاں پڑی ہیں... اور اسی آواز نے اسے رات کو طوفان کے لیے بھی طلب کیا تھا اور اس کا مطلب تھا کہ کوئی بڑی گڑبڑ ہونے والی ہے۔

اب تو یہ نسوانی آواز میں کراس کا خون ٹپک رہی تھی۔ خشک ہونے لگا تھا۔

✱

”شہزاد... شہزاد... شہزاد! سببش چند نے ریسپوڈ منچتے ہوئے کہا، یہ کیا ہے آخر؟ کیا میری زندگی محض ایک کاغذ کے انہوں تباہ ہو جائے گی؟ اس کا پارہ پڑھا ہوا تھا اور شیشی کا ایک رنگ زور زور سے چمک رہی تھی۔“

اس نے فعلہ اندازوں سے امرنا تھ کی طرف دیکھا جو چند قدم دور ایک آرام گاہ پر سناٹ بیٹھا ہوا تھا۔

”میں تم سے خوش نہیں ہوں امرنا تھ، سببش چند نے پوچھتے ہوئے کہا۔“

”امرنا تھ مر رہا ہو گا۔“

”یہ گروہ بندہ سناٹ کی کال تھی، اس نے بتایا ہے کہ خوف و راجہ کا ردیو یہ تینوں جاگ ہو چکے ہیں۔ انہیں کسی مردود شہزاد نے قتل کیا ہے اور... اور تم...“

سببش چند بے چینی کے عالم میں ٹپکنے لگا۔

”میں نے تمہیں زلزلوں کا راز معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا تم ایک قتل کر کے واپس آئے... پھر کام مکمل کرنے کے بجائے اپنے آدمیوں کو پرکاش کے پاس بھیجا اور خود واپس آ گئے۔“

”میں نے اپنے دو آدمی بھی لاپتہ ہیں۔ ایک خرچکا ہے، ایک کا ہاتھ گیا ہے۔ آخر کو... صرف شہزاد کی وجہ سے، شہزاد... اس چند نے جھنجھلا کر اپنے بال توجہ ڈالے۔“

”امرنا تھ کی حالت دیدنی تھی۔ وہ پیسے پیسے ہو رہا تھا۔“

”کیا تمہیں علم ہے کہ غلطی کیا ہوئی ہے؟ نا تھ؟ سببش نے بے بسی میں کہا۔ میں تمہیں بتاؤں کہ غلطی کیا ہے... میں نے پرندھا اعتماد کے ان سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ میں نے ایک معمولی سے کام کے خوف پر اعتماد کیا لیکن معمولی سا کام اپنا ثابت ہوا اور اب فک کی لاش وہاں پڑی ہے۔ میں نے سمجھ ہی نہیں سکتا کہ اس نے اعتماد کیا... لیکن تمہیں نا اہل ثابت ہوئے... اور اب اس نے تمہیں اس طرح ختم کر دیا ہے۔“

”امرنا تھ خاموش رہا۔“

”سببش نے بھی سانس لینے کے لیے وقف کیا اور پھر بولا“

”اب بتاؤ، میں تم سے کیا سلوک کروں؟“

”امرنا تھ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن پھر بند کر لیا کیونکہ

”سببش چند نے سگریٹ نکال کر سناٹا اور پھر نا تھ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا...“

”شہزاد ایک معمولی سا نوجوان ہے۔ محض ایک دوکان دار...“

”میں نے کچھ اور بھی سوچ رہا ہوں۔ وہ سب کچھ تو ہو سکتا ہے۔“

”یہ دوکان دار گروہ نہیں ہو سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ اس کا تعلق زلزلے سے پیدا کرنے والوں سے ہو گا... وہ یقیناً زلزلوں کے

”اس میں وسیع معلومات رکھتا ہے، میں اس سے مطلوبہ معلومات حاصل ہو سکتی ہیں... لیکن... وہ ایسا آدمی نہیں

جز آسانی سے سب کچھ اٹھل دے۔ سیدھی انگلیوں سے بھی نہیں نکلے گا۔ اس پر تشدد کرنا پڑے گا۔ جیسا کہ تشدد، صرف اسی صورت میں اس کی زبان کھلے گی۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا میرے پاس ایسا کوئی شخص ہے جو ایسا تشدد کر سکے۔ کل تک میرا جواب اثبات میں ہوتا اور میں سرگڑھا کر سکتا ہوں... امرنا تھ ایسا آدمی ہے، لیکن آج مجھے امرنا تھ کی صلاحیتوں پر اعتماد نہیں رہا۔ شاید نا تھ کا دل بہت نرم ہو گیا ہے، شاید وہ اس کام کے لیے بوڑھا ہو گیا ہے اور... شاید اب مجھے کوئی ایسا شخص تلاش کرنا پڑے گا۔ جو

تمہاری طرح کردار اور گورڈا ہو گا؟“

”امرنا تھ ایک جھٹکنے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔“

”سببش چند نے اپنا ہاتھ توڑ دیا ہوا ہے اور وہ اپنی نرم دل ہے... میں درخواست کرتا ہوں کہ مجھے ایک آدمی موقع دیا جائے۔“

”میں شہزاد سے منٹ لوں گا۔ میں اور میری ساتھی... ہم اس کی زبان کھولنے میں کامیاب ہو جائیں گے، اس نے اپنی جیب کو کھینکتے ہوئے کہا جس میں ایک نوا رکھا ہوا تھا۔“

”کیا تم ایک ایسے شخص کا مقابلہ کرنے کی ہمت رکھتے ہو، جس نے تمہیں یہ پیغام دیا ہو کہ مادی کسار کا کبھی رزق بھی نہ کرنا؟“

”جی ہاں... میں اس سے اس گستاخی کا بھی بدلہ لوں گا۔“

”امرنا تھ نے مزاحمہ کے ساتھ کہا۔“

”اوہ، تو تم اب بھی وہی امرنا تھ ہو، ٹھیک ہے یا نا... لیکن یاد رکھنا کہ میں تمہیں آخری موقع دے رہا ہوں۔“

”امرنا تھ کے ہونٹوں پر بڑی ہی خطرناک مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔“

✱

انسپکٹر مدن لال کو ایک بے حد اہم پیغام دارالحکومت لے جانا تھا... ”مگر میں تو وہاں کسی سے بھی واقف نہیں ہوں۔“

”آپ نے بے بسی سے جواب دیا۔“

”تب پھر کسی اداکارہ سے جا کر ملنا۔ وہ تھا ایک بڑے افسر سے متواتر کرادے گی؟ پھر نے سے شراکین میں سرور دھڑکی مافی

نے کہا۔“

”وہ انتہائی چست جینز پہنے ہوئے تھی۔ مدن لال بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا شاید اس کیفیت کا مافی کو بھی اندازہ ہو گیا تھا... اور نا تھ ایسی لیے وہ بڑے ہی عجیب انداز میں چلتی ہوئی اس کے قریب آ گئی۔“

”وہ ایک پرانی سی... ایسی ہی بیٹھا ہوا لاپ رہا تھا۔“



کی تھا کیونکہ امر ناتھ سے انتقام ٹھانسیا کرنے ذاتی مسئلہ بنا لیا تھا۔ اُس نے اپنی کاٹھی پارک کرتے ہوئے سوچا... کشاید مدن لال ہی سے زلزلوں کے تاجر کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہو سکیں۔ اُس کے ذہن میں کئی لوگوں کے نام تھے ان میں پراکش، چندا اور دالائی بھی شامل تھی۔ انیسٹرکریٹ چینی سے اُس کا منتظر تھا اور شہزادہ جو بھی اُس کے کمرے میں داخل ہوتا تو اُس نے اُس کا دروازہ بند کر دیا۔ دونوں کمریوں پر کمرے کے سامنے بیٹھا گئے۔

”میرا خیال ہے آپ محض ایک دکاندار نہیں ہیں مسٹر شہزادہ“ انیسٹرکریٹ نے فوراً ہی گفتگو شروع کر دی۔

”کیوں نہیں... کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہاں سے صرف ایک فرلانگ ڈور ایک مین منزلہ عمارت میں میرا ڈیپارٹمنٹ اسٹور ہے...“

”میرا خیال ہے کہ آپ کوئی دوسرا دھندا بھی کرتے ہیں؟“

”کیا دھندا؟ کھل کر بات کرو انیسٹرکریٹ“

”مثال کے طور پر... آپ... میرا مطلب ہے کہ آپ سرکار کا بھی کوئی کام کرتے ہیں؟ اُس نے دونوں ہاتھ میز پر رکھتے ہوئے کہا... میں جانتا ہوں کہ آپ مجھے کچھ نہیں بتائیں گے لہذا وقت ضائع کرنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ فی الحال آپ میری بات ذرا غور سے سنیں کچھ ہی دیر قبل مجھے زلزلے کے... بیرو پارلر کی کال، وصول ہوئی تھی۔ اُن کا کہنا ہے کہ کل ایک معمولی سا زلزلہ پیدا کیا جائے گا، وہ چاہتے ہیں کہ میں اُن کا پیٹیا لے کر دارالحکومت جاؤں۔ اُن کا مطالبہ ہے کہ اُنہیں دو کروڑ... روپے ادا کیے جائیں بصورت دیگر وہ آنا خونخاک زلزلہ پیدا کریں گے کہ امین آباد وغیرت و نابود ہو جائے گا“

”مگر تم یہ باتیں مجھے کیوں بتا رہے ہو؟ میں نے تو اتنی بڑی رقم کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی؟ ٹھانسیا کرنے چونک کر کہا اور لڑکھا ہٹ کا اظہار کرتے لگا۔

”میں پیسے ہی کہہ چکا ہوں کہ آپ سرکار کے لیے کام کرتے ہیں اور میں یہ پیغام دارالحکومت تک نہیں پہنچا سکتا۔ میرا خیال ہے کہ یہ کام صرف آپ ہی کر سکتے ہیں۔ میں اتنا بڑا ضروری سمجھتا ہوں کہ زلزلے کے بیرو پارلر کے لیے حد خطرناک لوگ ہیں اور انہوں نے رقم کا مطالبہ بھی سنجیدگی سے کیا ہے۔ امین آباد کو گھرٹ میں تبدیل ہونے سے روکنے کے لیے مجھے آپ کی مدد درکار ہے“ مسٹر شہزادہ

کہا اُس کی آنکھوں کے سامنے قمار اور مگر کی کی لاشیں اُترنے کرنے لگیں۔

”ہاں... اور ہم اُس کے آخری لمحوں میں اُسے ایسی خوشگوار سماعتیں پیشیں گے کہ اُس کی تمام موت کے بعد بھی خوش رہے گی...“ مانی نے بازو پھٹ کی طرف اٹھاتے ہوئے کہا۔

مدن لال نے پھر نظریں جھکا لیں۔

”... اور اب تم یہاں سے دفعتاً ہو جاؤ۔ چندا آنے والی ہے تمہیں دیکھنے ہی اس کا ٹوڑا خراب ہو جاتا ہے۔ وہ جیسے اور چرب آدمی دیکھ کر بور ہو جاتی ہے“

مدن لال اٹھ کھڑا ہوا۔

”یہ تمہیں بھولنا کہ ہمیں رقم کل تکسپس مل جانی چاہیے“ مدن لال نے اثبات میں سر ہلایا اور وہاں سے رخصت ہو گیا۔ تب اُس کی حالت ایسی تھی جیسے وہ بے پناہ نشے میں لڑکھڑا رہا ہو۔

\*

دالئی پر مدن لال یہی سوچتا رہا تھا کہ ان لڑکیوں نے اُس کی زندگی تباہی کے قعر عریق کے کنارے پہنچا دی ہے۔ وہ اُس کی ایک غلطی سے فائدہ اٹھا کر اُسے بلیک میل کر رہی تھیں اور وہ اُن کے ہاتھوں کھلوانا بن کر رہ گیا تھا۔

دُور پہنچ کر اُس نے ڈائریکٹوریٹ میں کسی کا فہرستہ تلاش کیا اور فوراً ہی داخل کرنے میں معذور ہو گیا۔

دوسری جانب سے ایک بوڑھی اور مہین سہی آواز سنائی دی...

”شہزادہ صاحب سے بات کراؤ۔ وہ بولا۔

شہزادہ آتا تو اُس نے اُسے فوراً منٹے کے لیے کہا۔

”مجھے وہاں آکر خوشی ہوگی انیسٹرکریٹ ٹھانسیا نے خوش دلی سے کہا۔“ دیے اب تو تمہیں تھے نہیں ہو رہی بیٹے نا؟“

مدن لال نے فوراً اسی پر رکھ دیا اور جلدی سے رومی کی ٹوکری اٹھا لی کیونکہ اُن لاشوں کا خیال آتے ہی اُسے متلی سا احساس ہونے لگا تھا۔

◆

پولیس چوکی کی طرف جاتے ہوئے شہزادہ بھی کچھ سوچ رہا تھا۔ اُسے تو قہقہے کی لاشیں اُس سے ہونٹ رائے کی موت کے بارے میں پوچھ کچھ کرے گا۔ اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ پولیس کو امر ناتھ کے بارے میں کچھ نہیں بتائے گا، جس نے اسے گرفتار

کر ان کے آدمیوں کی مسلسل آمد کے باعث کوئی خوفناک آسکتا ہے۔ اُن سے کہنا کہ اب انہیں دو کروڑ روپے ادا ہوں گے... ورنہ امین آباد تباہ ہو جائے گا۔ یہ رقم پھر استعمال شدہ کرنسی نوٹوں میں ہونی چاہیے۔ تم رقم لاکر دینا میں رکھ دو گے“

مانی نے طراریں موجود فنیسٹرکریٹ کی طرف اشارہ کر کے ہوئے کہا۔

وہ ہونٹوں کی طرح منہ پھاڑ کر رہ گیا۔

”اسے تم اپنا آخری کام سمجھ سکتے ہو پھر تمہیں کبھی پرا نہیں کریں گے۔ اس رقم میں تمہارے لیے ہماری بونس“ میرا خیال ہے دس لاکھ روپے کی رقم تو تم زندگی بھر خرچ کر سکو گے“ یہ کہتے ہوئے اُس نے کمرٹ بدلی۔

مدن لال کا دل اور سے پورے ہوئے لگا۔

”اگر تم نے یہ کام مکمل نہ کیا تو پھر... پھر تمہاری قلم تقسیم کر دی جائیں گی؟“

”مم... میں... میں ضرور جاؤں گا...“ انیسٹرکریٹ کا زواں کانپ رہا تھا۔ ”لیکن دارالحکومت کے لوگ میری پر یقین نہیں کریں گے“

”تو پھر جرات جاؤ“ وہ یکایک اٹھ بیٹھی۔

”پھر کیا کروں؟“ وہ بے بسی سے بولا۔

”ایسا کرو کہ شہزادہ کو سب کچھ بتا دو۔ وہ سرکاری آڈا

اس طرح یقیناً سرکار کو اطلاع ہو جائے گی اور رقم کا

ہو جائے گا۔ تم اسے ایک اور بات بھی بتا سکتے ہو تاکہ وہ

دوسرے پر یقین کر سکے۔ اُس سے کہنا کہ کل زلزلہ آئے گا“

کی شدت زیادہ نہیں ہوگی البتہ اگر ہمیں دو کروڑ روپے نہ

ہم اتنا زبردست زلزلہ پیدا کریں گے کہ امین آباد کی تعمیر نو

صدیاں لگ جائیں گی۔ ہم امین آباد کو صفحہ ہستی سے م

گئے“

”کیا میں شہزادہ کو سب کچھ بتا دوں؟“ وہ ٹھوکر چلا

”ہاں... لیکن اگر تم نے ہمارا نام لیا تو تم بھی کسی گڑ

بڑے ہوئے نظر آؤ گے“

”رقم لینے کے بعد اُس کا قتل ضروری ہو جائے گا؟“

”نہیں... قتل کا حکم ہم نے واپس لے لیا ہے۔“

”خود ہی قتل کریں گے۔“

”اُسی طریقے سے...“ مدن لال نے بھر پوری لہجے

”تم یقیناً کسی غلط سوچ میں مبتلا ہو کر وہ زلزلے“ وہ اپنے بال ایک جھٹکے سے پشت پر ڈالتے ہوئے بولی۔

مدن لال کو توں مگر سہ ہوا جیسے یکایک چاند آبادلوں کی اوٹ سے نکل آیا ہو۔ وہ اُس سے صرف چند پانچ کے فاصلے پر کھڑی تھی...

”کیا تم مجھے پسند کرتے ہو؟“ مانی کی اولاد...؟

”ہاں... ہاں...؟ وہ ناہید نہیں پانے لگا۔

”نہیں پھر مجھ سے دور ہی رہنا۔ اگر زندہ رہنے کی خواہش ہے

تو میرے قریب مت آنا ورنہ تمہارا بھی وہی حشر ہوگا، جو قتل

مگر کی اور تنظیم کے دو آدمیوں کا ہو چکا ہے۔ وہ مجھے پسند کرتے

تھے لیکن ان کے تعارض میں، میرے لیے ناپسندیدگی چھپی ہوئی

تھی“ یہ کہہ کر وہ ہنسنے لگی۔

مدن لال کو توں پسینہ آنے لگا جیسے وہ کھل رہا ہو۔

”خیر چھوڑو۔“ وہ دوسرے سنجیدگی سے بولی۔ یہ بتاؤ کہ تم اتنے

پریشان کیوں ہو؟ ہم تمہیں دولت مند بنانا چاہتے ہیں اور تم ہو

کر...“

”ا... لیکن میں... میں دولت مند نہیں بننا چاہتا۔ میں تو

صرف ایک اچھا قانون کا محافظ بننا چاہتا ہوں؟“

”وہ تمہیں اُسی وقت بن گئے تھے جب تمہاری والدہ نے تمہیں

جنم دیا تھا۔ تم اتنے ہی پارسا تھے تو پھر اُس غریب شاستی کو توں

کیوں سے گئے تھے... اور وہ تم نے اُس کے ساتھ وہ تصویریں

انارنے کی اجازت کیوں دی تھی؟ وہ تصویریں اب ہمارے پاس

ہیں... کیا تم چاہتے ہو کہ ان تصویروں کی سیکڑوں کا پیال...

دادی کبسا اور راجدھانی میں تقسیم کر دی جائیں؟ یہ تو ہمارا

مروت ہے کہ ہم تمہیں اپنا حصہ وراثت دے رہی ہیں؟“

وہ بولتے بولتے ایک قریبی دیوان پر لیٹ گئی۔

مدن لال کی توں پھر سے اور پچھنے لگی۔ وہ بری طرح کانپ

رہا تھا۔

”دارالحکومت سے پہلے تو قمار اور مگر کی آتے تو ہم نے...

انہیں خبردار کیا کہ مزید کوئی آدمی نہیں آئے گا لیکن اب انہوں نے

اس شہزادہ کو بھیج دیا ہے؟“

”اوہ... تک... کیا وہ کوئی سرکاری آدمی ہے؟“ انیسٹرکریٹ

پوچھا تو اُس کی نگاہیں جھجک گئی تھیں کیونکہ مانی پر نظریں جمائے

رکھتا اُس کے لیے بے حد خطرناک بھی ثابت ہو سکتا تھا۔

”ہاں... اور اب تم دارالحکومت جاؤ گے۔ حکام کو یہ ضرور بتانا

”تمہارا خیال غلط ہے انسپکٹر! شہزاد نے کامیابی کی بو سونچتے ہوئے نرم بچہ میں جواب دیا، میں سرکاری ایجنٹ نہیں ہوں لیکن بروہان منتری جھپٹ میں میری تھوڑی بہت جان بچا کر ضرور ہے۔ اگر تم کہتے ہو تو میں یہ پیغام وہاں تک ضرور بھیج سکتا ہوں۔“

”یہ بھٹی نا قاعدے کی بات ہے۔“ ملن لال ناخنا نے اذنا میں مسکراتے لگا۔

شہزاد اٹھ کھڑا ہوا۔ کیا تم کچھ دیر تک یہیں رہو گے؟ اثبات میں جواب ملنے پر وہ پھر بولا۔ میں گھر واپس جا کر چند شیل فون کروں گا پھر تمہیں فون ہی پر منتہی صورت حال سے آگاہ کروں گا یہ تو بتاؤ کہ تمہیں کس نے فون کیا تھا؟

”کوئی رقم تھا۔ لیکن میں نے پہلے کبھی اس کی آواز نہیں سنی۔“ اس نے جواب دیا۔

”بلونت رائے کے قاتلوں کا کوئی سراغ ملا؟“ رائے کی سیکرٹری نے قاتلوں کا جو ٹھکانہ بتایا تھا وہ ان لوگوں سے کسی حد تک ملتا تھا ہے جو آج گھر سے بیڑے ہوئے پائے گئے تھے۔ ملن لال نے سفید جھوٹ بولتے ہوئے کہا: ویسے میں نے موت کی وجہ دل کا درد لکھی ہے تاکہ وادی کے لوگوں میں خوف دہرا س نہ پیدا ہو۔

”اوہ۔ تمہارا آج کا دن تو بہت ہی مصروف گزرا ہوگا“ بلونت رائے کی موت، دولاٹوں کا ملنا اور پھر دیگر ڈرڈر دپے کا مسئلہ بہت زیادہ مصروفیت دہی ہوگی انسپکٹر۔

”یہی نہیں... بلکہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ گورنر کے کھیتوں میں بھی تین قتل ہوئے ہیں۔ کسی نے بتایا تھا کہ قاتل دھتے۔ ایک بوڑھا تھا لیکن درجہ سے بات ہوئی تو اس نے کہا کہ یہ سب قتلے کہانیاں ہیں کوئی قتل نہیں ہوا۔“

”الہذا قتلے کہانیاں پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔“ شہزاد نے مسکراتے ہوئے تبصرہ کیا اور وہاں سے رخصت ہو گیا۔

ٹائیکر کے چلے جانے پر انسپکٹر سوچتا رہا کہ یہ فوجانہ اتنا خراب آدمی بھی نہیں کہ اسے اتنی بے دردی سے قتل کر دیا جائے

ڈاکٹر بہرام ایک سپر وٹ سے کھینچا ہوا فون پر گفتگو کر رہا تھا۔ ٹھیک ہے شہزاد... میں سمجھ رہا ہوں... لیکن کیا تمہیں کوئی سراغ ملا؟

”نہیں۔ میرا قیاس کہنبلے کو ڈاکٹر پر لاش کی مشین استعمال

کی جا رہی ہے؟

”تب پھر اسے پتہ چلے گا۔“

”دکڑو در دپے لکھا ہوگا؟“

”تم جہاں ہو دوں پھر وہاں تمہیں کچھ دیر بعد فون کروں گا۔“

بہرام نے جواب دے کر لیسیور رکھ دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ لوگوں نے حکومت کو ٹیک میل کرنے کے لیے کیسے کیسے طریقے اختیار کر رکھے ہیں۔ اب اسے فوراً وزیراعظم سے بات کرنی تھی۔ اس نے ایک دروازے سے گھر سے خارج ہو کر ایک شیل فون نکالا جس کے لیسیور پر ایک سیاہ نقظ چمک رہا تھا۔

دارالحکومت میں وزیراعظم نے کھٹی کھٹی ہنسی کی ایک طرف پھینکا اور اپنی عمر سے کہیں زیادہ سرعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے لیسیور اٹھا لیا۔

”اداشیگی کر دی جائے۔“ وزیراعظم نے مونٹ چپاٹے ہوئے جواب دیا۔ وہ پورے ایک منٹ بعد گویا ہوا تھا۔

”لیکن اگر ایک مرتبہ اداشیگی کر دی گئی تو وہ پھر بھی رقم کا مطالبہ کریں گے اور یہ سلسلہ جاری رہے گا۔“ ڈاکٹر بہرام کی آواز تھی۔

”ڈاکٹر بہرام! ہمیں اپنا بآواز اس کے باشندوں کو بچانے کی موت سے بچانا ہے۔“

”ٹھیک ہے... آپ جو فیصلہ کریں۔“

”... اور یہ فیصلہ یہ ہے کہ ہم انہیں یہ رقم ادا کریں گے اگر وہ کل کا چھوڑ دلاڑی منسوخ کر دیں تو ہم انہیں مزید رقم بھی دے سکتے ہیں کیا تمہارے پاس اتنی رقم موجود ہے؟“

”جی ہاں۔ آپ نے اس سلسلے میں ہمیں کافی مراعات دے رکھی ہیں اور تم بھی بے خارجہ کرنے کے عادی نہیں ہیں۔“

”ٹھیک ہے اداشیگی کر دی جائے...“ وزیراعظم نے فیصلہ لیجے میں جواب دیا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

”وزیراعظم کا حکم ہے کہ اداشیگی کر دی جائے۔“ بہرام نے دوسری طرف سے لیسیور اٹھاٹے جانے کے ساتھ ہی کہا۔

”اوہ۔ اس سے تو آپ کا بجٹ الٹ پلٹ ہو کر رہ جائے گا۔ سویت ہارٹ! شہزاد نے شوخ لہجے میں جواب دیا۔

”میرا ہی نہیں تمہارا بھی...“ بہرام نے جوابی حکہ کیا۔ تبھی مسلسل ایک ہفتے تک بغیر پالش کے جوئے پہننے ہوں گے۔

”اور بے چارے آؤشان کی خوراک میں بھی کمی کر دی جائے گی۔“

”حکومت حکومت کا کہنا ہے کہ اگر وہ لوگ کل کا متوقع زلزلہ بھی منسوخ کر دیں تو ہم انہیں مزید رقم بھی دے سکتے ہیں۔“

”باپ رے... اتنی زیادتی؟“

”سنو... وادی کی گیس کے مرکزی بینک والے اکاؤنٹ میں کل جمع ٹیک اس رقم کا ڈرافٹ پہنچ جائے گا۔ تم وہیں سے اسے کیس کرنا۔ میں سارے انتظامات مکمل کروں گا۔ انھوں نے رقم کی حوالگی کے لیے مقرر کیا ہے؟“

”انسپکٹر ملن لال کو...“

”تب پھر یہ معلوم کرنا زیادہ دلچسپ ہوگا کہ اس نے رقم کس کے حوالے کی ہے؟“

”میرا بھی یہی منصوبہ ہے۔ ٹائیکر کی بھاری آواز سنائی دی۔

”اور سنو... رقم واپس لینے کی بھی کوشش کرنا۔“

بہرام کی ہدایت سننے کے بعد ٹائیکر نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے لیسیور رکھ دیا اور پھر فوراً ہی پولیس چوکی کا کابڑا ڈاؤن کیا۔

انسپکٹر ملن لال بے چینی سے اس کے فون کا انتظار کر رہا تھا۔

”سنو انسپکٹر مجھے کسی حد تک کامیابی ہوئی ہے۔“ وہ لوگ تم سے اب کس وقت رابطہ قائم کریں گے؟ ٹائیکر نے دریافت کیا۔

”ٹائیکر! جیسے ہوتے ہی... ملن لال کی مضطرب آواز سنائی دی۔

”ٹھیک ہے، میں نے دارالحکومت کے ایک انتہائی اعلیٰ افسر سے بات کی ہے۔ سرکار رقم کی اداشیگی کے لیے تیار ہے۔“

اور اگر وہ لوگ کل کا زلزلہ منسوخ کر دیں تو انہیں مزید رقم بھی دیا جاسکتی ہے۔ کیا وہ اس زلزلے کو روک سکیں گے؟

”معلوم نہیں لیکن میں تمہارا پیغام ان تک پہنچا دوں گا، مجھے رقم کس طرح ملے گی؟“

”رقم کل ٹیک میرے پاس پہنچ جائے گی اور پھر میں تمہیں اداشیگی کروں گا۔“

”ٹھیک ہے، مگر انھوں نے یہ بھی مطالبہ کیا تھا کہ رقم ہاتھ نہ لائی کروں۔“

”میں اس کا بھی خیال رکھوں گا۔“ یہ کہتے ہوئے شہزاد نے لیسیور رکھ دیا، گھڑی دیکھی اور پھر تنفس کی مشق کرنے لگا۔

ٹھیک دو منٹ بعد اس نے ایک بار پھر پولیس چوکی

کا کابڑا ملایا لیکن دوسری طرف کی لائن پر پہلے ہی بات ہو رہی تھی اور اس کا مطلب غالباً یہی تھا کہ انسپکٹر ملن لال زلزلے کے بیرونیوں سے بات کر رہا ہے اور اس کا مطلب یہ بھی نکلتا تھا کہ وہ ان لوگوں کا بغیر جانتا ہے۔ ٹائیکر کو یقین ہو گیا کہ ملن لال بھی اس ڈرامے کا ایک اہم کردار ہے۔ وہ اگر چاہتا تو کسی وقت انسپکٹر کا کام تمام کر دیتا لیکن اسے اس سلسلے میں کوئی عجلت نہیں تھی۔ وہ تو پورے گروہ کو ایک ساتھ اس دباؤ نائی سے رخصت کرنے کی حکومت عملی پر غور کر رہا تھا اور سب سے اہم کام اس مشین کو تباہ کرنا تھا جس سے زلزلے پیدا کیے جاتے تھے۔

ملن لال ہنر ڈاؤن کرنے کے بعد بیڑ پر آنگلیاں بجانے لگا۔ گیارہویں گھنٹی پر دوسری طرف سے لیسیور اٹھا گیا۔

”ملن لال ہوں؟“

”کیا بات ہے؟ میں چندا ہوں... میں نے تم سے کہا تھا کہ ہمیں فون نہ کیا کرو۔“

”مگر میں نے ایک بے حضور آدمی کام سے فون کیا ہے اپنی بہن سے کہنا کہ وہ ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ شہزاد واقعی ایک سرکاری آدمی ہے۔ میں نے اس سے بات کی تھی۔ وہ لوگ نہ صرف مطلوبہ رقم ادا کرنے پر تیار ہیں بلکہ انھوں نے یہ بھی پیش کش کی ہے کہ اگر کل کا زلزلہ روک دیا جائے تو وہ مزید رقم بھی دے دیں گے۔“

چند اسے ایک لمحے توقف کے بعد جواب دیا۔ ”ٹھیک ہے“

”کل کا زلزلہ روک دیا جائے گا، تمہیں رقم کب ملے گی؟“

”کل سہ پہر تک۔“

”ٹھیک ہے۔ تاریکی ہوتے ہی رقم لے کر کہیں میں آجانا، اس بات کا خیال رکھنا کہ کوئی تمہارا تعاقب نہ کرے؟“

”اور اگر شہزاد نے میرا تعاقب کیا تو میں اس کے ٹوکے ٹوکے کر ڈاؤں گا۔“ ملن لال غریبا۔

”اس کی خدمت کر دو۔ کل اگر کسی نے تمہارا تعاقب کیا تو وہ شہزاد نہیں ہوگا۔ وہ اس وقت تک گہری نیند سوچا ہوگا۔“

نہوئی آواز نے کہہ اس کے لہجے میں نہ جانے کون سا تازہ تھا کہ ملن لال بھی سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔

عین اسی وقت ایک شخص شیش محل میں داخل ہوا۔ وہ بھی شہزاد کی موت کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔ اور اس کا نام تھا۔

”یہ رہی تمہاری مطلوبہ رقم مع بونس کے۔“ ٹائیکر نے کینوس

ایک بیگ اپنے ڈرائنگ روم کے فرغس پر ڈالتے ہوئے کہا۔  
اس وقت ملال اس کی اپنی چھت کے نیچے تھا۔ "ایسا تم  
رزم کیا کرو گے؟"

"میں یہ بیگ آج ہی شب روٹ بزماء کی ایک خاص جگہ  
لکھ دوں گا؟"

"کس جگہ؟ ٹائیگر نے دریافت کیا۔  
مجھے انوس ہے، شہزاد... یہ تو میں تمہیں نہیں بتا سکتا  
کیونکہ اگر میرا تعاقب کیا گیا تو بہت بڑا ہنگامہ ہو جائے گا... تم  
یقیناً میرا مطلب سمجھ گئے ہو گے؟"

"ہاں... شہزاد اس وقت غسل کے سفید سٹوٹ میں تھا۔  
کیونکہ وہ ملال کی آمد سے قبل سوئنگ پول ہی میں تھا، ٹھیک  
ہے ملال... ویسے اگر تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ رزلے کے ہواری  
کن ہیں تو مجھے ضرور بتا دینا کیونکہ دارالحکومت والے ان میں کڑی  
دیکھ بھال لے رہے ہیں؟"

"کیوں نہیں... میں تو خود ان کے پیچھے پڑا ہوا ہوں؟ ان پہلو  
نے بڑے غصوں سے کہا اور بیگ اٹھا کر ٹائیگر کے گھر سے  
نکل آیا۔"

ٹائیگر ایک بار پھر سوئنگ پول پر واپس چلا آیا، راہ داری  
سے گزرتے ہوئے اسے کسی فلم کے ڈائلاگ سنائی دیے۔ وہ  
مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ آوشان اپنی پسندیدہ فلم دیکھنے میں  
مصروف تھا۔

وہ سوئنگ پول کے قریب لیٹ کر مد لال، ڈاکٹر پرکاش  
چند، ماننی، بلونت مانے اور تنظیم کے بارے میں غور کرنے لگا۔  
اس کی چھٹی جس تباری تھی کہ فیصلہ کا وقت بہت قریب آ گیا  
ہے۔

"اُس نے آنکھیں بند کر لیں... اور پھر اچانک ہی اسے  
احساس ہوا کہ وہ تنہا نہیں ہے۔ اُس نے آنکھیں کھول کر دیکھا  
تو پھر اس کی سانس تک رگ جھک گئی۔

وہ اس کے قریب ہی کھڑی تھیں۔  
مہین زرد لباسوں میں ان کا حسن بھرپور تھا، انھیں  
دیکھ کر ٹھنڈے لگاؤں کا احساس ہوتا تھا اور ان کے آنکھ  
انگ سے رنگ جھلک رہے تھے۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں  
نفسا تیر رہا تھا اور ہونٹوں پر قیامت خیز مسکراہٹیں کھیل رہی  
تھیں ٹائیگر نے غصوں سے کہا کہ وہ دونوں بھی اس کی وجہا بہت  
سے خاصی متاثر ہیں۔

"شاندار... ماننی نے پچھلے پر زبان پھر کر اس کی خوشی  
پر زراوت کی تیر بھادی۔

"واننی شاندار...؟ چندانے بھی تاثر کی۔  
ٹائیگر بڑے ہی معصوم انداز میں پلکیں جھپکاتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"تم دونوں خوش گوار حیرت کی پیغام بر ہو؟  
"ہم تیر کی حوصلہ افزائی بھی کرتی ہیں شہزاد ڈیرے؟ ماننی نے  
دو قدم آگے بڑھ کر کہا! ہم تمہارا شکریہ ادا کرتے آتی ہیں، اگر  
تم نہ ہوتے تو شاید وہ خنڈے سے ڈیڑی کو قتل ہی کر دیتے؟  
"کوئی بات نہیں۔ غالباً میری پیدائش بھی اسی لیے عمل میں  
آئی تھی کہ ایک روز تیر سے ڈیڑی کے کام آؤں گا؟ ٹائیگر نے  
بڑے انکسار سے کہا۔

ایک لمحے کے لیے تو اس جگہ پر وہ دونوں ہی ٹھٹک  
گئیں... لیکن پھر سنبھل کر مسکرائے گئیں۔ ان کے انداز بڑے ہی  
خود کار سے غصوں ہو رہے تھے۔

"ویسے بھی حسین لڑکیوں کے والدین کے کام آنا آج کل  
کے نوجوانوں کا شیوہ ہے۔ ٹائیگر کہہ رہا تھا۔  
"ہم تمہارے سوئنگ پول سے تلفت انداز ہوئے آئی ہیں؟  
چندالوں۔

"نہیہ نصیب... پانی حاضر ہے، ٹائیگر نے سوئنگ پول  
کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور خود اچھل کر تالاب میں جا گیا۔  
اگلے ہی لمحے وہ دونوں بھی نیکیوں پانی میں حسین پھیلیں  
کی طرح تیرتی نظر آ رہی تھیں۔

ڈرائنگ روم میں آوشان ٹی وی دیکھ رہا تھا کہ ٹائیگر آنا  
سیاہ شرٹ کے بن لگا ہوا انداز لگا، ہیلو ملل فادر تیار ہے  
آپ...؟ اُس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"میں ہمیشہ تیار رہتا ہوں۔ ساتھ آئے والیوں کا کیا حال  
ہے؟ آوشان کا بوجھ خشک تھا۔

"اطمینان سے سو رہی ہیں؟ ٹائیگر نے جواب دیا۔ وہ  
دروازے کی طرف بڑھ گیا۔  
جب وہ گھر سے نکلے تو شہزاد کو مالنی اور چندا کی گاڑی۔

مرکزی دروازے کے قریب کھڑی نظر آئی۔ اُس کی عقبی سیٹ پر  
نیلا اور طرینر رکھا دیکھ کر وہ سورج میں بڑھ گیا۔  
آوشان، شہزاد کی گاڑی کی اگلی نشست پر بیٹھ گیا... اور

گرنے ڈرائنگ روم سیٹ سنبھال لی لیکن وہ ایک سیاہ کیڑی کا  
بیٹے ہوئے اس شخص کو نہ پہچان سکا جو سوئے سے اپنے  
محبت کرنے میں مصروف تھا۔

آوشان آپ کی غیر متوجہ باغیر متحرک چیز کا مقابلہ کس  
کریں گے؟ شہزاد نے گاڑی موڑتے ہوئے پوچھا۔  
"دنیا میں ایسی کوئی بھی طاقت نہیں جو غیر متحرک ہو...؟  
ن نے سپاٹ پلچے میں جواب دیا۔

"لیکن میں نے ایک غیر متحرک چیز کا خود مشاہدہ کیا ہے۔  
اسے بربوست طاقت پیدا ہوتی تھی اور معمولی سا بھی ارتعاش  
ن نہیں ہوتا تھا؟"

ارتعاش ہر جگہ ہوتا ہے، فرزند، خواہ وہ چیز کوئی ذرہ ہو  
یا ہوا ہو۔ یہیں اس قسم کے معمولی سے ارتعاش کو بھی  
بس کرنے کا فن سیکھنا چاہیے... اور یہ بھی سیکھنا چاہیے  
تیر چیز کو کس طرح حرکت پذیر کیا جا سکتا ہے؟ آوشان

پتے پر ہاتھ باندھتے ہوئے کہا... "حرکت، ہر جگہ ہوتی ہے،  
نایسی ہی حرکت جو اس وقت تمہیں محسوس کرنی چاہیے لیکن  
سے بے پروائی کے باعث نظر انداز کر رہے ہو؟"

"ارتعاش... توجہ... ٹائیگر نے اپنی تمام حسیات کو بیدار کرنے  
و شش کرتے ہوئے کہا۔  
"ہاں... ہم پر نظر رکھی جا رہی ہے، ہماری گاڑی سے

لے ایک سیاہ کیڑی لاک ہے۔ اس گاڑی نے چند لمحے قبل  
میں کو اس کی تھاراب وہ ایک موڑ پر کھڑی ہے؟  
شہزاد نے اپنی گاڑی کی رفتار قدرے کم کرتے ہوئے

لی کی طرف دیکھا جس میں بیٹھا ہوا شخص بظاہر بے نیاز  
رکھا تھا... تاہم ٹائیگر کو فوراً احساس ہوا کہ کسی شخص  
کو تھوڑا ہوا چاہیے۔

ابھی پھر ہی بچے تھے اور مد لال سے شش کے لیے کافی  
ت باقی تھا اس لیے ٹائیگر نے گاڑی ایک دیران ماسٹ پر  
لے جہاں ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا یہ راستہ ایک

رہا بپ کی طرف جاتا تھا جو شرم پک بند ہو جاتا تھا۔  
کیڑی لاک نے ایک بار پھر ان کا تعاقب شروع کر دیا۔  
دونوں کاروں کے درمیان خاصا فاصلہ تھا کوئی آواز

کاملاً نہیں تھی چند ہی منٹ بعد بیڑول پک کا مینو سائین  
اُسے لگا ٹائیگر نے بائیں طرف گاڑی موڑتے ہوئے رفتار مزید

کم کر دی...

دونوں گاڑیوں کا فاصلہ تیزی سے کم ہونے لگا۔  
ٹائیگر کی نگاہ بدستور متعجب لگا آئینے پر تھی۔

گاڑی ابھی کاروائش سینٹر کے قریب ہی پہنچی تھی کہ شہزاد  
نے اسے ایک جھلک سے دائیں طرف لٹا کر کیڑی لاک کے ڈرائیور  
نے تصادم سے بچنے کی کوشش کی تو اس کی گاڑی مرکز  
سے آنکر کچے چیل گئی۔ اس نے پوری قوت سے بریک لگا۔

دور کیڑی کسی دہشت سے ٹھکا ہی جاتی۔ اسی اندر میں کیڑی  
آگے نکل گئی اور ٹائیگر نے اپنی گاڑی روک لی۔  
دونوں گاڑیاں اب کاروائش سینٹر کے دیران دروازے

کے سامنے کھڑی تھیں۔  
"شاندار... تم بہت اچھی ڈرائیونگ کر لیتے ہو؟ آوشان نے  
ہنستے ہوئے کہا۔

شہزاد کا سینٹر فرسے پھول گیا کیونکہ آوشان نہ چاہتے ہوئے  
بھی اُس کی تعریف کرتے پر مجبور ہو گیا تھا۔ وہ کوئی جواب دینے  
بغیر گاڑی سے اتر گیا۔

"ابے! اودھنی؟ کیڑی لاک کے ڈرائیور نے اپنی گاڑی کا  
دروازہ ایک دھماکے سے بند کرتے ہوئے کہا۔ کیا تو بائیں ہو  
گیا ہے نظر نہیں آتا؟ وہ بڑی طرح گرتے لگا۔ وہ ایک لمبا ٹھٹھا

اور موٹی گردن والا آدمی تھا۔  
"تم خود اندر سے ہو گیا تمہیں میری گاڑی نظر نہیں آ رہی تھی؟"  
ٹائیگر نے جھلکا کر کہا۔

"تم نے مجھے ساڈا کیوں ماری تھی؟  
"اور تمہیں کیا مارتا؟ ٹائیگر اسے ناؤ دلانے کی کوشش کر  
رہا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ ٹائیگر کی طرف بڑھنے لگا اور شہزاد سینٹر  
کے دروازے کی طرف پیچھے ہٹنے لگا۔  
"تمہیں سبق سکھانا ہی پر پڑے گا؟ وہ شخص آگے دھکتا

رہا جتنی کہ ٹائیگر دروازے تک پہنچ گیا۔  
وہ شخص اب بھی آگے بڑھ رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں جھک  
رہی تھیں جبکہ ٹائیگر کے ہونٹوں پر تھوکی آہن مسکراہٹ

رقص کر رہی تھی۔  
... پھر وہ اسی طرح آگے بڑھتے... اور پیچھے ہٹنے کا رواش  
کے اندر پہنچ گئے۔ وہاں خشکی تھی اور اندر کوئی اور بھی نہیں

تھا۔

ایک ہی سیکنڈ بعد برش اس کے دائیں بائیں حرکت کرنے لگے۔  
اُن کی سببی حرکت نے اُس کے چہرے سے کھال اُڑھیر دی۔  
برش اپنا کام کرتے رہے، کھال اُڑھتی گئی... پھر کھال  
بھی باقی درجہ اور گوشت نکل آیا اور اس کے بعد گوشت بھی  
اُڑھنے لگا۔

ایک بار پھر گرم پانی اور جھاگ گرا... برش مزید تیزی سے  
حرکت کرنے لگے۔ اگلی ہی ساعت امرناٹھ کو کچھ بھی یاد نہ رہا۔  
شہزاد کا دراشتنگ کنٹرول پینل پر دس منٹ تک کھڑا  
رہا، پھر اُس نے ایک لیور دبایا۔

امرناٹھ کی کیدی آگے سرک گئی اور شہزاد نے مزید ایک  
بسکٹ چیب سے نکال کر آؤٹٹیک بکس کی نذر کر دیا۔ پھر وہ یہ  
سوچتا ہوا اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا کہ کل جب امرناٹھ کی لاش  
بٹنے کی تودہ نہ صرف خشک ہو چکی ہوگی بلکہ بے پناہ چمک بھی رہی  
ہوگی کیونکہ اُس نے جو دوسرا بسکٹ ڈالا تھا، اُس سے پالش کی  
شین کام کرنے لگتی تھی۔  
کار میں بیٹھے ہوئے اُس نے اُوشان کی طرف دیکھا۔ جو

ابھی مٹلے میں ڈوبا ہوا تھا۔  
"کیا تم اتنے بے رحم بھی ہو سکتے ہو شہزاد؟ اُوشان نے  
اُس کی طرف دیکھے بغیر بڑے ہی سرسری ہنچے میں پوچھا۔  
"کیوں نہیں بڑھیکہ مجھے یہ معلوم ہو کر آپ میری ایک ایک  
حرکت پر نظر رکھتے ہیں؟" ٹائیگر نے جواب دے کر  
"آٹ، کتنا خونخاک منظر تھا؟ اُوشان نے بھر پوری سی  
کر کہا لیکن ٹائیگر جانتا تھا کہ وہ اس وقت نفرت کے موڈ میں ہے۔  
"مجھ جیسا تو بڑھا آدمی بھلا اتنا خونخاک منظر کیسے برداشت کر سکتا ہے؟  
"اگر اس کی جگہ میں ہوتا تو...؟"

"تو شاید میں غور سے دیکھتا کہ تمہاری کھال کس طرح اُڑھتی  
ہے اور پھر تعین کس طرح پالش کیا جاتا ہے؟ اُوشان نے مسکرا  
کر کہا۔

"اسی لیے کہتا ہوں بلبل فائدہ مرنے سے پہلے شادی  
کر لیں۔ شہزادے کو سارے مرنے والوں کا جنازہ بھی جانا نہیں  
ہوتا۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ اور اگر کوئی ایسی عورت بل جائے  
جس کے چہرے پر ان گنت مجبورے بھروسے تھیں تو... تو  
عاقبت ہی تسر جائے گی؟"

"ایک بات بھی تم بھولنا۔" اُوشان بڑبڑایا۔

"وہ کیا...؟ ٹائیگر جو تک پڑا۔

"تم لوگوں کو سڑے سے قتل کر کے بہت خوش ہوتے تھے  
...؟" ٹائیگر نے برقی لگاؤٹ سے پوچھا۔

"ہاں...؟ وہ بول کھلا کر بولا۔

"اور تم ہلوت رائے کی آنکھیں پھوٹے وقت بھی کافی  
لفٹ اندر ہوئے تھے؟  
"بالکل... اس بار بھی غیر ارادی طور پر اُس کی زبان سے  
نکل گیا۔

"گڑ... تو پھر یہ لو؟" سوا فضا میں بلند ہوتے ہی امرناٹھ  
نے آنکھیں بند کر لیں تاکہ موت کو نہ دیکھ سکے لیکن سوا دل کے  
بجائے اُس کی کلائی میں پلوسٹ ہو گیا۔  
وہ بہت زور سے چیخا لیکن اُس کی آواز سننے والا اُوشان  
کے علاوہ کوئی بھی نہیں تھا اور وہ ہر طرف سے بے نیاز نہ جاتے  
کیا پڑھنے میں مصروف تھا۔

سوا امرناٹھ کی کلائی کے آریار ہو کر کار کے ہونٹ میں  
ٹھس گیا۔ شہزاد نے قوت صرف کر کے اُسے موڑ دیا تاکہ وہ کلائی  
اوپر ہونٹ سے نکلنے نہ پائے۔

"اب کار واشنگ کے دوران، میرا نام مت لینا۔" وہ  
غرا کر بولا۔ یہ ہلوت رائے کے قتل کا بدلہ ہے لہذا ہلوت رائے  
کو یاد کرتے رہنا۔ یہ کہتے ہوئے وہ ایک طرف چلا گیا۔  
تکلیف اور صدمے کے باعث امرناٹھ کا برآ حال تھا  
تاہم اُس نے بہت کر کے دائیں طرف دیکھا جہاں شہزاد کا کار واشنگ  
کے آؤٹٹیک بکس میں سکر ڈال رہا تھا۔

اچانک ہی ایک گڑگڑاہٹ سنائی دینے لگی... اور پھر گرم  
گرم پانی امرناٹھ کے چہرے پر گر رہا تھا۔ گناہی سے صابن کے جھاگ  
بٹنے لگے جو اُس کی ناک میں ٹپے جا رہے تھے پھر جھاگ اور گرم  
پانی ناک کے راستے حلق میں اُترنے لگا۔ اُس نے پینے کی بہت  
کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اب اُسے ایسا لگ رہا تھا جیسے جھاگ  
اُس کے کان اور ناک سے دماغ میں بھی ٹھس رہے ہوں۔ وہ  
بہت زور سے چلایا... اور یہ چیخا ہی اُس کے لیے قیامت ہو گیا۔  
گرم گرم پانی جھاگ سمیت اُس کے معدے میں پہنچ گیا۔  
گڑگڑاہٹ اب تیز ہو گئی تھی۔

اُس نے سر اٹھا کر دیکھنے کی کوشش کی تو کسی بڑے بڑے  
برش نیچے اُترتے نظر آئے۔ وہ نازک پتے کی طرح لرز گیا۔  
اُس کی ٹانگیں برسی طرح کانپ رہی تھیں۔ برش محض چند پانچ  
دورہ گئے تھے... پھر وہ امرناٹھ کے چہرے کو چھونے لگے۔

"زلزلہ کس طرح پیدا کیا جاتا ہے؟" امرناٹھ نے سوا  
پوچھے کیا۔

"وٹائن ای کیا وٹڈ؟"

"میں کوئی بھی اتحاد بات سننے کے موڈ میں نہیں  
"مگر میں سچ کہہ رہا ہوں کسی سے بھی پوچھ لو۔ سوا  
راج پال سے بات کرو، وزیراعلا سے پوچھ لو۔ وہ سب کے  
میرے شریک کار ہیں میں نے سب سے پہلے تمہاری تہ  
متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر تمہارے تمام آدمی تو سڑ  
لڑکیوں کے اغوا اور بے ضرر لوگوں کو قتل کرنے میں مد  
تھے لہذا میں نے مجبوراً گورنر اور وزیراعلا کو باڈیٹر بنایا  
تم بھی اس میں دلچسپی لے رہے ہو تو میں کافی کے ایک  
کاہنزاروں حصہ تعین دے سکتا ہوں۔ اس طرح ممکن۔  
تھیں سال بھر میں سود و سوا پانچ سو روپے مل ہی جائے۔  
"یہ تم اپنی تقریر کو ہی کھود رہے ہو۔"

"اور تمہیں شاید اس بے اعتدال سے کہ تم ایک خ  
گو کر ہو، ٹائیگر نے کلائی ٹھری دیکھتے ہوئے کہا۔ اب  
ڈراے کو طوک دینے کا وقت نہیں رہا تھا۔ وہ اپنے شکار  
جس قدر لطف اندوز ہونا چاہتا تھا، ہو چکا تھا۔ ٹھیک  
امرناٹھ؛ کھیل ختم اور پیسہ بہت ہے کہہ کر اُس نے ایک  
آگے بڑھایا اور امرناٹھ بکس کی چال میں آگیا۔  
اُس نے فوراً ہی ٹائیگر کی طرف جست نکائی لیکن  
نہ جانے کیسے سوا اُس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

ٹائیگر اُس کے پیچھے پہنچ گیا۔  
اُس نے سوا اٹھا کر لہرایا تو امرناٹھ پیچھے ہٹنے لگا۔  
اُس نے دوبارہ جست نکائی اور اُس کی آنکھوں کے سامنے  
سے ناچنے لگے اور چند ہی لمحوں کے بعد اُسے چاروں طرف  
کا احساس ہونے لگا۔

کچھ دیر بعد وہ ہوش میں آیا تو اُس کی پشت پر بھی پڑا  
اور اب بھی چاروں طرف اندھیرا بھلا ہوا تھا۔ اُس نے آنکھ  
پھاڑ پھاڑ کر اندر سے میں دیکھنے کی کوشش کی تو اُسے ص  
چھت ہی نظر آئی... وہ اپنی کار کے ہونٹ پر لیٹا ہوا تھا۔  
اُس نے آنکھ کی کوشش کی... مگر فوراً ہی کسی۔  
اُس کے منہ پر ایک تھپتھار اور وہ دوبارہ گر گیا۔ اُس نے  
اُڑھ دیکھنا چاہا تو صرف شہزاد ہی نظر آیا جس کے ہاتھ میں  
تھا اور ہونٹوں پر مسکراہٹ چھلک رہی تھی۔

امرناٹھ نے عجیب میں ہاتھ ڈال کر بڑی احتیاط سے کوئی  
پڑنکالی... یہ ایک سوا تھا... وہی سوا جس سے ہلوت رائے  
کی آنکھیں مٹانے کی گئی تھیں۔  
"زبان جھگڑے کی حد تک تو ٹھیک تھا لیکن تم تو... ٹائیگر  
نے عجیب سے انداز میں کہا جسے ناظر نے اس کی کمزوری پر  
محول کیا۔

"شہزاد...؟ امرناٹھ نے سر دلیچے میں کہا۔ تم نے مجھے یہا  
خود ڈالایا ہے۔ تمہیں وہ شخص یاد ہے جسے تم نے معذور کر کے  
میرے لیے بے پیغام بھیجا تھا کہ اگر میں وادی کپڑا میں نظر آیا  
تو میری ماں کی تودہ گھٹ پر لگتی پھرے گی؟ یہ کہتے ہوئے  
سوا نے پراس کی گرفت بڑھ گئی۔ اب وہ بہت چھوٹے چھوٹے  
قدم اٹھاتا ہوا شہزاد کی طرف بڑھ رہا تھا۔  
ٹائیگر پیچھے ہٹتا رہا حتیٰ کہ اُس نے کن آنکھوں سے  
یہ دیکھ لیا کہ وہ اس کو ٹریڈیل کی دھری زنجیروں کے درمیان  
کھڑا ہے، کار کو اٹھانے کے کام آتی ہیں۔  
"تو امرناٹھ ہو؟ ٹائیگر نے پوچھا۔

"ہاں... میرا ہی نام امرناٹھ ہے۔  
"میں تمہارا منظر تھا؟ شہزاد نے کیا ایک سنجیدگی اختیار کر لی۔  
"گڑ...؟ امرناٹھ مسکرانے لگا۔ اس سے قبل کہ میں تعین  
ریل ٹکٹ کی طرح پہنچ کر کے پھینک دوں، بتاؤ کہ زلزلہ کون پیدا  
کرتا ہے؟  
"یہ ایک تدریجی عمل ہے۔" ٹائیگر نے گویا اُس کی معلومات  
میں اضافہ کرنا چاہا۔

"میں تمہارے ٹوٹے ٹوٹے کر ڈوں گا؟  
"اگر تمہیں میرا یہ جواب پسند نہیں آیا تو سنو؛ زلزلہ میں خود  
پیدا کرتا ہوں۔ لیکن اس کا لازماً تم جیسے جھیشوں کو معلوم  
نہیں ہونا چاہیے۔  
"مجھے یقین تھا کہ تمہارا جواب میری ہوگا؟" امرناٹھ کے ہونٹوں  
پر مسکراہٹ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

اب دونوں اپنی اپنی جگہ ساکت کھڑے تھے۔  
ان کے درمیان بیشکل پانچ قدم کا فاصلہ تھا۔  
ٹائیگر کو سچ کر مزید پیچھے ہٹنا اب وہ اس جگہ تھا جہاں  
کار فاش کے کٹاپ سے گیلے کپڑے بھول رہے تھے۔ یہاں سے  
ٹائیگر کو اپنی گاڑی بھی نظر آ رہی تھی جس میں اُوشان نیم دراز  
ہو کر کپڑے میں مصروف ہو گیا تھا۔



یہ مشینیں کاروں کی پالش کر کے انھیں اتنا زیادہ نہیں چکا سکتیں جتنے کہ میرے ہاتھ ماش کر کے کسی کا جسم چکا سکتے ہیں یقین نہ آئے تو شروع کروں؟ یہ کہہ کر آؤشان نے دونوں ہاتھ اس کی طرف بڑھائے تو ٹاشیگر نے گاڑی ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔۔۔

آؤشان کے ہونٹوں پر بڑی ہی شرمیلی سی مسکراہٹ قفس کر رہی تھی۔۔۔

وہ وادی گیسار کے مرکزی علاقے میں داخل ہوئے تو سورج ڈھل چکا تھا۔ من لال کی موٹر سائیکل اب بھی پولیس چوکی کے سامنے کھڑی تھی، انھوں نے اپنی گاڑی سڑک کے دوسری جانب ایک آڑ میں کھڑی کر دی اور من لال کا انتظار کرنے لگے۔۔۔

پورے ایک گھنٹے بعد وہ باہر آیا اور موٹر سائیکل کے کیرئیر پر کینز اس بیگ مضبوطی سے باندھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر مطمئن ہو کر ایک طرف روانہ ہو گیا۔ اس کا رخ وادی سے باہر جانے والی سڑک کی طرف تھا۔

شہزاد نے بھی اپنی گاڑی اس کے پیچھے لگا دی تاہم درمیان قدرے فاصلہ رکھا اور ہیٹ لائٹس بند کر رکھیں۔

من لال کی موٹر سائیکل تیزی سے دوڑ رہی تھی اور شہزاد کو حیرت ہو رہی تھی کہ اس قدر موٹا شخص اتنی تیز رفتاری کا کس طرح متحمل ہو سکتا ہے۔۔۔

کچھ ہی دور جانے کے بعد ٹاشیگر نے وہ سڑک چھان لی جس پر موٹر سائیکل رواں دواں تھی۔ یہ وہی سڑک تھی جو تھوڑے گھر تک جاتی تھی اور جیسے ہی موٹر سائیکل شہر سے ہٹ کر ایک تنگ راستے پر مڑی تو شہزاد کو یقین ہو گیا کہ انسپکٹر وڑیں جا رہا ہے۔۔۔

شہزاد نے جب موٹر سائیکل کو روکے دیکھا تو بریک لگا دیے اور بائیں بند کر دیا تاکہ من لال اس کی آواز نہ سن سکے۔ اب ان کے درمیان صرف ایک سوگڑ کا فاصلہ تھا لیکن شہزاد کو۔۔۔

حیرت تھی کہ وہ عمارت میں کیوں داخل نہیں ہوا؟

من لال اپنی موٹر سائیکل، اسٹینڈ پر کھڑی کر کے ایک بائو کے داس کی طرف چلے گیا۔ اسی لمحے ٹاشیگر یاد آتا کہ اس طرف ٹراٹر کہیں ہے اور وہیں اس نے مانی اور چندا کی دیکھی بھی دیکھی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ دونوں لوگ اب بھی نزلے کی اس

شیطانی تجارت میں ملوث ہیں۔

اب اسے سمجھتا ہوا ہونے لگا کہ اس نے تجربہ گاہ میں دائر لیزر کا مظاہرہ دیکھتے ہی حقیقت کا اندازہ کیوں نہیں کر لیا تھا، وہ سوچ رہا تھا کہ ممکن ہے ان کے پاس ایسی ہی دوسری کوئی مشین ہو اور شاید اکثر پرکاش بھی لائیکوں کی اس حرکت سے بے غم نہ ہو۔۔۔

دونوں لوگ اب اس سے مل چکی تھیں اور وہ انھیں آگوا چکا تھا۔ دولت کی ہوس انھیں آخری حد تک بھی لے چکا کئی تھی۔

آؤشان آپ اس کا تعاقب کریں! اس نے من لال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: یہ دیکھیں کہ کہاں جاتا ہے اور کیا کرتا ہے۔ میں آپ سے پارکنگ میں ہوں گا۔

آؤشان اپنا باندھ سمیٹا ہوا کمرے آ کر دو قدم ہی چلا اور پھر تاریکی میں نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ وہ سنا جو ٹاشیگر کا مالک تھا اور شرقی اسرار اس کی کشتی میں پڑے ہوئے تھے۔ وہ کسی محوِ پروا پرندے کا بھی تعاقب کر سکتا تھا۔ وہ اپنی مرضی کے تحت ظاہر اور غائب ہونے میں بھی اپنا نانی نہیں رکھتا تھا۔ بات ٹاشیگر کے علم بھی کہ آؤشان کوئی جادوگر نہیں ہے بلکہ اس نے سخت ترین تربیت، راضی اور شوق کے بعد یہ کمال حاصل کیا تھا۔

من لال کو مرگ کی چھٹی ہوئی زمین کے قریب پہنچ کر جیسے انداز میں بیٹھ بولے لگا۔ یہیں سے کہ مرگ کے اس ٹھکانے کا آغاز ہوتا تھا جہاں ہر وقت موت کا مواد پکنا رہتا تھا۔

اور اس سے صرف اور صرف تین فٹ کے فاصلے پر بڑھا آؤشان سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا لیکن من لال کی نظر اسے نہیں دیکھ سکتی تھیں۔

شہزاد نے چند لمحے انتظار کے بعد بائیں اشارت کر کے گاڑا آگے بڑھا دی، اس نے من لال کی موٹر سائیکل کے قریب سے گز کر خالی پارکنگ کے ایک کونے میں گاڑی کھڑی کر دی۔

اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔

وہ سمجھ گیا کہ لوگ اب ہی اصل مجرم ہیں۔ انھوں نے لوگوں قتل کرنے کے لیے یقیناً دوا تیار کر استعمال کیا ہوگا۔ اسی باعث ہر مرنے والے کی پشت گیل نظر آتی تھی۔ پانی کی قوت سے ان کا آئین منہ کے راستے نکل پڑی تھی کیوں کہ انھیں کوئی متبادل نہیں ملتا تھا۔۔۔ اور یقیناً متبادل راستے میں دائر لیزر کی ٹوٹی دی جاتی ہوگی۔

وہ کانپ گیا۔ اتنی حسین لڑکیوں سے اتنی دندلی کی وہ تو

بھی نہیں کر سکتا تھا۔

وہ خاموشی سے کام میں بیٹھا سوچتا رہا۔ اسے اپنے اور شہزادہ آرا کا تھا کہ اس نے بروقت ان باتوں کو کیوں محسوس نہیں کیا، اسے بھی یاد آ گیا کہ مانی اور چندا کو اپنے کمرے میں کیوں کی بندھ سونے چھوڑ کر جب وہ باہر نکلا تھا تو ان کی دکان میں دائر لیزر موجود تھا۔ وہ یقیناً اس پر بھی تجربہ استعمال کرنے آئی تھیں۔ ان کا خیال ہو گا کہ اسے تھکا کر مارا جائے گا۔ انھیں خود پرناز تھا لیکن شہزاد کی باہنی قوت نے انھیں شکست فاش دیدی اور یقیناً وہ بے بس ہو کر رہ گئیں۔

اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

لیکا ایک اس کی کا کا عقبی دروازہ کھلا لیکن اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ اسکی حسیات پوری طرح کام کر رہی تھیں۔ دروازہ بند ہونے پر اس نے پوچھا: وہ کہاں گیا؟

”ادھر ایک ٹراٹر کھڑا تھا جس میں ایک ریفریجریٹر بھی تھا“ آؤشان نے مسکرا کر کہا۔ اس نے کرسی سے بھرا ہوا پتیلی اس ریفریجریٹر میں رکھ دیا ہے تاکہ کرسی ٹھنڈی رہے۔“

کچھ ہی دیر بعد موٹر سائیکل اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی اور پھر یہ آواز معدودہ ہونٹوں پہل گئی۔

شہزاد نے پلٹ کر آؤشان کی طرف دیکھا جس کی گود میں وہی بیگ رکھا ہوا تھا۔ شاید آپ کرسی کو ٹھنڈا نہیں ہونے دینا چاہتے تھے، ابل نادر؟

”ہاں۔۔۔ لیکن سوال یہ ہے کہ رقم نہ پا کر وہ دونوں کیا کریں گی؟ یہ کہہ کر آؤشان بلیغ جیسی آواز میں ہنسنے لگا۔ یہ اس کی مخصوص ہنسی تھی۔

ٹاشیگر نے کار کا رخ وادی کی جانب کر دیا اور جب وہ اپنے گھر پہنچے تو خلاف توقع لوگ اب وہاں موجود نہیں تھیں۔ ان کی گاڑی بھی غائب ہو چکی تھی۔

✱

من لال کی موت نے وادی میں سرسیمگی کی لہر دوڑائی۔ وہ اپنے مختصر عمر گھرانے دار گھر کی خواب گاہ میں مردہ پایا گیا تھا۔ اس کا بستر پانی سے بھیجا ہوا تھا اور اس کے منہ سے

اس کی آنتیں بالکل اسی انداز میں نکل پڑی تھیں جیسے کہ اس نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھی تھیں اور اس منظر کو برداشت نہیں کر پایا تھا۔۔۔ اور اب وہ خود ایک ایسے منظر کا حصہ بن گیا تھا کہ

عام انسانی نگاہ اس پر بھر پوری نہیں کر سکتی تھی۔

من لال کا نائب اسب انسپکٹر حیرت سے منہ بچاڑے یہ منظر دیکھ رہا تھا اور اب تک کئی بار اسے اس منظر پر کسی خوفناک خواب کا گمان ہوا تھا۔۔۔ لیکن اس کے سامنے حوالہ شدہ پڑی تھی، وہ حقیقت میں موجود تھی اور وہ منظر بھی صدیوں سے تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اور کب رہا تھا کہ یہ موت کس اذیت سے آئی ہوگی۔ اس نے قاتل یا قاتل کی تلاش میں پورا گھر چھان دیا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ اسے شک سا ہونے لگا کہ اس قتل میں شہزاد کا بھی ہاتھ ہو سکتا ہے کیونکہ من لال نے شہزاد کا تذکرہ بھی اچھے غفلتوں میں نہیں کیا تھا۔

اس نے لاش کے قریب بڑا ہوا رولہ اور اٹھایا۔ یہ من لال کا رولہ اور تھا۔

ٹھیک ہے انسپکٹر۔ اسی رولہ اور سے تمہارا قاتل بھی مارا جائے گا۔ اس کا بوجھ محسوس تھا۔۔۔ پھر وہ نصف شب کی تاریکی میں باہر نکل گیا اور اس کی نگاہ بستر کے نیچے پڑے ہوئے اس ٹاٹیپ کیے ہوئے کاغذ پر پڑ کر جس کیس پر لکھا تھا۔

”خدا۔۔۔ یہ ہے رقم معمر کرنے کا انجام۔“

اپنے گھر کے ڈرائنگ روم میں آؤشان کونول کا اس جملے بیٹھا تھا جبکہ فون پر شہزاد اور بہرام کی گفتگو جاری تھی۔ تنظیم کا قفقہ تو ختم ہو گیا چیٹ اب مجھے ان دونوں لڑکیوں سے ٹھنڈے ہو گا اگر کاش کی بیٹیاں ہیں۔

مگر وہ اس معاملے میں کیسے ملوث ہو گئیں؟

بہت نہیں۔ ان کی گفتگو سے ہر حال یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ وہ سوچ دھمکے اعتبار سے انتہا پسند ہیں۔ ممکن ہے وہ ولایت جن کرنے کے لیے جرم کی مرتکب ہوئی ہوں۔۔۔ اور ہاں۔۔۔ ہم نے پوری رقم بھی واپس لے لی ہے۔

گڈ۔۔۔ ویری گڈ۔۔۔ اب تم لوگ اب پر جلد از جلد قابو پاؤ تاکہ وہ کوئی خطرناک اقدام نہ کر سکیں۔

ہم ابھی روانہ ہو رہے ہیں سویٹ ہاٹ! اس نے لیبیور رکھتے ہوئے کہا اور آؤشان کو چلنے کا اشارہ کیا۔

ابھی وہ گھر سے نکلے ہی تھے کہ من لال کے نائب سب انسپکٹر نے ان کی کار چالنے ہوئے دیکھی۔ لہذا اس نے دائر لیزر پر فوراً آگ چوکیوں کو ماریت کی کہ وہ ایک ایسی گاڑی کو گھیریں جس کی چیٹ شرح رنگ کی ہے اور اس کا ریش شہزاد تھا اور آؤشان نامی دو

ہے، لوگو! اچھا رکھیں ختم ہو گیا۔  
اوشان کی آواز ان لوگوں نے بھی سن لی تھی اور انھیں اس کا  
ہو گیا تھا کہ باری واقعی الٹ گئی ہے، وہ چنگی بیس کی طرح خونخوار  
ہو گئیں اور ٹائمر برفٹ پڑیں، انھوں نے اپنے لیے نوکیے ناخنوں  
تیز دانتوں، ٹخنوں اور ٹھوکروں کا پڑا استعمال کیا، لیکن ٹائمر کو  
زیر کرنے میں ناکام رہیں... پھر شہزاد نے انھیں دونوں ہاتھوں سے  
جکڑ لیا۔ وہ انھیں کھینچتا ہوا دائرہ بزرگ سے لگے سے گیا جہاں کوہ مرگ  
کا ایک سوراخ تھا اس نے دونوں کو ان کے بالوں سے بڑھ کر اچھال  
دیا۔

وہ زوردار آواز کے ساتھ سوراخ میں گریں... آنکھ ڈٹ  
نیچے اور پھر تپنے لگیں، ان کا منہ خاک میں بٹنے لگا۔  
شہزاد ٹپ کر دائرہ بزرگ سے پاس آیا جس میں دباؤ مسلسل بڑھ  
رہا تھا، دائرہ بزرگ کی گئیں پانی سوراخ میں پھینکے کے لیے پوری طرح  
تیار تھا... اور اگر ایسا ہوتا تو زمین آباد کی تباہی یقینی تھی۔  
شہزاد نے بڑی تیزی سے مختلف سوچیں دیکھیں۔  
مشین باب بھی چل رہی تھی، اس نے ستونوں کو دائرہ بزرگ  
لانے والی تاروں اور پڑھ کر تیزی تو اسی لمبے باؤم کو ہونے لگا لیکن  
اگلے ہی لمحے ٹائمر میں پانی بھر گیا جو کسی بھی وقت سوراخ میں گر  
سکتا تھا۔

اس نے جلدی سے ٹائمر پر ہاتھ رکھ دیا۔  
اس کے ہاتھ منور ہو گئے پھر شدید ہاتھوں سے اچھال  
دیا وہ ایک طرف گر گیا اس نے آخری کوشش کرتے ہوئے دائرہ بزرگ کو  
ماری تو وہ ایک طرف جھک گیا۔  
اسی لمحے پانی تیز حد کی شکل میں بہہ نکلا عموماً سوراخ کے  
پہلے زمین پر گر رہا تھا اور زمین اس زبردست دباؤ کو برداشت نہ  
کرتے ہوئے فٹ بوتی جا رہی تھی۔  
اسی ساعت پانی کا ایک ڈواڈھ ٹکڑا سوراخ میں گر گیا جہاں  
ٹائمر کے جھڑاؤ مائی کو پھینکا تھا، لوگوں کی انتہائی گرناک جینین تائی  
دیں پھر خاموشی چھا گئی... مٹی، مٹی، مٹی، مٹی کی لٹی تھی۔  
تھا حافظہ حسین نے خفا... اس نے شدید دھکے باؤ جو کڑوا  
ہوئے کہا، لاکھوں پریم کو تو قاتل کرتا ہوں:  
... لیکن پھر چانک ہی زین بننے لگی۔  
شہزاد وہ بارہ کر پڑا۔  
یکسی دہائی کا دھماکا نہیں تھا، زمین واقعی بل رہی تھی۔  
"زلزلہ... وہ حواس باختہ ہو گیا، مگر کیسے؟ دائرہ بزرگ تو کام نہیں

احاسن ہو کر اس کے شانے سے خون بہہ رہا ہے، شاید دستی کم کا  
کوئی ٹکڑا وہاں لگا تھا۔  
اس نے لڑکھٹک کر چند لمحوں کی طرف دیکھا۔  
وہ دائرہ بزرگ سے ہٹ کر کھڑی ہو گئی تھی اور زمین کے چلنے کی  
ماوس آواز سے فضا گونجنے لگی تھی۔  
"تمہیں دیر ہو گئی شہزاد،" مانی نے سفاک لہجے میں کہا، "اس  
علاقے کی تباہی اور کم سبب کی موت میں صرف چند منٹ باقی ہیں؟  
دائرہ بزرگ چل رہا تھا اور قوت پیدا ہو رہی تھی، ٹائمر کے پاس  
ہو لے کی طرف دیکھا جو دستی کم اٹھاتے ہوئے تھا۔ وہ ادھر ادھر  
دیکھنے لگا لیکن اوشان کا دور دور تک کہیں نام و نشان تک  
نہیں تھا۔ یہ اس کی زندگی کا خطرناک ترین مرحلہ تھا، اس کے بے خوف  
دل میں غالباً پہلی بار خوف کی ایک لہر پیدا ہوئی اور اس کی ہمتی  
پر چھائی چلی گئی، اس نے دونوں ہاتھ ایک دوسرے سے جکڑ لیے۔  
اس کی پھیلیوں پر پھینکے گئی مٹی پھیلا ہو گئی تھی۔



وہ ساکت کھڑا تھا۔  
ایک لمحے کے لیے ٹائمر کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ سوچنے بھنے  
کی صلاحیت کی کمی ہو رہا ہو، اوشان بھی نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔  
دائرہ بزرگ کی محسوس آواز سے ماحول کا نپ رہا تھا، ٹائمر نے ایک نظر  
اس ہوسلے کی طرف دیکھا جو پہاڑ پر نظر آ رہا تھا... پھر وہ مانی اور چنڈا  
کی طرف متوجہ ہو گیا۔  
چلو چنڈا... مانی نے بلند آواز میں کہا۔  
"سب انیکڑا صاحب! چنڈا کے چٹان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا،  
اس شخص نے ہمیں پریشان بنا رکھا ہے۔"  
"فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، میں اس پر نگاہ رکھتے ہوئے  
ہوں، تم دونوں اوپر آ جاؤ۔ اگر وہ ذرا سی بھی حرکت کرے گا تو اس کے  
پہنچے آڑا دیے جائیں گے۔"  
ٹائمر کھجور کی گھڑا پر کھڑا ہوا سایہ در حقیقت انیکڑا لال  
کا نائب ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ لڑتا، چانک ایک اور ہیرو لڑتا  
دکھائی دیا، یہ ہیرو سب انیکڑا کے سامنے پڑ چکا اور پھر اوپر سے آواز  
آئی، "اے... سب انیکڑا صاحب تو زمین کے بہت بچے معلوم ہو رہے  
ہیں، انھیں جینڈا گئی ہے۔"  
ٹائمر نے خوشی سے اچھل پڑا۔  
اس نے دونوں لوگوں کی طرف دیکھا اور بولا، "مجھے انہوں

سوراخ کی طرف تھا جہاں انہیں ستون بھی نصب تھے۔  
"چلیے اوشان... اس نے سرگوشی کی۔  
"نہیں میں یہیں رہیں انتظار کروں گا۔"  
"مگر کیوں؟" ٹائمر نے حیرت سے پوچھا۔  
"اس لیے کہ یہاں انتظار کرنا زیادہ فائدہ مند ہو گا، تم چلے جاؤ،  
اوشان نے عجیب سے لہجے میں کہا۔  
شہزاد کندھے اچھکا ناچو اڑا لے اس کے اڑنے کے بڑھ گیا مگر وہ  
جیران تھا کہ اوشان کے ذہن میں نہ جانے کیا کچھڑی پک رہی ہے  
اس نے جلدی سے دونوں لوگوں کو دیکھ لیا اب وہ تھکا ہوا کران کا  
تغاقب کر رہا تھا۔ وہ اس سے بیس فٹ اس کے تھیں اور جب وہ  
دھانے کے قریب پہنچیں تو ڈگ گئیں، انھوں نے جلدی جلدی دائرہ  
بزرگ ستونوں کے ساتھ نصب کیے، ہارن کی قوت کو دیکھی کہ کسی  
اسی لمحے ٹائمر نے قریب پہنچ گیا، کیا حال ہے تو خوبصورت لڑکیوں  
ان کے ہاتھ ڈک گئے اور وہ مجھڑی ہو گئیں۔  
"شہزاد... انھوں نے بیک زبان کہا۔  
"ہاں... میں تم دونوں سے ایک چھپ قاتلات کی تمنا لے  
کر آیا ہوں۔"

مانی نے ایک جھول سانس لی اور دھیرے دھیرے اس کی  
طرف بڑھنے لگی، "اے شہزاد! ہم دن بھر تھکے ہی رہے ہیں  
سوچتی رہی ہیں، اس کا ہوا چانک ہی نرم ہو گیا تھا۔  
"تمہیں پتہ نہیں کہ میں بھی سوچتا رہا ہوں۔"  
"تم کیا سوچ رہے تھے؟" چنڈا نے بڑی لہجے سے پوچھا۔  
"یہی کہ تم ایک قابلِ فخرت عورت ہو، یہ کہتے ہوئے اس نے  
مانی کو زوردار دھکا دیا۔  
چنڈا ان دونوں سے بے نیاز دائرہ بزرگ پر کام کرنے میں مصروف  
تھی اور اس کے ہاتھ تیزی سے کام کر رہے تھے، ٹائمر تیزی سے اس  
کی طرف پلکا، اسی لمحے ایک زوردار دھکا ہوا، زمین کا نپ گئی اور  
ٹائمر گرتے گرتے بھاگا۔  
"شہزاد... چانک ایک مردانہ آواز گونج اٹھی، بڑک جاؤ  
ورنہ دوسرا دستی کم تمھاری گود میں گرے گا۔"  
ٹائمر ٹھٹھک کر رہ گیا۔

... پھر اس نے ایک جھول سانس لی، اس کا تودل ہی دھڑکنا  
مچھل گیا تھا کہ ٹھٹھک اس دھماکے سے وہ بھی سمجھا تھا کہ چنڈا زلزلہ  
پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے، اہل اب سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔  
لیکن یہی مصیبت بھی کچھ کم خطر نہیں تھی، اسی ساعت اسے

افراد سوار ہیں اور ان پر قتل کا شہسہ ہے۔  
شہزاد نے ہاتھ پاؤں پار کرنا کنگ میں سے جا کر کھڑی کر کے ایک جھول  
سانس لی، وہ پڑیں کہ ایک کشتی کا کوئل دے کر یہاں تک پہنچا تھا  
دونوں دے قتل مگر تیزی سے دوڑتے ہوئے ٹالر  
کیس تک پہنچتے تھیں وہاں دینر دکھائی نہ دی، انھوں نے  
لیکن میں جا کر لوگوں کا انتظار کرنے کا فیصلہ کیا، انھیں یقین تھا کہ  
مانی اور چنڈا اگر جھلکا کر کوئی بڑا زلزلہ پیدا کرنا چاہتی ہیں تو وہ  
آس پاس ہی کہیں موجود ہوں گی، شہزاد کو خدشہ تھا کہ تم سے عموماً  
ہو کر وہ طیش میں آجائیں گی اور کچھ بھی کر گزرنے کا فیصلہ کر لیں گی۔  
ٹالر کے قریب ہی، کوہ مرگ کا وہ سوراخ تھا جس میں  
دباؤ پیدا ہوا تھا۔ سوال صرف یہ تھا کہ وہ دائرہ بزرگ کہاں نصب کیا  
گی؟ اور سوال یہ بھی تھا کہ اگر دائرہ بزرگ نصب ہو کر کام کرنے لگا  
تو زمین آباد کا کیا ہو گا؟  
"موت... تباہی... آگ... لاکھ... اور لاکھیں... کتنے لوگ  
مروں گے؟"

"میں لاکھ... میں لاکھ... تیس لاکھ...؛  
زندگی کی بڑی س آکھڑ جائیں گی اور ویران چھا جائے گی،  
اچانک وہ گئیں کہ آواز سانی دی، گاڑی کیوں قریب ہی  
رکھی اور پھر مانی کی طیش بھری آواز گونجنے لگی، غلطی ہلا اس نے  
یقیناً مدد لال کا تغاقب کیا کہ ہو گا اور... چوری بھی اسی نے کی ہوگی۔  
"ہاں... لیکن مدد لال کو سزا دینا بھی ضروری ہو گیا تھا،  
چنڈا نے جواب دیا، ویسے مجھے یقین ہے کہ اس لمحے نے شہزاد سے  
کچھ جو کر لیا ہو گا۔"

"تم نے دیکھا تھا، جب ہم نے دائرہ بزرگ کو ٹی ٹی ڈالی تھی تو  
مدد لال کے چہرے پر کیسے تاثرات تھے؟ مانی نے ہستے ہوئے کہا۔  
"کاش ہم شہزاد پر بھی دائرہ بزرگ استعمال کر سکتے۔  
"بہر حال، وہ واقعی سب انیکڑا کا قہقہہ تمام کر دے گا۔  
میں نے اسے تباہ کیا ہے کہ ہم نے شہزاد کو مدد لال کے گھر سے نکلتے  
دیکھا تھا اب وہ شہزاد کے پیچھے لگا ہوا ہو گا۔  
"ممکن ہے۔" چنڈا نے جواب دیا، "میں اب کام شروع کر دو۔  
میں دائرہ بزرگ لگا کر ان آباد کی تباہی سے قبل ہی کسی معفو خفا کام پر  
پہنچ جانا چاہیے۔"  
اوشان اور شہزاد نے قتل کی آہٹ سنی جواب دہ ہو رہی  
تھی، ٹائمر نے کھڑی سے جھانک کر دیکھا، چانڈی میں دو درمیاں دو  
دائرہ بزرگ اٹھانے ٹالر سے دور ہو رہی تھیں، ان کا رُخ آتش فشاں

کر رہا۔ اس کا بانی ضائع ہو گیا ہے۔

وہ بھٹک کر پڑا۔ اس نے ایک قدم آگے بڑھایا تبھی اسے احساس ہوا کہ دلزلہ مختلف سمت سے آرہا ہے۔

کیا انھوں نے کوئی اور دائرہ ریز بھی نصب کر رکھا ہے؟

یہ سوال اس کے ذہن پر چھوڑے برساتے لگا۔

جتنی جلدی زمین پر قدم اٹھانا محال ہونے لگا لیکن اسے بہر صورت اس دائرہ ریز کو بھی تلاش کرنا تھا جس کی وجہ سے

تباہی آرہی تھی۔

وہ دوڑنے لگا۔ ساتھ ہی اسے یہ بھی احساس ہوا کہ شلنے کے

زخم سے خون ضائع ہو رہا ہے۔ پھر ایک منٹ سیاقفص انتہائی برق

رفتاری سے اسے پیچھے چھوڑ گیا۔ یہ اوشان تھا۔ شیشیا بچو کا ملک

وہ اس طرح دوڑ رہا تھا جیسے جتنی جلدی زمین پر دوڑنا چاہوں گا کیل

رہا ہو۔

سنبھلنے میں پوری قوت سے دوڑنے کی کوشش کی لیکن

اوشان مسلسل آگے ہوتا چلا گیا۔ اس سے پر نظر نہیں آ رہے تھے۔

شاید وہ آ رہا تھا۔ چہرہ دیکھتے ہی دیکھتے تاریکی میں گائب ہو گیا۔

چند پرندہ غوغا سے چمکنے لگے۔ ان کی ڈولیاں آسمان پر گھٹنے

لگیں۔ ایک بٹی شہزاد کے قدموں تلے اگر گہلی گئی۔ ہوا بند ہو گئی اور

جس پیدا ہو گیا۔

شہزاد دوڑتا رہا غار وار جھارنوں کی پروا کیے بغیر وہ اسی سمت

میں دوڑتا رہا جہر اوشان گیا تھا۔ چند لمبے بعد ہی وہ ایک میدان

میں نکل آیا جہاں کوئی درخت یا ایسی جھاڑی نہیں تھی جو بصارت

کی راہ میں حائل ہوتی۔

منا اس نے ایک بہت بڑی مٹین دیکھی اور اس کا دل

دھک سے رہ گیا۔ یہ ایک دیوانہ کاست دائرہ ریز تھا۔ مانی اور چند

کے دائرہ ریز سے تیس گنا بڑا۔ میدان میں مکمل خاموشی تھی اور

آسمان ہزاروں چہرے والا چاند چکر رہا تھا۔ اس کی چاندنی میں ریت

کے قریبی حصے چمک رہے تھے اور وہیں ایک شخص جھکا ہوا تھا۔

شہزاد نے اسے فوراً پہچان لیا۔

وہ ڈاکٹر پرکاش کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔

شہزاد چپے تو یہ سمجھا کہ وہ سمجھ کر رہا ہے لیکن پھر اسے احساس

ہوا کہ پرکاش عبادت کے لیے نہیں بلکہ تکلیف کے باعث جھکا ہوا

ہے۔ اس کے اس احساس کی وجہ پرکاش کے قریب ہی موجود ایک

اور سایہ تھا۔ پھر نا سانا۔ ڈوڈا بہت سا سایہ جس نے کسی گہرے

رنگ کی عبا پہن رکھی تھی اور اس کا ایک ہاتھ پرکاش کے زرخشے

پر تھا۔

زمین کی تھر تھراہٹ ایک دم ختم ہو گئی۔ لیکن شاید یہ بھی

خیزاؤ کا گمان ہی تھا کیونکہ درختوں کے تنے اب بھی گر رہے تھے اور

میلے مسلسل کانپ رہے تھے۔ وہی بیبی چھانچیں لگانا ہوا ان

دو فوں کے سر پر پہنچ گیا۔

اسے روکو پرکاش اوشان کی سروتین آواز گونجی۔ اس

آواز نے ٹانگوں کے پورے جسم میں سستی کی لہری دوڑادی۔

اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ پرکاش نے اپنے ہونے بٹھکے بٹھکے جواب

دیا۔ اسے اب کوئی بھی نہیں روک سکے گا۔ اب یہ اپنی مرضی کے

تابع ہے جب تک اس سے پانی کا دھارا خارج نہیں ہوگا۔ یہ

نہیں، تم غلطی پر ہو۔ جو چیز شروع کی جا سکتی ہے اسے

روکا بھی جا سکتا ہے۔

بہت مشکل ہے۔ اگر وہ میری بات مان لیتیں تو آج میں

ایسا کرنے پر مجبور نہ ہوتا۔

اوشان نے اس کا زرخہ چھوڑ دیا اور شہزاد کی طرف پلٹ

ہوا۔ یہ سب کچھ اگل چکا ہے۔

مانی اور چند کہاں ہیں؟ پرکاش نے شہزاد کو غور غور نظروں

سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ انھیں یہیں آنا تھا۔

وہ اب یہاں نہیں آئیں گی پرکاش جی! شہزاد نے نہر خند

سے جواب دیا۔ ان کی بے چین آتما کے گوشہ آجائے۔ مگر اب

ان کے بے چین، حسین، دلکش، دلنوا اور قیامت خیز جسموں کو کسا

مل چکا ہے۔

بہے بھگوان... پرکاش نے اپنا سبز بیٹ ڈالا۔

"بھگوان، ظالموں اور بدکاروں پر رحم نہیں کرتا۔ مانیکرنے

بڑی بے رحمی سے کہا۔ اور اب تم بھی مکمل جاؤ۔ جتاؤ دائرہ ریز رکر

طرح بند ہو جاؤ؟

نہ بند نہیں ہو سکتا۔ پرکاش کی آنکھوں سے مونہ مونہ

آشورہ بہنے لگی۔

یہ سچ کہہ رہے شہزاد! اوشان نے دم لیے ہیں کہا تکلیف

اور درد سے مجبور ہو کر اس نے ہر وہ بات بتادی ہے جو اسے معلوم

تھی۔ اوشان کی نظروں میں دائرہ ریز کے الو نیم والے چپٹ نام پتھر

کیا۔ یہی وہ مٹین ہے جس میں ارتعاش نہیں ہوتا؟ اس نے مانیکرنے

سے پوچھا۔

ہاں... شہزاد نے انہماک میں سر ہلا دیا۔

"اوه... اوشان بڑ بڑایا۔

"اور یہ اس زخمی سوراخ میں بھر لہر قوت سے پانی پھینکے

کی توانیائی فوٹاک لزلہ آئے گا۔ شہزاد نے وضاحت کی۔

فوتو کیا یہ مقام مٹین کی وجہ سے غیر متش ہے؟ اوشان نے

ڈاکٹر پرکاش سے پوچھا۔

"ہاں: پرکاش نے کہا اور تاریکی میں ٹھونے لگا جیسے وہ مانی

اور چند کو تلاش کر رہا ہو۔

"تم غلط کہتے ہو پرکاش: اوشان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

ہر وہ چیز جو خود حرکت کرتی ہے غیر متش نہیں ہو سکتی۔ زندگی بھی

متحرک اور متش ہے۔

اسے میں فلسفہ کہہ سکتا ہوں مگر یہ سائنس نہیں: پرکاش

نے انھیں شک کرتے ہوئے جواب دیا۔

"اگر تم اسے سائنس کہتے ہو تو یہ سمجھو کہ سائنس ہے۔ زندگی

رتش اور متحرک ہوتی ہے۔ حرکت ہی ارتعاش کا نام ہے۔ وجود متحرک

ہوتا ہے۔ کائنات متحرک ہے... تمھاری سائنس نے ایک ایسی مٹین

بنا دی ہے جو اصول ارتعاش تبدیل ہوئی ہے... بہر حال میں اسے یہ

اصول یاد دلواؤں گا۔

"اوشان: مانیکرنے اس غلطی سے آگاہ کرنا چاہا۔

"کیا تم یہ تصور کہتے ہو کہ سائنس اور روح الگ الگ چیزوں

کے نام ہیں؟ اوشان شہزاد کو نظر انداز کرتے ہوئے بولتا رہا۔

مگر یہ روح کا فلسفہ نہیں بلکہ ایک مٹین ہے اوشان: مانیکرنے

نے اسے ایک بار پھر خبردار کرنا چاہا۔

"ہاں... اور مٹین انسان کے مقابلے میں بہت حقیر ہوتی ہے۔

کہتے ہوئے اوشان نے چند قدم آگے بڑھ کر اس کی پلیٹوں اور نوٹوں

پائیک کا جائزہ لیا اس نوٹوں کا رخ زمین کے سوراخ کی طرف تھا۔

"میں اس جاہل مٹین کو اصول ارتعاش یاد دلواؤں گا کہ یہ انسان

کی مرضی کے تابع ہو سکے۔

"اب تو تم موت کی مرضی کے تابع ہیں احمق: پرکاش نے

ہر دانی انداز میں قہر رنگتے ہوئے کہا۔ مانی اور چند کی موت نے غائب

اس کی ذہنی کیفیت غیر متوازن کر دی تھی۔

"احمق تم ہو... تمھارا آپ ہے۔ اوشان نے غصے سے کہا۔

اور پھر اس کا وجود، بیاد سے سمیت عظیم الشان مٹین کی آڑ میں غائب

ہو گیا۔ بارہ ایک بلکہ نظر آ گیا لیکن اسی لمحے یوں لگا جیسے زمین ایک

دھماکے سے بھٹ جائے گی گہری خاموشی چھائی دھننے نکی مانیکرنے

ایک تار بازی کھیچ کر چند قدم دوڑ جا کر اور پھر انتہائی زوردار ارتعاش

نے اسے اٹھا کر کھڑک دیا ماس کے جسم میں شدید درد ہونے لگا اور

وہ ہرزین پر گر گیا اس کی زبان اپنے غول کا ڈانڈا پھینکنے لگی شاید

اس کا ہونٹ پھٹ گیا تھا اس کی آنکھوں کے سامنے تار سے

ناپتے لگے اور وہ سر پھٹ کر جواس قابو میں رکھنے کی کوشش کرنے

لگا۔ اس نے بیبی لمبی سانسیں لیں اور چاند کی طرف دیکھا جس کی

زردی پر اب وہ ہند ٹپ رہی تھی... پھر اس نے اوشان کی آواز

سنی جو اس کے قریب کھڑا تھا۔

"میں نے اسے توڑ دیا۔ اوشان کے لیے میں یوں جیسی ٹپٹی

تھی۔ دنیا میں میرے سوا کوئی بھی یہ کام نہیں کر سکتا تھا۔

"اوه... کیا ہوا اوشان؟ مانیکرنے نے شدید تکلیف کو ضبط

کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے اس کو بہت مٹین کو اصول ارتعاش سکھا دیا ہے۔

"میرے خدا... شہزاد کا دل جھڑپا۔ چہرہ زہر پ کر لیا۔ اوشان

پرکاش کو فرار نہ ہونے دیتا۔

"فرار... بھلا! وہ ہلے ہلے اس طرح آئے گا فرزند!

اس کی تو تم سے بھی بڑی حالت ہے۔ روح اس کے جسم کا بجز توڑ کر

فرار ہو گئی ہے۔

"اوه... شہزاد نے سکون کی ایک گہری سانس لی اور اٹھنے

کے لیے تگے دو کرنے لگا مگر اس کی ٹانگیں اس کا ساتھ دینے سے

انکار کر رہی تھیں۔

"کیا میں دوبارہ جہر سکوں گا اوشان؟ اس نے گہرے اور پھل

"میرے بچے! تمھارا اصل سوال یہ نہیں ہے اتم تو یہ پوچھنا

چاہتے ہو کہ کیا تم ایک بار پھر وارہ گردی کے قابل ہو سکو گے؟ اوشان

نے اپنے مخصوص انداز میں ہنسنے ہوئے کہا۔

"آپ، بے بس لوگوں کی بے بسی سے بہت خوش ہوتے ہیں؟

شہزاد چکر لگا۔

"دیکھو! میں تمھیں ایک عرصے سے یہ مشورہ دے رہا تھا کہ

ہمیشہ ایسی خوراک استعمال کرو جو خود بڑا رکھنے کے لیے ضروری ہو کیونکہ

تم نے کبھی اس مشورے پر کان نہیں دھرا۔ پھر میں نے تمھیں یہ نصیحت

کی کہ اپنے ذہن کو صحت مند خیالات کی جگہ بنا لو لیکن تم مانی اور چند

جیسی لوگوں کے ساتھ تالاب میں مٹل کرنے میں خوش رہے۔ اور

اب تم اپنی بے بسی کی بات کر رہے ہو۔ وہ جانتے ہو۔ بھلا میں یہ

کیسے یقین کروں کہ تم میری یہ مدد بھی نہیں ٹھکراؤ گے؟ اوشان اسے

پوری طرح ذوق کرنے میں مصروف تھا۔

"آپ جو کہیں گے میں وہی کروں گا مگر پاپ! شہزاد نے

غصے انداز میں چیخ کر کہا۔

"اے تو پھر میری سانسیں لو! اوشان نے اس کی گردن پر ہاتھ شروع کرتے ہوئے کہا۔ "اوشان نے اس کی گردن پر ہاتھ شروع کرتے ہوئے کہا۔ "اوشان نے اس کی گردن پر ہاتھ شروع کرتے ہوئے کہا۔"

اس نے غصے میں ہاتھ پاؤں ہلاتے ہوئے ہلکی سی درزش کی اور سر باہم اوشان کو نظر انداز کرتے ہوئے ہرکاش کی طرف دیکھنے لگا جس کا جسم دھڑکا تھا۔ اس کی ٹھوڑی پیٹ پر بھی اور... ریڑھ کی ہڈی پائنتک کے اسکیل کی طرح دو حصوں میں ٹوٹ چکی تھی۔ اس کے قریب ہی اس کا وارنیر بھی یوں ٹوٹا تھا جیسے کسی بچے نے غصے میں آکر پٹا کھوٹا توڑ دیا ہو۔ اس کی ٹونگی کا ٹوٹ اس آسمان کی طرف تھا اور پانی فوراً اس کے شکل میں آسمان کو چھوئے کی ناکام کوشش کے بعد بارش بن کر زمین پر برس رہا تھا۔ چاند کی نندی ختم ہو گئی تھی اور سفید برفاں چاندیہ دیلیوں کی طرف بیکر رہا تھا۔

یہ سب کیسے ہوا اوشان؟ غمزدہ ہوئے چھا۔

"میں نے متنبی کو یاد دلایا ہے کہ وہ پانی کو محض ساکت لکھ کر قوت پیدا کرنے کے لیے نہیں بنائی گئی بلکہ وہ پانی کے علاوہ خود کو بھی حرکت دے سکتی ہے۔ متنبی میری بات سمجھ گئی اور اس کے پانچ کا رخ آسمان کی طرف ہو گیا لیکن اس کوشش میں اس کے بہت سے پرنسے نکل گئے۔ یوں یہ ناکارہ ہو گئی اور پانی کو بھی بالآخر مل گئی۔"

"اے... اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ ایک مرکب کیونٹیشن بھی ٹھیک کر سکتے ہیں؟ غمزدہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں... بشرطیکہ مجھے بھی شوکر نے کی خواہش محسوس ہوئی۔"

اوشان کے لیے یہی شفت تھی۔

"اور آپ کو یقیناً اس پورے ڈرامے کے ارضیات نتائج کا بھی علم نہیں ہوگا؟"

"نہیں... لیکن میں زمین کو زخمی ہونے اور پھٹنے ہونے نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ میں نے زمین کو پھلنے کے لیے جو بھی سمجھ میں آیا کر ڈالا۔"

ڈاکٹر بہرام نے فون پر شہزاد کی زبانی چند لفظوں پر مشتمل پٹ سنی تو اسے سخت صدمہ پہنچا۔ تو کچھ لمحے بھی ٹوٹ تھا شہزاد؟ اس نے ٹوٹے ہوئے لیے پوچھا۔

"ہاں... ٹائپ گئے اس کے لیے کا درد فوراً محسوس کر لیا اور کہا: غائب... پر کاش میں ہمارا آدمی تھا، چیف! آپ کے بیچ سے ایسا ہی لگتا ہے... اور شاید اسی باعث آپ اس کا نام سن کر دایوس سے جو گئے ہیں۔"

"میں ایسے سرفیس کو نہیں جانتا جو ہمارا آدمی ہے۔ بہرام نے ٹھٹھک کر جواب دیا۔

شہزاد اپنی گردن پر ہاتھ پھرنے لگا کیونکہ بہرام کا ہونٹ چلی کھا رہا تھا کہ ہرکاش اس کے نزدیک خاصی اہمیت کا مالک تھا۔ "باب دے... ہمارا آدمی... شہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور وہ بھی ایسا ہوا پنے ملک کو تباہ کرنے کے لیے مددے گور جائے۔"

"دولت کی ہوس بعض اوقات فرشتوں کو بھی شیطان بناتی ہے شہزاد! یہ کہہ کر بہرام نے ریسورٹ رخ دیا۔

شہزاد نے ٹیلی فون ہوتھ سے پھٹنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے اپنی ایک انگلی سے ٹیلی فون کے کٹے والا بسکھولا کے ٹھٹھکی میں جو اوپر پھرتے ہوئے نکل کر تمام کٹے اس طرف اچھال دیے، جہاں ایک تاکہ دور پر کاش لائنی اور چٹان کی ٹاپس پر پڑی تھیں۔

ٹائپ گراس وقت بہت نوو میں تھا۔

ڈائریکٹر کی تباہی کے بعد جب وہ ڈو کو سنبھالنے میں ناکام ہو کر گر گیا تھا تو اس کا اصرار پلاننگٹ انسان اوت کا خوف اور لکھ کے بہت بڑے حصے کی تباہی کا خوف مسد تھا یہی وجہ تھی کہ اس کے اصرار سے تاجر ہونے اور وہ عجائی فاع میں مبتلا ہو گیا تھا... لیکن اس دوران میں اوشان نے اسے اتنا زچ کیا تھا کہ سچ داب کھلنے کا منہم ہے۔ لیکن بالآخر یہ بدل گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اوشان ایسے لمحات میں ہے نہ تباہ زمرہ دلی کا مظاہر کر لے۔ جب عام آدمی سانپ کے سونگھ جانے والی حالت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

مافی اور جیک کے سسٹم میں اس نے اسے بعد میں اتنا زچ کیا کہ وہ بے مدد چلا کر گھر سے نکل کر ہوا تھا... اور وہ اس نے ترک کے کنارے کھڑے ہوا تھا وہ دھڑکی لگادی تھی۔ وہ تو چھا ہوا کہ ٹائپ گراس معاً کی طرف تھا۔ اگر وہ شہر کی جانب یوں دوڑتا تو لاکھوں کا جمع ہوا آ کے پیچھے دوڑ پڑتا۔

اس کی ناخوش تیزی سے حرکت کر رہی تھیں اور وہ ایک میڈو آدمی ہی ملتا تھا۔ اگر ہرکے کوئی ایسے دیکھتا تو یوں محسوس کرتا جیسے

ی جملے جاننا ہوں کہ کوئی آدمی ہے۔ ناخوش کی تیز ترین حرکات یہ کہ ایسا ہی لگ رہا تھا۔ دوڑتے دوڑتے وہ ایک مجبور گیا۔

اس نے گہری گہری سانسیں لیں اور دھڑک رہے دیکھے لگا۔ منہ نہ کیوں پھاٹک ہی اسے ایک عجیب سے احساس نے گھیر لیا۔ ناخوش لگا جیسے نرم نرم سی آغیں کہیں دوسرے آئے دیکھ رہی ہوں۔ ناخوش میں زیادہ ہی نہیں جنت میں تھی۔ وہ اس پاس دیکھتا لیکن مددگار میں کوئی جی وی روح دکھائی نہ دیا۔

تب اچانک ہی ایک جھانسی میں یوں چل سی گئی۔ وہ اچھل کر اوپر چھا گیا۔

وہ ایک جھوٹا سا رہن تھا۔ رہن تھانیں بھڑکا ہوا ڈوٹا تو ٹائپ گراس میں اس کے پیچھے ایک پک پک... اور جنہر یوں میں رہن اور وہ دونوں نے سانے کھڑے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے تھے۔ رہن کی معسوم ٹھونک اب اس بے پرواہی کی جھلک تھی جیسے ہائیڈر اسے جنت سے بیکر رہا تھا۔

"ہیلو سوٹ ڈاٹ! وہ اس کے منہ پر بارے لٹکلی مہیر کر رہیں اور آواز میں بولنے لگا۔ میں نے سن لگا ہوں کی مراد یہ محسوس کی تھی۔ اگر وہ تمہاری ہی سانسیں تھیں تو یقین کرو کہ میں تمہاری جنت دھن محسوس کر چکا ہوں بلکہ میں نے اسے دل و جان سے قبول بھی کر لیا ہے۔"

وہ اتنی نرم اور دھاس سے صبر فوراً آواز میں بول رہا تھا کہ رہن کی آنکھوں سے خوف اور بے بسی کے سائے چھٹنے لگے تھے۔

"تمہاری آنکھوں کی یہ مصروفیت بتاتی ہے کہ تم مجھے پیادگی لگا سے دیکھتا تھا اور شاید تمہیں مجھ کو دوڑتے دیکھ کر شک کا احساس ہو رہا تھا۔"

رہن کی آنکھوں سے اب واقعی جنت ظاہر ہونے لگی۔

"آج سے دم دونوں دوست ہیں... ٹائپ گراس اس کی تحقیقی پروفٹ جھلکتے ہوئے کہا۔ رہن نے اسے نہیں بند کر لیں۔ اس کی لپکا ہٹ تھی ختم ہو گئی تھی اور اب وہ پوری طرح رام ہو چکا تھا۔ "تم میرا نام نہیں جانتے... میں شہزاد ہوں۔ مجھ میں ٹائپ گراس خصوصیت پائی ہوئی ہے لیکن میں مجھ سے ڈھنکی کوئی معرفت نہیں۔ میں جنگلی میں شہر کی ٹائپ گراس ہوں... لیکن دوست! وہ دھڑکیا اور یوں بن گیا جیسے کسی گہری سوج میں جو تھا کوئی نام جس کو ہونا چاہیے۔"

نہ! تمہارا نام... ٹھیک ہے... میں نہیں جانتا کہ کیا کہنا تھا۔

رہن نے منہ کھولا اور اس کی بادی کی غمی ختمی زبان ٹائپ گراس کو کھانے لگی۔ ٹائپ گراس جو معسوم لب و لہجہ میں بات چیت کرنے کی

قریبیت دینی تھی اس میں اسے کھل مائل تھا۔ یہ کھل وہ تو اپنی بار بار کا میاں سے آزار پہنچا تھا... لیکن جلدوں پر بھی یہ آزاری ہو کر سکتا ہے اس کیلئے میں تو اس نے زندگی میں کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

رہن کے اس بچے سے ملاقات کے بعد ٹائپ گراس کا ٹوٹے ہوئے غرض گول ہو گیا تھا۔ اس کے انداز سے علاہ بہت دور دور تھی تھی۔ وہ رہن کے بچے کو چھوڑ کر کھڑکیاں کا خیال ختم کر رہا تھا کہ رہن اس کی گرفت سے نکلتے ہی چوڑیاں بھرنا چاہتا تھا کہ گئے گا... لیکن ایسا نہیں ہوا۔

وہ معسوم سا بچہ اپنی تمام تر مصروفیت کے ساتھ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ٹائپ گراس کا دل خوشی کے شر سے بھر گیا۔ وہ وہ دم بول رہا رہن کا بچہ اس کے پیچھے پھلنے لگا۔ ٹائپ گراس بہت آہستہ آہستہ ڈوٹا شروع کر دیا۔ رہن بھی اس کے پیچھے دوڑنے لگا۔

دوڑتے دوڑتے وہ بار بار اس کی آبروں پر منہ لانی کی کوشش کر رہا تھا۔ غائب وہ جہاں تھا کہ ٹائپ گراس کی ناخوش اتنی تیزی سے اداس قدر خوبصورت انداز میں کیسے حرکت کرتی ہیں۔

دونوں آگے پیچھے دوڑتے رہے۔

ٹائپ گراس نے مکمل فضا میں لڑک گہری گہری سانسیں لیں۔

رہن کا بچہ اس کے قریب ٹھہرا۔

"جنا... اس نے رہن کی طرف دیکھ کر کہا۔ تمہاری ماں کہاں ہے؟

رہن کے بچے نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ جانا شروع کر دیا۔

"اے... اے... ٹائپ گراس بھلا کر رہن پر ہلکے سے ٹھیک ہے۔

میں تمہیں گودوں گا۔"

وہ ہنستا اور جہاں سے ہاتھ نہار رہا۔ بڑی درجہ بے احساس ہوا کہ ایک طویل عرصے بعد اس پر یہ جذباتی کیفیت طاری ہوئی ہے۔

اس کیفیت کی وجہ نا معلوم تھی۔ وہ تو ایک ایسا آدمی تھا جس کے سینے میں شروع سے ہی پتھر کا ایک ٹکڑا رکھا ہوا تھا۔ اہر یہ قلب نگہ چٹان، بدلیوں کی آج بڑھ رہی تھی۔

"اے... کتنی عجیب بات ہے... وہ خود کلائی کے انداز میں بولا۔

"ایک معسوم سا رہن پتھر کا دل بھی دھڑکا سکتا ہے۔ یہ تو میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ جنت کے مکمل واقعی زلزلے ہیں۔ انسان اپنے اندر کتنی ہی خصوصیت پیدا کرے۔ اپنی حیات کو جہاں تک چاہے بڑھلائے۔ مافوق البشر بن جائے لیکن فطرت کے سائے ہمیشہ رہیں گے ہی رہتا ہے۔"

اس نے ٹھیک کر رہن کے بچے کو گامایا۔

"جنا... بیٹے... جلدو گھٹیں... اس نے کہا اور اسے خود اپنی ہی دازا بنی عورت پر ہونے لگا۔ پھر اس نے خود اپنا بایا اور کھانے لگا۔



اس کا زندہ دلی ہو کر آئی اور دہرن کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے۔  
"لیکن عمر جو کچھ بچوں کی طرح رہتا تھا اسے دادا جان، حجامت  
کے اعتبار سے کسی بہن ہی کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان  
کا چڑچڑاہٹا کبھی کبھی بدادشت ہے، باہر ہو جائے... اور سو... وہ  
جب کسی بیت خوش ہوتے ہیں تو ان کے سینے پر کسی لٹھے کی قوت قوت  
کا لہجہ ہوتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ اُن کے بغضوں انداز میں ہنس پڑا۔  
وہ بہن کا بچہ اٹھائے پس ہر ایک۔  
مرنگ پر ایک سنگ میں بٹھ کر اسے ٹھک مانتا پڑا۔  
یہ سنگ میل بنانا تھا کہ وہ شہر سے ایس میں دو ٹکلیاں آیا تھا۔  
اس پاس جنگل تھا اور دو درخت جھاڑیاں ہی جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔  
اُس نے ایک طویل سا سلی اور مرنگ کے کنارے کھائے، دوڑے لگا۔  
مرنگ پر گڑھا، یکہ بران بڑی مٹی پہلے پہل بہن کا چتر اس کی گود میں  
قد سے کسایا... پھر اس نے اس کے بازو پر اپنی مٹوئی جھاکر انھیں  
بندر کر لیں۔  
گھر پہنچ کر اُس نے اوشان کے کمرے کا لٹریچر کیا اور پھر نیم ڈا  
وڑا رنے میں ہن کا ہن کا جوہر کے اندر کھڑے آہستہ سے اندر داخل دیا۔  
اندہ اوشان کو ل کا آسن بنائے میٹھا تھا، دیگر کھڑکی کے قریب کھڑا ہو کر  
اندرا جھانک لگا۔  
وہ دیکھتا جانتا تھا کہ اوشان پر بہن کے اس بچے کا کیا یہ عمل  
ہوتا ہے۔

بہن کا بچہ دروازے کے اندر گونگی حالت میں کھڑا رہا۔ اس کی  
نگاہیں اوشان پر پڑی تھیں اور غائب و ماہے دیکھ دیکھ کر حیران ہو  
رہا تھا۔ اوشان کی آنکھیں اب بھی بند تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے اس  
کو کہیں سے کسی کی موجودگی کا سر سے احساس ہی نہ ہو۔ بہن کے بچے  
نے ایک پاؤں اٹھا... پھر دوسرا... اور آہستہ آہستہ اُٹھ کر بیٹھنے لگا۔  
"ایک گھر مسکراہٹیں بننے لگا رہا... وہ چپکے سے نظر بھارتا رہا۔  
اوشان کے قریب پہنچ کر بہن کی گئی... پھر اس کی مٹی سی  
تھوٹتی آگے برسی اور وہ اوشان کو گھٹنے میں مصروف ہو گیا۔  
پھر بساحش چند لمحوں پر ہوا تھا۔

اُسے توقع نہیں تھی کہ مرنگ جیسن کی ہلکے خیرید کا ستور ہلانے  
والا یہ فوجان شہزاد اس کے لیے اتنی بڑی پریشانیوں کا باعث بن  
سکتا ہے۔ اس نے بھی ابھی سیورہ رکھا تھا اور اس کے ذہن میں ابھی  
ہلکے گوربت دیکھ کر باتیں کو گنج ہی تھیں۔ امرتا کی موت بڑی  
ہی ہیرت ناک تھی اور گوربت دیکھنے کو مجھو تیا تھا، اس کے تجرت  
بساحش چہ اس بات کی توقع کر سکتا تھا کہ اب موت اس کے زیادہ

دور نہیں ہے۔ امرتا تھا، اس کا ایک بہترین آدمی تھا۔ اس کے جناح  
جانے پروہ جتنا بھی انھیں کرنا تھا... لیکن انھوں نے کرنے کی بجائے  
اُسے تو خود اپنی جان کے لالے رکھتے تھے۔

وہ اس وقت اپنی مخصوص نشست گاہ میں بیٹھا تھا۔  
پیسے کے قطرے اس کی پستانی پر ٹپک رہے تھے۔ اسے تھکے ہوئے  
گلاس کی سطح پر چھلکا رہے تھے۔ ایک ایک لٹے اطلاع دی گئی کہ دار الحکومت  
سے ایک سادہ لباس والا ملاقات کے لیے آیا ہے۔ بساحش چند  
در فکرو تردد میں مبتلا رہا... پھر اس کی آنکھیں کسی اٹوٹے خیال پر پڑیں  
چراغیں اُس نے اپنی جین جیکل سیکر کی طرف دیکھا جو نشوونما  
کی لگتا ہوں اس کی جانب ٹھراں تھی۔  
"میرا خیال ہے، منور کہ اسے ہم جاکر اس کے لیے رقم نکالا  
اُس نے سیکر مٹی کو کھڑا اور مسکرتے لگا۔

سیکر مٹی اشات میں سر ملائی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی لیکن وہ چلان  
تھی کر اس کا پاس دار الحکومت سے گزرا واس سادہ لباس والا پلو  
ہن کی آمد پہلے تو کسی اشتاقت نہیں ہو کر آتا تھا۔ آج رات نے کیا بات  
ہے؟ سیکر مٹی ایک برطانوی نژاد لڑکی تھی اور بساحش چند اس کی  
ذات اور حجب کے ہمیشہ نظر آئے ہٹ فاس کہہ کر آتا تھا۔ وہ فوج  
کر سے میں موجود ہوئی کی طرف بڑھ گئی۔

بساحش چند کی مخصوص نشست گاہ کے فرش پر سفید قانون کچھا  
تھا۔ یہ قانون اتنا آہلادوبے اتنا غلا اس پر سفید سفید رنگ کا لگان  
تھا۔ اس کی مہارت سے جب سادہ لباس والا نشست گاہ میں داخل  
ہوا تو بساحش چند کی آنکھوں میں نظر آنے والی چمک دیکھ کر اندر  
گزرے دوسال سے منور ہی اس سے ہوئی کے لیے آتا تھا... آج چپ  
نے کسی اور کو سمجھ دیا تھا۔  
وہ شخص اندر آیا اور اس نے نہایت ہمتی سے عقب میں دروازہ  
بندر کیا۔ اس کی جال میں بی کے اندر جیسی خاموشی ماحد چپے تھیا وہ ذرا  
خبر سے میں اگر اس نے اٹھا تھا تو بھونے آداب کا بھر ایک صوفے کو  
زبانوں میں جھنک گیا۔ اس کی آنکھیں سر تھیں اور ان پر سناکت ہونے  
گمان ہوتا تھا۔

بساحش چند نے قیمتی گلاس میں سرخ شراب اٹھ  
اور گلاس کی طرف اٹکل سے اشارہ کرتے ہوئے کہا: "بیو آفیسر...  
سیکر مٹی راتب لڑی ہے۔  
نظر راتب پر نور وادی آنکھوں میں ایک ہلکا سا اثر پیدا  
لے ہر میں ہی ناں ہو گیا... اس نے جواب دینے کی بجائے اپنی کلا  
گھڑی پر لگے ڈال دی اور اس میں سر پر لگا کر انکار کر دیا۔

"منور چلے گی۔" بساحش چند نے اس کے بڑھکے انداز سے متاثر  
ہو کر کہا۔ اس میں دواؤں کے سرکونی جتنی ہی تھی، اس لیے بساحش  
مناحت کرنی پڑی۔ شاید تم نہیں جانتے آفیسر... منور کو کین کے لیے  
میں نام ہے۔"

دار الحکومت سے آنے والا آفیسر نے اس پر بھی انکار میں گزرن  
دی۔

بساحش میں پڑا۔ میں خود ہی کو کین استعمال نہیں کرتا؟ اس  
پر سبیل بتا کر کہا: "میرے نزدیک یہ ایک غلط شے ہے۔ لمحات  
کے لیے کوئی چھوٹا سا استعمال کرنا صحت مندی نہیں، اس کے لیے  
بڑھ کر ہی ہے... لیکن ہر وقت نشے میں ڈھپے رہنا حماقت ہے۔"  
"جی ہاں... وہاں نہ پہلی بار لپٹ کٹائی کی؟ اب کو کین  
نقل نہیں کرتے لیکن ایک چوہائی دیکھ کر گول کو استعمال کر لیں  
ہی آپ کو مال ہے۔ مجھے چیف نے آتے وقت آپ کے بارے  
میں بتا دیا تھا۔"

بساحش چند نے کین جس پر ایسے آفیسر نے اس کی بڑائی کے  
مقصد میں کچھ کہا ہو لیکن جب وہ بلا تو اس کے پیسے میں بے پناہ  
خدا تھا۔ میں جیلاس قابل ہوں، یہ سب کچھ راضی ہمارا راج کی مہربانی  
ہے ہو رہا ہے۔"

اُس نے بساحش کی برطانوی نژاد سیکر مٹی، ہٹ فاس اندر آگئی  
اس کے دونوں ہاتھوں میں دونوں کی ایک ایک موٹی کی گڈی بنی ہوئی  
تھی۔ یہ گڈی ایک میز پر رکھ کر اس نے ایک بڑا سا افادہ دار سے نکالا  
اور پھر سامنے ٹوٹ اس میں ڈال دیے۔

بساحش نے اٹھانے کی طرف اشارہ کیا۔  
آفیسر اٹھا اور اس کا ہاتھ اٹھانے کی طرف بڑھ گیا۔

ایک بساحش نے غصے کی ایک کوئی گڑبگڑ ہوئی ہے۔ آفیسر کے  
انداز میں خوشی کا تاثر نہیں تھا چالاک بساحش چند نے دار سے مٹی پھر  
لٹ لٹا کر اوکھیں آفیسر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: "اور یہ حقیر سا انداز  
لوٹ آپ کے لیے ہے۔"

سادہ لباس والا پولیس من نے اشات میں سر ملا دیا۔  
اُس کے انداز سے سر مہر کی ٹپک رہی تھی۔

"لیکن جناب... بساحش نے کسی خیال میں ڈھپے ہوئے کہا۔  
"ماہر ہو رہا ہے کاموں کے لیے کوئی نیا آدمی نہیں بھیجا جاتا۔ اگر آپ بڑا  
نہیں تو کیا میں فون پر چیف سے تصدیق کر سکتا ہوں؟  
"کیوں نہیں تصدیق تو آپ کو پہلے ہی کر لینی چاہیے تھی۔"  
بساحش چند اس آفیسر کی وجہ سے بے پناہ مہربانی محسوس

کرنے لگا تھا۔ اس سے پہلے جتنے بھی پولیس افیسر ہونے لگا کرتے  
تھوکی کے لیے بھیجا جاتا رہا، وہ سب کے سب تو اتنے ہی اس کے سامنے  
بٹھ جاتا کرتے تھے جو کہ بعض توڑوں لگتا تھا جیسے گشت پوست کی  
بھانے کسی دھات کا بنا ہوا اور اس کی تمام تر جان حرکات و سکنات  
اس کے نام کی بجائے کھپور کے ذریعے تکمیل پا رہی ہوں۔

بساحش چند نے سیکر مٹی کو اسنا دیا۔

اس نے اپنی پرکشش عروسی لنگی سے بڑھائی کیا "اور سلیوٹے"  
انکار کرنے لگا۔ جب دوسری طرف سے لان میں لگی تو اس نے اپنے  
باس کا تذکرہ کرتے ہوئے سیورہ بساحش چند کے ہاتھ میں لٹا دیا۔  
"ہلو... بساحش چند نے ہاتھ پیس پر نہ رکھ کر اتنی  
مٹاس جھرے پیسے میں کہا جیسے کوئی عطا نو جوان اپنی جوتے سے ازینا  
میں مصروف ہوئے۔ میں آپ کا خام عرش کر رہا ہوں...  
دوسری طرف سے کسی نے کچھ کہا۔

یقیناً وہ بات بساحش چند کے لیے خوش گواری تھی کیونکہ  
وہ جواباً مسکرتے لگا تھا۔ اس کی نگاہ دوسری طرف سے آواز سننے سننے  
ایسی آفیسر کی طرف اٹھ گئی جو بڑی بے پروائی سے بیٹھا دوا کی دھت دیکھ  
رہا تھا۔ اندازاً ایسا ہی تھا جیسے وہ خود کو اس شان دار نشست گاہ میں  
بالکل تنہا سمجھ رہا ہو... یا پھر اُسے احساس ہی نہ ہو کہ بساحش چند خود اُس  
کے بائیں کی سی کے کوئی بات کر رہا ہے۔

"دھال آج سے پہلے کبھی کوئی ایسی آفیسر نہیں بھیجا گیا اس لیے  
میں آپ کو یہ زحمت دینے پر مجبور ہوا... اور..."

دوسری طرف سے ہونے والے غائبانہ اس کی بات کا ٹ دی  
تھی اس لیے وہ خاموش ہو کر بیٹھنے لگا۔ اس کے انداز سے بے پناہ الجھد  
جھلک لٹھکتا تھا۔ وہ دوسری طرف سے ہونے والا پر سوجان سے  
بڑا ہو۔

"میں اس آفیسر کا طبعیت بتاتا ہوں: دوسری طرف سے بات  
سننے کے بعد بساحش نے دواہ کہا اور نشست گاہ میں موجود آفیسر پر  
نظر کی گاڑیں... پھر وہ اس کی طرف دیکھتا رہا اور بولتا رہا۔

طبعیت بتانے کے بعد اس نے کچھ زبانی پھر کر دوسری طرف سے  
بولنے والی کوئی بات کی اور کھل کھلا کر ہنس پڑا۔ پھر اس نے تکلیف ہی  
کے سلسلے میں دوبارہ عذرت کی اور سیورہ رکھ دیا۔

نیمے خاموش ہے پہلا راج: اس نے سادہ لباس والا آفیسر سے  
مٹاپ ہوئے ہوئے کہا: "میں آئندہ انہوں کو آپ نے اس تصدیق کو  
لیجے وہ فار کے مٹائی خیال نہیں کیا ہوگا؟  
"نہیں... میرے خیال میں تحقیقات میرے دھاکے میں مٹاپ

کھڑا رہا... پھر اس کی شلنگ سے نچوڑا ایل پڑا۔ اس کے ساتھ ہی وہ آہستہ آہستہ سامنے جھٹکا چلا گیا حتیٰ کہ وہ شلنگ کے بل کر گرا تو اس کی پیشانی سادہ لباس والے آفسر کے پیڑوں سے چبھنے لگی۔

برابر کے کمرے سے حسین و جلیں و ہانٹ فاکس فونوں کی ایک گڈی کے کراہیں اٹھ گئی۔ اس نے کمرے میں قدم بٹھتے ہی حیرت سے یہ منظر دیکھا۔ حیرت کے اظہار کا پہلا دوروں میں کچھ کلاس کے ہاتھ سے فونوں کی گڈی چبھوت گئی... اور ابھی اظہار حیرت کے دوسرے دور کا آغاز ایک دلہنہ پہنچے سے ہونے ہی والا تھا کہ پراسرار کلا قاتی کا دروازہ ایک بار پھر گرکھن آٹھا۔ وہ الٹ کر مڑی اور پیشے کے لیے سلاکت ہو گئی۔

مٹا سیکر نے ہر پڑا کر انہیں کھول دیں۔  
اس کے بائیں رخسار پر ایک گرم گرم اور گیلی سی جیو گھوم رہی تھی۔ وہ سورج طلوع ہونے سے پہلے، دو گھنٹے دراز کرنے کا عادی تھا اور اس وقت شق کے انتہائی دورے گزر رہا تھا کہ اچانک یہ گرم گرم اور گیلی سی چپڑے اُسے بُری طرح چونکا دیا تھا۔ اس کے عضلات میں اچانک ہی زبردست تناؤ پیدا ہوا تھا۔  
وہ ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

جہان نامی ہرن کے نیچے کی محنت اس کے لیے جان لیوا بھی ثابت ہو سکتی تھی، اس خیال نے اُس کے جسم میں ملنس کی لہریں دوڑا دی۔ پُر سکون عضلات میں جتنی تیزی سے آنا بلی برداشت تناؤ پیدا ہوا تھا اس سے جسم کے بعض حصوں کے ریشے ٹوٹ بھی سکتے تھے... لیکن وہ کسی نہ کسی طرح خود کو بردقت سنبھالنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اس کی جان بچ گئی تھی۔

اُس نے ہاتھ بڑھا کر جہان کو اپنی طرف گھسیٹ لیا۔  
"بھوردار... تمہاری یہ محنت میرے لیے بہت مہنگی ثابت ہوئی ہے یہ کہہ کر اس نے ہرن کے سر پر ہاتھ پھر جہاں فٹے فٹے سنگ لگنے کی تیاری کر رہے تھے اور ان مقامات پر ہلکا سا گھبراہٹ پیدا ہو گیا تھا۔ ہرن گزشتہ دو ہفتوں سے اس کے پاس تھا اور شاید گزشتہ فرصت کے لمحات میں اس کی اچھی خاصی تربیت کر ڈالی تھی۔ وہ نہ صرف اپنا نام اُس کے دودھ اور اچلا آنا تھا بلکہ مٹا سیکر کے کئی اسکیمات کی پابندی بھی کرنے لگا تھا۔

مٹا سیکر کو اچانک یاد آگیا کہ پہلے روز جب وہ جہان کو لے کر اس گھر میں داخل ہوا تھا تو اوشان اپنے کمرے میں مرا لٹے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اگرچہ ہرن نہایت آہستہ سے اس کے قریب گیا تھا لیکن اوشان نے

اپنی زندگی سے ہاتھ دھو پانہ نہیں کرتا...  
"تو... بت... تو... مجھے جان سے مار ڈالنے کی دھمکی دے رہے ہیں اسی مٹا سیکر فون کر کے..."

"میں صرف دھمکی ہی نہیں دے رہا ہوں، پراسرار آفسر نے جیب کا ہاتھ ڈال لیا اور جب اس کا ہاتھ باہر آیا تو اس میں ایک پولیس پشیل چمک اٹھا۔ اس نے دروازہ کی نال اٹھائی اور اس کا سوراخ مٹا سیکر کے زرخ سے چمک اٹھا۔

سبحاش چند کی آنکھوں سے مڑتی جھلکتی تھی۔  
اس کی پیشانی پر پسینے کی لوندیں اتنی تیزی سے گزرتی ہوئی تھیں جیسے اس پراسرار شخص کی آنکھوں میں بھی تحیر کا تاثر پیدا ہو رہا ہو۔

"آخر... آخر تم اس کا پتہ کون معلوم کرنا چاہتے ہو؟ وہ بھلا گیا۔  
"میں نہیں اس کی وجہ بتانے کا پابند نہیں ہوں۔ دروازہ کی آنکھوں سے زرخ سے پڑے میرے زرخ سے پڑے ہیں... اس نے صرف تم کو دیکھا ہے۔ ایک بات یاد رکھو سبحاش چند! اس شخص کی آواز اکی سے بھر پور تھی۔ یہ دروازہ کچھ نہیں سن سکتا۔ یہ کون اس کے کان نہیں... لیکن اس کا منہ موجود ہے اس لیے یہ بولتا بہت ہے... اس بولنے کا معنی جانتے ہی ہو۔

سبحاش چند کا پورا جسم پسینے سے شرابور ہو گیا۔  
اس کے کمرے کا باہر سے جیسے جیسے ٹھنڈے ہو گئے۔

اب تک کی زندگی کی کبھی کسی نے اتنی جرأت نہیں کی تھی جس کا وہ ہاتھ دھو کر تھا اس کے پورے جسم سے کدو جھجھک رہے تھے۔  
مٹا سیکر نے ہرن کو دیکھا تو اس کا پتہ تیار ہوا۔ سبحاش چند سوچا ہاتھ لگا کر اس کے کمرے کی فون پر تھانہ کی کھم سے دھکا کہ وہ اپنی موجودہ قیاد کا راجہ ہوئے۔ ایک بار یہ شخص جس لباس سے نکل جائے پھر وہ اس لباس سے بھی اچھی طرح ہنس سکتا تھا۔

چند مزید گھول کے مذہب سے اس نے زبان بانی کا پتہ تیار کیا۔  
"بہت بہت شکریہ... سادہ لباس ڈالنے آفسر نے کہا اور اس کی گلی کا دواؤں کو بیکر پر بڑھا چلا گیا۔ پہلا دھکا، اگر کمرہ نشین اور ساؤنڈ ریف کمرے میں گونج کر رہ گیا۔ سبحاش چند کی آنکھوں میں حیرت اور حیرت کے اثرات تبدیل ہوئے اور وہیں تک پہنچنے سے پہلے ہی منہ بند ہو گئے۔ اس کی آنکھیں پھر اٹھیں اور یہ اثرات ان پر نقش ہو کر رہ گئے۔

سادہ لباس والا وہ دم بچھے ہٹ گیا۔  
زرخ سے میں گلی کا سوراخ لینے سبحاش چند نے سلاکت

اس کے لیے ابتدائی تاریخوں میں ہی پولیس کا ایک سادہ لباس اس کے دل آگیا تھا۔ یہ دھندہ برسوں سے جاری تھا اور آج کسی فخر کو اتنی جرأت نہیں ہوئی تھی کہ وہ اس سے بالمشافہ کوئی دلیسا سوال کرتا۔

"اوہ... سبحاش چند کا ایک مسکرتے لگانے میں کچھ گلیا پہلا کو ذاتی طور پر شاید کچھ اور قریبی ضرورت ہے۔  
پراسرار آفسر خاموشی سے اُسے گھورتا رہا۔

اس کی خاموشی کو غیر صاف سمجھ کر سبحاش چند نے ہچکچاہٹ اپنی حسین و جلیں سیکر کی طرف بچھا۔ ان کے لیے کچھ راتب آئے۔

سیکر مڑی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔  
اس کے جاتے ہی وہ سرد ہوا آفسر اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ آہستہ آہ بالکل ٹھنڈے کے انداز میں سبحاش چند کی طرف بڑھا اور اس سے ایک دم کے فاصلے پر رُک گیا۔ اس کی آنکھیں اب بھی سبحاش کی آنکھوں گڑھی ہوئی تھیں۔

"میرے لیے شکریہ... اس نے سرسراہٹ ہوئی اور اس نے کہا: "تمہارے پاس جتنی دولت ہے، اگر تم وہ ساری کی ساری بھی مجھے دے دو تو میرا سوال اب جو بھر قرار ہے کا بناؤ وہاں تمہارا رابطہ۔

سبحاش چند کے جسم میں خوف اور سستی کی لہریں سی دوڑ گئیں۔ وہ کچھ چکا تھا کہ یہ آفسر کسی خاص مقصد کے تحت اس کے پاس آئے اور یہ ایک ایسا شخص ہے جسے کسی بھی قیمت پر خیر نہیں ہونا چاہیے۔ اگر مٹا سیکر اسے فون پر چیف نے بذات خود اس کے نیچے کی تصدیق کر دی ہو تو وہ کبھی یہ باور کرنے پر آمادہ نہ ہو گا کہ کوئی ماتحت ہے اور اسے مال نہ زخم و صول کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔

"شاید اس کا نام تمہارے ذہن میں نہیں آ رہا ہے۔ سادہ لباس والا نا قابل فہم خسرے لٹے سے کہا: "میں نہیں اس کا نام بتا دیتا ہوں۔  
"کیا نام ہے؟" سبحاش چند جلدی سے بولا۔

"زنا بانی...  
"جب تم اس کا نام جانتے ہو تو مجھ سے کہیں پوچھتے ہو؟  
"میں تمہاری تائید چاہتا ہوں۔ سادہ لباس والا نے کہا: "اس کے علاوہ مجھے اس کا پتہ بھی نہیں ہے۔"

"کیا تم مجھے جیف سے بلا ہی بالالیک میں کرنا چاہتے ہو؟  
"میں صرف اس کے نام کی تائید اور اس کا پتہ چاہتا ہوں۔  
"اگر میں اس کا کون سا تو؟  
"کوئی مجھ عقل مند شخص محض ایک عورت کا پتہ دے گا۔"

یہ سادہ لباس ڈالنے نے جواب دیا اور مٹا سیکر لاٹھا ڈاکوٹ نہ بدلتی۔  
جب میں کھینچا، اس نے وہ فٹ بھی اٹھائے ہیں۔ کویسے تھے اسے الگ سے دیے گئے تھے۔ اس کی حرکات و سکنات سے کچھ لڑا حیران جھلک اٹھا اور فون سمجھا تھا جیسے اُسے جانے کی جلدی نہ ہو لاکو وہ اب تک دو بار اپنی کلائی گھڑی پر لگا دال چکا تھا۔

"آپ نے کچھ بائیں آفسر! سبحاش چند کے لیے میں شکریہ...  
"میں پانی کے سوا کچھ نہیں پیتا۔"

"جی ایک گلاس پانی لیا ہوتا۔ سبحاش چند کا انداز مزید وسوسہ ہو گیا۔  
"وہ میں ہی کرنا چاہتا۔"

"میں رقم تپ کو ادا کر چکا ہوں۔ سبحاش چند نے اس کے جواب پر ہل ہی دل میں بیچ کتاب کھلتے ہوئے نگاہیں پڑھیں۔ "اوپ کی خدمت میں الگ سے کچھ رقم بھی پیش کر دی ہے... یہ تمہارے کلاس نے بھلا دھورا ہی جو رہا۔"

اگر کوئی کچھ آزادی ہوتا تو یقیناً کھلیتا کچھ سبحاش چند نے لائق لا وقت ختم کر دیا۔ لیکن وہ شخص گول بیٹھ کر ایسے کسی خاص کام کے لیے وقت کا انتظار کر رہا ہو۔ اس کے جسم سے کدو کدو نہیں لگتا جا سکتا تھا کہ وہ جانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔

"میرے لائق کوئی اور خدمت آفسر! سبحاش چند نے ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ ہاں... میرے اس پراسرار شخص کو اچانک ہی کوئی بھڑی ہوئی بات یاد آگئی تو مٹا سیکر کا لطف فروغ خود اس کے پس منظر میں تھا اور رابطہ کون ہے؟

سبحاش چند کو جھک بڑا۔  
اس نے گہری نظر سے اپنے سامنے جہان اس گشتاں چسپ آفسر کی طرف دیکھا اور اس کی جرأت مندی پر حیران رہ گیا۔ سبحاش چند کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔ اس کی رائی اعلا زکرن آفسر تگتھی اور وہ یہاں اس آباد میں رہ کر کسی پوسٹ نمک کی زریز میں منتظیوں پر جھایا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ پر نظر سے قریب صاف تھے لیکن وہ مائوس فون کی کے ان گشتاؤں کا بلا شرکت بیزرے مالک تھا۔ غیثات کی اہلک لنگ میں اس کے رابطے ایک جو خفائی دنیا میں موجود تھے... سبحاش چند کوئی امتی نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ قانون کی آنکھوں میں وصول جھنک کر کوئی جس کا عمل نہیں ہو سکتا اس لیے اُس نے شروع ہی سے قانون کے ایسے محافظوں سے میل جول رکھا تھا جو بالآخر اس کی پشت پناہی کرنے لگے تھے۔ پولیس چیف کو ہر ایک ایک خطیر رقم مٹا سیکر یا اپنی تھی اور

تیس سالہ ازدواجی زندگی کے دوران میں دونوں میاں بڑی ایک مشترکہ خواب گاہ میں سوئے تھے لیکن ان تیس سالوں میں شوہر کو ایک خاص خواب گاہ میں داخل ہونے کی بھی اجازت نہیں مل سکی تھی جو اس مشترکہ خواب گاہ سے منسلک تھی اور جس کا دروازہ ہمیشہ منقفل رہتا تھا۔ راتوں کو اٹھ اٹھ کر روتا بائیں اس خواب گاہ میں چل جاتی تھی اور پھر وہاں کی کوئی کھڑکی، اس کا شوہر کو کبھی علم نہیں ہو سکا تھا۔ وہ خواب گاہ دراصل ہر طرف سے بھٹی اور اس میں داخل ہونے کا واحد راستہ مشترکہ خواب گاہ میں تھا اس لیے شوہر کو کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ اس کی حین بڑی کسی اعلیٰ مرض میں مبتلا ہے... پھر رفتہ رفتہ اس نے منقفل کھڑکی کا دامن تمام گرفتار کر لیا سمجھا کہ اسے پیر گھٹنے کی کوئی ضرورت نہیں، میں اطمینان سے آم کھاتے رہتا جاؤں۔

تیس سالوں میں صرف ایک بار دروازہ نیم وا ہونے کی وجہ سے شوہر کو یہ پہچان ہوا کہ اندر ایک ٹیلی فون بھی ہے جس پر اس کی بیوی کسی سے بات کر رہی ہے۔ اس کو اتنی جرات نہیں ہو سکی تھی کہ وہ کمرے میں جھانک ہی لیتا... بہر حال ان کی زندگی بڑی ہی پرسکون تھی اور انھیں ایک دوسرے سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ دولت کی بیل پیل تھی اور مافیٰ طور پر ان کا تہہ خاصا بلند تھا۔

ایسا ایک شوہر کی نگاہ تھی۔ وہی لاؤنج کے دروازے کی طرف اٹھ گئی اور وہ چونک پڑا۔ اس نے دیکھا کہ بیرونی گیٹ سے دو آدمی گھر میں داخل ہو رہے ہیں۔ ان میں سے ایک سیاہ خاتمہ والا دوسرا کوئی مقامی تھا۔ ان کے لباس سادہ تھے لیکن چال بتاتی تھی کہ ان دونوں کا تعلق یا تو فوج سے ہے یا پھر پولیس کے سادہ لباس والے ہیں۔

”کیوں ہیں؟ وہ بڑھاپا۔“  
”میں انھیں پہلے بھی کسی فلموں میں دیکھ چکا ہوں، ڈیڑھ! جوان سال بیٹے نے ہی۔ وہی اسکریں پر نظریں گاڑتے ہوئے خواب دیا۔“  
”میں ان اداکاروں کی نہیں، ان دو آدمیوں کی بات کر رہا ہوں، جو گھر میں یوں گھسے آئے ہیں، جیسے یہ مکان انھی کی ملکیت ہو۔“  
اس بار باپ کا بھرپور قد سے سخت تھا۔

بیٹا بھی چونک کر شیشے کی دیوار سے لاؤنج کے اس پار دیکھنے لگا اور پھر وہ بھی چونک کر بغیر زورہ نکلا۔

”مکمل ہے تمہی نے کوئی نئے والے ہیں؟ لاؤکا بڑھاپا۔“  
”میرے کنبے؟ باپ نے کہا اسی۔“ وہی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس نے ان دونوں سے باز پرس کرنے کے لیے اٹھنے کی زحمت تک گوارہ نہیں کی تھی۔

ایسا ایک لاؤنج کا، کاٹھ کا بنا ہوا دروازہ کھلا اور وہ دونوں اندر

”پہلے آپ میری ایک بات...“  
”وہ میں پھر کسی وقت سن لوں گا، بہرام غریبا۔“  
”پھر تو سچ ہی نکل جائے گا، سویت ڈاٹ!“  
”میں جانتا ہوں... بہرام کا بچہ یکا یک نرم چڑھ گیا، جی عورت کے جیسے پھر گئے جھوٹے ان کثرت جھوٹے تہل نہیں ہوتے، اس کی نالی اسی رات جیسے جس رات بتارے نہیں نکلتے...“  
”زندہ باد... اس کا مطلب ہے کہ آپ کی میری بات پر بالآخر نین آئی گی۔“

دوسری طرف سے بہرام نے اس کی کو اس پر توجہ دینے بغیر نوالا نزع کر دیا۔ ایک آدھ چمکے پرتو تاشیگر کرنے کوئی توجہ نہیں دی... چوہہ سنجیدہ ہوتا چلا گیا حتیٰ کہ جب بہرام خاموش ہوا تو تاشیگر کی آنکھوں میں عجیب سی سرخی تھنے لگے تھی۔  
اس نے ریسور کہہ دیا اور اوشان کی طرف دیکھنے لگا جس کی تلویش آئینہ نگاہیں خود اس پر جمی ہوئی تھیں۔

\*

وہ کچن میں مصروف تھی۔  
اس کی جوان سال بیٹی کھانے کی تیاری میں اس کا ہاتھ بٹاری تھی جب کہ اس کا شوہر اپنے بیٹے کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھ کر کوئی انگریز فلم دیکھنے میں مصروف تھا۔ روتا بائی اس علاقے کی شہر سماجی اور کئی اور اس کی شخصیت کے لیے حد قابل احترام سمجھا جاتا تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ حقیقت ایک ایسی ناگہی سے جو اندر ہی اندر سماج کے ناموس کو ڈس ڈس کر اب تک اس میں نہ جانے کتنا زہم اُتار چکی ہے۔

اس کا شوہر ایک ناکام وکیل تھا۔  
”جسے کچھ کمانے کی ضرورت بھی نہیں تھی کیوں کہ روتا بائی کی املاک اتنی تھی کہ اس کا شٹیک سے خود روتا بائی کو بھی علم نہیں تھا۔ اس کا جہاں سال بیٹا اور اس کی جوان بیٹی، دونوں ہی اپنی ماں کی دولت اور شہرت پر نازاں تھے مگر طرز زندگی میں وہ ایک بہترین عورت تھی۔ اس کا شوہر تیس سال سے اس کے ساتھ قیام تھا اور ازدواجی زندگی کی اس طویل مسافت میں اسے اپنی بیوی کے بارے میں زیادہ باتوں کا علم نہیں ہو سکا تھا۔ شروع شروع میں جس جس کی رگ پھر بھی تو روتا بائی نے لے دی وہی ڈاؤن تھا۔ اس نے صاف صاف نظروں میں ہر دو بار کہ اپنی نئی زندگی میں کسی کی بھی مداخلت برداشت نہیں کر سکتی۔ یہ سن کر شوہر نے کان پٹیٹ لیے تھے کیوں کہ وہ آرام دار آئین کی زندگی پر لات مار کر اور بھڑکی آنا کا خیال نہیں بننا چاہتا تھا۔“

مانیگر کا قبضہ فریم فونے کی آواز سے کہیں زیادہ بلند تھا۔  
وہ دروازے میں اٹھ کھڑا اور پیٹ پڑ کر ہنستا رہا۔  
”جنا کافی سمجھ دار ہو گیا ہے، لیٹل فادر! اس نے ہنس مض کرتے ہوئے کہا۔“ یہ خیال ہے، چند روزوں بعد آپ کو نہانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اطمینان سے لیٹے رہیے گا اور جتنا چاہے گا کو نہلا دیا کرے گا۔“

اوشان کے برہمن پٹے فرش پر ایک عجیب سے انداز میں گھر مانگیر نے کن آنکھیں سے اس کی یہ حرکت دیکھ لی تھی... لیکن اس پہلے کہ اوشان اسے مزاحینے کے لیے کوئی کارروائی عمل میں لانا مانگیر کی گھٹی بجھنے لگی۔  
اگر یہ عام فون کی گھٹی ہوتی تو شاید اوشان پر داند نہ کرتا... گھٹی اس مخصوص فون کی بج رہی تھی جس کا تعلق بہرام سے تھ ایک دائرے میں فون تھا اور اس پر کال آنے کا مقصد ہمارے! کے اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔

ہرن نے بھی گھٹی کی آواز پر کان کھڑے کر لیے تھے۔  
”لیٹل فادر... مانگیر نے مسکراتے ہوئے اسے ریسور دیا تھا۔“  
چیف سے مغز ماری کرنا بھی رکھا دیکھتے تاکہ میری جان چھوٹ۔“  
”اگر فون روتا تو بھی چھوٹ جاتی! اوشان غریبا۔“  
”ہائے یہ تیری نارنگ نارنگ غرا تھیں... مانگیر نے اسے تاؤ دلانے کے لیے کہا اور پھر جلدی سے ریسور اٹھا لیا۔ یہ اس ہارٹ! وہ مسکرا کر بولا۔“  
”سبحاش جتنے قتل کر دیا گیا۔“ دوسری طرف سے بہرام کی مٹائی دی۔

”تو آپ قاضی بن کر شہر کے غم میں کیوں ڈبے ہو رہے؟“  
”اُسے کس نے قتل کیا؟“  
”ہائیں... مجھے کیا پتہ۔ پھر یہ ہے۔ ابھی کچھ کہہ رہا ہوں۔“  
”مناؤ تھ بیٹے پر ہاتھ رکھے بغیر اوشان کی طرف پھٹے ہوئے کیا۔ کیوں لیٹل فادر۔ باس پوچھتا ہے کہ آپ نے سبحاش جتنے قتل کیا ہے؟“

”میں نے کسی کو قتل نہیں کیا! اوشان غریبا۔“  
”سن لیا آپ نے؟“ مانگیر نے شکایت آئینہ نگہ اختیار کر لیا۔  
”جے چاروں سے تو آج تک ایک کبھی بھی نہیں ماری۔ آپ کسو چند نامی خاتون کی بات کر رہے ہیں؟“

”سبحاش جتنے ایک مردانہ نام ہے۔ دوسری طرف سے جھلکا توئی آواز ڈاٹ! نعمات، مندر اور غور... سنے۔“

اپنی معمولی حیثیات سے اس کی موجودگی محسوس کرتی تھی اور وہ شہزاد کی طرح چڑھا کر بیدار نہیں ہوا تھا۔  
”جنا...! ایسا ایک اوشان کی نیکیں آواز نہ گئی۔“  
ہرن نے فوراً کان کھڑے کر دیے۔

”مانگیر نے اس کی گردن میں ہاتھ ڈال دیا اور اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی لیکن ہرن کے انداز سے یہ بھی ہوا تھی۔“  
”جنا... تو لیٹ لاؤ...! اوشان کی آواز دوبارہ گونجی۔“

مانگیر کھل کھلا کر ہنسا اور اس نے جتنا کچھ بڑویا... لیکن اگلے ہی لمحے اس کی آنکھیں جرت سے پٹی کی پٹی رہ گئیں۔ ہرن تیزی سے قدامتیں بھڑا ہوا ناول اسٹیج تک گیا اور وہاں سے تیرہ منٹ میں باہر غسل خانے کی طرف دوڑ گیا۔ پانچ گھنٹہ کھڑا ہوا۔ اس نے جتنا اور اوشان کو دو ایک بار ہی ایک دوسرے کے قریب دیکھا تھا لیکن حیرت انگیز بات یہ تھی کہ ان دو ایک ملاقاتوں کو ہرن نے نہ صرف اس کی ایک ہفتے کے پڑو رفاقت پر ترجیح دی بلکہ اوشان کی آواز پر تو یہ کہ اسے اٹھا کر ہاتھ زوم میں پہنچانے لگا تھا۔

وہ اٹھا اور تیزی سے دروازے پر پہنچا۔  
اس نے جھانک کر دیکھا۔  
جنا تو لیٹے غسل خانے کے دروازے پر کھڑا تھا۔  
ایسا ایک دروازہ تھوڑا سا کھلا اور اوشان نے ہاتھ نکال کر اس کے مٹے میں ڈبا ہوا تو لیا نکال لیا۔ دروازہ بند ہو گیا۔ ہرن وہیں کھڑا اور اُدھر دیکھنے لگا۔ ایسا ایک اس کی نگاہ مانگیر پر پڑی کہ وہ پکٹا ہوا اس کے قریب آگیا! دادا جان کا بہت خیال رکھ رہے ہو، بخیر دار! مانگیر نے اس کی گردن پر ہاتھ پھرتے ہوئے کہا اور پھر اس کی آنکھیں کسی شہر خیشال کے تحت جھک اٹھیں۔

وہ جلدی سے دوسرے ہاتھ زوم میں گیا اور وہاں سے ایک لونا اٹھا لیا۔ لونا ہرن کے مٹے میں ڈبا کر اس نے جتنا کچھ اوشان کے ہاتھ زوم کی طرف جھیک دیا۔ لونا دوڑتی تھا، اس کے مٹے سے کچل کر گیا مانگیر نے دو تین بالوں کو کشش میں اسے اس عمل میں کامیابی سے ہنکار کر دیا۔  
... اور جب اوشان غسل خانے سے باہر آ کر جتنا مٹے میں لونا

دبا لے اس کی طرف بڑی ہی مصمم نظروں سے دیکھ رہا تھا۔  
اوشان نے اس کے مٹے سے لونا نکالا اور منقفل نظروں سے مانگیر کے کمرے کی طرف دیکھا۔ پھر لونا اس کے ہاتھ سے نکلا اور تیزی سے جیسی آواز کے ساتھ اُڑتا ہوا مانگیر کے کمرے کی سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا۔  
وہاں ایک حیدر کی تصویر کا قیمتی فریم لگا ہوا تھا۔ زنی لونا اس سے ٹکرایا اور فریم کا شیشہ پکنا چر ہو گیا۔

آگئے۔

• مسرتناہیں رہتی ہیں، مقامی نے پوچھا۔  
• دونوں باپ بیٹے چونک کر انھیں دیکھنے لگے۔

• یہ بات معلوم کرنے کے لیے آپ کو یہ دونوں دروازے پر لگا چاہیے  
خدا وکیل صاحب نے نگاری سے کہا اور انھیں اخلاقیات کا  
درس دیا۔

• ہم معذرت خواہ ہیں جناب، سیاہ فام نے ندامت آمیز لہجے میں  
کہا اور آگے بڑھ کر قوی قوت سے ایک کھونسہ مارا۔ وکیل صاحب، غصہ  
سے آواز نکالنے بغیر ہی ڈھیر ہو گئے۔

• میرا خیال ہے، پروردگار! مجھے تم سے بھی معذرت کر لینی چاہیے۔  
مقامی نے کہا اس کا بھرپور اخلاقی کا مظہر تھا۔ لیکن اس نے جو

حرکت کی، اس کا اخلاق و آداب سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔  
لوکا بھی قائلین پر اپنے باپ کے پہلو میں ہلکا سا دراز نظر آیا۔  
باپ تو کھونسہ کھا کر تو ایک ملک عدم ہی سمجھا گیا تھا اور اس کے  
علق سے غصہ ہی سہی کراہی نہیں نکلی تھی۔ لیکن لوکا بڑی طرح جینا تھا  
اور پھر اس کو آواز بھی گھٹ گھٹتی تھی۔

یہ آواز کچھ نہیں ضرورت نہا، ابی اور اس کی بیٹی نے بھی سنی تھی  
لیکن اس آواز پر ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دکھا تھا اور ہر جھلکلا  
کر ہنسنے لگی تھیں۔ غالباً وہ اس آواز کو سنی۔ وہی پروردگاری جانے والی حکم کا  
ایک جذبہ ہی سمجھی تھیں۔

• چنانچہ کچھ دنوں کے دروازے میں انھیں دو آدمی دکھائی دیے۔  
وہ چونک کر انھیں گھورنے لگے۔

• مگر ہر دم کو گپ، دتناہی، عداوتی غرض اخلاقی سے پوچھا۔  
• یہ لوگ کون ہیں؟ سیاہ فام نے پوچھا۔

• تم سے مطلب ہے، دتناہی غرض اخلاقی کا فر ہو گئی۔  
• کیا یہ تمھاری بیٹی ہے؟ مقامی رنگ روپ دالے سے سوال کیا۔

• اس کے بچے سے خوش اخلاقی کا اظہار ہوتا تھا اور آواز میں شیرینی تھی۔  
• اب یہ میری بیٹی ہے پھر۔۔۔

• کیا تم اس کی عزت دناؤں بھی فروخت کرتی ہو؟  
• کیوں ست کرو؟ دتناہی اتنی زبرد سے چننی کہ اس کے گلے کی رگیں

تک چھل گئیں۔ اس کی آنکھوں سے دوا لگی جھلکے لگی۔ اس کے ہاتھ میں  
چھری تھی۔ وہ چھری سنبھالنے تیزی سے دروازے کی طرف چھٹی۔

• ہم دوسروں کی بیٹیوں کو تو پتہ نہ کہ اس کی بیٹی کی بیٹی کے لیے  
میں سن بھی نہیں سکتیں۔ سیاہ فام اس پر کرا رہا۔

• تم۔۔۔ لوگ چپ چوری۔

دتناہی چھری پھینک ماری جو سیاہ فام کے قریب سے گزر گئی  
اور لاڈلے کے فرش سے ٹکرا کر دو ٹکڑے لڑھکتی چلی گئی۔ اس نے سیاہ فام کا  
سیاہ ریاوار سے ایک سرخ سرخ شعلہ سا لپکا اور کسی انگارے کی طرح ذرا  
کی کھڑکی میں پھینک کر ہی نہر ہو گیا۔ وہ آلت کر کچن ٹیبل پر گر گئی اور اس  
سر سے بیٹے والا خون اس کو گت میں بیٹے لگا چھ سے وہ چند لمبے پیلے بالوں  
کے لیے چھوٹی چھوٹی بوٹیوں میں تقسیم کر رہی تھی۔

• تو عمر لوگ، کی آنکھیں بے یقینی اور خوف سے جھٹ گئیں۔  
• دہشت سے اس کا چہرہ کسی لاش کا چہرہ معلوم ہونے لگا۔  
• "میں جانتا ہوں کہ تم نے کناہہ بوٹہ مقامی نے کہا اور پھر اس کا  
بھی ہلندہ ہو گیا۔ اچھے ہی لمحے اس کے ریاوار سے گولو کی نکل، وہ لڑکی کا  
جینہ توئی کر گئی۔ وہ بے پروا پر اپنی ماں کی لاش پر گر گئی۔

• فی۔ دی لاؤنگ سے ابھی تک آدھری آ رہی تھیں۔  
• غالباً لڑائی مار کرائی سے پھر پڑ گئی منظر پیش کیا جا رہا تھا۔  
• نوراد ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ کر سٹکارا لے رہے تھے اور  
کی طرف بڑھ گئے۔ اچھی سی مسامتہ وہ خاص خواب گاہ کا تار توڑ کر اندر  
رہے تھے۔

• ٹائیگر گری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔  
• اوشان نے بھی اسے چھپنے کی کوشش نہیں کی کیوں کہ وہ

تھکا بہرام نے اسے یقیناً کوئی خاص بات کہہ دی ہے۔ کوئی ایسی چیز  
بات جو اس نے پہلے کبھی نہیں سنی ہوگی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ٹائیگر  
رکھنے کے فوراً بعد ہی اس سے بات چیت شروع کر دیتا۔  
• کیا بات ہے؟ فرزند کسی آواز سے بیوہ کی طرح سٹن نہیں لگا  
بیٹے جو اوشان نے سٹکارا کر کہا کیوں کہ ٹائیگر تو جیسے خیالوں میں ڈو  
کر گود پیش سے بے خبر ہی ہو گیا تھا۔

• اس۔۔۔ ٹائیگر واقعی چونک پڑا۔  
• کیا بات ہے؟

• "چیت کی کھڑکی میں بیٹھو بھر گیا ہے؟  
• "اور تم اسے چھپنے کی ترکیب سوچ رہے ہو؟

• نہیں۔۔۔ خود میری کھڑکی میں ہی غائب ہو گیا ہے۔  
• "اللہ مجھے اپنی امان میں رکھے۔ اوشان نے جھپٹ کی طرف

جھپٹے کہا: اگر دونوں کی کھڑکیوں میں بیٹھو بھر گیا ہے تو مجھے دو  
گھرے کھڑے قوی طور پر رکھنے پڑیں گے۔ سوخو فرزند! اوشان نے  
کے کندھے پر ہاتھ دیا۔ سیدھی سادی بات کو لکھا کر بیان کر دیا

اس سے دماغ میں آکسیجن کی کمی کا احساس ہوتا ہے۔  
• ٹائیگر کی آنکھوں اور چہرے پر کرب کے تاثرات پیدا ہو گئے

• دماغ میں آکسیجن بڑھانے کے لیے اوشان اسے جس آنکھوں  
کا ڈاکٹر تھا، اس کا تصور ہی اسے بھان کرنے کے لیے کاٹ تھا۔

• بات یہ ہے کہ چیت میرے ہاتھوں کا قانون کے چند ماٹروں کو قتل  
روا چاہتا ہے۔ یہ ٹائیگر نے لافظی کہتے ہوئے کہا۔

• ایک لمحے کے لیے اوشان بھی ایسی حالت میں مبتلا ہو گیا جیسے  
ن کی بھی سستی ہو گئی ہو۔۔۔ پھر وہ فوراً ہی سنبھل گیا: اگر میرے پاس

رش کے ہاتھ کچھ فائو ہوتے تو انھیں دو چار ضرور ادھا کر دے دیتا: وہ  
سٹکارا دولا۔ اندازاً ایسا ہی تھا جیسے اسے ٹائیگر کی بات پر یقین نہ آیا ہو۔

• "آپ جانتے ہیں، بیکل فادر! میں آپ سے کبھی جھوٹ نہیں بولتا:  
• اگر یہ سچ ہے تو انھیں حکم کی بجائے آدمی سے کیوں انگارے؟

• اس لیے کہ میں خود ایک قانون کا محافظ ہوں:  
• "جب تمھیں حکم دیا جا رہا ہے تو تمھاری حیثیت محفوظ رکھ کر ہی دیا

ارہا ہو گا: اوشان نے دھماکت کی۔ وہ بہر حال میں بہرام کی طرف  
رو کر رہا تھا۔ بہرام سے عقیدت تھی یا نہ جانے کیا معاملہ تھا کہ اس

بھی کوئی بات نہیں بٹاتا تھا۔  
• "اس کا مطلب ہے، مگر کلاں وہ مجھے تصاب کی دکان کھلو کر

رفت کاٹنے کا ٹھکانہ دے گا تو میں اس پر بھی سیرسٹم فرم کروں گا:  
• "بھاری جگر! اوشان ہوتا تو یہی کرتا:

• "تھوڑے سے چاہیے تھا کہ وہ یہ حکم تمھیں ہی دیتا: شہزادہ کرکرولا۔  
• "ٹائیگر گم ہو رہی ہیں:

• "آپ ٹائیگر کے والد صاحب ہیں:  
• "تین کرو۔ اس میں اس کوئی قصور نہیں: اوشان کا بھرپور ٹانگ

ہو گیا: تم اپنی مرضی اور رضامندی سے میری فرزند ہی اسے تھے:  
• "میں آپ کو یقین دلانا ہوں کہ اب مجھ میں ٹائیگر کا خطاب برقرار

کھنے کی تمام صلاحیتیں دم توڑتی جا رہی ہیں: ٹائیگر نے خود پر قابو  
کئے ہوئے معلوم کیے ہیں کہ اوشان اسے اسے ان ہاتھوں نے

بیکل کتنی انسانی جانوں کا خون پایا ہے۔ وہ اپنے ہاتھوں کو گھونٹنے  
لگا تھا۔

• خود کو لازم نہ دے اوشان کا لہجہ ناخوش گوار ہو گیا: کیا تمھیں اپنے  
ن کا ناموں پر فخر ہو رہا ہے؟ جو اب ایک انجام دیکھنے کے ہو۔ اگر تم

شہزادہ دہل کا خون بہا ہے تو یہ میری مدد ہو جو کہ اس طرح کتنے کروڑ  
سناڑوں کو زندگی کی ہے۔ اگر وہ دہشت کے ہاتھوں سے یا میرے ہاتھوں نہ

ہرے تو میری دہشت سے ایک بک بے پناہ انسانی خون بہا چکے ہوتے۔۔۔  
• آلت اندر موت کی آغوش میں پہنچ چکے ہوتے۔۔۔ جب شاید تمھیں

اس پر ناگوار تمام ہے گا ہوں کا خون تمھاری ہی گردن پر ہے:  
•

• میرا دل گداز ہوتا جا رہا ہے۔

• "میرا دل گداز ہوتا جا رہا ہے، پروردگار!

• لیکن میں ٹائیگر ہوں، خون بہانے کی ایک شہین:

• "تم ایک انسان ہیں جو ضرورت پڑنے پر انھیں شہین بننا پڑتا  
ہے اور وہ تمھارا دشمن ہے جسے تم گداز کر رہے ہو:

• لیکن ٹائیگر کا دل، دم کے جذبے سے ماری ہونا چاہیے:

• "میں تم سے متفق ہوں۔۔۔ لیکن یہ عادی پر نہیں کے ساتھ رہا  
نہیں رکھا جا سکتا: تم جانتے ہو کہ ہماری زندگی میں ایک موقع ایسا بھی آ

چکا ہے، جب مجھے حکم دیا گیا کہ میں تمھیں قتل کروں:  
• "ٹائیگر چونک پڑا۔ براہ راست اوشان کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

• "نیل فادر۔۔۔ اس نے جذبات سے بھاری آواز میں کہا کیا کئی  
آپ مجھے قتل کر دیتے؟

• "اب۔۔۔ اوشان نے نفوس بچے میں کہا۔

• "مگر واقعی، ٹائیگر! کی آواز میں خفیت کی سرشار تھی۔  
• "مہمان ہوتے ہو کہ میں کبھی جھوٹ نہیں بولتا:

• "کیا آپ کو دکھ نہ ہوتا؟

• "اتنا دکھ کہ میں کبھی بھی چاک ہو جاتا:

• "گو مجھے قتل کرنا، آپ کے نزدیک تو دھکی کے مترادف ہوتا:  
• "اب۔۔۔ لیکن یہ بھی تو سوچو کہ تمھاری موت کے بعد ہلاکت

خیزی کا ایک طوفان مچ جائے گا، تم یادداشت کھو بیٹھے اسے اور نہیں جانتے  
تھے کہ اگر کر رہے ہو تمھیں حق اور انصاف کے خلاف ایک ہلکے بھتیخا

کے طور پر استعمال کیا جائے والا تھا:  
• "پھر آپ نے مجھے کیوں زندہ نہ دینے دیا؟

• "اس لیے کہ میں تمھیں اپنی دوسری سے دھند نہیں مٹوس کر رہا  
تھا۔ مجھے یقین تھا کہ تمھاری یادداشت واپس آجائے گی۔ میں نے

مڈائے بزرگ دہشت سے اس مسئلے میں صدی دل سے دھما لگی تھی۔  
• "جانتے ہو، شہزادہ! میری دعا میں ہمیشہ قتل ہوتی ہیں۔ مڈائے میری وہ

دعا بھی سن لی اور تم محفوظ رہے:  
• "اس طرح کیا ان لوگوں کو کبھی موقع نہیں دیا جا سکتا، ٹائیگر

نے دکھات کی کہ جن قانون کے محافظوں نے کسی خاص وجہ کے تحت  
قانون اپنے ہاتھ میں کر قتل و غارتگری شروع کر دی ہے، کیا

ان کی یادداشت نہیں کھو گئی؟ کیا ان کی یادداشت واپس نہیں آئی  
جا سکتی؟ کیا انھیں یہ یاد نہیں دلایا جا سکتا۔۔۔ کس قسم کی

سزاؤں دینے کا انھیں کوئی حق نہیں ہے۔ انھیں صرف اپنے فرائض  
کی بجا آوری سے دلچسپی رکھنی چاہیے:



مختار حسین آگے بڑھے دوسری کھانبہ نما راہیں اپنی سامی منظوریات سے منٹ کر دینے والے ہیں قیام گاہ کے لان میں نکل آیا تھا ادا کی

پرنسپل رہی تھیں اور وہ پتھرائی پتھرائی سی آنکھوں سے جھٹ

ہو چکا تھا۔

وہ اپنی سیکرٹری کو سختی سے ہدایت کر رہا تھا کہ جب تک کام ختم نہ ہو جائے اسے قطعاً دسترب نہ کیا جائے... لیکن وہ ایک

کویا لو مرے سے رہا ہی کر دیتے ہو۔۔۔ یا پھر اہیں ام سے لم مزادینے

وقت اپنی زندگی کی تیز ترین ڈرامائیجنگ کر رہا تھا۔

"اگر تم زیادہ چڑھا گئے ہو تو کوئی بات نہیں اور انکو واقعی تمہارے ذہن پر کوئی اثر ہو گیا ہے تو مجھے پتا آگیا کہ تم بڑے گامی" "میں مذاق نہیں کر رہا ہوں داس۔ مجھے تمہاری مدد کی شدید ضرورت ہے۔ مجھے تمہارا فلسفہ نہیں سننا میری مدد کر سکتے ہو تو بتاؤ دوسرے مجھے مزید پریشان مت کرو۔"

"آخر تم میرے لیے کچھ ڈالو بھی۔۔۔ داس بھی جھٹلا گیا۔" "بات یہ ہے کہ لوگوں کا ایک گروہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے چکا ہے۔ انہوں نے اب تک نئی خون کر دیے ہیں۔ ان کے انداز سے پتہ چلتا ہے کہ جرم کرنے والے بے حد مجرب کار اور نیچے ہوتے ہیں۔ لیکن بے فوج کے کچھ آدمیوں کے ذہن میں یہ سودا سگایا ہو یا پھر شاید یہ پولیس ہی کے چند آدمیوں کا گروہ ہے۔ یہ لوگ سیاست دانوں اور ججوں سے گولیوں کے ذریعے لڑ رہے ہیں؟"

"بعض جج بھی تو اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ آخر تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ عوام میں سے بعض عناصر فطرت بر کر ایسے لوگوں کو صفر صفر ہستی سے مٹانے پر تڑپ گئے ہیں۔ ہر شہر دراصل ایک جنگل ہی تو ہے۔ لیکن بے بیوقوفوں نے ہی حد کر دیا اور انہیں چاہیے کہ اپنے اختلافات درست راستہ کر دو۔ اس طرح یہ تمام بیوقوف اپنے ہیٹ سے باہر آجائے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

نہ شہر ہو۔ پہلے مجھے بات تو پوری کر لینے دو۔"

"جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، اسے سن لو۔"

"مجھے سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں۔" اشوک نے سختی سے کہا: "ایک بار امریکا میں بھی ایسا ہو چکا ہے۔ وہاں کی پولیس کے چند سربراہوں نے جج ہو گئے تھے اور انہوں نے قانون اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے ہاں بھی اسی نظریے کی تقلید ہو رہی ہے اور مجھے یقین ہے کہ ان لوگوں کا گروہ خاصا منفرد ہے۔"

"کی تمہارا کوئی تجربہ باتیں بتاتا رہا ہے؟"

"ہرگز نہیں۔" اشوک کی جھلپاٹ بڑھ گئی۔

"تو پھر تم یہ بات اتنے دقت سے کیسے کہہ سکتے ہو کہ اس معاملے میں پولیس ہی ملوث ہے؟"

"ہاں یہ سوال تم نے کام کا کیا ہے۔ اچھا خود کرو کہ کون لوگ ہلاک کیے جا رہے ہیں؟ ایسے افراد جنہیں عام طور سے عام پولیس والے گرفتار نہیں کر سکتے۔ سبھاں چند مسز تانائی

شہر سے نکل کر اس نے کار روٹی اور اس کی دکان سے بریٹ نکال کر گاڑی کی مٹی سیٹ پر رکھ لیا۔ اس کی بریٹ شراب کی بوتلیں بھی چوٹی تھیں۔ اس نے ایک بوتل کھولی اسے مٹھ سے نکالیا۔ اس نے پوری بوتل دو تین گھنٹوں میں پی ڈالی۔ اس کے سینے میں آگ سیلگ لگی تھی۔ لیکن اس آگ سے پھر بھی کم دبی جواڑی ان انصاف کی میٹنگ بعد سے اس کے سینے میں لگ گئی تھی۔ اس آگ نے تو اس کی روح تک خاکستہ کر دی تھی۔

"دوسری بوتل کھول کر اس نے گھٹنوں میں دبا لی اور کار میٹنگ کر کے آگے بڑھا دی۔ رات کی تنہائی میں اس کی کار این اور تانیک مشرک پر گر جاتی ہوئی منزل مقصود کی طرف بڑھتی تھی۔

وہ جلد از جلد اس جگہ پہنچ جانا چاہتا تھا۔

اسے معلوم تھا کہ داس اس سے کچھ پہلے ہی وہاں پہنچ جائے گا۔ اس مخصوص جگہ ان کی مخصوص قسم کی تانائیاں ہوتی تھیں اور وہ مخصوص قسم کے مسائل پر وہاں تبادلہ خیال یا کرتے تھے۔ یہ ایک ساحلی کین تھا جو عام حالات میں دیوانہ کی رہتا تھا۔ اس دیرانے میں کوئی نہیں آتا تھا اس لیے اس میں موجود شیا آج بھی وہاں مغفوت تھیں۔

اس کا خیال درست ہی نکلا۔

جب وہ کین کے سامنے پہنچا تو اندر روشنی ہو رہی تھی۔ اس کا دوست اس سے پہلے ہی وہاں پہنچ چکا تھا اور باہر اس کی کار بھی موجود تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے گلے ملے اور رسمی باتیں کیں۔ پھر داس نے سنجیدگی سے کہا: "اب بتاؤ، خنزیر زادے کیا بات ہے۔ تم اتنے پریشان کیوں ہو؟" "میرے سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں سے شروع کروں؟" اشوک نے پرتانی ہوئی آواز میں کہا: "یہ ایک خطرناک منصوبہ ہے۔ اگر اسے عملی طور پر دیکھا جائے تو تو میں محسوس ہو جاؤں گا جیسے ملک و ملت کے مفاد میں ہے لیکن جوں جوں گہرائی میں جائیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس صورت حال سے ملک کا ہر باشندہ خطرے کی زد میں آتا جا رہا ہے۔"

"کیا تم میری گھٹنوں کی بات کر رہے ہو؟"

"نہیں۔۔۔ یہ ایک اور ہی گروہ ہے اور اس کا نظریہ غالباً

رہے کہ موت ہی اصل انصاف ہے۔"

انہوں نے زندگی کا انتہائی پر آشوب دور گزارا تھا۔ وہ ایک دوسرے کا دکھ درد سمجھتے تھے اور اس کا مداوا بھی کر لیتے تھے۔ "میرے اس مسئلے کا حل میرے دوست داس کے پاس ہے؟ وہ بڑا ادا انسان کھڑا ہوتا۔"

مشرک پر تکرار تھی۔ اس نے ایک خون بوتل کی طرف بڑھ گیا اس نے جلدی جلدی بھڑائی کی اور سلسلہ ملنے کا انتظار کرتے رہا۔ دوسری طرف سے سلسلہ ملنے ہی وہ غریبا: "ہیلو دلہرام کیا حال ہے۔ میں اشوک بل رہا ہوں؟"

"اوہ۔ تو تم ابھی زندہ ہو خنزیر زادے؟" دوسری طرف سے اس کے بے تکلف دوست داس کی چپکار ناشائی دی: "کیوں کسی مگھٹ سے تو نہیں بول رہے ہو؟"

"میں زندہ ہوں پیارے۔ اگر جانا تو کوئی ایسا ایسا آدمی نہیں ہوں۔ اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی سے اس کی خبر ضرور لشکر کی جاتی اور تمہیں یقینی طور پر معلوم ہو جاتا۔"

"بہر حال رات کے اس پیرکان کھانے کا مقصد کیا ہے وہ جانا خاموش رہا۔"

"تم کیا چاہتے ہو؟ داس دوسری جانب سے غریبا:

"میں چاہتا ہوں کہ میری بجائے تم مر جاؤ۔ یہ کہہ کر اشوک نے قہقہہ لگایا اور دو رنگ ہنستا رہا۔

"بہت خوب۔ کیسے مروں؟ خودکشی کروں کیا؟"

اشوک اس پر اوردنیا زیادہ کھل کھلا کر ہنس پڑا۔

"گرسے کی طرح لیٹنا بند کرو اور بتاؤ کہ اصل بات کیا ہے۔۔۔؟"

اشوک دفعہ سنجیدہ ہو گیا۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے دھیمی آواز میں کہا: "بات یہ ہے داس کہ میں بھی عشق و موت کا نشانہ بننے والا ہوں۔ اس سے پہلے پہلے میں تم سے آخری ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔"

"مگ۔۔۔ کہاں۔۔۔ کیا ایک رہے ہو تم؟ داس بے ہنگامی

"دو تین مخصوص جگہ۔ انہی راتوں پر جاؤ۔" اشوک نے یہ کہہ

کر رہا بودہ دیا اور پتہ سے باہر کر ایک طویل سانس لی اس

کے سینے سے نہ جانے کیسے ایک ناقابل فہم سا بوجھ خودی ہٹ

گیا تھا۔

باہر مشرک پر تکرار کا بارنگل کی طرف بڑھ گیا۔

اس نے اپنی کار اسٹارٹ کی اور تیزی سے مصافحات

کی طرف جانے والی مشرک پر مشرقی حصے کی جانب بڑھنے لگا۔ وہ

یہ ایک بہت بڑی حقیقت پسندانہ بات تھی جسے اپنے حالات میں لوگ غور قابل نہیں کرتے۔۔۔ لیکن اشوک کوئی عام آدمی نہیں تھا۔ وہ موت سے ہلکا نہ ہونے کے لیے تیار تھا اور اس وقت صرف یہ سوچ رہا تھا کہ اسے مرنے سے پہلے کیا کیا کرنا ہے؟

جب وہ کوئی فیصلہ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا تو ایوان انصاف کے سامنے والے باغیچے میں ایک بیٹھ پر جا بیٹھا۔

اگرچہ وہ سوچنے سمجھنے کے قابل ہو گیا تھا لیکن اس کے باوجود اس پر موت کے احساس سے جو تاثر ظاہر کر دیا تھا اس سے نجات ممکن نہ ہوئی تھی۔ وہ جذباتی طور پر اب بھی جسے تھا اور اس کے جذبے، بے حمت مر رہے تھے۔ ان دم کوڑتے ہوئے ہڈیوں میں وہ اپنی بڑی کافٹی اور اپنے بیٹے پورن کو یاد کر رہا تھا۔

"ٹھیک ہے؟" اس نے کہا۔ "میں نے جو حقیقت بتا دی تھی، وہی کام آجائے گا۔ ہاں داد اور دولت کے مسائل

اسی سے ملے ہو جائیں گے۔ اب مجھے صرف اپنی بڑی کو ایک

پیغام بھیج دینا چاہیے۔ اس پیغام میں میں اس سے کہوں گا کہ

مجھے زندگی بھر اس سے سختی دہی ہے۔ میں اپنے بچے پورن

سے لیے بھی ایک پیغام بھیجوں گا۔ یہ مجھے زندگی گزارنے کے لیے

بہترین ہے اور اسے اپنی باقی ماندہ زندگی میں ہرگز نگرانی چاہیے؟"

اشوک کو خود بھی اپنے شہر اور اپنے ملک سے بے پناہ

محبت تھی۔ وہ قانون کا ماننا ہی نہیں، پولیس ڈپارٹمنٹ کا چینی

تھا۔ آج کی میٹنگ میں جو بات سامنے آئی تھی، اس سے اسے

اندازہ ہو گیا تھا کہ اب وہ زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہ سکتا لیکن

وہ ایسی موت نہیں مرنے چاہتا تھا، جیسی موت اس کے باقی ساتھی

مرے تھے۔۔۔

اس خیال کے تحت اسے نہ جانے کیوں ہنسی آگئی۔

وہ دیر تک ہنستا رہا۔ اس کی ہنسی میں کوئی جذبہ نہیں تھا،

کوئی تاثر نہیں تھا۔ اس کھوکھلی سی ایک آواز تھی جو اس کے

حلق سے نکل رہی تھی۔ کبھی یہی آواز اس کے دل کی گہرائیوں

سے بلند ہو کر نئی مٹی لیکن آج وہ اسے ہنسی کا نام بھی نہیں دے

سکتا تھا۔

چنانچہ اسے داس کا خیال آگیا۔

وہ اس کا پراساں سامنے تھا۔ دونوں جگہ عظیم دوم میں

شانہ نشانہ لڑے تھے اور انہیں ایک دوسرے سے پیٹھا کر

لڑنے میں بہت تھک چکا تھا۔ ایک جان اور دو قاب ہو کر

شکر اور ج. راکیش کے سلسلے میں تو تم جانتے ہی ہو ان میں سے ایک بھی شخصیت ایسی نہیں جس پر کوئی عام پڑیس والا ہاتھ ڈالنے کا تصور نہ ہی کر سکے۔ ذرا سہا سہا چننے کے بارے میں میں سوجھ بوجھ کیا وہ خود کو کسی ایسی پوزیشن میں ڈال سکتا ہے جہاں اسے موت کا خوف لاحق ہو سکتا ہو؟ ہرگز نہیں! اس کے پاس ان گنت آدمی ہیں۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ان لوگوں کو کسی لاپٹے کے تحت تپتے نہیں کیا گیا بلکہ ان تانوں کے ذہن میں کوئی دوسری ہی بات ہے؟

”ٹھیک ہے۔ تم میرے دوست ہو جاؤ تم بھی کیا یاد کرو گے۔ میں تمہاری بات بلا چون و چرا مان لیتا ہوں اور کوئی شک و غور سے مشغول؟ اشوک کا ہجر ہو گیا۔ ج. راکیش کی موت کسی طرح بھی قابل غور نہیں کہ اگر کم کوئی جرم تنظیم اسے کسی طرح بھی قتل نہیں کر سکتی کیونکہ وہ پوری طرح ان کے ہاتھوں پک چکا تھا۔ وہ ہمیشہ ایسی تنظیموں کے افراد کو رعایتیں دیتا رہا ہے۔ ممکن ہے اس نے رقم لے لی ہو اور کسی مجرم کو لٹا دیا ہو؟“

”نہیں! ایسا آج تک نہیں ہوا۔“  
”کیا یہ موت کسی دلوئے کی نہیں ہو سکتی؟“  
”جو کوئی بھی یہ وار دایتیں کر رہا ہے وہ یقیناً دلوانہ ہی ہے۔ لیکن میرا اصرار یہ ہے کہ دلوانہ تھا نہیں ہے بلکہ بہت سے دیوانوں کا ایک منظم گروہ ایسا کر رہا ہے۔“  
”اس نے دو جام تیار کیے۔ ایک اپنے دیرینہ دوست کے ہاتھ میں تھا کہ اس نے دوسرا خود اٹھایا اور شکر کر لیا۔ دو گھروں کے نام پر... اور وہ گھر ہے ہم دونوں ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے گلاس منڈے لگایا۔“

”دو گھروں کے نام؟“ اشوک نے جواباً کہا کہ تم واقعی ٹھیک کہہ رہے ہو، اس وقت ہم دونوں ہی گھر ہیں؟ اس نے کچھ دیر بیٹنے کے بعد خود پر قابو پاتے ہوئے کہا: بہر حال اس میری بات مان لو۔ یہ وار دایتیں کرنے والے، فوج یا پولیس سے ہی گفتگو رکھتے ہیں، وہ اس اعتبار سے پیشہ ور بلا میں گئے۔“

”چلو مان لیا کہ یہ...“  
”ماننا ہے تو یہ بات مالو کہ یہ وار دایتیں خود پولیس کے چند افراد ہی کر رہے ہیں۔ فوج کے اتنے سارے آدمی آسانی سے ساتھ نہیں مل سکتے اس کے علاوہ انھیں عوام دشمن عناصر سے کبھی پالائیں پڑتا ہے۔ صرف پولیس ہی ہے جو ایسے جرائم پیشہ

لوگوں سے اچھی رہتی ہے اور انھیں مجرموں کے ایک ایک نعر کا پتہ ہوتا ہے۔ بہر حال، سیدھی سی بات یہ ہے کہ اب میری بار ہے۔ میں موت کو خود سے بے حد قریب محسوس کر رہا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے جام حق میں اڈیل لیا۔

”داس خاموشی سے اپنے دیرینہ دوست کو گھونٹا رہا۔“  
”جتنی بات یہ ہے، داس کرشمے مرنے سے پہلے اپنی بیوی اور بچے سے فون پر بات کر دیا۔ گایہ میری آخری خواہش ہے میں سمجھتا ہوں کہ تم مجھے کسی پینڈت سے ملاقات کی ہرگز اجازت نہیں دو گے۔“

”یہ تم نے کسی فعلوں باتیں شروع کر دی ہیں؟“  
”میں سمجھ چکا ہوں، تمہیں جو قتل کرنے کے احکامات مل چکے ہیں یا پھر مغربہ میں اس کام پر مامور کر دیا جائے گا۔ تم قاتل ہو اور کوئی تمہیں استغاثہ نہ کر رہا ہے۔ وہ شخص جاننا کہ تم مجھے آسانی سے ہلاک کر سکتے ہو اس لیے اس نے تمہیں مار دیا ہو گا کہ مجھے آج شب ہلاک کر دیا جائے۔“

”تمہاری بھواس دیکھو چمپو وہ ہے۔ داس نے ہنس کر کہا۔“  
”میں سمجھتا ہوں کہ تمہیں کچھ پتا ہے۔ تم یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ میں تمہیں قتل بھی کر سکتا ہوں۔ تم میرے دوست ہو۔ میں تمہیں قتل نہیں کر سکتا گا۔“

”میں ایک جتنی بھڑکناش ہوں، پیاسے، یہ بات مان لو: اشوک نے زور دیتے ہوئے کہا اور ایک نئی بوتل کھولنے لگا۔ وہ جب سے ”ایوان انصاف کی عمارت سے جلا تھا، مسلسل پی رہا تھا اگرچہ ابھی تک اس کی زبان نہیں لڑکھرائی تھی تاہم اس کے ہاتھ ڈالے جا رہے تھے۔“

”اچھا مسٹر کوسے مجھے شوک لگ رہی ہے۔“  
”تم کہا لو میں کچھ نہیں کاؤں گا۔ اشوک نے کہا۔ اسی نے باہر کھڑی گاڑیوں میں سے ایک کا فون بجنے لگنے کی آواز سن کر اشوک نے کہا: جاؤ سزاؤ تمہاری کال ہے۔ یقیناً تمہاری کال ہے۔“  
”اس نے تمہیں کچھ قتل کرنے کا حکم نہیں دیا تو اب یقیناً یہی حکم دینے کے لیے یہاں فون کیا ہے۔“

”ممکن ہے یہ تمہاری کار کا فون ہی ہو رہا ہو۔“  
”نہیں... وہ فون خراب ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں تم ایک پبلک فون بوٹھ سے کیوں بات کرتا؟“  
”اور اگر میرے پاس کی کال نہ ہوتی تو کیا حکوان کے لیے نہ بڑھوں ہوں نہ کادہ کرتے ہو؟“

”تم ہر کال کو سنو۔ اشوک نے عجیب سے پلے میں کہا۔ داس باہر چلا گیا۔“

اشوک نے اس دوران میں ایک اور بوتل کھول لی۔ اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ اٹھنی تھی، اس کی مسکراہٹ میں تلخی کا عنصر بہت گہرا تھا۔ اس نے اور تین کالیں کھولیں۔ ایک طرف پینک سو... پھر نئی بوتل کے لیے کیرٹ کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ اس نے باہر کا کال فون پر کسی سے بات کرتے ہوئے اپنے دوست کی آواز سن لی اور اس کی مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی۔

”کیا آپ کو پتا ہے؟ داس کہہ رہا تھا۔ حیرت ہے... بہت بچا... بہتر ہے۔ کوئی نئی بات نہیں... ٹھیک ہے...“  
داس کی داہمی ناک دو تین بوتلیں اپنے معدے میں اڈیل پکا تھا۔ اب اس کی حالت طبعی ہو چکی تھی۔ اس نے کہیں کے ڈالنے میں کوشش اپنے دوست کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں میں حیرت ہے۔ بیٹنی اور آجھن کے ملے جلے تاثرات تھے۔

”میں نے غلط تو نہیں کہا تھا...؟ اشوک نے عجیب سے پلے میں کہا۔“  
”تمہارا خیال درست تھا لیکن...“  
”ابھی تک لیکن کی گنجائش نہیں۔ میں جانتا ہوں تمہیں کیا حکم دیا گیا ہے۔ اشوک نے کہہ کر عجیب سے انداز میں ہنسا۔ اس کی ہنسی میں بے بسی کا عنصر نمایاں تھا۔

”مجھے کیا حکم دیا گیا ہے، اشوک؟ اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔“  
”سننا چاہتے ہو؟ وہ طنزیہ بولا۔“  
”ہاں... داس کے پلے میں گہری اداسی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ٹوٹ پھوٹ رہا ہو۔ داس کی آنکھیں اپنے دوست پر مچی ہوئی تھیں اور خود اس کی پیشانی پر موتیوں جیسے پسینے کے قطرے پک رہے تھے۔“

”تمہیں کہا گیا ہو گا کہ اس طرح ہلاک کرو کہ میری موت ہو کر نہ لگے۔ تمہاری وار دایت معلوم نہ ہو۔ اشوک نے بتایا۔ کیا میں لڑکھڑک رہا ہوں؟“

”تم ٹھیک کہتے ہو... تمہیں کیسے پتہ چلا؟“  
”ہر جرم کو اندری اندر اپنے جرم کا احساس ہوتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جانتے ہیں کہ ان کی کیا سزا ملنی چاہیے۔“  
”یہ سب کہہ جانے کے باوجود تم نے جرم کا راستہ کیوں اختیار کیا تھا؟“

”موت نہیں اور لاکی انسان کو اندھا کر دیتی ہیں۔“

”... لیکن میں اب کی کالوں، اشوک... داس کی آواز بھڑکی۔“  
”دبی جو تعین حکم دیا گیا ہے۔“

”میں اب نہیں کر سکتا۔“  
”تو پھر کیا کرنا چاہتے ہو؟ اشوک نے چونک کر پوچھا۔“  
”اس حکم عدلی کی سزاؤات توں کا۔“  
”جانتے ہو، وہ سزا کیا ہے؟“

”ہاں... میری موت۔ داس نے جواب دیا۔ اور میں موت کو گلے لگانے کے لیے تیار ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے اندرونی عجیب سے اپنا رہا لور نکال لیا۔ اس کا ہاتھ دھیرے دھیرے اپنی کھوپڑی کی طرف بند ہونے لگا۔

”رک جاؤ داس! میری بات سنو۔“  
داس نے ریلواری پٹی پر رکھ لیا۔ اس کی انگلی ٹرانسمیٹر پر مچی... لیکن انگلی کا دھاؤ زیادہ نہیں تھا۔ اشوک کی درخواست پر وہ اس کی بات سننے کے لیے آگیا۔ دھیرے دھیرے اس کی آنکھوں میں سبز کی پگھلی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے دوست کو اپنے ہاتھوں ہلاک کرنے کی بجائے موت کو اپنے گلے لگانے کا ارادہ کر لیا تھا۔

”میری چند سانس باقی ہیں۔ اشوک کہہ رہا تھا۔ غلوط میرے لیے نہ رہے۔ ڈاکٹر نے کہا تھا کہ اگر میں نے ایک قطرہ بھی سنا تو مر جاؤں گا۔ میں اب تک چار بوتلیں پی چکا ہوں۔ میرے اندر ٹوٹ پھوٹ شروع ہو چکی ہے۔ تمہارے جملوں کا میں دل سے استراہم کرتا ہوں۔ میری آخری خواہش میں سن لو... اس کی آواز ڈھبنے لگی۔ داس چونک پڑا۔

اس نے اپنے دوست کے چہرے پر موت کا سایہ منڈلاتے دیکھ لیا۔

”تم ایک دم ٹوٹے ہو۔ تمہارے دوست کی آخری خواہش پوری نہیں کر دو گے؟“  
”تم سن رہا ہوں؟ غصہ بڑھا۔ داس نے کہا تو اس کے چہرے میں بے پناہ درد تھا۔ یوں تو کم کیا چاہتے ہو؟

”میری بیوی کو فون پر بتا دینا کہ تمہارے دوست میں نے اس کے لیے کیا کیا۔“  
”ابھی زندہ کی؟ اسی راستے پر آگے بڑھانے جس پر میں نے اسے بڑی محنت سے ڈالا ہے... اور تم میرے دوست؟ تم زندہ رہو گے۔ اگر تم نے خوشی کی تو میری آتما جیسا پریشان ہے کہ وہ ہمیشہ بھٹکتی رہے گی۔“  
”اشوک... وہ تیری آتما ہے گے بڑھا۔“

اس کے ہاتھ سے ریلواری گر گیا۔





مٹی تھی۔ ایک واضح بیخ ان کی سماعت سے مگرانی تھی اور بلاشبہ آواز اسی غصے سے آئی تھی۔۔۔ لیکن اب یہاں کسی دیکھ کر نام و نشان نہ تھا۔ ان میں سے کسی نے بھی روشنی اور چمکوں کی طرف نہیں پھینکی ورنہ وہ مائیکرواس کے ساتھ جھوٹے پرچہ وجود گیتا کو فردودیکھ بیٹے۔ لوگوں کی باتوں کی آواز پر بھیغنا ہٹ۔ نہ ران تک پہنچ رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد لوگ واپس چلے گئے۔

خانہ انھوں نے اس بیچ کو اپنا واحد قرار دیا تھا حالانکہ ایک ہی دم اتنے سارے لوگوں کو ایک ساتھ میں ہوسکتا تھا۔۔۔ لیکن نیند نے بھاری دماغوں میں شاید یہ سول کی بات نہیں آسکتی تھی۔

وہ تم کوں ہو، دیوتا یا گیتا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”میرے باسے میں کچھ نہ پھونچو“

”وہ کیوں؟“

”بس۔۔۔ بٹے ایک خواب، ایک سایہ۔۔۔ ایک ہیولہ کھو۔۔۔“

اور پھر جھول جاؤا۔

”میں نہیں سمجھی تھیں جھولوں گی۔“

ڈاکر پر ارادہ سے قربا دیکھ کر ممت پر پھونچا، مائیکر نے جواب دیا۔ ”اچھا میں جانتا ہوں میرے اچانک انتظار کر رہے ہوں گے۔ وہ میرا دل کو اس طرح ٹھونکا یا مکمل پسند نہیں کرتے یا“

اس سے پہلے کہ گیتا کہتی وہ اسے سرٹ کر زمین پر۔۔۔ کوڑکا۔ اس بار گیتا نے دیکھا نہیں بند کیں اور نہ ہی اس کے منہ سے کوئی بیج نکلی۔ چند ہی لمحوں میں وہ خود کو زمین پر استادہ پارہی تھی اور اس کے پاس پھیلی ہوئی تاریکی میں کسی اور وجود کا نام و نشان نہ تھا۔

کچھ دیر وہ خود بھی خواب نہ وہی حالت میں کھڑی رہی۔۔۔ پھر آہستہ آہستہ غصے کے دروازے کی طرف چلے گئی۔ اس کی چال میں نفیست ڈیگکا ہٹ تھی۔۔۔ یوں جیسے وہ کسی پڑا سر سے نٹے میں ڈوبی ہوئی ہو۔



وہ بے مددہ پراسور ہا تھا۔

کمرے میں خفیت کی آواز بھی نہیں تھی۔ اس کی مٹی اور شاماد مہری کے قریب ایک نسوانی جھمیر بکھا رہا تھا۔ اس جیسے کی آنکھیں روش تھیں۔ ان میں کہ پاد کے بلب گئے ہوئے تھے اور پھر ایک طرے سے ٹائٹ بلب دلتے ٹیل میپ کا کاسہ ریتا

از میں فوس ہوئے تھے۔ اس نوجوان نے اسے بے بس کر دیا تھا۔ اس کی توت ارادی تک پھین لی تھی۔۔۔ اور اب زندگی کے آخری ان میں وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی کہ آخر اس نوجوان کو کسے موت ہے مگر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

اچانک سب کچھ ساکت ہو گیا۔

گیتا کا پی سانس سینے کی میں ابھی فوس ہوئی۔

وہ حیران تھی کہ یہ کیسی موت ہے۔ موت واضح ہو جانے کے بعد اس کی حسیات کام کیسے کر رہی ہیں؟ اسے اپنے سینے میں دیکھ لی سانس کا احساس کیوں ہے؟ اس کا جسم کسی شخصے میں کیوں کسا ہے؟ وہ شعور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ اسے اس قسم کی موت آئے۔ موت کے بارے میں تو اس کا خیال بڑی ہی بھانک تھا۔

ڈرتے ڈرتے اس نے سینے میں ابھی ہوئی سانس پھونکی۔

سانس کا اخراج ہونے ہی اس نے غیر ارادی طور پر ایک

س کی تو اس کے پیچھے ہٹے ہوئے تھے۔ تب اسے احساس

اکوہ مری نہیں بلکہ زندہ ہے۔ دو تین اوپر سے سانس لے کر

سے یقین ہو گیا کہ وہ ہلاک نہیں ہوئی۔ تب اسے اطراف سے

ت سارے قدوں کی بھاگ دوڑ سانی دی۔ ان آوازوں نے

اسے زندگی کا یقین دلایا۔۔۔ اور پھر اسے اس شخصے کا احساس

اس نے اس کا جسم چمک رہا تھا۔ اس کا ہڈی حرکت میں آیا اور رفتہ

دروکت کا ہوا ایک انسانی بازو پڑھو گئے تھا۔

اس بازو کی حرارت نے بھی اسے زندگی کا احساس دلایا۔

۔۔۔ میں۔۔۔ زندہ ہوں؟ اس نے سنائی ہوئی آواز میں کہا تو

کے اوپری ہی آواز نامافوس فوس ہوئی۔ یوں لگا جیسے کوئی پاتال

بول رہا ہو۔

”تم جھلا کیسے سکتی تھیں؟ دیوتاؤں جیسی آواز اس کی سماعت

مگرانی اور اس کا الگ الگ انجانی سروں سے مرزا ہو گیا۔

اچانک غصے کے دروازے کھلے، روشنیوں اور دھڑلہ لڑیں

۔ لیکن اب میں سے کوئی بھی وہ جھلا وہ دیکھ سکا تو ایک ٹھ

نار میں ہر ایک دیکھ کر دھڑلے انھوں میں سنبھالے کھڑا تھا۔

فردودہ لڑی بھی دیکھ پانی کر دیکھ اسے ایک بار پھر

سب لوگ جھوٹے پر کیسے پہنچ گئی۔ وہ پکس بھکا بھکا کر نیچے

گرتی رہی۔

یہ نچے بھی مختلف روشنیاں تھیں کر رہی تھیں۔

لوگ کسی کو تلاش کر رہے تھے اور انھیں مطلوبہ ہستی کہیں

نہیں دیکھ رہے تھی۔ انھوں نے کسی دیکھنے کی آواز

جھلا تیزی سے بند ہو گیا۔

اب وہ زمین سے اوپر بڑے نیچے کی جھت سے کوئی فاصلہ نہ تھا۔ معلق جھمیرے پر بیٹھی تھی اور اس کی آنکھیں اندھیرے میں گم ہو گئی تھیں۔

... چر نہ لایا گیا تھا۔

وہ جب بھی جھمیر گیا جس سے بڈل میں خف سا بالآخر ہو رہا تھا۔ اب ہر جھمیر تیزی ہی تاریکی مٹی کے کلاں تار کی۔ جس پر مرکز کے جھولنے کی آواز میں بڑی ہی بھانک محسوس ہو رہی تھیں۔ ”گیتا۔۔۔“ نیچے سے آواز آئی: ”دوسرا جھولا میں اکی جھمیرا جہاں ہمیشہ ہوتا ہے اپنے جھولے سے اس کو کد جاؤ۔“

وہ آہستہ آہستہ کھڑی ہوئی۔

اس نے خود کو جھولے پر ممتازن کیا۔ ایک بار بھی اس کے ذہن میں یہ بات نہ آئی کہ وہ خوشی کر رہی ہے۔ اس کے دل دراز میں تو دل کی سچی ہوئی تھی اور وہ اپنی نوجوان کی باتوں پر کھمیر بند کر کے مل کر پڑھو گئی۔

”کد جاؤ۔۔۔“ نیچے سے آواز آئی اور وہ آنکھیں بند کر کے گئی۔ اس نے دھڑلے جھمیرا لایا۔ اس کی آنکھیں کھلے جھولے بکھولنے کے لیے بھین تھیں۔ لیکن جھولا اس کی دھڑلے سے تھا۔ وہ دھڑلے جھولے کو کھولنے میں کام کر رہی تب پہلی بار سے خواہ

کا احساس ہوا۔

اس کے منہ سے ایک جھمیر نکلی۔

گھٹی گھٹی یہ جھمیر آہستہ آہستہ بند ہو کر بڑی جھمیر بن گئی۔ مرکز کے علاقے میں کمرہ پڑا ہو گیا۔ اندھیرے جھمیر اور ہر جھمیر اور ہم خوابیہ لوگ ابھی اچھل پڑے۔



اُس کا خیال تھا کہ وہ خوشی کر رہی ہے۔

جھولا اب اس کے ساتھ نہ آیا تو اسے اپنا جسم گرتا ہوا ہوا۔ اس نے آنکھیں مٹی سے بند کر لیں مالا کدوہ آنکھیں مٹی مٹی اسے کچھ دکھائی دیتا۔ تار یک ٹھمے میں یوں ہی اس وقت تھا کھائی نہیں دیتا تھا۔

زمین تک پہنچنے میں اسے چند ہی لمے لگے تھے لیکن اسے یوں بھی اس نے نہ جانے کتنا سوچا اب تھا خاص طور سے نوجوان جس کی باتوں میں اس نے یہ جھمیر کھیل شروع کیا اس کے بارے میں اس کے جذبات اب بھی دیے ہی تھے جی

”ہیں۔۔۔ آؤ چلیں۔ اس نے گیتا کا ہاتھ تھام لیا۔“

وہ کسٹروں سے یوں کھٹکتی جیسے بے کا حیرانانہ بہت بڑے مقناطیس کی کشش سے کھینچا جاتا ہے۔ اسے یوں لگا کہ آقا جیسے اس کے جس پر ایک ہمیں سارا پڑ گیا جو پردہ بے مددیت قناطیس اس کے دوسری طرف نہیں دیکھا جاسکتا تھا۔ ایسے بے خودی اس پر پہلے کسی نہیں چھائی تھی۔

نوجوان اسے ساتھ لے کر باہر آیا تو ایک شاندار کار کا حرف بڑھ گیا۔ راستے میں گیتا نے دیکھا کہ اس کی چال بڑی ہی انوکھی ہے۔ یوں لگتا تھا جیسے سچوں کا کوئی شہزادہ درویش سے بادلوں پر پاؤں رکھتا ہوا چلا کر ہو۔

کار میں بیٹھنے کے بعد وہ بے بس ادب سے کھڑی رہی۔

اس کی جھمیر میں آواز تھا کہ گیتا لایا ہو گیا ہے۔ یوں محسوس ہوا تھا جیسے اس نوجوان کے علاوہ ہر احساس اس کے دل سے غائب ہو چکا ہو اور وہ پڑنے کی مانند بے قرار ہو کر کسے کد جھولا رہی ہو۔ نوجوان کون تھا؟ وہ اسے کہاں لے جا رہا تھا؟ اور وہ اسے کیا چاہتا تھا؟ وہ کچھ بھی نہیں جانتی تھی اور جانتا بھی نہیں جانتا ہی تھی۔ یوں لگا کہ ہاتھ جیسے وہ توڑی ہوئے تخت اس نوجوان کے سانس پر چل رہی ہو۔

نوجوان اسے اس سے سرس تک لے گیا۔

بڑے شخصے کا پی ڈور اس نے اپنی کار کی آواز کا ہاتھ تھا۔ ”کار سے آؤ یاد دہر زندہ ہی اس کے ساتھ چلتی رہی۔ بڑے نیچے کے کھٹ میں تاریکی تھی۔ وہ گیتا کے ساتھ کسی طرف سے نیچے نہیں لایا ہو گیا۔“ جھولے پر تھیں۔۔۔ نوجوان نے اندھی سے جھولے لپیٹیں کہا۔ ”یہاں اندھیر ہے۔“ گیتا بھڑائی۔ ”جھولا نظر نہیں آ رہا۔“ ”پورا اندھیر۔“ جی اندھیرے میں کسی دیکھ سکتا ہوں۔“

گیتا نے ادھر ادھر دیکھا نیچے کا وہ جھٹکا تھا جہاں تماشا میں کابلے پناہ جوم ہوتا ہے۔ اس وقت ایک مٹی تماشاں وہاں موجود نہیں تھا اور اس شخصے میں ایک مقعر سائب اپنی آواز نہ روشنی سے تاریکی دور کرنے کی کام کر کشش میں مشغول تھا۔ نیچے جال میں موجود نہیں تھا۔ بڈل میں تاریکی ہولناک تھی لیکن نہ جانے کیوں ابھی کی موجودگی کا احساس اسے سرخ اور دھڑلے سے دلتے جا رہا تھا۔

وہ نیم خوابی کے عالم میں ایک جھولے پر بیٹھی تھی۔

اس وقت وہ سارا جیسے جھولے سے تھی اور اس نے زندگی میں پہلے کسی سامنے میں جھولے پر تھیں نہیں کیا تھا۔ لیکن نوجوان نے اسے کاسٹیم پہننے کی اجازت نہیں دی تھی۔ جھولے پر سوار ہو کر وہ بھی رہی اور نوجوان نے مٹی کھینچی شروع کر دی۔

## لالہ مرخ

قمر اجٹالوی قیمت :- 200/-

سینڈ کی سبز آنکھوں سے چھوٹنے والی مذہم دوستی میں نورمہ بلرام اور اس کے قریب ہی بیٹھ ہوئی ایک نو عمر لڑکی اسے حمار دکھائی دے رہی تھی۔ وہ سر سے پاؤں تک سیاہ لباس میں بڑا تھا۔ اس کی پیشانی پر نیٹ ہیٹ کا گوشہ ابروؤں تک پڑا تھا اور کٹ کے اٹھے ہوئے کالند کے درمیان اس کا پر تاریک تھا۔ صرف آنکھیں چمک رہی تھیں۔ ان میں غمزہ عقارت کے تاثرات جھلکتے۔ اس کا انداز اتنا پرسکون تھا کہ اسے کسی کا بھی خوف نہ رہا۔ اس کے دونوں ہاتھ کٹ کی سیبوں میں گھسنے پڑے تھے۔

دندہ اس کا دایاں ہاتھ کٹ کی سیب سے باہر نکالا۔ اس ہاتھ میں ایک خوفناک رولڈا دبا ہوا تھا۔ دندہ ہاتھ بھی سیب سے باہر نکالا۔ اس میں سائیلنس سیاہ پوش نے جسے ہی اطمینان سے دیکھ اور کی نال پر سائیلنس اس دردانہ میں ایک لمحے کے لیے بھی اس کی آنکھیں مہرہ دراز دونوں ہتھیلوں سے نہیں ہٹتی تھیں۔

سائیلنس لگا رولڈا نو عمر لڑکی کی جانب اٹھا کر دھکی دیا۔ وہ بڑی رہا تھا کہ دجانے لڑکی کس طرح جاگتی اس نے مہرہ قریب ایک سایہ دیکھا تو اس کے حلق سے ایک مٹھی مٹھی سو نکلنے کے لیے بے یون ہو گئی۔ اس کی آنکھیں پھیلنے لگیں۔ آہ ہونٹ بھی تھل رہے تھے کہ سائیلنس نے رولڈا سے آگ کا شرارہ مٹھوک دیا۔ یہ غلغلہ اگلی ہی ساعت لڑکی کے گھٹنے دبانے میں جا گھسا۔ اس نے لی اورد ہونٹ پیچھے تھے لیکن شعلہ نکل چکی تھی۔

اس کا جسم لمحے بھر کے لیے مہرہ سے اٹھا اور پھر گر گیا وہ چھٹی چھٹی آنکھوں سے سامنے کی طرف دیکھتی ہوئی مٹی ہو گئی تھی۔

اس کے قریب دونوں کے مونا پیداکر میں دندا ہوا ہے مکت رہا۔ لڑکی نے ہونٹوں کو سیاہ پوش نے پوری قوت سے کھینچے پھر ایک غمزدہ سیدھی۔ وہ مٹھی مٹھی ہی آواز میں پچھرا چل کر پیچھے گیا۔ اس کے ہونٹوں سے وہ پرسکون مسکرا

مٹھاتے کی روشنی آنکھوں میں بے پناہ سخن تھا اور تاریکی میں وہ جیتی جاگتی آنکھیں لگ رہی تھیں۔ خواب گاہ میں سبز روشنی کی نرم نرم سی شامیں پھیلی ہوئی تھیں اور وہ ساٹان والی مہرہ پر دُنیا دیا پناہ سے بے خبر گری نیند میں ڈوبا ہوا تھا اس کے ہونٹوں پر ایک خوشگوار مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ گناہ تھا، وہ کوئی جاہلی حسین پسند دیکھ رہا ہو اس کے پہلو میں خوابیدہ سخن اسے منتشر بالوں میں یوں نظر آ رہا تھا جیسے سیاہ بالوں سے چانکا شرمایا ہوا چہرہ۔

اچانک دردانہ سے پر ایک خفیف سی آہٹ ہوئی۔ آہٹ اتنی دھیمی تھی کہ کئی نیند والا بھی اسے سن کر بیدار نہیں ہو سکتا تھا۔ بلرام تو اب گری نیند میں تھا کہ دھول بجا کر ہی اس کی نیند زائل کی جاسکتی تھی۔ اس کے قریب دراز حسین لڑکی البتہ ذرا سا کسمانی تھی۔ دجانے اس آہٹ سے یا ایک ہی انداز میں بیٹھ بیٹھ اس کے جسم سے حرکت کر کے کچھ سکون حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔

دردانہ بے آواز کھٹکے لگا۔ کواڑوں میں ایک لکڑی دواڑوں پیدا ہو رہی تھی جیسے کوئی ناویدہ انداز اسے درمیان سے دو متھوں میں کاٹ رہا ہو۔ راہ داری میں چلنے والا تیز دلب موقع پاتے ہی اپنی تیرہنی خواب گاہ میں بکھیرے لگا اور ٹیبل پیپ کا کام دینے والی سینڈ کے ٹیبلے کی آنکھیں یوں ماند پڑ گئیں جیسے... یہ تیز روشنی ناگوار گری ہو کر لڑکیوں میں پیدا ہونے والا شگاف اتنا بڑا ہو گیا کہ اس میں سے ایک آدمی آسانی سے گزر سکتا تھا۔

مٹھانک سایہ اس شگاف میں سما گیا۔ کچھ دیر وہ خاموش بٹھا رہا... پھر آہستہ آہستہ اُٹھ اُٹھا۔ دردانہ ایک بار پھر بند ہو گیا۔ ٹیبل پیپ کی سینڈ ایک مرتبہ پھر اپنی سبز بڑبڑک دار آنکھوں سے خواب گاہ کے ماحول میں جاگتی ہوئی نظر آئی گئی۔

سایہ حرکت میں تھا اور اس کے ٹوٹوں سے خفیف سی آواز بھی پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ یہ غالباً خواب گاہ کے دہیز قایم کا حال تھا کہ وہ ان آہٹوں کو جذب کر رہا تھا یا پھر اس شخص کے جوتوں کے سول کیسی ایسی چیز کے تھے، جو چلنے میں آواز نہیں پیدا ہونے دیتے تھے۔

خواب گاہ میں داخل ہونے والا شخص دردانہ سے چند قدم آگے آکر کنگ گیا۔ مہرہ اس کے سامنے تھی اور ٹیبل پیپ کی

کرب داؤدیت کی لہرنے نوپ پھینکی تھی اور اب بلرام سراپا قہار اور غضب لگ رہا تھا۔ اس کی نگاہ جیسے یہ سیاہ پوش پر پڑی، اس کے چہرے پر چھایا ہوا کربناک تاثر بھی وصل گیا جیسے وہ اس بے پناہ اذیت کا شہید حیرت کے بلاٹ ہوئی ہی گیا ہو۔

"ت... تم... تم... تم کون ہو؟ وہ ہلکا گیا۔

"اگر تم جاگتی آنکھوں اپنی موت کو دیکھنا چاہتے ہو تو دیکھو میں تمھاری موت بھول، بلرام، یہ سامنے کی آواز سرسراہٹ ہوئی اور بے حد خوفناک تھی۔

"کک... کیا چاہتے ہو؟

"موت کو صرف ایک ہی چیز کی ضرورت ہوتی ہے؟

"وہ... وہ کیا؟"

"کسی نہ کسی کی زندگی، سامنے نے جواب دیا۔

"زندگی کی کوئی قیمت بھی تو ہو سکتی ہے، بلرام نے سنیٹے ہنر کہا

"ہاں... اور وہ بھی تمھاری موت ہی ہے؟"

"لیکن میں نے تمھارا کیا بگاڑا ہے؟

"ذاتی طور پر کچھ نہیں... لیکن تم قانون کو مطلوب ہو؟

"میں اس ملک کا ایک بااثر آدمی ہوں۔ قانون کو کچھ سے آج ملک کوئی شکایت نہیں ہوتی تم کس قانون کی بات کر رہے ہو؟

"وہی قانون جس کی آنکھوں میں تم دھول بھونکتے رہے ہو؟"

"لیکن میرا جرم؟"

"تمھارے جرائم کی ذہنت بہت طویل ہے اور تمھاری زندگی کے محنت بے حد کم ہیں۔ تم جتنی تیزی سے یاد کر سکتے ہو، پھر سے سن نہیں سکتے، سیاہ پوش نے کہا۔ اسی دردانہ بلرام کا منہ کھلا، غالباً وہ جیننا چاہتا تھا جسے کارہے بلرام تمھاری آواز اس کمرے سے باہر نہیں جاسکتی۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ ایک ساؤنڈ پروف کمرہ ہے اس کمرے میں دجانے کتنی آوازیں تمھاری زندگی کے کئی کئی ہوں کی آواز باہر کو خفیف سی آہٹ بھی نہیں سن سکا ہوگا۔ آج تم جیننے اور تمھاری آواز اس کمرے میں گھٹ کر دھانے کی تم تنگ انسانیت ہو۔ تمھارا وجود معاشرے کے لیے ایک ایسے ناسودہ کی طرح ہے جس کا آواز ملک کو بھی علاج نہیں کر سکا۔ میں معاشرے کا وہی زخم بھر رہے آٹا ہوں؟"

"تم ایک انسان ہو کیا مجھ سے کوئی بھی سوسے بادی نہیں کر سکتے؟

"کر سکتا ہوں لیکن تم سے قبول نہیں کرو گے؟

"زندگی بچانے کے لیے کچھ کیا جاسکتا ہے؟"

"تو پھر تار و ریڈیو لنگ کے لیڈر کی حیثیت سے درحقیقت نہیں کسی کی پشت پناہی حاصل ہے؟ سیاہ پوش نے غصے سے پوچھا۔

"نہیں... نہیں... کیسے معلوم ہوا؟ وہ ہلکا گیا۔ اب اس کے چہرے پر حقیقی دہشت اور آنکھوں میں حقیقی حیرت جاگ اٹھی تھی۔

اب ملک غالباً وہ اس غصے میں جی میں مبتلا تھا کہ سیاہ پوش کو لاپرواہ سے کسی نہ کسی پچانے میں کامیاب ہو جائے گا... لیکن ریڈیو لنگ کا نام بھی نہ کرو اس کی بی بی کی گم ہو گئی تھی۔ وہ ایک کاروبار کی آڑی تھا اور ملک کے طول و عرض میں اس کی مٹوں کے پار چہ جات وسیع جیانے پر ذہنت ہوتے تھے... لیکن اس سے کہیں زیادہ آڑی اسے ایک مخصوص دھندلے سے ہوتی تھی اور اس دھندلے کا نام



تھا... ریڈیو لنگ!

ریڈیو لنگ کی سربراہی اس کا اصلی چہرہ تھا جس پر ایک کاروباری رئیس کی لقا پڑی ہوئی تھی... اور اس نقاب کے نیچے جھانکنے کا آج ملک کسی کو موقع نہیں ملا تھا۔ یہ سیاہ پوش پہلا آدمی تھا جس نے اسے ریڈیو لنگ کے سربراہ کی حیثیت سے مخاطب کر کے شدید ترین جوتوں سے دوچار کیا تھا۔ اسے یوں غصے ہوئے لگا جیسے اس کے گرد جھلا ہوا غصائی جھسا سیاہ پوش کی مٹھی ایک باسن سے ٹوٹ گیا ہو... اور وہ ہر طرف سے ایک کاری ہونٹ کی کرہ گیا ہو۔

"ریڈیو لنگ کے سلسلے میں تجھیں کسی کی پشت پناہی حاصل ہے؟ سیاہ پوش نے اپنا سوال پھر دہرایا۔ میرے پاس زبان وقت نہیں ہے؟"

"میں تم سے تنہا نہیں..."

"اس وقت ہم دونوں کے سوا یہاں کوئی نہیں ہے..."

سیاہ پوش غزب آیا۔ تب پہلی بار بلرام نے اپنے پہلو میں درد لڑکی پر لگا ڈالی وہ اسے ابھی تک غور غور ہی دیکھ رہا تھا... لیکن جیسے ہی اس کی نگاہ لڑکی پر پڑی، اس کی سانس پھول گئی اور وہ یوں لپٹنے لگا۔ گویا اچانک ہی اسے عمل تنفس میں کسی دشواری کا سامنا ہو گیا ہو۔ لڑکی کے ہونٹ پیچھے ہونے لگے لیکن آنکھیں اُٹلی ہوئی تھیں اندازاً ایسا جیسے اس نے حلق کی گھاٹش اور اپنی طبیعت کے خلاف کوئی چیز ٹھک لی ہو اور اسے نکلنے کے فرار ہی بدوہ جس حالت میں تھی، اس کے نقش و نگار وہیں جمہ ہو گئے تھے۔ اس کی ہاتھوں سے





خیر گزشتہ میں ایک جو بی بقیۂ نور تھی جو بی بقیۂ نور تھی۔ یہ وہی تھا کہ پتہ  
پتہ اور پتہ کے پتہ سے اپنی صحت و بانی پر مبارکبادیں وصول کر رہی تھی۔  
تاکہ محض ایک ایک گزشتہ وہ جو بی بقیۂ نور تھی، جیسا کہ مجھے

اور صاف نام بچھری۔

دو پلے والے ٹاکر کی سے چند ضروری باتیں کرنے آئے تھے لیکن انھوں نے جوبلی کی کٹ خاندان چنگ میں داخل ہوتے ہی فائرنگ شروع کر دی تھی جس کے نتیجے میں سب سے پہلے ٹاکر پھران کی دونوں ٹیلیاں داماد اور چھریٹھ مارے گئے۔ بیشک میں جہل کچھ ہی دیر میں شراب چمک رہی تھی، وہاں سفید قاتلین پر خون کے دھبے نظر آنے لگے۔ بستی کے لوگ گھروں سے نکل نکل کر کوٹلی کی طرف آنے لگے، انھوں نے فائرنگ اور چیخ و پکار کی آواز سن لی تھی۔ ان میں سے کئی خوش تھے کیونکہ ماعلم لوگوں نے ان کا صبر پورا پورا انتقام لے لیا تھا۔ ٹاکر جتنا واس اور ان کے آیا اجدا کانسوں کا بدترین انتقام کرتے رہے تھے۔ کسان صرف یہ معلوم کرنے کے لیے بے چین تھے کہ ٹاکر کا کوئی وارث زندہ تو نہیں بچ گیا۔

یہ خبر پھیل گئی کہ آگ کی طرح پھیل گئی۔ ٹاکر کی ملک کے انتہائی مشہور سیاستدان تھے لہذا اخبارات نے سب کے ایڈیٹروں میں شہرین کے ساتھ ساتھ اس کا شایع کیا تھا۔

انسپکٹر واس نے اخبار ایک طرف پھینک کر جانے کی تیاری ہوٹوں سے روٹی لائی، وہ سوچ رہا تھا کہ اس کا نام کتنی صفائی سے ہوا ہے، کسی پولیس مین نے کوئی سراغ نہیں چھوڑا۔

اس کے ساتھ والے کمرے میں ایک انتہائی بارے شخص اپنی آرام کرسی پر بیٹھا سوچ رہا تھا کہ کام چل نکلتا ہے، خون کے پیاسوں پر مشتعل دستے جلدی بڑے بڑے شہروں میں سرگرم عمل ہو جائیں گے اور چھریٹھ... ریٹائرمنٹ حاصل کرنے کے بعد اس کام پر زیادہ توجہ مرکوز کر سکیں گے۔ اس کی فوج اربابان وزارت غلے، کتب رسانی حاصل کرے گی۔ اس کے بعد کوئی نئی جہ نہیں ہے کسی، میرا انتقام پورا ہو جانے کا۔ برف کا تودہ ایک بار گرنے لگے تو کوئی طاقت تباہی کو نہیں روک سکتی۔

اس اپنی کرسی سے اٹھ کر کوٹ پہنچنے لگا۔ ب سے فوری طور پر سیکر پوری واقعہ سے رابطہ قائم کر کے اپنی اس... ہ کی احترام کرنا تھا کہ وہ سازش کا مرکز بننے میں ناکام رہے۔ اس کے جیسے بارے میں کسی مگر چھریٹھ مسکراہٹ تھی۔

بہرام نے شہزادہ کو اپنے کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر فوراً ایک ہاتھ فضا میں بلند کیا۔ شہزادہ... کسی تل والی عورت کے بارے میں گفتگو نہیں ہوئی تھی؟

شہزادہ دل کھول کر کہنے لگا اس کی ساری کوفت اس ایک تھیلے سے دور ہو گئی اور پھر اس کی نظریں وہاں چلی گئیں سے مگر ان میں تو

آنکھوں میں حیرت نظر آنے لگی۔ ان میں نے کرسی نوٹوں کے ہڈوں اوپر سے رکھے ہوئے تھے۔

”ذرا غور سے سوچو۔ بہرام نے سب سے پہلے بیٹھی سے کہا لہذا شہزادہ جرح گوش ہو گیا۔ اس رقم کی بدولت تم دارا حکومت کے جرم پر مشر لوگوں اور اسکندوں میں اپنا مقام بناؤ گے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ تم مختلف پولیس افسروں کو باقاعدگی سے بھرتہ دیتے ہو۔ جیسے سے یہ ثابت ہوا ہے کہ کالا دھند اور اسلنگ پولیس والوں کے تحفظ میں پھلتی پھوٹی ہے لیکن انھیں جرم پر افراط کو کوئی گروہ تشکیل دینے کی ضرورت نہیں۔“

اس کا مطلب ہے کہ میں پولیس کو فصول ہی جیتے دیتا رہوں گا؟ ”فصول نہیں صرف یہ دیکھا۔ نہ کہ یہ کرم واقعی براہ مشرب ہو؟ وہ بولا۔ اور اس کے بعد انھیں ان خود ساختہ انصاف پسندوں کے گروہ کا سراغ لگا کر اس کا صفایا کرنا ہو گا اس مشن میں انھیں صرف یہ اختیار رکھتی ہوگی کہ صرف گروہ کی قیادت ہی ماری جائے، عام کارکنوں پر کوئی اثر نہ پڑے کیونکہ ان کی اصلاح جلد ممکن بھی ہو سکتی ہے۔

”لیکن چیف... شہزادہ کی آنکھوں میں شرارت آ کر چمک پیا ہو گئی۔ فضا کرو کہ انصاف پسندیت لگے تو ہم ختم ہو جائیں گے۔ وہ تو ہمارا ہی کام کر رہے ہیں۔“

”نہیں... وہ کوئی انتہائی خطرناک کھیل کھیل رہے ہیں۔ بہرام نے بیٹھی سے جواب دیا۔... اور ممکن ہے ان کا یہ کھیل ملک کے وجود کے لیے ہی خطرہ بن جائے۔ لہذا ہر ایسا لگتا ہے کہ وہ کوئی نیک کام کر رہے ہیں لیکن یہ تو سوچو کہ تم انسان کو کب قتل کرتے ہیں؟ صرف اس وقت جب اس کی موت ضروری ہو جاتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ انھیں پسندوں کا گروہ ملک کو پولیس اسٹیٹ بنانا چاہتا ہے اور پولیس اسٹیٹ ہمیشہ عوام کی تباہی کا پیغام لاتا ہے۔“

”جوں... شہزادہ نے ہنسا کا بھرے ہوئے کرسی نوٹوں کے ڈھیر کو گھورا اور پھر بہرام نے اسے ایک پورٹ فراہم کر دی جس میں ملوث پسندوں کے بارے میں ممکن حد تک نئے والی اطلاعات شامل تھیں۔

شہزادے نے پورٹ بڑھ کر خانے کرنے کے لیے ایک کپ باسٹ میں چمک دی۔ اس کا مطلب ہے کہ ان کے پاس کم سے کم ڈھیر سو افراط ہیں اور وہ اپنے دائرہ کار میں وسیع کرنے کے لیے کئی شہروں میں سرگرم عمل ہیں؟ ”دوست... یہ اپنی کس سنبھالوں ان میں تقریباً... اس لاکھ بڑے ہیں۔ جتنے خرچ ہوں، خرچ کو دینا اور رقم تقصیر واپس کرنی پڑے گی۔“ ”مگر نہیں... شہزادے نے ہنسنے ہنسنے کہا۔“ باقی رقم تو میں حلا کر دیکھ کر دوں گا۔“

شہزادہ اپنی کس سنبھالے سرگرم ہوا تو اس کی جیب میں غلامانک لڑے کی کھنٹی بھان شروخ کر دی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا تو اس حلات منتہی چلے گئے لیکن اس نے کسی روٹل کا قوری انہا کرنے پر نہ دیکھ کر بڑے چوک آزادی کی طرف قدم بڑھا دیے۔ لہذا سیلاب اس کے ہاتھوں میں جھول رہے تھے وہ کسی سے بچا اور لہا بالی ان کی طرف چل رہا تھا۔

اس کی آنکھوں نے اس جوڑے کے چروں کو یادداشت میں ڈال رکھا تھا جو سرگرم کے قریب، پارکنگ میں کھڑی ایک کار میں بیٹھا زینہ زکر رہا تھا۔

دوسری طرف، بیشک کے کار پر ایک سو لاکھ تازہ شخص اپنی بیٹھی ہاتھ دالے اس کی طرف دیکھ رہا تھا اس نے شہزادہ کو پیدل لے دیکھا تو اس کا تعاقب کرنے لگا۔ شہزادہ کس انھیں سے دیکھ کر تھا کار میں راز دینا کرنے والا مواد عورت بھی اکثر اس کے عقب میں رہے ہیں۔

وہ چلتے چلتے ایک سسٹن گلی میں پہنچ گیا... اور پھر اجاگ ای وہ مولانا شخص اس کے ماتے میں مزاح ہو گیا۔ اپنی کس میرے مالے کر دو لاکھ؟

”بہت اچھا مولے جان! شہزادے بڑی فراہم داری سے جواب دیتے ہوئے اپنی کس موٹی کی طرف بڑھا دیے۔ مولانا بھی انھیں پکڑی راکھا شہزادہ کا پاؤں چاہیں کے زاپے سے بند ہوا اور موٹے کے ہیٹ پر لگا۔ اسی نے شہزادہ پر عقب سے بھی حملہ ہوا لیکن وہ کسی ٹھوکی فرنگ لگا اور اس نے موٹے کی گردن پر سوٹ کس سے وار کیا۔ موٹے کا ہیٹ پھٹے ہی پھٹ چکا تھا اور اس میں سے انٹریاں گر رہی تھیں... پھر وہ ڈکراتا چوکنی گردن سمیت گندی نالی گر گیا۔

عقب سے حملہ کرنے والے دی وچا پنے والے نے راکھ جارحانہ انداز میں اس کی طرف چھپ رہی تھی۔ شہزادے نے پہلے تو لاکھ کے مشن کا آغاز دیکھا لیکن کوئی کس کی جی لیکن پھر اسے احساس ہوا کہ ٹاکر ذرا سی ٹھن پستی اس کا قہقہہ تمام کر سکتی ہے لہذا اس نے کھیل متحرک کرنے کے لیے سب سے پہلے مرگوش متحرک کرنے کی خاطر لاکھ کو دو بھائی اور جب مرد نے اس پر حملہ کیا تو اس نے لاکھ کی گردن ٹانگیں پکڑ کر اسے کسی نیچر کی طرف لٹاتے ہوئے نرکے سر پر دے مارا۔

گلی میں دو چھریٹھ جہد ہوئیں۔ مگر کسی شہزادہ کی طرف کار توڑنے لگا۔ وہ ابھی مرا نہیں تھا اور یہی حالت لاکھ کی جی تھی۔ شہزادہ کے ہونے نرکے لٹاتے نے لاکھ کو اس نے ایک زوردار چوچ مانی اور سات ہو گیا اس کی پٹیلیاں ٹوٹ کر دل کی

ٹھنک جی تھیں۔

لاکھ بے ہوش ہو چکی تھی لہذا شہزادے اسے گندے مالے کا پڑا لکھ کر لاکھ کس کی پٹیلیاں پر ہاتھ کر دیے۔ لاکھ محض ایک سیکنڈ تک چلی اس کے بعد موت کی حسین بدولی نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔

اس سے قبل کہ چرخ لاکھ کس گھروں کی کھڑکیاں کھینچ شہزادہ اپنی کس آٹھا کراہی منزل کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ اس کے دونوں جوڑے خون سے تر تھے اور ان کی رنگت سیاہ نہیں رہی تھی لیکن وہ ان سے پیڑو ٹیلی کی تلاش میں جہاں رہا۔ راستے میں اس نے یوزا سٹال پر زک کراخا کی سرخیال دیکھیں اور منہ بناتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ ہلخا کی ایک ہی سرخی تھی کہ ملک کا فخر ترین سیاستدان ٹاکر جہاں واس اپنے اہل خانہ سمیت ہلاک ہو گیا ہے۔

دارالحکومت کے ایک انتہائی فضا، اہل علاقے میں شہزادے کے لیے ایک مکان خرید لیا جو جدید تیر کا نوہ تھا اور جس کو دیکھتے ہی ملک مکان کے لیے احترام کے جذبات خود بخود پیدا ہو جاتے تھے۔

اسی روز شہزادہ آؤشان کو لینے اسٹارٹ کیا۔ ”میں نے سنا تھا کہ ہم کسی مکان میں رہیں گے۔ آؤشان نے سکرانے ہوئے کہا: اسی باعث میں چند کپڑے لایا ہوں تاکہ زلہ وہ شہزادہ ہو۔ اور ان چند پتروں کو کھڑکے جانے کے لیے جی میں ٹیلیاں کرنا پڑیں گی انا جان! شہزادے نے سکرانے ہوئے کہا۔

”کوئی برج نہیں۔ دیکھ باقی نوعد و سٹوٹ کیسیوں میں میرے کپڑے نہیں بکرو ڈرو کیسٹ ہیں۔“

کار میں بیٹھے ہی شہزادے اسے بہرام سے ملاقات اور اس کے بعد کے حالات سے آگاہ کرنا چاہا تو آؤشان نے مسکراتے ہوئے کہا: بہرام سے ملاقات کے بعد تمھاری ٹیلیاں کسی سے چھپ رہی ہے ورنہ تمھارے جوئے پر خون لگا ہوا ہوتا۔

”ہاں... اسے صاف کرنے کا وقت ہی نہیں ملا شہزادے نا باہی انداز میں جواب دیا اور پھر تصادم کی تفصیلات بھی بتا دیں۔ ”تم نے محض غصے کے عالم میں ان تینوں کو بڑے بھونٹے لٹا میں ہلاک کیا لہذا اگر تم انھیں بے کام بیٹے تو زیادہ اچھا تھا لیکن ہاتھوں پر لٹا لٹا ہے جوڑے پر نہیں۔“

”میں واقعی غصے میں تھا اور اب بھی ہوں۔“ ”غصہ انسان کو خشک کر دیتی کی طرح جلا ڈالتا ہے۔ فخر تو ان نر کر دینے تم اس وجہ سے غصے میں تھے کہ انھیں بہرام نے ایک ٹاپوٹ کام سونپا ہے۔“

"ہاں... اور میں اب بھی غصے میں ہوں۔"

"تب پھر ان جھوٹے چھوٹے واقعات میں اپنے جوتوں کو ٹوٹ نہ کرو۔"

"میرا خیال ہے کہ ہمیں اب جوتوں کا قصہ ختم کر دینا چاہیے۔ شہزاد نے جھگڑا کر کہا ہے جوتوں کے ذکر ہی سے کوفت ہو رہی تھی اور بار بار وہ موٹا یلو آ رہا تھا جس کی توندگی غبارے کی طرح پھٹ گئی تھی اس کی کارڈیکسیوں کی رہائی کرتی ہوئی ایک شاندار کھینچ میں چل ہو گئی جس پر شہزاد احمد کی نیم پلٹ مٹی چوٹی تھی۔"

اوشان کے کمرے میں سامان رکھوانے کے بعد ٹائیگر ورسٹش میں مصروف ہو گیا اور پھر چاک رکھ سے بھرے ہوئے انجی کیوں کا خیال کیا بغض کسی محفوظ جگہ رکھنا ضروری تھا دونوں انجی کیوں اب بھی ڈرائنگ روم میں چڑے ہوئے تھے جیسے چلتے اس نے فرنگ کا دروازہ کھولا تو کچھ چڑی میں جھکا سا ہو کر رہ گیا۔ فوج کے ہر خانے میں چڑے قریب سے رنگ رنگے بادے میں ایں اوگاؤں سے بھرے ہوئے تھے اوشان نے گستاخاں کے شوقین تھا اور شہزادہ نے اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ ان لبادوں کو کہیں اور رکھ سکے۔

اس نے اپنی کھینچ کے لیے اسٹور کی اماری کھولی تو عملاً کرہ گیا اس میں بھی نیلے بادے رکھے ہوئے تھے وہ جھلجھلٹ کے عالم میں اپنی اوشان کے کمرے میں لے گیا جو کونوں کا اس جلسے میں ڈیڑھ پر اپنی پندرہ فلم پر کھڑا تھا۔ اس نے اپنی کھینچ کھول کر ساری رقم اوشان کے قدموں میں ڈھیر کر دی۔

پورے گھر میں رقم کھینچ کی کوئی جگہ نہیں اوشان لہذا اب اس کی حفاظت آپ کے ذمے ہے۔

"کیا یہ رقم میرے لیے ہے فرزند؟"

"نہیں... یہ آپ پریشن کے لیے ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ مجھ پر تمھارے علاوہ دولت کی دیکھ بھال کی ذمہ داری بھی آن پڑی ہے۔"

۳ شہزادہ نے سنی آن کی کرتے ہوئے انجی کیوں سے گرنے والا ایک بچہ اٹھا لیا جس میں اس کے لیے بہت سی ہدایات درج تھیں اس نے ان مایاتوں پر فوری عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا اور نوٹوں کے کئی بنڈل لے کر گھر سے نکل گیا۔ اگلی صبح ہر کاروں کا ایک شوخ دم تھا جہاں سے اس نے نقد رقم کے کڑے رنگ لے کر خریدی اور سیزین کو ایک ہزار روپے فپ دے کر اس کی چابیاں حاصل کر لیں۔ سیزین کا منہ کھلا کھلا رہ گیا، بھروسہ فریج خیرید کیا اس نے انتہائی قیمتی پتھر نقد رقم دے کر اپنے گھر پہنچا نکل ہدایت کی اور پھر سڑکوں کے کنارے

گر گھر واپس پہنچ گیا۔

اسی رات اس نے حکمت عملی پر عمل کرتے ہوئے مقامی کے بڑے آفس میں شناسائی پیدا کرنے کے لیے کارروائی کی وہ پہلا گیا جہاں اسے ہدایت کے مطابق پولیس والوں کو رشوت دے کر پست پناہی کے لیے مجبور کرنا تھا۔

ڈیوٹی آفیسر ایک سب انسپکٹر تھا۔

"میں اس علاقے میں بالکل نووارد ہوں سب انسپکٹر شہزاد نے اس سے ہاتھ ملائے ہوئے کہا اس کے ہاتھ میں ایک گھاس کا ٹکڑا محسوس کرتے ہی پولیس اسٹیک بائیں کھل گئیں ۱ جب میں کارروائی ہی واپس آ گیا نوٹ اس کے ہاتھ سے غائب ہو گیا تھا۔

"میں آپ کے انچارج سے ملنا چاہتا ہوں۔ شہزاد نے ہونے کا خوش آمدید مسٹر شہزاد۔ میں اس سے آپ کا ذکر ضرور کیا گا وہ دوستوں کے دوست ہیں۔"

ڈیوٹی آفیسر سے ادھر ادھر کی باتیں کر کے وہ واپس ہا رشوت دینے کا خطاب اس کے منہ کو کھول دیا جہاں بار بار اوشان کی طرف نکل گیا اور ایک گھنٹے بعد جب وہ گھر واپس پہنچا تو باہر کار کھڑی دیکھ کر حیرت زدہ سا ہو گیا۔ اسے صرف یہ حیرت تھی یہاں کیلر رہی ہے۔ اس نے غلبت میں کار پارک کی اور دوڑ اندر پہنچ گیا۔

اندروں... اوشان کے ساتھ ایک جرم شخص بیٹھا کافی کی چٹکا لے رہا تھا۔ وہ شہزاد کو دیکھتے ہی ہونک اٹھا۔

"اس دخل در معقول سے متاثر نہ ہو، اپنی گفتگو جاری میں سن رہا ہوں۔" اوشان نے شہزاد کی طرف دیکھے بغیر اپنے ہا کہا لیکن جب یہاں کچھ ہچکچا یا تو اوشان کو شہزاد کی طرف پلٹا "بیچو شہزاد۔ ذرا ان کی داستان تو سنو۔ کیسے اچھے لوگ ہیں اپنی جان بھینچ لیے پھرے تھے۔"

"اب تو نہیں لیکن میں جب کاٹھیل تھا تو زندگی ہر وقت میں رہتی تھی وچیم شخص نے جواب دیا۔ ایک مرتبہ تو جوروں سے مقابلہ بھی ہوا تھا۔"

"افو۔ جوروں سے مقابلہ کیا تم نے کسی چور کو ہلاک بھی کیا نوجوان؟"

"نہیں البتہ ایک زخمی ضرور ہوا تھا۔"

"منام نے شہزادہ اوشان نے چوڑی طرح جوش کا کرتے ہوئے کہا۔ پولیس مقابلہ بھی کشاکش نڈار ہوتا ہوگا۔ مرد

ہے ہوں گے، عورتیں رو رہی ہوں گی۔

"مجھے شہزاد احمد کہتے ہیں جناب۔ اس مرتبہ شہزاد نے اس شخص کی طرف ہاتھ چڑھائے ہوئے کہا۔

"میں کیپٹن منور ہوں۔ سب انسپکٹر میرے بتایا تھا کہ آپ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ آپ کا ملازم بہت ہی دلچسپ آدمی ہے جناب۔ لٹنڈ اور ایسی ہی باتوں میں بڑی دلچسپی لیتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ آج کل ملک میں کوئی بھی محفوظ نہیں لیکن میں آپ کو یقین دلانا ہوں کہ آپ کا گھر بڑی طرح محفوظ ہے۔"

"مشرکہ کیپٹن منور؟"

"اور کیپٹن صاحب نے یہ پیش کش بھی کی ہے کہ اگر ہم کبھی کسی خطرے کی بو سونگیں تو انہیں فون کریں۔ آہ۔ میری عمر کے بڑے کے لیے ایسی پیش کش تو نیکی سب سے بڑی نعمت ہے۔"

"ہم اپنے بزرگوں کو محفوظ آرام کرنے میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں جناب۔ کیپٹن منور نے معنی خیز انداز میں سر ملاتے ہوئے کہا۔

"میں اسی بارے میں آپ سے بات کرنے پہلے گوارہ کیا تھا کیپٹن۔ شہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اوشان۔ اب میں کیپٹن سے تنہا میں چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"اوہ... میں اپنا تمام وقت فوموش ہی کر بیٹھا تھا۔" اوشان نے ایک سرد آہ بھرے ہوئے کہا اور تعظیم بجا کر چلا گیا۔

"آپ کا ملازم انتہائی سکسٹرز لڑا ہے جناب۔"

"ہاں۔ بالکل اس طرح جو شہزاد میں خطاب کا باعث بنی ہے۔"

"کیا مطلب... کیپٹن جو کچھ پڑا۔"

"آں... کچھ نہیں۔ میں اب مطلب کی بات کر رہی جا رہی ہے۔"

"مزور... مزور... منور سنہیل کر بیٹھ گیا۔"

"میں تمھیں براہ دہن دے رہا ہوں اور تمھارے عملے میں تقسیم کرنے کے لیے ایک ہزار روپے دے سکتا ہوں کیپٹن منور۔"

"کیا آپ بیان قتل قیام کر سکتے؟"

"ہاں زندہ رہنے کے لیے کوئی نہ کوئی جگہ تو منتخب کرنی ہی پڑے گی۔"

"مگر ان علاقوں میں عصمت فوشی کے اڈوں اور نشانیات کی فروخت کا کاروبار یہی ہمارے اہلکار ہیں ہے اس میں ہم کسی کا اضافہ نہیں چاہتے۔" کیپٹن نے کھل کر بات شروع کر دی۔

"اس کی فکرمات کرو میں اس کا رو بار میں دلچسپی بھی نہیں رکھتا۔"

"ہم کسی دوسرے کاروبار کی بھی اجازت نہیں دے سکتے۔"

"ٹھیک ہے اگر تمھیں یہ ہم جو جانے کہیں کوئی دوسرا کاروبار

کر رہا ہوں تو تم مجھے بتا دینا میں اسے بند کروں گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ آپ بلاوجہ مجھ سے رہے ہیں۔"

"میں اسی طرح کام کرتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ کو ہمارا ہر ممکن تعاون حاصل ہوگا جناب۔"

"کیپٹن نے اس مرتبہ مسکراتے ہوئے کہا کہ ایک کارڈ جس پر اس کا نام اور فون نمبر تھا جب سے نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ جب بھی آپ کو میری ضرورت محسوس ہو اس نمبر پر فون کریں۔"

"شہزاد کی نظر کیپٹن کے کھلے ہوئے برس پر پڑیں جس میں ایک انتہائی دیدہ زیب بیج چمک رہا تھا اور اس کے وسط میں بندہ۔"

"تمھیں کے ارد گرد باغ کونوں والا ستارہ بنا ہوا تھا۔"

"یہ تو بہت شاندار بیج ہے۔ سرکاری ہے کیا؟"

"نہیں۔ اس تنظیم کا ہے جس سے میرا تعلق ہے۔ انصاف پسند تحریک۔"

"میں نے آج تک کسی ایسی تنظیم کا نام نہیں سنا۔"

"اب تو سن لیا نا۔ کیپٹن منور نے ہاتھ دھوئے ہوئے کہا اور اب آپ یقیناً چارے لیڈر سے ملنا بند کریں گے۔ اس کا نام انسپکٹر داس ہے۔"

"بہت زبردست شخصیت کا نام ہے۔"

"داس؟ شہزاد نے نیوٹل کہا اور پھر مسکراتے ہوئے لولا لولا۔"

"... میں داس سے ضرور ملوں گا کیپٹن۔"

راجہ ہری مالک اپنے سونگ پول میں ایک لڑکی پر ہانپنے کے چھینٹے اڑا رہا تھا کہ اچانک شیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ راجہ نے سونگ پول کے قریب ہی رکھا ہوا شیلی فون اٹھا یا اور پھر چمک پڑے۔

"راجہ جی اب آپ کی شامت آئے گی۔"

"کیا مطلب؟ کون ہوتا؟ راجہ نے شیلی کے عالم میں پوچھا۔"

"مرد مری طرف سے کوئی جواب نہ ملا داس کے برعکس ان کے سین روم سے دو پولیس والے نکلے جو مسکرا رہے تھے۔"

"کون ہوتا؟ راجہ نے کھینچ کر پوچھا۔"

"انصاف پسند... ان میں سے ایک نے جواب دیا۔"

"اور آج انصاف کرنے آئے ہیں۔ اس شہر کی کتنی لڑکیاں اس سونگ پول میں غسل کی گئی ہیں؟"

"میں سمجھا نہیں۔"

"تم سمجھ بھی نہیں سکتے... جبکہ تم سب کچھ گئے ہیں اور تمھیں سزا دینے آئے ہیں... اور تمھاری بڑا موت ہے۔"

دوسرے شخص نے تاروں کا ایک تھانہ نکال کر ہنگ تیزی سے نکال

ان کی زور آزمائی کو حیرت سے دیکھ جا رہا تھا، مگر میں نے ان سے پہلے کہ کشتہ صاحب سے تنکے کی کوئی ضرورت نہیں:

"نہیں، ملاوہ: داس بلاو: اچھا ہے، کشتہ بھری دیکھ لے کشتہ میں یہاں نہان کون آیا ہے۔ ویسے شہزاد! کشتہ سے زور دیکھ جال کر ہاتھ ملانا وہ بہت بڑھا دیا ہے!"

"تم گرفت کرو: شہزاد نے کوٹ کی جیب سے نوٹوں کی دو گڑیاں نکال کر میز پر داس پر چھپک دیں جیسے راتے کا کوئی پتھر پشاد ہو۔"

نوٹ دیکھ کر داس اور منوہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ یہاں وقت یقیناً داس پر حساب لگا رہا تھا کہ اسے ہر جیسے اس سونے کی بڑیا سے سونے کے کتے اڑے بل جابا کر رہے تھے۔

کشتہ کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے شہزاد کی نظر میں ایک خوبصورت لڑکی سے ٹکرائیں جس کی کسی چیز کی اگر کوئی بھی طرف دیکھ لے گا تو چہرہ بیان اور سہاگ نظر آ رہا تھا۔ ہونٹ اس کی طرف جھینٹے ہوئے تھے جیسے اس نے زندگی بھر نہ بولنے کی قسم کھا رکھی ہو اور انکھیں ایسے بے جان تھیں جیسے کسی نے انکھوں کی جگہ کاغذ کی گولیاں رکھ دی ہیں۔

"اوہ۔ یہ کون ہے منوہ؟ شہزاد نے زک کر پوچھا۔

"پیشی اگر وال: منوہ نے سرگوشی کی: "کشتہ اگر وال کی اگلوٹی بیٹی۔ اس کی کہانی بھی بڑی المناک ہے شہزاد صاحب! جب اس کی عمر سترہ سال تھی تو لشکر کے ایک گروہ نے اس کی ناموس ٹوٹ لی تھی۔ وہ لوگ گرفتار بھی ہوئے تھے لیکن شناختی پریڈ میں پیشی کی ذہنی کیفیت کے باعث انھیں شناخت نہیں کیا جا سکا اور انھیں رہا کر دیا گیا۔"

"تو کیا اس واقعے کا اب بھی اس پر اتنا ہی اثر ہے؟ شہزاد کو اس لڑکی سے ہمدردی محسوس ہونے لگی۔

"ہاں۔ یہ مردوں کی حکمت سے بھی ڈرتی ہے۔"

"مگر ہے کتنی خوبصورت؟"

"اور بہت کی طرح سرد۔ منوہ نے جواب دیا: "یہاں داس کے ساتھ انتظامی امور کے شعبے میں کام کرتی ہے۔ کمپیوٹر آپریٹر ہے۔"

"ذرا ایک منٹ! زکو: شہزاد نے پیشی کو داس کے کمرے کی طرف جاتے دیکھ کر کہا اور خود بھی اسی طرف بڑھ گیا۔

پیشی داس کے کمرے سے ملحقہ ایک کمرے میں داخل ہو کر شیلٹ سے چند ٹائپ... نکلتے گئی۔

اُس کی پشت شہزاد کی طرف تھی۔

"جیسی تھادی مرنی۔ تم اگر وہ چاہتے ہو کہ میں شہزاد کو چاہتا ہوں تو مجھے بھی منظور ہے۔ اگر تم وہ چاہتے ہو کہ میں اپنا ہار بار بند کروں تو میں اپنے میرے کاروبار کی نشاندہی کرنی پڑے گی لیکن اگر تم مقبولیت کا ہارہ کرنا چاہو تو میں ہوتوں نہیں کبھی مایوس نہیں کون گا میں رسی دھڑل کو دوستوں سے زیادہ عزیز نہیں سمجھتا! سپر داس! داس چونک پڑا۔

اسے دولت کی ضرورت تھی تاکہ وہ اپنے دوستوں کو دوسرے بڑوں میں بھی غم کر سکے اور یہ شخص اسے دولت کی پیش کش کر رہا تھا۔ "میرا خیال ہے کہ میں شہزاد پر اعتماد کرنا چاہیے جناب: کیپٹن دہرنے داس کو بچپن سے دیکھ کر تعجب دیا۔

"میری بھڑ میں ابھی تک یہ نہیں آسکا کہ تم یہاں کیوں آئے اور اس شہر میں کیا کرنا چاہتے ہو؟ داس نے ایک بیسی سانس لے کر شہزاد کی طرف ٹھوکر دیا لیکن پھر وہاں کو گھورتے ہوئے دیکھ کر اسے شہزاد کے ہاتھوں میں کوئی ایسی چیز نظر آئی تھی جو اس کی اپنی آنکھوں میں ناقابل برداشت تھی۔ "ٹھیک ہے تم یہاں رہو۔ لیکن مجھے ہر شے پانچ ہزار روپے دیتے ہو۔"

"پانچ ہزار۔" شہزاد نے عقارت سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "تم دس ہزار کی پیشکش کر رہا تھا۔ میں اپنی پیش کش پر تادم ہوں اور میں ہر پچھتے دس ہزار روپے دے گا ہوں گا۔" داس نے منوہ سے کہا۔

"دس ہزار: داس نے شکل اپنی حیرت کو چھپایا۔ لیکن کس کے لیے کس چیز کے عوض؟

"کسی بھی چیز کے عوض نہیں... اور کام... کام کا انتخاب تم مجھے دلو۔"

"تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی شہزاد: داس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میری اور شہزاد کا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا جیسے شہزاد نے اس سے ہاتھ ملایا۔

ایک داس کی گرفت مضبوط ہونے لگی۔ وہ اپنی وقت کا ہاتھ بڑھاتا تھا۔ شہزاد بھی مسکراتے لگا اور اس نے داس کے ہاتھ کو اپنی منہ سے اٹا کر دھو بیٹل کر دیا۔ پھر چاکلک ہی اس نے داس کی گرفت اتنی زور سے کھول لی جیسے کوئی سنگھڑے سے چھلکا اتار رہا ہے۔

"آج کل تم کم کم زور دے ہو گئے ہو سونو؟ شہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور شہزاد تم کو بیٹل منوہ کی کوئی چیز ہو؟"

"نہیں! انکھوں میں نور اور نظر ہوں۔ میرے شلوان بدلتے ہیں۔"

"شہزاد! کشتہ بھی ملنا چاہتے ہیں جناب: منوہ نے کہا۔

نے کہیں دیے اور پھر جب راتے میں ان میں سے ایک نے اسے مار کر گھری کھائی میں پھینکا تب ہی اسے اندازہ نہ ہو سکا کہ وہ اسے واقعی تسلیم کرنا چاہتے تھے۔

گڑھ کھمیاں کا ایک بڑا سیاست دان اپنے عظیم اور دربار میں لڑکیوں کے ساتھ کھینچتا بڑا سر اور طور پر ہلاک ہر ملک کے اخبارات نے قیامت کھڑی کر دی۔ لڑکیاں چند لمحوں کے کسی کام سے ہاتھ روم سے باہر آگئی تھیں اور جب وہ واپس گئے تو وہ مرچکا تھا۔ اسے زہر یا کیا تھا لیکن اخبارات نے سیاست دان کے بارے میں یہ خبر شائع نہیں کی کیونکہ اس پر شبہ کیا جا رہا تھا در پردہ کسی گھناؤنے کاروبار میں ملوث تھا۔

دارالحکومت کے بیڑاؤں میں انکھوں داس گڑھ کھمیاں میں اس آہٹ کے واقعات پر غمور ہوا تھا اسے خوشی تھی کہ کارروائی ہر خوبی جاری ہے اور وہ جانتا تھا کہ جلد ہی پورے ملک میں اس کے دستے پھیل کر مزید کارروائیاں شروع کر دیں گے پھر بات چند لمحوں کا محو وہ نہیں رہے لیکن اس شخص میں اس کے لیے سب سے بڑا زکاوٹ رقم کی کمی تھی اور اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ ان دوستوں کے فائدہ کار بندوبست کرنا بے ضروری ہو گیا ہے۔

پھر چاکلک ہی اسے اپنی وہ قریبی یاد آگئی جو اس نے انصاف پسندوں کے اجتماع عام میں کی تھی۔ وہ قریب ایک سو فیصد پات سے نڈا اور عجیب چارے کا ادبی بیٹنام... اسے یقین تھا کہ اسے والا وقت ان قریب کو عالمی مشہور کا حق ضرور قرار دے گا۔

اچانک انٹرکام کا بزم بچ اٹھا۔

"کوئی شخص آپ سے ملنا چاہتا ہے! انکھوں کو اس نے آگاہ کیا۔

"اوہ... ہاں! اسے اندر بھیج دو۔"

"تمہارا کاروبار کیا ہے شہزاد؟ انکھوں داس نے نور سے سوا کیا جو کیپٹن منوہ کے ساتھ اندر آیا تھا۔

"کیسا کاروبار؟ شہزاد نے اپنی انکھوں ہنسی کے ساتھ پوچھا۔

"میں تو میں بھی پوچھ رہا ہوں۔"

"میں نے جو مناسب سمجھا، کیپٹن منوہ کو بتلایا، اس کے علاوہ میں کچھ اور نہیں بتاؤں گا۔ شہزاد نے اس مرتبہ سر دیکھ میں جواب دیا کیونکہ داس کا بھرپور شہسہ نہیں تھا۔

"اس صورت میں میں نہیں تم پر کوئی نگاہ رکھ رہے ہیں؟"

میں لگاتے پڑتے نئے تھوڑے ٹھیک ہوں میں ڈال دیے... پھر انھوں نے لڑکی اور درباری کو ایک ساتھ بلانڈ دیا۔

"اب خوب پیش کرو۔ راجہ جی: ایک پولیس والے نے کہا۔ وہ دونوں اس جوش کے متلاطم میں پھینکا جاتے تھے انھیں دھنکے والا کوئی نہیں تھا۔ راجہ جی کی آنکھیں اسے خوف کے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ انجام ان کے سلسلے تھا اور ان کا کورول زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ لڑکی کی صورت بھی بگڑ چکی تھی۔ پولیس والے آگے بڑھے تو راجہ جی نے ایک زوردار پٹکی لی ران کا دل جواب سے چکا تھا۔ وہ سزا بڑی ہوئے سے قبل ہی مر چکے تھے اور لڑکی زور زور سے جھینپ مارتی تھی۔

وہ دونوں دھنک کر رہ گئے۔

انکھوں نے راجہ جی کی پیش دیکھی اور وطنی انداز میں سر ہلاتے ہوئے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

لڑکی ابھی سانس لیتی رہی۔ موت اس کے سامنے آکر چلی گئی تھی مگر اس کا جسم راجہ جی سے بندھا ہوا تھا اور وہ جانتی تھی کہ اگر کوئی جلد ہی نہ آیا تو اس کا انجام بھی راجہ جی سے مختلف نہ ہوگا۔

ملک کا ایک بڑا سربراہ دار بعل ناؤ خوش کامیزبان تھا۔ آج اس کی ۶۸ ویں سالگرہ تھی اور اس اتفاق سے تھا کہ وہ آج ہی ساتویں شادی کی پہلی سالگرہ منانا چاہتا تھا اس کی تازہ ترین بیوی مونیکا جس کا تعلق مشرقی پنجاب سے تھا۔ مینی ٹاؤن اور ساوچی میں اتراؤنی اور اعلیٰ پڑوسی ایک ہاں سے دوسرے مہمان تک آباد ہی تھی اور اس کا شوہر کام ناٹھ راجا باندہ بیٹھا تھا۔

اچانک ہی اسے زوردار پٹکی لگی۔

اس کے ہاتھ سے گلاس گر کر ٹوٹ گیا۔

اس کے ساتھ ہی کام ناٹھ ادبی نیند سو گیا۔

پولیس نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ اسے زہر دیا گیا ہے اور پھر پوچھ گچھ کے دوران یاد دہانی نے اعتراف جرم بھی کر لیا۔ اس نے دو افراد کے پوچھ کر سے بے غرضانہ ہوا تھا وہ ایسا کہنے پر مجبور تھا کہ یہ وہ مشیات کا عادی تھا۔

باورچی کو کھاتے بھیج دیا گیا جہاں اُس نے اپنی دو افراد کو پولیس کی وردی میں دیکھا جنہوں نے اسے نشتر سیریز دیکھ کے عوام کام ناٹھ کو ہلاک کرنے کا کام سونپا تھا۔

وہ انھیں دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ پھر اس کی خوشی کا کوئی ٹکڑا نہیں رہا کیونکہ وہ دونوں اسے حملہ سے نکال رہے تھے۔ وہ اسے



بہرام جانتا تھا کہ اگر اس قطار کو مزید بڑھنے سے نہ روکا گیا تو ایک ہولناک بحران جنم لے گا جس پر کوئی بھی تاب نہیں پا سکے گا... لیکن پھر اس کے چہرے پر ایک استودہ سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

اُسے شہزاد یاد آگیا۔

ٹائیکو... جسے یہ مشن سونایا تھا اور تحریک کی روشنی میں بہرام پورے وقتوں سے کہہ سکتا تھا کہ وہ ناکام واپس نہیں آئے گا۔ وہ شہزاد کے بارے میں سوچنے لگا۔

اسے اُس سے بالکل ایسی ہی محبت تھی جیسی اپنے چھوٹے بھائی سے ہوتی ہے اور اس بات میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ شہزاد اُس کا ہی نہیں بلکہ اُدشان کا بھی چکر چکر رہتا تھا۔

لیکن سوال صرف یہ تھا کہ کیا شہزاد پولیس والوں کے خلاف کارروائی کرنے میں کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ تو نہیں کرے گا؟ اُسی ساعت ٹیلی فون کی گھنٹی نے ڈاکٹر بہرام کو خیالوں کی دُنیا سے حقیقی ماحول میں واپس دھکیل دیا۔

”ڈاکٹر بہرام...“

”ہیلو جیف، میں یہ تو چھپنے کے لیے بے چین تھا کہ جس...“

”کام کی بات کر ڈاکٹر...“

”اوہ... شہزاد نے اُداس پر سرسودا بھری اور بولا: ”بھئی“

انصاف پسندوں کے بارے میں کچھ سنا ہے؟

”ہاں، لیکن یہ علم نہیں کہ یہ کیسی تنظیم ہے۔“

”یہ پولیس والوں کی تنظیم ہے جیف، ممکن ہے یہ وہی گروہ ہو جس کی ہم تلاش ہے۔“

”اس کے سربراہ کا نام کیا ہے؟ بہرام نے مضطرب ہو کر

کمری پر پيسو بولا۔

”انسپکٹور داس...“

”کیا تمہارا اس سے رابطہ قائم ہو گیا ہے؟“

”جی ہاں، میں نے اُسے خرید لیا ہے۔ پہلی قسط ادا کر دی گئی ہے۔“

”اگلے ہفتے دوسری قسط دوں گا۔“

”مگر تمہارے پاس اتنا وقت نہیں ہے شہزاد کی اتم قتل

اور غارتگری کوئی انفرم ختم نہیں کر سکتے؟“

”کوئی نیش کر دیتا ہوں، شہزاد کا بچہ اس مرتبہ سپاٹ تھا

اور حقیقت یہ تھی کہ وہ حملت پسند نہیں تھا۔ بہرام اُسے مزید

کوئی مشورہ دینا چاہتا تھا مگر دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہو

گیا۔ اس کا مطلب تھا کہ شہزاد کے پاس مزید کوئی اطلاع نہیں تھی۔

اور پھر وہ شخص بے ہوش ہو گیا۔ ٹائیکو نے اُس کا ہاتھ چھو ڈیا لیکن اب وہ ہاتھ کہاں تھا۔ وہ تو عمق کھال تھی... ڈوہیل ڈھالی سی کھال... گوشت نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا اور ہڈیاں تو بیچیا سفوف میں تبدیل ہو چکی تھیں۔

اُس شخص کی وضع قطع سے ظاہر تھا کہ وہ کوئی عام راہزن ہے۔ لہذا ٹائیکو کے نزدیک اس کے لیے اتنی ہی سزا کافی تھی۔ ہمارے... جا بیٹھا اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

بہرام نے زلفے میں ایک اور سرخ پن لگانے پورے سوچا۔ انصاف پسندوں کی دہشت گردی اب دوسرے شہروں میں بھی پھیل رہی ہے۔ یہ وحشت... ناک بات تھی۔ اُسے صرف یہ حد درجہ تھا

انصاف پسندوں کی مختصر تعداد بڑھ کر کہیں فوج نہ بن جائے

یا سلع افواج میں بھی اس کا اثر نافذ و سرایت نہ کر جائے ایسی

موتوں میں ملک کا مستقبل تاریک بھی ہو سکتا تھا۔

وہ زلفے کو گھورتا رہا۔

سرخ پٹوں کی ٹیکر چوٹیلر، کی قطار کی طرح مشرق کی سمت

میں بڑھ رہی تھی تاہم مغرب، جنوب اور شمال کے علاقے ابھی اس

سے محفوظ تھے۔

جائیداد کا مندرجہ ذیل

سرکش

محمود احمد مودی کے شہکار قلم سے

12 حصوں میں شائع ہو گیا ہے

قیمت فی حصہ = 50 روپے

مکمل سیٹ = 600 روپے

مرکر روڈ اردو بازار لاہور

فون 7668958

ایبٹ البریل

وقت ہر سڑک اور گلی محلے کا خیال رکھ سکیں۔ اسی باعث جرائم کی کو زیادہ ہوتے ہیں۔

”گویا یہ شہر بھی انسانوں کے لیے محفوظ نہیں؟“ شہزاد نے اطمینان سے کہا اور ہاتھ ملا کر اٹھ گیا۔

☆

اُس رات شہزاد کلب سے گھر واپس آ رہا تھا کہ ایک تار لگی سے اُس پر فائر ہوا۔ حملہ آور نے شاید گاڑی کا ٹائر بر

کرنے کی کوشش کی تھی لیکن گولی کار کی ونداسکرین سے پہلے

کہیں اور چلی گئی۔

شہزاد نے فوراً بریک لگا کر گاڑی کھڑی کر دی اور پھر

سے اتر کر اندر بے میں رنگ گیا۔

ان چند دہروں میں پہلی بار اسے اتنا شدید غصہ آ رہا تھا کہ اُس

کی کندھیاں ٹنگنے لگی تھیں۔ وہ کسی سانپ کی طرح رنگتا ہوا

گلی میں گھس گیا جہاں سے گولی چلی تھی اور پھر اُسے ایک سا

نظر آیا جو اُس کی سفید کیمڈی لاک کو گھورتا تھا، شاید یہ دیکھنے

کوشش کر رہا تھا کہ لارٹین اب بھی گاڑی ہی میں ہے یا نکل

چکے...؟

شہزاد نے اُس سائے کا جائزہ لیا۔ وہ اس پر مغرب

حملہ نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ یہ بات اُس کے اصول کے خلاف

لہذا وہ منتظر رہا کہ حملہ آور اُس کی طرف پلٹے۔ لیکن حملہ آور تو

جگہ ساکت بٹھا تھا، وہ نہ تو کار کی طرف جانے کا ارادہ رکھتا

اور نہ ہی شہزاد کی سمت میں آئے گا...

”میں اتنا انتظار نہیں کر سکتا،“ شہزاد نے اُس کے

پہنچ کر بڑے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔

”تو... تم...“ سائے نے پلٹ کر اُسے دیکھا اور پھر

لگا۔ وہ مقامی باشندہ ہی تھا۔

”ہاں، میں؟“ شہزاد نے اُس کا وہ ہاتھ پکڑتے ہوئے

جس میں ریل اور دبا ہوا تھا، اُس شخص نے ہاتھ چٹراتے۔

چند دہرے شروع کر دی لیکن شہزاد نے اپنی انگلیوں کا دباؤ

سار بڑھا ہوا تھا کہ حملہ آور کے ہاتھ کی ہڈیاں کچھ اس طرح

ہوئی مڑنے لگیں جیسے کوئی غصہ بکٹ ٹوٹ رہا ہو۔

ذبح ہوتے ہوئے نیل کی طرح ڈکرانے لگا۔

اُس نے ٹائیکو سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی،

مارے مارے ٹیکر اُس کے ہاتھ پر اپنی انگلیوں کا دباؤ

”کدامی...؟“ شہزاد نے انتہائی نرم لہجے میں آواز دی۔ وہ کسی خوفزدہ بھڑکی کی طرح پلٹی۔

اُس کی آنکھوں میں شہزاد کو دیکھنے ہی خوف کے سائے مٹا لانے لگے۔ دونوں کی آنکھیں صحت ایک لمحے میں اور پھر

شہزاد نے نظریں اٹھالیں۔ وہ ایک نفسیاتی کھیل کھیل رہا تھا۔

”م... میرا خیال ہے کہ... آپ کا قلم غصہ... فرش پر گر گیا تھا۔

یہ رہا؟“ اُس نے منہ پر کی جیب سے اچکا ہوا قلم پدہنی کے سامنے

کرتے ہوئے کہا اور اس کی نظریں بدلتے بدلتے چلی گئیں۔

”نہیں۔ بیبرار! نہیں ہے۔“ لڑکی نے نرم مگو سپاٹ لہجے میں

جواب دیا۔

”اوہ... میں معذرت خواہ ہوں کاماری؟“ شہزاد نے بدستور

نیچے دیکھتے ہوئے کہا اور پلٹ کر راہ داری میں آ گیا جہاں منہ پر

اُس کا منتظر تھا۔ یہ یوں... اپنا قلم سنبھالا تو تم مجھے پھینک آئے

تھے...“

”شکریہ؟“ منہ پر نے نوک ٹوٹ کی جیب میں رکھ کر کہا۔ ”ویسے

ایک بات اچھی طرح سمجھ لو کہ شہزاد ازل و مدت جمع کرنے کا عادی

نہیں لہذا کسی سے لیتا بھی نہیں ہے۔“

شہزاد سر ہلاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

اُس کا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اُسے بیٹھ کر اوپر

کی نفاذی نفرت اور موت کی خوشبو بھری تھی لیکن وہ یہ سمجھنے

سے قاصر تھا کہ یہ کون کہاں سے آ رہی ہے۔

☆

کشتہ گروال پر زخمی اُداس اور دیگر چہرے والے شخص نکلا

جس کی عمر شاید ٹرنٹ سے دو چار قدم ہی دور تھی۔ جب منہ پر نے

اُسے بتایا کہ شہزاد شہر میں مستطاب قیام کا ارادہ رکھتا ہے تو کشتہ

پولیس کے قوانین، شہریوں کے حقوق اور فرائض پر تکرر کرنے لگا۔

”میں ان زخمیوں کے کتنی عجیب و غریب ہے جناب؟“ شہزاد

تفریح کے موڈ میں آگیا۔

”پولیس کو صرف اسی صورت میں گولی چلانے کا حکم ہے جب۔“

”نہیں کشتہ صاحب، میں پولیس فائرنگ کی بات نہیں کر رہا

ہوں۔ میں تو ان لوگوں کو درپیش خطرات کی سنگینی معلوم کرنا چاہتا

ہوں جو ضروری کاموں سے رات کو نکلنے ہیں۔“ زیادہ لوگ اس

شہر میں محفوظ ہیں؟

”بات یہ ہے کہ... ہماری نفری اتنی نہیں کہ ہم رات کے

اور چند ہی لمحوں میں گیسری کے اندر اتر چکا تھا۔  
لان اور مرکزی دروازے پر پہرہ دینے والے خوش بختوں  
میں مصروف رہے جبکہ شہزاد کا ہاتھ جھانکا ہوا بالائی منزل کی راہ دار کا  
میں گھس گیا۔  
کونے والے کمرے سے بروٹھی چھن کر باہر آ رہی تھی وہ  
اسی طرف بڑھ گیا اس نے اندھ جھانک کر دیکھا تو اس کے ہونٹ  
بے اختیار مسکوتہ ہو گئے۔

اندرا ایک شخص جو خواب تھا اس کے خوابوں سے کہہ کر گویا  
رہا تھا اور قریب ہی ایک ساٹھی بڑی بوٹی تھی جب کہ ہاتھ روم  
سے باہر گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ اندر جانا ہی چاہتا تھا کہ  
ہاتھ روم کا دروازہ کھلا اور ایک تار عالم نمودار ہوئی۔  
وہ ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

عورت کی چال ڈھال بتا رہی تھی کہ وہ نئے کی حالت  
میں ہے۔ اپنے سب سے واہ سے ہٹا کر ضروری تھا لہذا وہ جوانی  
کمرے کے اندر دروازے کے قریب سے گزری شہزاد نے اس  
پر ہاتھ ڈال دیا۔ وہ ایک لمحے کو تڑپی پھر ٹانگیں کی ماہوں میں جھول  
گئی۔ اس نے عورت کی کینٹی پر ہلکا سا ہاتھ مارا تھا۔

عورت کو تائیں پر ایک طرف ڈال کر اس نے اصل شکار  
کی طرف دیکھا جس کی سیاہ تہ ذرا رے کی طرح کبھی پھیر رہی  
تھی اور کبھی پیک رہی تھی شہزاد کا دل نہ جانے کیوں جھلکے گا وہ  
اس شخص کے گوگردی کرنا چاہتا تھا لیکن اس نے یہ خواہش  
پہل دی کیونکہ اس طرح اس شخص کے ملنے سے بچنے ہوتے۔

جب کہ وہ اسے روتا دیکھتا چاہتا تھا۔  
اس نے جو خواب شخص کو بھجوا دیا۔  
"تھی سرفراز ہو؟"

"آں... ہاں... جو کچھ تو کہو ہو؟" خان بہادر نے چونک کر  
اور کسی حد تک خوفزدہ انداز میں پوچھا۔  
"ملک الموت... شہزاد بڑی سادگی سے جواب دے کر  
اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

دوسرے روز کے اخبار میں ایک انتہائی ہولناک خبر  
شائع ہوئی تھی۔ شہر کی سب سے خیر سستی خان بہادر سرفراز کو  
کسی نے قتل کر دیا تھا۔ ان کی لاش کے ٹوٹے ٹکڑے کر دیے  
گئے تھے۔ ایک ٹانگ بیڑوم میں تھی تو دوسری بیڑوم کے دھندلے  
پریٹھی ہوئی تھی... سریشی دیشن پر رکھا ہوا تھا اور... باقی

"ایک...؟ اس مرتبہ اوشان نے گنتی شروع کر دی۔  
"بھگوان کی قسم میں..."  
"دو...؟ شہزاد نے کہا۔

وہ بیڑ سے اتر کر اوشان کے قریب کھڑا ہو گیا۔ ان دونوں  
کے تہہ پر بڑے خراب تھے۔ اوشان نے تین کہنے کے بعد دیوناد کے  
خدا پر ہلکی سی چپت لگائی اور وہ مرغی بسمل کی طرح ترپنے لگا۔  
ماٹھی ہی شہزاد کے تائیں کا کچھ حصہ بھی بھیک گیا۔

اوشان کی دوسری چپت پر وہ کھل گیا... بلکہ کھٹک چلا  
یا۔ اس نے خان بہادر سرفراز کے بارے میں جو انکشافات  
بہتیں سن کر ایک لمحے کے لیے تو اوشان بھی لرز کر رہ گیا۔  
خان بہادر نہ صرف عورتوں کا تاجر تھا بلکہ اس نے ملک  
رہیں محتاج اور معذور بچوں کی فراہمی کے اڈے بھی بنا رکھے  
تھے۔ یہ بچے تیرکوں پر بھی یک ٹانگ مانگ کر اس کے لیے دولت  
بن کر رہتے تھے۔

کشور غامض ہو کر اوشان نے بڑی نفرت سے اس کی  
ن دیکھا... "تھیں اور تمہارے آق کو قتل کرنا میرے پاکیزہ  
نوں کی توہین ہوگی... شہزاد، ان میں سے جار یا ہوں شب خیز"

شہزاد نے کشوری لاش ایک کوڑے دان میں بھیک کر  
نا بہادر کی محل نما کو بھی کاڑھ کیا۔ اس کی کینڈی لاک دات کے  
ناتے میں شور مچانے بغیر محل کے سامنے مڑی جس کا لان ٹانگ  
مگر بالائی منزل کے ایک کمرے میں ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔  
محل کی چار دیواری لگ بھگ سات فٹ بلند ہوئی۔ مزید  
ایک فٹ تک تاروں کا جال بنا ہوا تھا جس میں یقیناً  
مار دوڑ رہی تھی مرکزی دروازے سے اندر جانے کا سوال  
بہا نہیں ہوتا تھا کیونکہ وہاں کچھ محافظ تھوڑے تھوڑے فاصلے  
پر تھے اور ان کے ہاتھوں میں سب سے بڑی گنتیں تھیں۔

شہزاد نے ماحول کا جائزہ لیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ  
بندر کی طرح چپیل کے ایک درخت پر چڑھتا چلا گیا۔ یہاں  
پار دیواری کا فاصلہ چار فٹ تھا اور بالائی منزل کی گیسری  
مردس فٹ سے کم تھیں ہوگا شہزاد نے محض ایک لمحے  
بچا اور پھر اس کے بدن نے ایک ہلکا سا جھٹکا کھایا۔ وہ  
اگے درخت سے اچھلا اور ہٹا کر چیرتا ہو گیا گیسری کی طرف  
ٹنگا اس کے ہاتھ اور پیر اس طرح پل رہے تھے جیسے  
مرد میں تیر رہا ہو... پھر اس نے فضا ہی میں کھلا بازی کھائی

وہ بدست کو مردوں کے خوف سے نجات دلادے گا۔ اس کے لیے  
اس نے ایک منصوبہ بھی تیار کر رکھا تھا، بات صرف وقت ملے  
کی تھی اسے یقین تھا کہ اس کا منصوبہ بدست کو نفسیاتی احساس پڑے  
اور خوف سے نجات دلادے گا۔

اس کی سانس تو تازہ اور تازہ سب سے جل رہی تھی پیر  
پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی اور جسم بالکل سیدھا ہو چکا تھا۔  
وہ ایک خواب دیکھ رہا تھا عجیب سا خواب... مگر اچانک  
اسی خواب میں بمباری شروع ہو گئی۔ ایک ہی لمحے میں پیر گرا اس  
کی لڑکھیز چٹخ شہزاد کے کانوں میں بجا لاتی چلی گئی اور وہ  
جوان ہو کر اٹھ بیٹھا۔

آئیں کھڑے ہی اس نے ایک عجیب منظر دیکھا اس کے  
کمرے میں تائیں پر ایک کالا درخت صمت مند شخص اکڑوں بیٹھا  
ہوا اوشان کے سامنے جھڑ رہا تھا۔

"شہزاد دو بہانہ...؟ وہ شخص گھٹکیا لگا۔ "معافی دو  
بہاراج... غلطی ہوئی۔ آئندہ بھی ادھر کا رخ نہیں کروں گا۔"  
"میرے بچے! میں نے تو تمہیں کچھ بھی نہیں کہا؟" اوشان  
اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

وہ موٹا جھینسا ایک بار پھر ترپنے لگا ایسا لگ رہا تھا  
جیسے اوشان نے اس کے کندھے پر ہاتھ نہیں بلکہ منوں وزن دیا  
ہوایا۔

"یہ تو ہے اوشان؟ شہزاد نے جرت سے پوچھا۔  
"تمہارے کمرے میں شاید آرام کرنے کے لیے داخل ہو  
چاہتا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک سانپ بھی تھا۔ میں  
سانپ تو لے کر پھر پڑ میں بند کر دیا اور اسے یہیں لے آیا۔"  
"کون ہو تم؟" شہزاد کی آنکھیں اچانک ہی سرخ ہونے لگیں  
"م...م... وہ بھلائے لگا۔  
"ہاں مانگ رہا ہے؟" اوشان نے مخصوص انداز میں  
کی طرح قہر کر کے پتہ پتہ ہوئے کہا۔

دیونادہ کچھ اور خوفزدہ ہو گیا۔  
اوشان نے اس کے کندھے سے ہاتھ ہٹا لیا۔  
"میں دس تک گنوں گا اس کے بعد تمہاری زندگی کی  
ضمانت نہیں ہوگی لیکن اس دوران اگر تم نے یہ بتا دیا کہ تم کو  
اور کس کے آدی ہو تو میں تمہارے بارے میں ہمدردی  
غور کر سکتا ہوں"

"م... میں کچھ کہتا ہوں کہ...؟

"اُسے ایسی کوئی پیش کر دیجئے وہ مسترد کر سکے؟" خان بہادر  
سرفراز نے اپنی نوکھوں پر تار دیتے ہوئے کہا۔

سرفراز کو گرفتہ دور روز سے اطلاعات مل رہی تھیں کہ  
شہر میں ایک ایسا نوجوان وارد ہوا ہے جس نے پورے بہت آتش  
کو اپنا مطیع بنالیا ہے اور وہ دولت پائی کی طرح بہا رہا ہے۔ اسے  
یہ بھی اطلاع مل چکی تھی کہ شہزاد نامی یہ شخص ہر چیز پر قدر تم سے  
کر خرید رہا ہے اور ان چیزوں میں پولیس والے بھی شامل ہیں۔  
خان بہادر کو یہ خبر دے دامن کر تھا کہ کہیں شہر پر ان کی  
بے تاج بادشاہت کو اس نوجوان سے کوئی خطرہ لاحق نہ ہو جائے  
لہذا انھوں نے گرفتہ ترتیب اسے قتل کرانے کی بھی کوشش کی  
تھی لیکن ان کا خاص آدمی جو کس حالت میں واپس آیا تھا وہ  
انتہائی عزت نامک تھی۔

جھوٹا گورا ہاتھ جس میں پاؤں آنکھیاں بھی شامل تھیں  
جناٹے ہو چکا تھا۔ آنکھوں سے کلائی تک کی ہڈیاں سفوف میں  
بال گئی تھیں۔ بائیں تک پس گئے تھے ڈاکٹر نے جھوٹا ہاتھ کلائی  
سے کاٹنے کا مشورہ دیا تھا لیکن خان بہادر کے لیے ایک ایسا شخص  
بے کار تھا جو اپنے دامن ہاتھ سے محروم ہو چکا ہو لہذا انہوں نے  
جھوٹا کھٹکا لگا دیا گیا۔

"مگر ابھی تک ہمیں یہ علم نہیں ہو سکا کہ شہزاد کس جگہ میں  
ہے؟" خان بہادر سرفراز کے ایک اہم عقیدہ خاص کشوری تھا۔  
"ہاں... لیکن وہ ہمارے لیے ایک اچانک خطرہ ہے ہمیں  
شاید اس کا احساس نہیں ہے لیکن یاد ہے کہ ہم نے اسے ملاقات کے  
لیے مدعو کیا تھا مگر اس نے یہ کہہ کر ہماری دعوت ٹھکرا دی کہ وہ  
بے حد مصروف ہے۔ ہم اپنی درخواست مسترد کرنے والے کو زندہ  
دیکھنا نہیں چاہتے لہذا اسے ایسی پیش کر دیجئے وہ مسترد نہ کر  
سکے اور یہ پیش کش موت ہوئی چاہیے کشوری؟

"ٹھیک ہے چاہ۔ یہ کام آج رات ہی ہو جائے گا۔"  
"اس کی موت اس کے گھر میں واقع ہوئی چاہیے کشوری؟" خان  
بہادر نے آخری ہدایت دے کر کشور کو چلے جانے کا حکم دیا اور  
شراب کی بوتلوں میں سے ایک کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

شہزاد پر سکون نیند سوار تھا۔ اس نے محض چند گھنٹے قبل  
مرکزی بازار میں بدست کو شاپنگ کرتے ہوئے دیکھا تھا اور فیصلہ  
کیا تھا کہ اگلے ہی روز... یا مگر نہ صرف چند دنوں کے اندر اندر

داس کا مسلسل تعاقب کیا تھا اور اب ایک عیسیٰ کے پیچھے لگا ہوا تھا جس میں تین پولیس مین سوار تھے۔ وہ آوشان کے شور سے کے مطابق احتیاط سے کام لے رہا تھا۔

رات کی وجہ سے اسے تعاقب میں آسانی ہو رہی تھی کیونکہ اس نے اپنی گاڑی کی تمام لائٹس آف کر رکھی تھیں اور اگلی گاڑی میں لائٹس اس کی رہنمائی کر رہی تھیں۔

اچانک عیسیٰ دایں طرف گئے میں مڑ گئی۔ وہ تب بھی اس کے پیچھے لگا رہا۔ پانچ منٹ بعد عیسیٰ ایک بڑی حویلی میں داخل ہوئی تو شہزاد نے اپنی گاڑی جھاڑوں میں پھری کر دی اور وہ قندوس حویلی کی طرف دوڑنے لگا۔

وہ عام رفتار سے دوڑ رہا تھا۔

حویلی کے احاطے میں نکل کر غراٹ گرنے لگی لیکن وہ جلد ہی خاموش ہو گئے۔ دو تین گھنٹوں میں غراٹ گرنے کے بعد اسی طرح خاموش ہو گئے جسے بے ہوش ہو گئے ہوں۔ گوشت نے کام دیکھا دیا سر ہینڈ اس نے کسی کی آواز سنی۔

"یرک تنک بے ہوش رہیں گے؟ ایک اور شخص نے پوچھا۔

"بارہ گھنٹے تنک"

"ٹھیک ہے۔ اندر چلو، کام جلد متا دیں تو اچھا ہے۔ شہزاد کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ حویلی کی چار دیواری پر ریتوں کی مدد سے چڑھے اور پھر ریتوں کے ذریعہ باہر نکل گئے۔

ٹانگی نے ان کی تقلید کرنا مناسب نہ سمجھی بلکہ مرکزی دھانے تنک دوڑنا چلا گیا۔

دھارہ عقل متا یکن یہ تالا اس کی ڈرامی کوشش سے کھل گیا۔

اندر مکمل خاموشی تھی۔

لیکن صرف چھ فٹ دور وہ مینوں خاموشی سے تابی میں چھپے چھپتے مکان کی طرف بڑھ رہے تھے اور ان کی منزل ٹیڈا فرسٹ نادر تھی جس کے ڈرائنگ روم میں روشنی ہو رہی تھی۔

وہ ان کے پیچھے لگ گیا۔

اسی لمحے ایک گولی پٹی اور وہ تینوں دکھلا کر آڑ میں چھپ گئے۔ نگہا... کس نے گولی چلائی؟ ایک شخص نے گڑبڑ کی۔

"کسی نے بھی چلائی ہو۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہرشاد ہو چکی ہے۔ لہذا آڑیں آپ الگ الگ ہوجانا چاہیے۔"

"لیکن ہم کام مکمل کے بغیر نہیں جائیں گے سر ہینڈ۔ میرے شخص نے محسوس کیے ہیں کہ وہ پیٹے بھی ہمارے دوسرا قندوس کو

وہ نوٹس مینکل سے پھیل کر ریت پر گر کر اور اس کا جوتان ٹوٹ رہا تھا۔

مجھے انسوس ہے جناب کہ اچھا نہ سب کچھ دیکھ لیا تھا۔

ہیں تہ خانے کا مددگار بند کر دیا کروں گا؟ داس نے ٹیل فنان پر سے صدمت کرتے ہوئے کہا: ایسی غلطی دوبارہ نہیں ہوگی۔ "اچھا"

اس بات کا بھی قلعہ ہے کہ پڑھنی اس صدمت حال سے بہت زیادہ بڑی ہیں... ٹھیک ہے کسٹر صاحب! آئندہ کوئی غلطی نہیں

اگلے روز اخبارات میں قتل کی کہانیاں شائع ہوئیں۔ شہر سب سے بڑے اسپتال کا سرنرڈنٹ اپنے گھر میں مرہ پایا گیا۔

کے کمرے میں دھینگا کشی کے آثار بھی ملے اور پہل مرتبہ قاتلوں ملے میں کوئی چیز ملی۔

ڈاکٹر کے ہاتھ میں نیلا اور سفید بیج ڈیا ہوا اعلیٰ سر پر پانچ گولن شامہ اور بیج کا نشان بنا ہوا تھا شاید بیج دھینگا کشی میں لکے کے اچھا لگ گیا تھا۔

"دوسرا قتل پتہ پاب گڑھ کے ڈپٹی میئر کا ہوا۔ اس کی کھوپڑی ان گولیاں ماری گئی تھیں۔ کمرے میں ایک سیف تھا جو پولیس

کا کھانا ملا۔ ڈپٹی میئر کی بوری نے، جو قتل کے وقت کسی نقیب ٹی ٹی تھی، بتا کر سیف کے اندر اس کے زیورات اور ایک لاکھ

پڑے ہوئے تھے۔ ایک پولیس والا بیوہ کا بیان قلم بند کرتے ہوئے لکھا تھا کہ اور دایہ پر اس نے اپنے سامنے سے کہا: کتنی بھڑکی

ت ہے یہ... مل... مان گیا کبھی۔ سیف میں صرف دس ہزار روپے اور

ات کے نام پر چند چھپے تھے... جھوٹی نہیں کی؟ ایسے ہی کئی واقعات نے نہ صرف دارالحکومت بلکہ پورے

میں سنسنی پھیلا دی۔ میڈاٹس میں اسپیکر داس کا کہہ کر پولیس

لے سے کچھ بھی بھرا ہوا تھا۔ سب اپنی اپنی رپورٹ پیش کر رہے تھے۔

ٹھیک ہے دوستو! کام بہت عمدہ ہو رہا ہے۔ داس نے

رہے کہ یہ کل کی کارروائی میں ہمیں مجموعی طور پر تین لاکھ روپے

میں شہزادے کا کھڑا کھڑا تھا۔ اس نے گوشہ دروز میں

دینے اور سب کرنے والے ہم خود ہی ہوں گے۔

اچھا ایک عقل مند زوجہ تھا۔ وہ سب کچھ مستار اور جب اسے یقین ہو گیا کہ داس کسی غیر قانونی کام کی تیاریاں کر رہا ہے تو

تہ خانے سے اس وقت نکلا جب مٹین گزوں کے شور سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ جاتا تھا کہ شہر میں صرف ایک

ہی شخص ایسا ہے جو اس کی باتوں پر یقین کر سکتا ہے... وہ شخص جہوریت اور شہری آزادیوں پر پختہ یقین رکھنے والا کسٹر گروال تھا

جس کی بیٹی کو دشمنوں نے روند ڈالا تھا اور انھیں عدالتی کارروائی کی پے چیدگیوں کے باعث مرنا تک نہیں ہو سکی تھی۔

نہیں اچھا، میں یقین نہیں کر سکتا۔ کیا یہ سب کچھ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کالوں سے سنا ہے؟ کسٹر نے سر ہینڈ کرتے ہوئے

اس سے پوچھا۔ اس کے چہرے کی رنگت زرد پڑ گئی تھی اور ایسا لگ رہا تھا

جیسے اچھا کے انکشافات سے اسے ذہنی صدمہ ہوا ہو یا یہ ممکن نہیں کہ داس ان گزروں کو تربیت دے رہا ہو۔

"نہیں جناب! اگر گزروں کو کشین گزوں کی تربیت نہیں دی جاتی اور وہ سب کے سب رنگوٹ بھی نہیں تھے؟

"اچھا، بھگوان! اس ملک پر دھم... تو داس ہی اصل مجرم ہے۔ اچھا... میرے بیٹے اچھا سے وعدہ کر رہے ہیں کہ کسی اور

نہیں بناؤ گے، کم سے کم اس وقت تک زبان بند رکھو گے جب تک کہ میں خود نہیں اس کی اجازت نہیں دیتا۔ میرا خیال ہے، اچھے

فریزر داغ سے ملاقات کرنی ہوگی۔ اسی ملاقات میں تم سب کا دھڑاؤ گے۔ اب میں سمجھ گیا کہ میں کس قسم کا خطرو لاحق ہے۔ تم

صبح میرے پاس آ جانا، میں اس وقت تک حکمت عملی تیار کروں گا۔

"ٹھیک ہے جناب! جیسا آپ کا حکم... سب اسپیکر اڑیاں بجا کر کسٹر کے کمرے سے باہر گیا۔

... لیکن اس صبح تک کی ہمت نہ ملی۔ کسٹر نے رات باہر بیٹھے ہوئے کیا اور فوراً اپنے گھر پہنچے

وہ نوٹس مینکل پر گھر سے روانہ ہوا۔ کسٹر کا گھر چار میل دور راستے میں ایک دیوار پر تھا۔ یہیں اس پر تین طرف سے

کی گئی۔ یہ تین گزوں ہی تھیں جن کی گولیوں سے اس کا جسم ہو گیا۔

دھڑا ہاتھ فب میں تیرہا غائب سے اہم بات یہ تھی کہ پورے جسم پر کسی تیز رفتار جارحانہ ایسے ہی کسی ہتھیار کا گولی تھا وہ نہیں

تھا... ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی دہندے نے اپنی طاقت کے ذریعے جسم کے ان حصوں کو چیرھا کر الگ کیا ہو۔

خان بہادر کے ساتھ جو صورت تھی وہ لاش دیکھ کر پاگل ہو گئی تھی اور اس نے موت اپنا بتایا تھا کہ ایک خوبصورت زوجہ

نے اسے جکڑا دیا تھا، اس کے لیکر کیا ہوا، اس کا اسے علم نہیں۔ وہ زوجہ کا ٹھکانہ بھی بتا سکی، صرف اتنا کہتی رہی کہ وہ بے حد

پرکشش اور مردانہ طاقت سے بھرپور تھا۔

تھانہ چاندنی کے انچارج سب انسپکٹر اچھا کو کسی گفتیش کے سلسلے میں اس ملاقات میں جانا پڑا جہاں کھنڈرات تھے اور

جہد سے کسی کا گز نہیں ہوتا تھا۔ اسے ایک خبر سے یہ اطلاع ملی تھی کہ ان کھنڈرات کو نا پسندیدہ عناصر نے اپنا آڈا بنالیا ہے۔

اچھا نے بعض صورت حال کا جائزہ لینے کا پروگرام بنایا تھا

وہ فی الحال کوئی کارروائی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ کھنڈرات میں ٹھہر رہا تھا کہ اسے گولیاں چلنے کی

آوازیں سنائی دیں۔ اس نے جوتے اتار دیے اور آوازوں کی سمت چل دیا۔ آوازیں ایک تہ خانے سے آ رہی تھیں وہ بتی

کی طرح چلتا ہوا تہ خانے میں داخل ہو گیا اور ایک تاریک گوشے میں چھپ گیا۔

یہاں اس نے جو کچھ بھی دیکھا وہ اتنا حیرت انگیز تھا کہ کسی لمحے تک دیکھنے کی سی حالت میں پڑا رہ گیا تھا۔

پولیس ہیڈ آفس کا سب سے ذہین انسپکٹر اور اس کا دوست

داس ایک درجن پولیس والوں کو کشین گز ہلانے کی تربیت دے رہا تھا۔

اچھا جاتا تھا کہ پیشہ ورانہ ٹریننگ میں مٹین گز شامل نہیں ہے اور پھر داس ان لوگوں کو تربیت دے رہا تھا، وہ سب کے سب

مختلف تقاضوں سے تعلق رکھنے والے کاشیل تھے جنہیں تربیتی مراحل سے گزرے ہوئے ہونا چاہیے۔

"تم لوگ اپنے اپنے دستوں کے کاٹڈ ہو گے۔ اس نے داس کی آواز سنی۔ اور ہم اس دھرتی سے گناہ کا نام دشنام تک شادوں

گے۔ ایک دن وہ آئے گا جب اس زمین پر ہماری حکومت ہوگی۔ کراؤ... میرے ہمارے حقوق میں ہمیں کسی کیوں کے حقوق

اسے اچانک ہی الماری کا دروازہ بند کر لیا چڑا کیوں کہ داس  
اور سریندر اسی کمرے میں آ رہے تھے۔  
"ہاں... میری بہت مددگاری ہے یہ داس کی آزمائشیں...  
"ہاں یہ سمجھو کہ میری دست راست ہے۔ بیٹھو سریندر... اور بتاؤ  
کیا ہوا؟

شہزاد نے الماری کے کواڑے کان لگا دیے۔ اسے الماری  
میں بند ہو کر پسینہ آنے لگا لیکن اسے یہ سب کچھ برداشت کرنا تھا۔  
"شاید قتل کرنا بہت آسان ثابت ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ وہ دل  
کا مرعین تھا۔ مجھے دیکھتے ہی غصہ کھا کر گر گیا اور پھر ہوش میں نہیں  
آیا لیکن ساتھ... وہ کہاں گئی، اس کا مجھے علم نہیں؟  
"کوئی بات نہیں... جھاک کر کہاں جانے گی۔ اصل مجرم  
تو وہی ہے۔ اسی نے ان دونوں پولیس والوں کو گولی ماری تھی جو  
اس کے گھر میں چوری کی نیت سے داخل ہوئے تھے؟

"اب تم اپنے تھانے واپس جاؤ گے؟  
"ہاں... میرے آپ بیٹے ہی واپس پہنچے کیجئے ہوں گے۔"  
"تیار رہنا... اگلے جیسے ہم اس تنظیم کا باقاعدہ اعلان کریں گے  
جو ایک ملک کی ترقی میں ہوگا؟  
"مگر اس سے کیا حاصل ہوگا داس؟

"حاصل کیا ہوگا وہاں... یہ بھی تم نے خوب کہی۔ ہم اس ملک  
کا سب سے طاقتور گروپ بن جائیں گے سریندر! اندر کی بھی ہماری  
دائے نظر انداز نہیں کر سکتے گا۔ ہم چالیس افراد ہتھیاروں سے اس مشن  
کو شروع کیا تھا ملک کے طاقتور ترین لوگوں میں شامل ہوں گے؟  
"اور پھر تم انتخابات میں کھڑے ہو جاؤ گے؟ سریندر نے  
ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاں... اور ممکن ہے ہم اپنے اپنے حلقوں سے انتخاب،  
حجرت کو حکومت بھی قائم کر لیں... پونگ اسٹیشن پر اپنی مرضی  
کے نتائج تیار کرنے سے کوئی بھی نہیں روک سکے گا۔ ہم  
ملک کے تمام کالونیئل اور تھانوں کے خاندانوں تک اس تنظیم میں  
شامل کر لیں گے۔ یہ لوگ ہمیں سیاست دانوں کے بارے میں  
اطلاعات فراہم کریں گے اور ہمیں علم ہوتا رہے گا کہ وہ کیا  
سوچ رہے ہیں کیا کر رہے ہیں، ہمیں ان کی کرداروں معلوم ہوں  
گی تو ہم انھیں بلیک میل کریں گے اور سیاسی پارٹیوں پر قبضہ کر  
لیں گے سیاست دان ہمارے اشاروں پر چلنا چاہیں گے جو  
ہماری مخالفت کرے گا۔ ہم اسے دانتوں سے ہٹا دیں گے، ہم  
ملوی انیشیاتیو جیسے پر بھی بھاری ثابت ہوں گے۔

مکا دی تو وہ کھٹکا چلا گیا۔  
"اب وہ اچانک بھی کسی راہداری میں تھا اور روشنی ایک بند  
دراز سے نکلتی نظر آ رہی تھی۔ وہ عجبی سمت میں چلا گیا اور وہیں  
اسے اس کمرے میں جھانکنے کا موقع بھی مل گیا۔  
"اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی۔  
"ہیلو... انصاف پسند... ایک سپاٹ اور سوانی آواز  
سنائی دی۔ یہ پڑتی تھی... کسٹمر گروال کی بیٹی اداس کے کمرے سے  
انصاف پسندوں کا نام سن کر ہائیکریت زدہ رہ گیا۔

"نہیں... ان سپاٹ داس بیان نہیں آئے، وہ کافی دیر ہوئی،  
چلے گئے تھے مگر اب کبھی وقت واپس آسکتے ہیں کیا میں انھیں  
اب کون کرنے کے لیے کہوں؟ اس کی نرم دوازہ شہزاد کے خوابیدہ  
ہڈیوں کو جگانے لگی اور سچے لگا کہ پستی کا علاج آج اور ابھی کیا جا  
سکتا ہے۔

"فکیر... پڑتی کی آواز پھر سنائی دی۔ میں انھیں بتا  
دوں گی داس نے لب بد رکھا اور پھر اس صوفے پر بیٹھ بیٹھی، جو  
شہزاد کو نظر آ رہا تھا۔ اس کے سامنے مزید ایک کیپوٹر پر پرنٹڈ آؤٹ  
لگا ہوا تھا پھر وہ ایک سادہ کا قد پر کچھ لکھنے لگی۔

اس کمرے میں ایک اور دروازہ بھی تھا اداس پر ان سپاٹ داس  
کا نام لکھا ہوا تھا۔

اسی لمحے شہزاد کی حس سماعت نے اسے ہوشیار کر دیا۔  
راہداری سے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔  
"کوئی آ رہا تھا..."

پڑتی اٹھ کر ایک کینٹ ڈیسک کی طرف بڑھ گئی۔ اس کی  
پشت اب بھی شہزاد کی طرف تھی لہذا وہ مٹھے سے فائدہ اٹھاتے  
ہوئے اندر چلا گیا اور سیدھا داس کے کمرے میں گھس گیا۔

اسے اب بھی باہر کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ دو  
نراناہیں کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک آواز داس کی تھی اور دوسری  
اسی سریندر کی تھی جسے لوکی کو قتل کرنے کی ذمہ داری ہوئی تھی۔  
شہزاد کو اس کی چھٹی ہنس نے خبر دیا کہ وہ فوراً چھپنے کی جگہ  
فلاح کر لے۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا مگر کوئی چیز نہیں آئی۔ مگر  
میں گھڑی کی ایک الماری ضرور ہو جوتھی ہو جوتھی پڑتی تھی اور اس  
میں وہ کھڑا بھی ہو سکتا تھا کیوں کہ اندر ضلیف نہیں تھے۔

اس نے اسی میں بہتری سمجھی کہ الماری ہی میں چھپ جائے۔  
اس کی انگلیں ختم کھا گئیں اور گردن الماری کی چھت سے ٹکرائے گی۔  
"لوکی تو بہت خوب صورت ہے۔ کوئی کہہ رہا تھا۔

وہ چند لمحوں تک سوچا رہا۔ اسے یہ خیال بھی کہ اگر مکان پر شہزاد  
نامی کوئی شخص موجود ہے تو وہ کہاں غائب ہو گیا؟  
"مکن ہے تیسرے شخص نے اس پر قابو پایا ہو؟  
"یہی ایک سیدھا سا جواب تھا چنانچہ وہ لوکی کو کسی گڑیا  
طرح اٹھا کر زینے کی طرف بڑھ گیا۔ اسے پچانے کا راستہ صرف  
تھا کہ اسے اس مکان سے نکال لیا جائے۔ لیکن اچانک  
اسے احساس ہوا کہ زینے پر کوئی پیسے ہی سے موجود ہے۔

وہ لوکی کو منجھالے سے منجھالے کر سٹھک واپس آیا اور داس  
سے گود گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ بالکل سیدھے تھے، ہاتھوں میں کوئی  
تھی اور وہ توازن پر برقرار رکھے ہوئے تھا۔ وہ پیروں کے بل ہی نرم  
پر گرا اور پھر دوڑنے لگا۔

اس نے مرکزی دوازے سے نکلتا مناسب درجہ سبھا لگا  
عقبی دوازے سے جو مشکل ایک گز بلند تھا، چار دیواری پار کر گیا  
باہر آئے ہی اس نے لوکی کو دستوں میں چھپا کر لیا۔  
اسی لمحے ایک اور پولیس کار پولیس میں داخل ہوئی۔ شہزاد  
لوکی کو چھوڑ کر اسی چور دوازے سے اندر داخل ہو گیا۔

"لوکی بل گئی؟  
"نہیں جناب... پڑتی پولیس میں کوئی لوکی نہیں ہے۔  
سریندر نے پیسے ہی قابو پایا تھا۔ وہ مڑ چکا ہے۔

"ٹھیک ہے لاش غائب کر دو۔ لوکی شاید فرار ہوئی۔  
سیدھے ہیڈ آفس واپس پہنچنا۔ وہاں اگر چیف نے ملے تو پھر چیف  
گھر پہنچ جانا۔ ۲۸ شادمان اسٹریٹ۔"

شہزاد نے سیریا کہ وہ اب جلد ہی اس قلعے کو تمام کرنا۔  
لہذا اس نے فوری کارروائی کا فیصلہ کیا اور کیڈ لاک میں بیٹھ  
شادمان اسٹریٹ کی طرف چل دیا۔ وہ جانتا تھا کہ داس اس گرا  
سربزہ نہیں ہے جیسا کہ وہ گروہ کے سرغنہ کی تلاش تھی۔  
اسے ۲۸ نمبر سنگھ تلاش کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں  
اسے معلوم تھا کہ اس گھر اور اس کے کمپنوں کا جائزہ لینے کے لیے  
کے پاس زیادہ وقت نہیں ہوگا کیوں کہ تینوں پولیس میں جھانکا  
دول پہنچ جائیں گے۔

مرکزی گیٹ پر کوئی پہرہ دار نظر نہیں آیا۔  
وہ بے گھٹے اندر داخل ہو گیا۔  
دوسری منزل پر روشنی نظر آ رہی تھی اور وہیں اسے  
پسندوں کی علامت ملنے بنا ہوا بھی نظر آیا۔ اس نے دوازے

مار لیا ہے۔ ہمیں اس کا اتنا غم لینا ہے۔  
شہزاد صورت کے مطابق کافی باتیں سن چکا تھا لہذا بے باہر  
قدروں سے دھڑکا ہوا عجبی شخصے میں آیا اور اوپر پڑھتا چلا گیا... وہ  
سیڑھیں پر اس طرح چڑھ رہا تھا جیسے آڑا ہو۔ اس کے قدم زمین  
کو چھوئے ہوئے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔  
وہ ایک کھڑکی میں روشنی دیکھ کر گر گیا۔  
ایک عورت پرالو منجھالے پر کس کھڑکی تھی۔

عورت کی نظروں میں اسے غیر کرے میں داخل ہونے کا  
صرف ایک ہی راستہ تھا اور وہ بھی عقبی بالکونی... لیکن بالکونی میں  
جانے کے لیے کمرے سے گزرا لازمی تھا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ  
وہ چھت پر چڑھ کر بالکونی میں کود جائے لیکن اس میں داس بھی  
غافل ہاتھ پاؤں ٹوڑنے کے لیے کافی تھی۔ شہزاد کے پاس اتنا وقت  
نہیں تھا کہ وہ کوئی غلطی عملی تیار کر سکیں کہ ان مینوں میں سے  
کوڑ بھی اس طرف آنے ہی والا تھا۔

وہ چھت پر چڑھ گیا۔ اب بالکونی بالکل خیر تھی۔ اسے کوڑنے  
وقت زادہ بے کا خیال رکھنا تھا۔ اس نے پولیور جیب میں اچھی طرح  
بند کر کے دونوں ہاتھ سینے پر رکھے اور پھر چڑھ لے... پھر وہ کسی سیرنگ  
کی طرح اچھلا، چھت سے دو تین فٹ بلند ہوا اور کسی گیند کی طرح  
نیچے گرے لگا۔

ٹھیک بیس فٹ نیچے چار فٹ چوڑی اور چھ فٹ لمبی  
بالکونی میں وہ جسی ہی کی طرح ہے آوار گرنے لگا تھا۔  
اس نے ایک قلابازی کھا کر ہاتھ کھو لیے، پیر چلائے اور کمرے

میں داخل ہو گیا۔  
"اکی کی پشت اس کی طرف تھی لہذا کوئی فوری خطرہ نہیں  
تھا لیکن شاید لوکی کسی کے دھوکے پیلے ہی متوقع تھی۔  
"شاید... ابھی تک کوئی نظر نہیں آیا۔  
"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے خاتون! میں شاہ نہیں، شہزاد ہوں،  
اور یہ کہتے ہی اس نے لوکی کو پکڑ لیا۔  
وہ کسی پرندے کی طرح پھر پھرنے لگی۔  
اس نے چھٹا چاٹا لیکن شاہ نے اس کے منہ پر ہتھیلی رکھ  
دی۔ مگر زندہ رہنا چاہتی ہو تو خاموش رہو۔  
لوکی کسٹا کر رہ گئی۔

شہزاد نے ہتھیلی پر زور دیا تو اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اس  
نے لوکی کو فرش پر ڈال کر باہر چھٹا لگا۔ نیچے جھانکوں میں اسے دو  
سائے نظر آئے گویا تیسرے شخص لوکی کے کمرے کی طرف ہی آ رہا تھا۔



”ناکائی کا کوئی خدشہ نہیں“

”ہرگز نہیں، ہمارا منصوبہ مکمل اور خوش ہے۔ ہمیں ان خطروں کی بھی حمایت حاصل ہوگی جو ہلکی پناہ میں ہیں، جو ہمیں بچتے دیتے ہیں۔ میری خواہش یہ ہے کہ جہاز آدھی دیر پر اعلان ہو“

”مہنگوان کر کے کو ایسا ہی ہو“

”سنو۔ اگلے ہفتے اگر مال تمام جہازوں کو ٹیلی گرام بھیج دے گا۔ جس میں کنونشن کے بارے میں اطلاعات ہوں گی اسی کنونشن میں جرائم کے خلاف جنگ کا اعلان ہوگا اور اسی کے پرچم میں ہملا آپریشن جاری رہے گا خواہ مرکزی حکومت اس کی حمایت کرے یا نہ کرے“

اس کے بعد شہزاد نے کرسیاں کھٹکے کی آواز میں اور پھر بدینی کی آواز سنائی دی ”کیا ہر ہاے داس؟“

”مستقبل کی باتیں کر رہے تھے، داس نے جیسے ہونے کہا“ یہ مختار سے ہاتھ میں کیا ہے؟

”پاپا کے لیے ساگڑہ کا کٹہہ، الماری میں رکھنے جا رہی ہوں“

”اچھا ہے، میں سریندر کے ساتھ نیچے جا رہا ہوں جلد ہی واپس آ جاؤں گا۔ تمہیں ڈر تو نہیں لگے گا؟“

”اوہ نہیں۔ میں اتنی بڑول بھی نہیں ہوں“

شہزاد نے قدموں کی آواز سے محسوس کیا کہ وہ دوں کمر سے چلے گئے ہیں۔ پھر اسے بدینی کے قدموں کی آواز سنائی دی جو لمبے لمبے اس کی طرف آ رہی تھی۔

معاذ اللہ! کا دروازہ کھلا اور روشنی شہزاد... کے چہرے پر پڑی۔

بدینی ٹھٹک کر رہ گئی۔

اس نے شہزاد کو بڑی حیرت سے دیکھا اور پھر چیخ مارنے کی کوشش کی مگر شہزاد نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ پھر اسے اندر بھیج کر دروازہ بند کر دیا۔ اب وہ دروازہ کھٹکا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ حقیقی آنسو اور بدینی کی سانسوں اس کے سینے پر گر رہی تھیں۔

وہ حیرت زدہ رہ گئی کیونکہ اس کے سامنے... نہیں... اس کے قریب شہزاد جیسا دیرینہ نوجوان دروازہ کھٹکا۔ پھر اس نے بدینی کے منہ سے ہاتھ ہٹا دیا۔

”تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ بدینی کی حیرت اب بھی ختم نہیں ہوئی تھی تاہم وہ غور فرم رہی تھی کیونکہ دوست ہونے مرنے کوئی بھی نہیں ڈرتا۔“ تم شہزاد ہو نا۔ وہی جو اس روز

لچھے قلم دے رہا تھا؟

”ہاں... میں تمہیں دیکھنے آیا تھا“ شہزاد نے آنسو پر غصے جوئے کیا۔ ”میں نے بدینی پر یہ غلط کرنا چاہتا تھا کہ وہ غور فرمے اور بدینی اس سے بڑھ کر ہے۔ صرف یہی ایک طریقہ بدینی کی غلطی کی کیفیت کو معمول پر لا سکتا تھا۔“

”مگر کیوں...؟“

”بس... تمہیں دیکھنے کو جی چاہ رہا تھا“

”تو اس طرح کیوں ملنے آئے ہو سیدھے طریقے سے ملنے آتے...؟“

”میں ڈر رہا تھا کہ کہیں تم مجھے دھتکار نہ دو“

بدینی پہلی بار مسکرائی... وہ اب اسے بخور دیکھ رہی تھی۔ الماری میں درزوں سے آنے والی روشنی کافی تھی اور وہ ایک دوسرے کو بڑھ کر دیکھ سکتے تھے۔

”بھلا میں کیوں نہیں رہی ہوں؟“

”لو کیا تم مجھے دیکھ کر عورت بننے لگتی ہیں؟“ مائیکر نے مسکرا کر کہا اور بدینی کو پہلی بار کسی سے بے پناہ محبت ہوئی۔

3

”تم بہت اچھے آدمی ہو۔ مجھے ایسے مرد پسند ہیں جو عورتوں پر حکم چلاتے ہیں تم واحد شخص ہو جس پر میں نے حکم چلایا ہے“ وہ الماری سے نکل آئے اور باہمی ڈرامائی قدم میں صوفے پر بیٹھے، ہی تھے کہ شہزاد کو عقب سے ایک آہٹ سنائی دی وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے پلٹ کر دیکھا۔

داس روٹو روٹو سنبھالے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ بدینی کی کھڑکی ہو گئی اس کی دھنیں پریشان تھیں اور ملازمت سلسلہ آئینز تھا۔ شہزاد کو داس کے چہرے پر خوشخبری نظر آنے لگی۔ وہ چونکا ہو گیا کیونکہ داس کی آنکھوں میں خون اترتا ہوا تھا۔

وہ ایک قدم پیچھے ہٹا مگر داس ایک قدم آگے نہ گیا۔ دونوں آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔

”تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ شہزاد؟“ داس نے غرا کر پوچھا ہی لے ایک زوردار آواز پیدا ہوئی اور وہ سب اچھل پڑے۔ داس مائیکر کی طرف لپک پڑا۔ اس کے دانت کسی نشتاں جھڑپ کی طرح چمک رہے تھے۔

مائیکر کے ہنسون پر مسکراہٹ تھی۔

داس اس وقت ایک خوشخوار چھڑپا ہی لگ رہا تھا لیکن شہزاد بدینیوں کا شکاری تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایسی چمک تھی کہ راست اس سے لگن ملنا ناممکن نہیں تھا۔ داس کا غصہ بڑھتا ہوا تھا اور اس کی شمشیاں بھیجے گی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ شہزاد یاں فوج ڈالنا چاہتا ہو... لیکن اسی لمحے ایک زوردار دھماکا اس آواز سے کرے میں موجود ہر فرد کو اچھل جانے پر مجبور کر دیا۔ داس شاید کسی ایسے ہی لمحے کا منتظر تھا۔ اس نے مائیکر پر لگ لگا دی۔

مائیکر اس کی طرف سے خبر نہیں تھا۔ وہ آخری ساعت کھڑا ہو کر اسے میں موجود بدینی بھی حیرت زدہ کر گئی۔ اس کا خیال داس، مائیکر کو پس ڈالنے کا لیکن وہ آخری لمحے میں یوں آسانی ہٹ گیا جیسے ٹھوس جسم کی بجائے، محض ہوا کا ایک جھوکا رہا داس خود کو سنبھالنے سنبھالنے بھی دیوار سے جا ٹکرایا۔ غرارادی باس کے دونوں ہاتھ آگے بڑھ گئے تھے اس لیے تصادم ہاتھوں باز کے درمیان ہوا۔ دوسری صورت میں اس کے نقش و نگار ہٹ ہو سکتے تھے۔

”یہ تم کیا کر رہے ہو، داس؟ بدینی چیخ پڑی۔

”میں... میں... وہ غصے سے ہلکا کر رہ گیا۔

پہلے باہر جا کر دیکھو کہ یہ دھماکیوں ہوا تھا؟ یہ کہتے ہوئے ٹر اور داس کے درمیان آگئی۔ اس کے انداز سے دکھائی کا ہوا رہا تھا۔

داس یوں لڑنے لگا جیسے پھٹنے سے پہلے کوئی آتش فشاں ٹھنڈا ہے۔ مائیکر کے تجربہ کار کا فون نے محسوس کر لیا تھا کہ باہر والا دھماکا کس کا گوی کا ٹر جھٹکنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ داس نے بھی محسوس کی تھی۔ غالباً اس لیے وہ اپنی جگہ ہٹ گئی۔

”تم یہاں کیا کرنے آئے تھے؟“ انیسٹر داس نے مائیکر کو گھوٹتے ہو پوچھا۔ اس کی شہزاد سے کوئی دشمنی نہیں تھی لیکن بدینی کو اس کا ایک کمرے میں تنہا دیکھ کر اس کی کھوپڑی سنگ اٹھی تھی۔ داس کا بدینی اس کی دھڑکنوں کا مجسمہ ہے جب کہ اس نے ہی گھاس نہیں ڈالی تھی... اور اب بھی وہ شہزاد کی حمایت دل رہی تھی۔

شہزاد کا دلیرتہ یکا یک بدل گیا۔ وہ بولا تو اندازاً ایسا ہی تھا ”یہ میرا قبل وہ ایک دوسرے کے خون کے پیو سے نہیں تھے بلکہ ان

کے درمیان کاڑھی تھیں دی ہڑبوس یوں ہی... اس نے بدینی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:“ ادھر سے گزرا تھا، سوچا کہ اس سے جتنی چاہوں“ اس کے لیے میں بے پناہ محسوسیت تھی۔

”ہماری پہلی ملاقات، تمہارے دفتر کے باہر ہوئی تھی۔ بدینی نے قسم دیا۔

داس ہل کھا کر رہ گیا۔ وہ بدینی کی لب اشک کی آڈی آڈی سی رنگت اور پریشان بال دیکھ کر بہت کچھ سمجھ چکا تھا۔ اُسے حیرت تھی کہ مردم ہزار بدینی، شہزاد سے اس قدر قریب کیسے آگئی؟ وہ نو فرودوں کو چھڑی سے بھی چھو نہا پسند نہیں کرتی تھی۔ بہتر ہوگا کہ اب تم یہاں سے چلتے پھرتے نظر آؤ؟ وہ ناگوار سے بولا۔

”او۔ کے۔ مائیکر نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہا: پھر میں گئے۔“ میں تمہیں فون کروں گی، شہزاد؟“ کسٹنر زادی کا انداز دلہانہ تھا۔ داس کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کا دل مٹھتی میں بھونک کر پوری قوت سے دوایا ہو۔ مائیکر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کی چال دیکھ کر بدینی کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئیں اور داس بھی سانس روکنے پر مجبور ہو گیا۔ دونوں اسے یوں دیکھ رہے تھے جیسے وہ کوئی ماہر ناقص ہو اور ان کے سامنے نقص کا کوئی انوکھا انداز پیش کر رہا ہو۔

”مکتی دلی خرب... بکتی پرکشش... بدینی بڑبڑائی۔

”کیا چیز؟“ داس عجوبت سے چونک کر بولا۔

”چال... تم نے دیکھا، اس کی چال کیسی مستانہ ہے؟“

”ہونہر؟“ داس نے بڑا سا منہ بنا کر تبصرہ کیا: ”مردوں کی چال

میں مردانگی ہونی چاہیے... دوسری جنس کی طرح چمک چمک کر چلنا مردوں کو زیب نہیں دیتا... اور تمہیں اس کی چال پسند آ رہی ہے؟“

”یہ خوابوں کے شہزادوں جیسی چال ہے؟ بدینی نے مسکورتے ہوئے کہا: ”بادلوں کے اس پائے آنے والوں کی دل موہ لینے والی چال... لیکن تم ان باتوں کو کیا جانو، ان باتوں کا تعلق صرف احساس سے ہے اور کوئی کچھ عورت محسوس کر سکتی ہے، اُسے ہاتھوں کی طرح جھوم جھوم کر چلنے والے نہیں سمجھ سکتے؟“

یہ داس پر ایک براہ راست چوٹ تھی لیکن وہ ہنس کر سہ گیا۔

”بہر حال...“ وہ کچھ دیر بعد بولا: ”مجھے یہ شخص بالکل پسند

نہیں آیا“

”وہ کیوں؟ بدینی نے کھڑے ہوئے بالوں میں میٹھن لگاتے

ہوئے پوچھا۔ اس کا چہرہ ناقابل یقین حد تک شگفتہ تھا۔ آنکھیں چمک رہی تھیں اور اس کے کھڑے ہونے کے انداز میں سوانی وقار کی انتہا تھی۔ اس کا یہ روپ داس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اب جو اس پر نظر پڑی تو وہ اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" پدمی نے بڑی آواز سے پوچھا۔ یہ شخص تمہیں کیوں اچھا نہیں لگتا؟

"اس لیے کہ یہ درندہ گنہگار ہے۔" داس نے کہا۔ اس کے انداز میں وحشیانہ پن ہے۔ جب یہ چلتا ہے تو یوں لگتا ہے جیسے کوئی شیر، شکاری تلاش میں ہے جیسی ہے کہیں جا رہا ہو؟

"شیر... یعنی ٹائیگر... وہ منکرائے گا۔" تم نے اسے کتنا اچھا نام دیا ہے، داس! واقعی اس کا نام شیراؤ کی بجائے ٹائیگر ہی ہونا چاہیے تھا۔ یہ کہہ کر اس نے داس کی آنکھوں میں دیکھا تو وہ خود کو بہت گہرائی میں محسوس کرنے لگا۔ خود پدمی کی آنکھوں میں کسی شیرینی جیسی چمک پیدا ہو گئی تھی اور داس حیرت سے سوچ رہا تھا کہ ایسا پہلے تو کبھی نہیں ہوا۔

نیلی فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔

ٹائیگر نے فون کی طرف دیکھا اور بڑبڑانے لگا۔ یہ آرجن کی ہے بھی ایسا دیکھا ہے، یقیناً اس کی زندگی میں کوئی عورت داخل نہیں ہوئی ہوگی؟ اس نے ریسپونڈ نہ کیا اور دوسرے بولا۔

"میں بہرام بول رہا ہوں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "اوہ، سوٹ ہارٹ! ٹائیگر کھل اٹھا۔ میں سمجھا شاید کسی ایسی خاتون کو بالآخر مجھ پر دم آ گیا ہے جس کے چہرے پر آن گنت جھوٹے جھوٹے مسکراتے ہیں۔"

"بکواس بند کرو۔" بہرام کا مودہ خراب ہو گیا۔ ٹائیگر نے فوراً سلسلہ منقطع کر دیا اور اوشان کی طرف دیکھ کر مٹی بجانے لگا جو کمرے کے وسط میں کسی تختے کی طرح ساکت بیٹھا تھا۔ کنول کے آس میں اس کا مختصر سا دو کبھی آراستگی بہت جیسا ہی لگ رہا تھا۔

فون کی گھنٹی پھر بجنے لگی۔

ٹائیگر نے ریسپونڈ نہ کیا۔ "شیراؤ بول رہا ہوں؟" اس نے ہنسنے کی بجائے کہا۔

"تم نے فون کیوں بند کر دیا تھا؟"

"آپ کے حکم کی تعمیل اور بھلا کیسے ممکن تھی؟"

"کیا تم چاہتے ہو کہ میں اوشان سے کہہ دوں کہ تمہاری زبان گڈی

سے کھینچاؤں؟ اس بہرام کا بوجھ بے حد خراب تھا۔ "اوشان نے یہ دھندلا چھوڑ دیا ہے، سوٹ ہارٹ اس وقت آپ کا مودہ کچھ زیادہ ہی شراب منور ہو گا ہے۔ کیا حکم ہے؟"

"اوپر تلے ایسے واقعات ہو رہے ہیں جن کے باعث کے ایوان میں رہنے والی شخصیت کو بے حد تشویش ہے۔"

"ایوانوں میں رہنے والے عموماً کسی نہ کسی تشویش میں ہیں۔" جھوٹوں میں رہنا اس اعتبار سے واقعی صحت مندرجہ حالات بے حد خراب ہیں، ٹائیگر! بہرام کا بوجھ

سرد تھا۔ "اور بھی خراب ہو سکتے ہیں؟" اس بار ٹائیگر کے لہجے خشکی کا بے پناہ تاثر پیدا ہو گیا تھا۔

"آخر تم سنجیدگی سے اپنی رپورٹ کیوں نہیں پیش کرتا؟"

بھلا گیا۔ "رپورٹ کیا خاک پیش کروں؟ ٹیکل چالیس آدمی ہیں؟ کچھ کر رہے ہیں؟" ٹائیگر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ اور ان تعلق پولیس سے ہے؟

"چالیس... صرف چالیس...؟" بہرام چیخ پڑا۔ "ما کہیں تمہیں غلط اعداد و شمار تو نہیں ملے؟"

"نہیں... یہ اعداد و شمار انصاف پسندوں کے ایک نے بتائے ہیں۔"

"اوہ، وہ شخص اب کہاں ہے؟"

"ایک کوڑے دان میں پڑا ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "یہ کیسے ممکن ہے؟" شیراؤ! تم خود ہی سوچو۔ کیا صرف افراد اتنے بڑے ملک میں تو خیر کاروائیاں کر سکتے ہیں؟ بہرام خاموش ہو گیا جیسے بولنے کو کسی گہری سوچ میں ڈبو۔ قدرے توقف سے اس کی آواز دوبارہ سنائی دی۔

"میں ایک ہی چیز ممکن نہیں، جیف! ورنہ کوئی میں با کچھ ممکن ہے۔"

"تم کہہ رہے ہو؟" بہرام کی ڈانٹ میں پیادگی آمیزش تھی ان لوگوں کے پاس کوئی ایسا کمپیوٹر ہو گا جو شہر میں دل اور اس

انتظامات جدید ترین انداز میں ترتیب دیتا ہے؟

"ہاں۔ کمپیوٹر کا امکان تو ہے؟"

"تو پھر وہ تو کوئی بھی ہے، اس کی ذہانت سے انکا

بہرام نے ان دیکھے دشمن کی تعریف کی۔ "تمہاری رپورٹ سے سامنے آیا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان انصاف پسندوں کا لیڈر کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا؟"

"یہ بات فی الحال دقت سے نہیں کہی جاسکتی۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "انصاف میں اس کے ہاتھوں مکافات عمل کا سلسلہ جاری ہے۔" بہرام نے ریسپونڈ نہ کیا اور آواز گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

"کیا بات ہے، فرزند اجنبی؟" کچھ سوچ رہے ہو کیا؟ "اوشان کی سناٹی دی۔" چونکہ اس کے قریب آنکھ اٹھا تھا۔ "اوں... نہیں... کچھ نہیں۔" ٹائیگر جو تک پڑا۔

"میرا مشورہ ہے کہ ان انصاف پسندوں کے سلسلے میں سوچنا دو۔ میرے نزدیک وہ اپنے لوگ نہیں ہیں۔ بظاہر تو وہ ان لوگوں کا بااثر رہے ہیں جو معاشرے کا ناسور کھاتے ہیں لیکن نیچے یقین ہے انہوں نے اس آڑ میں کوئی گھٹاوا فعل شروع کر رکھا ہے۔"

"میں معاشرے کو ایسے ہی لوگوں سے پاک کرنا ہے۔"

"لیکن نڈل فادر، وہ قانون کے محافظ ہیں۔" میں بھی قانون نافذ ہوں۔ ایسے میں میں اپنے ہی جیسے لوگوں کو کیسے قتل کر جاؤں؟

"میں تمہیں پہلے بھی ایک بار سمجھا چکا ہوں کہ قانون اور مات کی بالادستی برقرار رکھنے کے لیے رشتے بے معنی ہو جاتے۔"

"نڈل فادر، اگر تمہاری بے پناہ طاقت تحریر کی طرف مائل ہو گئے تو تمہیں صغیر ہستی سے ملنے کا عزم کرنے والا سب سے شخص اوشان ہی ہو گا۔"

"اوہ، نڈل فادر... اتنا جوش و خروش۔" ٹائیگر مسکرا کر بولا۔ "ما جانتا ہوں کہ آپ کا ہاتھ مجھ پر جب بھی اٹھے گا، اس میں شاکا ہو گا۔" ٹائیگر نے ہلکے شگفتہ اور محبت کی آمیزش ہو گئی۔

"بکرہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔"

"ٹائیگر دروازے سے گزر کر اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔"

"اوشان کی ساکت آنکھیں ابھی تک دروازے پر چبھی ہوئی تھیں۔ اس کو دیا کہ وہ اٹھا، جب بہرام نے اسے حکم دیا تھا کہ ٹائیگر کو مار دیا جائے... تب وہ کس قدر بے بس ہو گیا تھا۔ اس نے دل دلا تو اسے شیراؤ کی بات ٹھیک ہی محسوس ہوئی۔ وہ ایک طویل

نسل کے کرہرونی دروازے کی طرف چل دیا۔

رات بے حد تاریک تھی۔

سیاہ کاروں کے سیاہ دلوں جیسی اس سیاہ رات کے سیاہ

نہیں، ایک تھوڑی بھر تو بڑی ہوئی تھی۔ یہ ایک قدیم جوتی تھی اور

اس کے گرد سخت پہرہ تھا۔ اندر ملک کی ممتاز صنعت کار دنیا بہتا نے ایک جشن طلب منتقد کر رکھا تھا۔ مدعوین میں ملک کے نامور سربراہ دار ہی نہیں، سیاست دان بھی موجود تھے۔ ساغر مینا کی گردش نے ان سب کو ایک ہی صف میں کھڑ کر دیا تھا۔ کھٹک دار لیکن ہجرتے تقیوں سے خالص پوش ہال کرہ کوچ رہا تھا۔ تہذیباً منظم چھپانے ہوئی کے دور افتادہ گوشوں میں سبک رہی تھی اور اخلاقی قدروں کا پرچار کرنے والے سرمحل، عریانیوں کے اٹھنے دیا میں بہرہ رہے تھے۔ دنیا، اپنی دولت سے خریدے ہوئے ان لمعوں میں ایک ایسا کھیل کھیلنے میں مصروف تھی، جو اس کی تجویزوں میں سونے اور میرے تجارت کا ڈھیر لگا سکتا تھا۔

ہال کے ایک ایک گوشہ تاریک تھا۔ اس تاریک گوشے میں ایک آنکھ نہ صرف سب کچھ دیکھ رہی تھی بلکہ وہ سب کچھ محفوظ بھی کرتی جا رہی تھی۔ یہ کیمرے کی آنکھ تھی جو بے نیازی کے ان مناظر کو فلم کے لپٹے پر منتقل کر رہی تھی۔ دنیا کو آئینہ دیتی کہ یہ فلم کے سیاسی طور پر ہی نہیں صنعتی طور پر بھی بے پناہ ترقی دینے کا باعث بنے گی... بلیک میل کرنے کے لیے اس فلم سے زیادہ مستند و ستادیز بھلا اور کیا ہو سکتی تھی۔

اچانک ہال تاریک ہو گیا۔

"... پھر یوں محسوس ہوا جیسے اندھرا بول اٹھا ہو۔ ایسی ایسی آوازیں گونجیں گے جو دنیا جیسی فاسٹ بھی جگڑا گئی... لیکن یہ تاریکی اس منصوبے کا حصہ نہیں تھی۔ وہ سب کچھ احوال میں ہوئے دیکھنا چاہتی تھی کیوں کہ اندھیرے میں کیرے کی اندھی آنکھ کچھ بھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔"

اس سے پہلے کہ وہ کوئی حکم دیتی۔ بولتے اندھروں پر روشنی پھیل گئی۔ ایک ہی ساعت میں ان گنت لباس، اخلاقی حدود کے اندر آپس آ گئے۔ دنیا کی آنکھوں نے جو کچھ دیکھا، اُسے دیکھ کر خود اس کی نظریں بھی جھجک گئیں لیکن وہ دل ہی دل میں اپنی ذہانت کو سراہ رہی تھی۔ اُسے بے غش خواہش تھی کیوں کہ اسے اندازہ تھا کہ بہن چہروں کو وہ اپنے ہاں بھڑک رہی ہے، وہ شراب و شباب کی فضا میں طہری اپنی اپنی نقابیں اٹھ دینے پر مجبور ہو جائیں گے... لیکن یہ کیا؟

اس کی نگاہ دروازے پر جم گئی۔

دہاں جو کچھ اس نے دیکھا، لمحے بھر کے لیے ایک خوف ناک خواب ہی محسوس ہوا... پھر یقین کی لہر اس کے دماغ پر غالب آ گئیں تو وہ سوچنے پر مجبور ہو گئی۔ صرف ایک ہی لمحے کی سوچ نے اس کے قلب و ذہن پر خوف کی تھر تھری پیدا کر دی۔ اس کی آنکھیں بڑی



آدمشان در دوزخ کی طرف چلا گیا۔ اس نے کوڑا کھڑے تو ایک





کی حالت غیر ہوئی۔ سب سے پہلے بھینسی ہوئی مٹھی ٹھٹھکی گئی... پھر ہاتھ کی بے جان لٹوٹرٹے کی طرح جھولنے لگا اور اس کے بعد وہ گھٹنوں کے بل گر کر چلانے لگا...

”بب... بس کرو... بس کرو... میں مان گیا... تم استاد ہو! شہزاد نے مکر لے کر ہنسنے اس کی کھائی چھوڑ دی۔“

اُس روز وہ بہت دیر تک انہیں تربیت دیتا رہا، اس نے عملی تربیت دینے کے بجائے انہیں یہ بتایا کہ دفاع کس طرح کیا جاتا ہے، حربہ کس طاقت کا استعمال خود اس کے خلاف کس طرح ممکن ہے اور ممکن معلومات حاصل کرنے کے لیے فاتور ترین اعصاب کے مالک شخص کو جو کس طرح بنایا جاتا ہے۔

اس کے لیے یہ انتہائی اگتا دینے والا کام تھا کیونکہ اس کی مبادیات وہ برسوں پہلے کچھ چکا تھا۔ اوشان نے اُسے ان تمام حربوں کا مالک بنادیا تھا جو جی پی پروگرام کا پہلا روز دوپہر کے وقت ختم ہوا۔ یہ کام صحابی کھنڈرات کے قہر جو اب اٹھا، اسی مقام پر جہاں ایک پولیس اہلکار نے دس دس گولیاں گن استعمال کرنے کی تربیت دیتے دیکھا تھا۔ وہیں ناس اور پٹنی بھی موجود تھے۔

”بس کرو شہزادو، بچ کا وقت ہو گیا ہے۔“ پر مٹی نے ایک کھنڈر سے شہزاد کو پکڑا اور وہ چاروں انصاف پسندوں کو جھپٹی دے کر اس کی طرف بڑھ گیا۔

”آپ نے طلب فرمایا ہے لاہم۔ شہزاد کے کہنے میں شوقی تھی۔  
پہننے اس وقت، تین سالہ اوسنی گاؤں پہنچے جسے ”جھٹی اور  
اس لباس میں دور دراز جاندے لکھا جس کے کوئی ہی رنگ رہی تھی۔  
”ہاں۔ میں نے اسے آواز دی تھی۔ وہ اسے نہوا لکھوں سے دیکھ  
کر ہراسے بولی۔ اور میں جب بھی لکھاروں، تمہیں سب کام چھوڑ کر آ جانا  
چاہیے۔“

”میں نے تو تمہیں کئی بار پکارا... مگر تم کبھی نہیں آئیں: شہزاد کا  
لبجو کسی فلم کے اداس ہیرو جیسا ہو گیا۔

میں تمھاری ہوں صوف تمھاری... پدیں کا ہوا جذبات سے  
بھر پور تھا... میں نے تمھاری آواز نہیں سنی روز سب کچھ چھوڑا  
جا کر... کیا تمھیں یاد نہیں... تم نے اس رات الماری سے آواز دی تو  
میں کبھی چلی آئی تھی... چلو... داس تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہے  
بھر میں تم سے باتیں کروں گی!

”اس بار بھی کوئی الماری ہی منتخب کی ہے؟ اس نے مسکرا کر پوچھا۔  
ایک ہفتے قبل تک پر مٹی الجھنوں کی ماری ہوئی ایک لڑکی تھی

میں بار بار خوشی کی لہریں جنم لے رہی تھیں۔ اس لیے ہمنی کو تو کو دیا  
تھانیں اس کی تنہا کے ساتھ مضبوط ہو گئے تھے۔ اس لیے اس کا خوش  
ہونا بھی بجا تھا۔

”زخم آئے اور خون بہنے لگے تو مرہ نہیں آتا“ شہزاد نے ایک مین کے پیٹ پر ہتھیلی سے ضرب لگاتے ہوئے کہا۔

وہ بے چارہ کسی بے آب پھل کی طرح رہنے لگا... لیکن مجھے  
مہر میں وہ شیک بھی ہو گیا کہ نہ تو شہزادے اس کے پیٹ پر ایک اور بی بی  
مذہب لگاؤ تھی۔

پان پولیس میں اسے بڑی حیرت سے دیکھ رہے تھے۔  
 ”مم... مجھے کیا ہو گیا تھا؟ پولیس میں نے زمین سے اٹھتے ہوئے  
 دیکھا۔ اس کا چہرہ زورور ہوا تھا۔“

پچھ نہیں تھیں، تمہیں نہیں پہنچا تھا۔" شہزاد نے اس کا ہاتھ ابھرا  
 کہ سنا۔ داس نے مجھے اچھی طرح پہچان کر کھڑا ہو گیا، آفیسر منتہی زی  
 ہے بلنا میں جو کچھ بھی کہوں اس پر پوری توجہ نہ دینا۔ اگر کسی دشمن کو یکر کرنا ہو  
 داس کے اصرار میں قیدوں کا نظام درجہ بدرجہ کر دو۔ اگر تم نے اسے جا قوسے  
 دیا تو لگا لگا خونخوار ہے گا اور بات بڑھ جائے گی۔ اچھے لوگوں کو انسانی خون  
 پھانسنے کے گرد کرنا چاہیے۔ دشمن کو قتل کرنا عادی بات ہے اور خون پھانا  
 بہت سہ... حق کرنا ہے تو اس طرح کر کہ پورٹ مارم پورٹ بھی یہ  
 ہے کہ کر دو ہم حاکمست قلب نہ ہو جانے سے نہ کھت ہو جائے فرض  
 کو نہ کہ کسی کو سنا سے اس طرح ہٹانا چاہتے ہو کہ وہ بھی واپس نہ  
 لے۔ اس کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ اس شخص پر اپنی انگلیاں  
 کر دو وہ مرنے لگا۔

”اور ہو جو ہو...“ ایک پولیس میں نے جلد یقین سے ہنستے ہوئے کہا۔  
 ”یقین نہیں آتا کہ لوہا بڑھاؤ میں تمہیں ایسی راہی تک عدم کردیتا  
 دل و شہزادے نے ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے کہا اور وہ پولیس میں اپنے  
 اتیسوں کے پیچھے دوک گیا۔ باقی دور دور سے ہنسنے لگے۔

”میں تمہاری شعبہ بازی کا جواب دے سکتا ہوں“ ایک ہیڈ کانسٹیبل نے آگے بڑھ کر کہا اور شہزاد پر حملہ کر دیا۔

اس نے شہزاد کی نگاہ پر مارنے کی کوشش کی تھی۔ وہ بہت متور تھا لیکن اُسے طاقت کا ثبوت دینے کا موقع نہیں مل سکا۔ شہزاد نے فضا ہی میں اس کا ہاتھ دلوچ لیا۔

ہیڈ کانسٹبل ایک لمحے تک جدوجہد کرتا رہا... پھر اس کی کات تھمنے لگیں۔

”ایک لمحے کے لیے یہ سوچ کر انعامات میں پورے انگلیشٹوں کی حفاظت کس کے سپرد ہوتی ہے... پولیس کے سپرد... سیاست میں انٹر اور سرکاری افسر مل کر حفاظت میں پولیس کو لے کر آتے ہیں۔ حکومت وقت کو سیاسی جواز توڑ کر اطلاعات عجمی میں ہی سمیٹتے ہیں لیکن پھر وقت بھی آئے گا جب یہ سب سلام کسی اور کے لیے نہیں بلکہ اپنی ہی کے لیے کریں گے اور ہمارا ہاتھ نہ ڈرے گا۔“

”اُف... شہزاد نے چمک کر اپنے سر ہاس کی طرف دیکھا جو اسے  
طبقاتہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔ اس کے ذہن میں اپنا تک ہی پولیس  
اسسٹنٹ کی واضح تصویر گھومتی چلی گئی۔

”...اے ایک ایسے میں تمہیں تنظیم میں شامل ہونے کی دعوت دے رہا ہوں“۔ اس کہتا رہا: اگر تم جلد ہی ہمارے ساتھ شامل نہ ہو۔  
 و انصاف پسند تم سے بھی عبرت لے کر انصاف کریں گے“  
 ”...تم میرے پاس ہو گے؟“

”جہاں تک تمہارا تعلق ہے۔ میں ہی تمہارا چیف ہوں گا۔“  
 نے اُسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

دلوں کی انھیں میں کو تیز اور یہ سوچے بغیر نہ رہا کہ اس کو  
حق نہ رکھ کے اس نے کوئی غلطی نہیں کی۔ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ غم  
منوں میں داخل ہونے سے کامیابی جلد قریب آئے گی۔ سب سے  
بہتر کام تنظیم کے اصل سربراہ کی گزارش اور امداد حاصل کرنا اور  
نفاذ کرنا جو کوئی میں موتِ غم کے لیے تیار رہے تھے۔ اس کی فہرست اس  
سے ہی جلیقی تھی اس واسطے کے لیے ضروری تھا کہ وہ اس کو اعتماد میں  
لے لے۔ اسے کوئی شک نہ ہونے دے۔

”تھیک ہے اس؟“ ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر جواب دیا  
 ”میں تمہارا ماتحت بن سکتا ہوں بشرطیکہ تم پہ منی سے دستبردار ہو جاؤ۔  
 حقیقت پسند ہو تم؟ آج تک کہیں، بدمنی، کرکٹ کھیلو، تین، کے حکم دے

ری ہو چکی ہے... لہذا اس پر میرا حق ہے، صرف میرا...  
داس کی آنکھوں میں لمحے بھر کے لیے ایک خوفناک حرکت نظر

یہاں تک کہ وہ خود بھی کہہ چکی تھی کہ شہزادہ اسل کر چکا ہے لہذا کچھ

داس نے جھک کر اپنا دیوار اٹھایا جو اب زمین پر پڑا ہوا تھا۔

س رہی۔ میں اُگا ہوا فالہ یوں بھی پسند نہیں کرتا۔

۱۷۔ مسلمانوں کے لیے یہاں سے کیا نفع ہے؟

”فرض کرو کہ میں پدہنی کو بھول کر تمہارا رفیقِ کار بن جاؤں تو کیا یہ دشمنی نہ ہو سکتی ہے؟“

”آں...“ اس چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا... بھر پڑی  
اعتیا طے الفاظ منتخب کر کے بلازلہ میں بھی تھیں اپنا ساقی دیکھنا  
یا ہستا بھول، تم، ایک ما صلا حست فو جوان ہوئے۔

”تم میرے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو؟“  
 ”میرا خیال ہے کہ تم سب سے بار آور حراز آؤ۔“

”نہیں... شہزادے اسکول سے ہونے کہا۔ وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ  
نی وقت اسے قتل نہیں کہے گا کیونکہ اسے یقین ہو چلا تھا کہ  
واس اصفان پسند تحریک کا کارنامہ دہرائیں بلکہ اسے ہی کوئی اور ایسا  
دیتا ہے۔ میں بہت صاف اور کھرا اعلان کروں، واس اپنے حریفوں کو  
راہ سے ہٹانا میرا محبوب ترین مشن ہے اور میرا کاروبار بھی یہ ہے۔“  
”تب پھر تم مجھے تعاون کرو، مجھے پتہ ہے کہ تم بہت کچھ  
معلوم ہو چکا ہے۔ اگر تم میرے ساتھ شامل ہو سکتے ہو تو میں دینی زندگی  
جوگی۔“

”وہ کس طرح...؟“ شہزاد نے کوشش کی کہ اس سب کچھ اُگل لے۔ ”کیا تم مجھ سے پولیس چیرٹی کے ٹکٹ فروخت کر اؤ گے؟“

”اس کی فخرت کرو، ہمیں تم جیسے افراد کی ضرورت ہے اور اس“  
 شہزاد نے بات خاص طور پر محسوس کی کہ اس کی کچھ برقیں ناپ  
 تول کر بولی رہا تھا، کیا اب اس کی باتوں میں رسانی آگئی ہے۔ اس کے  
 دہن میں یقیناً کوئی خاص بات تھی۔

”ہیں... کے تھاری کیا مراد ہے؟“ ٹائیگر نے دریافت کیا۔  
 ”میں اور میرے ساتھی...“ داس نے مکرانے ہوئے جواب دیا۔

”تب پھر پہلے اپنے ساتھیوں کے بارے میں بتاؤ۔“

۱۰ چالیس سیماہوں میں شغل و تفریح اسکا ڈکڑے ملک میں سرگرم

عمل ہے۔ اس اسکاؤڈ کا کام ان لوگوں سے انصاف کرنا ہے جن سے  
 قانون کسی نہ کسی وجہ سے انصاف نہیں کر سکا : ان لوگوں کو کیسے کرنا ہے

پہنچنا اس اکھاڑ کا پہلا فرض ہے جن کے لیے قانون موثر ثابت نہیں ہو سکا۔ ہم نے پولیس والوں کی ایک مضبوط محکمہ بنائی ہے جس کا ہر انٹ

بند تحریک رکھایا ہے۔ یہ تنظیم حرام کے خلاف جنگ کرے گی اور ممکن ہے کہ ایک نہ ایک رضا اس تنظیم کو ملک کی سب سے طاقتور تنظیم بن سکے۔

”وہ کس طرح...؟“ شہزاد نے پوچھا۔ اس کا ذہن اس وقت بہت بڑی سے کام کر رہا تھا۔

"تم سڑکوں پر رہو، وہ نیچے چلے میں بولی۔  
"اس کی وجہ تھاری تھی میں نہیں آسکتی۔  
"بھائی کی کوشش تو کرو۔"

مزدور بھادوں کا پیسہ داس سے تول لوں۔ یہ کہا ہوا وہ  
اس کے دل کی طرف بڑھ گیا جہاں ایک کمرہ صاف تھرا کر کے اس میں دیکھا  
کا دروازہ لگا ہوا اور وہاں تین فون سمیت مندرت کی ہر چیز موجود تھی۔  
داس فون پر کسی سے گفتگو کر رہا تھا، اس نے شہزادہ کو دیکھ کر ہاتھ  
کے ان اشارے سے کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہا، ساتھ ہی ہونٹوں پر اٹھکی رکھ کر  
خاموش بیٹھنے کی ہدایت بھی کی۔

شہزادہ بیٹھنے کے بجائے دروازے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔  
"میں ہاں... داس بات کرتا رہا میرا بھی یہی خیال ہے... نہیں  
... میں نے عجیب جہان کے قتل کا خبر جان رہا تھا، میں اس نتیجے پر پہنچا تھا  
کہ قاتل پولیس گروپ کے بارے میں اسٹرک کی تصویر درست نہیں تھی...  
جی... جی ہاں... درست... نہیں جناب؛ کاش میں اس کے ساتھ میں  
خود بھی ان کیوں کر دیکھا مہمب کے گناہوں مندہ جوں کیلن ایک کیا  
جائے کر ان کا کوئی وجود ہی نہیں ہے... جی... جی... مزدور جناب؛ اگر ایسی  
کوئی بات ہوئی تو میں خود اس سے سن لوں گا، انٹوگ تو بہر حال میرا  
مزدور ترین دوست تھا۔"

مزدور چند لمحوں کی گفتگو کے بعد داس نے روبرو کھتے ہوئے شہزادہ  
کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ "وزیر قانون تھا... اس نے فٹرو پیچھے میں کہا  
"اے شک ہے کہ پھر پولیس اس کا کوئی گروہ لوگوں کو کتل کر رہا ہے اور وہ  
یہ سمجھا رہا ہے کہ اس گروپ کا قلع قمع کر دوں تو جانتے ہی ہو گئے  
ایسے کسی گروہ کے وجود کا ہی نہیں ہے۔"

"کاش میرے نہیں کیے علم ہو سکتے ہیں۔ شہزادے ہنستے ہوئے  
کہا، دے اس وقت اس کا بھی تو ہمارا دھکا داس کو اس کے ایسے  
تمام اعضاء عروم کو دے جس کو حرکت کسے اور سوچنے سمجھنے میں  
مردہ دیتے ہیں۔"

"تم سناؤ... کام کیسا چل رہا ہے؟

"بہت شاندار۔ رقم بکے لے گی؟

"میں... تمہیں پوری ادائیگی کی جائے گی۔ آؤ، میرے ساتھ کھانا

کھاؤ۔"

"نہیں بشکریہ۔"

"ڈاؤنٹنگ کرو ہے شہزادہ؟

"نہیں... البتہ روزے مزدور رکھتا ہوں، مسلمان ہوں نا؟  
"اپنی توانائی محفوظ رکھو تمہیں اس کی جلد ہی مزدور محسوس ہوگی۔"

داس نے کسے شروع دیا۔

اسی لمحے پستی اندر آگئی۔

"میں کھانا کھانے جا رہا ہوں، ساتھ چلو گی؟ اس نے پستی سے پوچھا۔

"میں نہیں کھاؤں گی۔ پستی نے شہزادہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

داس مزید ہی مزے میں کچھ بولتا ہوا کمرے سے چلا گیا، اس کے جاتے ہی پستی  
نے دروازہ بند کر دیا۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی اس کی طرف بڑھی تو شہزادہ کو پچھا  
موسم ہوا جیسے وہ ناخوش نہیں بلکہ یہی ناخوش ہوئی ہے جس کی ناموس خطرو  
میں ہو۔ وہ دیکھ کر ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور پستی اس کی طرف بڑھتی رہی۔

++

ڈاکٹر ہیرام کو شہزادہ کی طرف سے ایک ایک لمحے کی بددلت مل رہی  
تھی، اور اس کے کم سے کم اٹنا اطمینان مزدور تھا کہ شہزادے جال بچا دیا ہے مزدور  
صرف اس بات کی کہ کچھ پہلے بڑی چھل چل میں چپس چلنے کے ناگہان چھل چلا  
خود بخود منتشر ہو جائیں۔

ہیرام کو اس وقت بھی شہزادہ کی کال کا اشتہار تھا... لیکن گھنٹی چل  
نیل فون کی گئی۔

"میں... ہیرام نے ریسور اٹھانے ہوئے کہا۔

"کیا تمہارا کوئی کامیاب ہو گیا؟ دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"وہ اپنے کام میں مصروف ہے۔"

"گراسے کام سوچنے ایک ہفتہ ہو چکا ہے ہیرام۔ آخر وہ مزید

کتنا وقت لے گا؟

"یہ بتانا مشکل ہے کیونکہ کام کی نوعیت بہت ہے جیروہ ہے؛

"وزیر قانون اور وزیر داخلہ مشترکہ پورٹ مجھے آج ہی موصول ہوئی

ہے جس میں انھوں نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ وہ قاتل کو تلاش کرنے میں ناکام

رہے ہیں۔"

"انھیں ناکام ہونا ہی تھا، یہ کام ہم پر چھوڑ دیں۔"

"میں نے ایسی ہی تو کیا ہے... لیکن یہ بھی تو سچو سچ آخر قتل ادد

غارتگری کا یہ بازار کب تک رہے گا اب قاس میں بیک سیٹنگ بھی

شامل ہو گئی ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ یہ سازش کہیں جہودیت کو تباہ نہ کر دے۔

"سازش تو یہی ہے... مگر ہم اس کی پختہ کنی میں کامیاب ہو جائیں

گے؟ ہیرام نے پراعتقاد لہجے میں جواب دیا۔

"مجھے تم سے کہنا چاہتا ہوں کہ اس میں تمہیں ہوا اور میرے ذہن میں

اشن آباد کی کامیابی بھی ناک تازہ ہے۔ میری ایک کتابیں تمہارے ساتھ

ہیں، اس جگہ کے بعد دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

ہیرام نے اس روز دوسری بار شہزادہ کو فون کیا لیکن اس سے آواز

نہیں آئی۔ وہ یہ کر رہا تھا کہ شہزادہ کے ذہن پر کیا  
اب بھی یہ بیخود سوار ہے کہ وہ قانون کے محافظوں کے خون سے اپنے

ہاتھ دھو رہا ہے؟... لیکن اوشان شہزادہ کا بھی استاذ تھا لہذا ہیرام  
اس سے کچھ بھی نہ اٹھا سکا۔

"ٹھیک ہے اوشان، یہ دوست کو ایک پیغام تو پہنچا دینا؟

"کیسا پیغام؟ اوشان کے لیے جس ہے افسانہ تھی۔

"اس سے کہنا کہ ملک کسی بھی زندگی سے زیادہ قیمتی ہے۔"

"ٹھیک ہے... یہ پیغام اُسے مل جائے گا۔"

ہیرام نے فون بند کیا تو اوشان کو سوچنے لگا۔ اسے وہ پہلا دن یاد

آیا جب اُس نے اس نوجوان کو قابلِ تامل شخص پر اسان بنانے کی ذمہ داری

سنبھال لی تھی۔ اس نے شہزادہ پر شدید محنت کی تھی، اس کے ناز و انداز سے

تھے اس کی ناراضگی مول لی تھی لیکن وہ اس شخص میں کامیاب رہا تھا کھانسی

کے علاج کو ایسی طاقت بنا دیا جاتے جو برائی کا خاتمہ کرنے میں معاون ثابت

ہوا اور جو سچ بھی ہے جس کے جذبہ کے زندہ رہیں اور جو محض ایک شہنی

انسان ہیں رد ہوئے۔ ہیرام شہزادہ کا شیعہ راہب ہی نوجوان بن چکا تھا۔

... اور آج ہیرام اسی کے ذریعے شہزادہ کو یہ پیغام دے رہا

تھا کہ وہ اپنی زندگی کی پروا نہ کرے۔

اوشان سر جھٹکنا تھا قاتلین پر اتنی باقاری پکڑ گیا، اب وہ پرک

تھا، چنانچہ چند گھنٹے بعد جب شہزادہ گھرواپس آیا تو اوشان نے اُسے یہ ٹیک

نہیں بتایا کہ ہیرام کا فون آیا تھا۔ A A

"آج کی رات بہت اہم رات ہے شہزادہ؛ داس نے ایک ایک گریٹ

ملکے ہوئے کہا، شہزادہ اس وقت اسی کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔

"میں سمجھا نہیں؛ شہزادہ کے محلات میں تناؤ پیدا ہو گیا، وہ

ایک بار پھر اپنی پرائیویٹ میں واپس آئے گا جس کا احساس ہوئے

ہی اسے یقین ہو جاتا تھا کہ کامیابی قریب تر نہ کرے والی ہے۔

"آج کی رات ہم اس ملک کو ہمارے پاک کرنے کی جلی سہم کا

آغاز کریں گے۔ داس ایک کاغذ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ آج کی رات

ہماری اس جہم کا بھی آغاز ہو گا کہ قانون کے محافظوں کو اعلانِ منصب

پر تینیاں کیا جائے؛

بیرونی دفتروں پر پستی ایک پکڑ پکڑ چلی ہوئی میموری ٹیپ کر رہی تھی

"آج کی رات... ہمارا گروہ جو چالیس افراد پر مشتمل ہے اس جگہ

میں ہو گا۔ ہر شخص کو ٹھیک سے چھپانے کی ہدایت کی گئی ہے۔ میں گروہ سے

تمہارا تعارف کرواؤں گا کیونکہ تم اب گروہ کے ٹریننگ ڈائریکٹر ہو۔ اس

کی تعارف کے بعد ٹھیک ساڑھے نو بجے ہم ایک پریس کانفرنس سے خطاب

کریں گے۔ اس پریس کانفرنس میں ہی انصاف پسند تحریک کے قیام کا  
رسمی اعلان کیا جائے گا۔"

"کیا پریس کانفرنس میں میرا بھی تعارف کرایا جائے گا؟

"نہیں... داس نے حرکت بچھاتے ہوئے کہا۔ پستی تعاری

ذات ہی ہماری تنظیم کا اصل راز ہوگی، ہم تمہیں کبھی سامنے نہیں لائیں گے۔

"مگر... مجھے تمہاری جو بیڑے حیدر لگائی ہے، شہزادے لکھنے کے

بیڑے لکھی بیٹھے کھلتے ہوئے خوشی کا اظہار کیا۔

"صرف ایک بات ہے حیدر ہم ہے؛ داس نے کرسی سے اٹھنے میں

پہل کرتے ہوئے کہا اور پھر مزید کچھ لکے لکے اور داس سے باہر چلا گئے۔

باہر پرستی ابھی بھی یوگراف مشین پر مصروف تھی۔ داس نے مشین اڈا

میں سر لٹاتے ہوئے دروازہ اچھی طرح بند کیا تاکہ پستی ان کی گفتگو سننے کے

اور پھر شہزادہ کے قریب نہ رہ سکے۔ پستی لگا۔

"صرف ایک شخص بہت اہم ہے شہزادہ؛

"وہ کون ہے؟ ٹائٹل کے پالیس جھپکاتے ہوئے پوچھا۔

"اگر وہاں کشتہ گرداں... داس کے لیے میں خون کا صدقہ

دلاؤں گی یہاں تھی۔

"اس کا ہم سے کیا تعلق؟

"وہ سب کچھ جانتا ہے اور شاید حکم کا گواہ بھی کرنے والا ہے؛

"تو کیا وہ بھی تنظیم میں شامل ہے؟ شہزادے نے اپنا جال سیٹھا شروع

کر دیا۔ حالات خود ہی ایسے موڑ رہ گئے تھے جہاں شہزادہ کو کچھ بھی نہیں کرنا

تھا۔ ویسے بھی وہ اس پورے ڈرامے میں اب تک محض تماشا ہی رہا تھا۔

"میں تمہیں صاف بتا دینا چاہتا ہوں، وہ صرف تنظیم میں

شامل ہی نہیں بلکہ اس کا کردار تھا بھی وہی ہے، انصاف پسند تحریک کے

قیام کا خیال بھی اسی کے ذہن کا اخراج ہے؛

"اور... اگر وہاں... وہ تو..."

"ہاں... وہ پستی کا باب ہے... داس نے سکرانے ہوئے جواب

دیا۔ لیکن اب وہ بہت اہم تھا۔ اس نے مجھے دھمکی دی ہے کہ میں نے

اگر آج رات کا پروگرام شروع نہ کیا تو وہ خود ہی حکام کے دربار پر پیش ہو کر

قبائل جرم کرے گا؛

"میرا خیال ہے اس میں اتنی ہمت نہیں ہے، وہ ایک شکستہ

آدمی ہے، شہزادے اگر وہاں سے اپنی پہلی ملاقات یاد کرتے ہوئے

کہا، "میرے تجربے کے مطابق وہ حکام سے ایک لفظ بھی نہیں

کہے گا۔"

"مگر تم کوئی خطرو مول نہیں سے سکتے شہزادہ۔ لہذا..."

"لہذا... شہزادے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔"

”مگر میں ضرور چلوں گا“

”مجھے کوئی اعتراض نہیں باشک آپ کا رستہ نہ آئیں۔  
پچھلی برادری میں خاموش بیٹھے رہیں گے“

اوشان نے شرارت آمیز انداز میں شکر توئے ہوئے اُٹھات  
بہر ہلا دیا۔

شہزاد اوشان کو کار میں چھوڑ کر اگر دال کے شاندار بیگلی میں  
خی خاموشی سے داخل ہوا کہ کوئی آپٹ ٹنک نہ ہوئی۔ وہ محض انداز  
سے کار لیتے ہوئے راہداری کی دیوار ٹوٹا ہوا آگے بڑھتا ہوا کچھ دیر  
ملاس کی آنکھیں اندھیرے کی عادی ہو گئیں تو اس نے خود کو کراسی  
رائٹ روم کے قریب پایا جس کے بنی کرے کی الماری میں اس  
پادختی سے ملاقات ہوئی تھی۔

وہ کرے کی کھر ملی سے لگ کر کھڑا ہوا گیا۔

باہر چار سو تاریکی بھی ایسی تاریکی جو کسے شہر پرستھا ہو  
تھی اور جس میں روشنی کی ایک کرن بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ  
رہنے لگا کہ یہی اندھیرا جو کسے کھڑا ہے۔ بہر حال افراد باغی تیار ہیں  
دھال بنا کر کردہ جرائم کرتے ہیں اور ان کی محض مختصر سی تعداد...  
ان کے باقیوں کو رنار ہوئی ہے۔

وہ سوچنے لگا کہ کیا اگر دال میں ہی ہی طرح انسانیت کو ظلم  
درجہ سے نجات دلانے کے لیے کمر بستہ ہو گیا تھا؟ کیا اس نے یہی  
تصدیک کے لیے دیا تھا؟ اس سے تنہم قائم کی تھی... لیکن نہیں... اس  
نے گنگو کے بعد اب یہ امر ثابت ہو چکا تھا کہ تنظیم کا مقصد سیاسی اقتدار  
اپنے ہاتھ میں لینا ہے اور اس کے لیے تنظیم قتل و غارت گری  
بلیک ہیٹنگ کو بطور زیر استعمال کر رہی ہے۔

وہ یہی کچھ سوچتا ہوا اُٹھ کر دم تلاش کرنے لگا جو ڈرائنگ  
اسے ملتی تھا۔

وہ ڈرائنگ روم کی ایک آرائشی دیوار کے نیچے چھپ کر  
دال کا انتظار کرنے لگا۔

آٹھ بجے میں صرف دونٹ باقی تھے۔

ٹھیک آٹھ بجے اگر دال ڈرائنگ روم میں داخل ہوا اور اس  
لائسنس آن کر دی۔

اسی لمحے شہزاد دیوار کی آڑ سے نکل آیا۔

”نام بخیر اگر دال... میں تمہیں قتل کرنے آیا ہوں۔ اس نے  
بہر صاف غفلت میں اعلان کیا۔

”لگ... کیا... اگر دال کے چہرے پر ہلزلے کے سے اثرات

”لہذا اب تمہیں اپنا ہلکا کام کرنا ہے“

”کام بھی بہت خطرناک نوعیت کا ہے“

”ایسا بھی نہیں کرتے تم اسے نہ کر سکو“

”یہ کام کب اور کہاں کرنا ہے؟“

”اگر دال اپنی عادات کا غلام ہے۔ وہ ہر روز بدینی کے ساتھ  
ڈنڈ کرتا ہے۔ تم آج ہی رات اس کام تمام کر دو۔ تمہیں اس کے مکان  
میں داخل ہونے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی اور...“

”مگر وہاں پلڑی بھی ہوگی“

”اس کی فکر نہ کرو، میں اسے اتنا کام دے دوں گا کہ وہ نصف

شب سے پہلے فارغ نہیں ہوگی“ داس نے جواب دیا۔

”مگر کچھ بہر سوچنا رہا... پھر بولا، لیکن مجھے فقرہ تم چاہیے“

”کتنی...؟ داس کا لہجہ سیٹھا تھا۔

”کشمیر جیسی شخصیت کے احترام میں صرف پچاس ہزار روپے“

”ٹھیک ہے، مل جائیں گے“

”پیشگی ادائیگی ضروری ہے“

”پیشگی مل جائے گی“ داس نے ایک الماری کھولتے ہوئے

جواب دیا اور پچاس ہزار روپے کی رقم میز پر پھینک دی جو شہزاد

کی جیبوں میں چھپ گئی۔

”ایک اور سوال داس؟ یہ کام تم کو دے کسی آدمی سے

کیوں نہیں لے رہے ہو؟“ ٹائٹل کرنے پچھا۔

”میرے آدمی ٹیم کی شکل میں کام کرتے ہیں اور میں چاہتا ہوں

کہ یہ کام صرف ایک ہی شخص کے ذریعے انجام پائے“

شہزاد کھڑا ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ پولیس کے کسی بڑے افسر

کا قتل کتنی ناممکن بات ہے... اس سے قطع نظر کہ اس نے مجھے پاس

کسی کو بھی قتل کرنے کا سرکاری اجازت نامہ دیا ہو، وہ قانون کے

کسی لحاظ کو قتل کرنا نہیں کرتا تھا جبکہ اسے کشتہ کاروں کا

لگانے کا حکم دے دیا گیا تھا۔ مٹا اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اگر دال کو

قتل کر دے گا۔

شہزاد چلا گیا تو اس نے سگریٹ سٹگائی اور ماچس کی تیلی

کو جلتے اور پھر راکھ بن کر بجھتے ہوئے دیکھنے لگا۔

باہر نکل کر شہزاد کو یہ احساس ہوا کہ داس نے اسے قتل کے

بعد کی ڈیوٹی سے آگاہ نہیں کیا لیکن اس نے اپنے طور پر فیصلہ کر لیا

کہ وہ کشتہ کاروں سے نہیں داپس آئے تاکہ آٹھ بجے والے اجلاس میں

شرکت کر سکے۔

ڈنڈ میں ابھی تین گھنٹے باقی تھے لہذا وہ اپنے گھر چلا آیا۔ راستے

نظر آنے لگے یہ کیا تمہارا تعلق تنظیم سے ہے؟

”میں داس کی طرف سے آیا ہوں اگر دال...“

”آہ... اگر دال کی پیشانی پر پسینے کی گوندیں بھل جائیں گیں اس

کے چہرے پر خوف کی چھریاں غوردار ہو گئیں اللہ بار بار شکر

نکلتے لگا... مجھے... یہی خوشہ تھا۔ اب تو صرف... صرف ناکامی ہی میرا

مقدمہ بنے گی“

”قتل و غارت گری کا بازار کس نے گرم کر رکھا تھا؟ شہزاد کے

لہجے میں ملات تھی جیسے وہ اس شخص کو اس کے آخری لمحات میں

پچھتاوے کا احساس دلانا چاہتا ہو۔

”... اور اس سلسلے کو ختم کرنے کے گا؟ اگر دال نے خوابناک

لہجے میں دیوار کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”اس کے لیے میں حاضر ہوں کشتہ صاحب... میرا یہی کام

ہے...“

”مگر تم کون ہو؟ اگر دال نے ہتھیلی کی پٹت سے پسینہ پونچھتے

ہوئے پوچھا۔

”میں جو کوئی بھی ہوں اس کا علم تمہیں میری باتوں سے ہو

جائے گا... مگر میں تمہارے بارے میں اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں

کہ تم انتہائی خطرناک شخص ہو اور اگر اس ملک میں تم جیسے ہزار

بیس آدمی اور پیدا ہو جائیں تو پورا ملک تباہ ہو جائے گا“

”تم کچھ کہتے ہو، مگر کتنے چہ حیاتی ہوتی نظروں سے ٹائیگر کی

طرف دیکھتے ہوئے کہا: لیکن تم یقیناً بُرائی کا خاکہ کرنے والوں میں

سے نہیں ہو تمہیں داس نے یہاں بھیجا ہے تاکہ میرا کام تمام کر دیا

جائے کیونکہ صرف میں ہی اس کے سیاسی عزائم کی راہ میں رکاوٹ

بنا ہوا ہوں“

”میں اس کے سیاسی عزائم کی کچھ تفصیل بھی سننا چاہتا ہوں

اگر تم مناسب سمجھو تو کچھ بتا دو“

”اس کا پروگرام بہت سادہ ہے نوجوان! کشتہ کار، آواز کا پ

رہی تھی، وہ ہر لمحے شخص کو اپنی تنظیم میں شامل کرنا چاہتا ہے جو

جرائم کی دنیائے تعلقات رکھتا ہو، انصاف کے مقتضیات نام کی آڑ میں

وہ ظلم کرنے کی انتہائی طرف کا مزن ہے۔ اس کا پروگرام یہ ہے کہ افراد

کو ملک گیر بنیاد پر پولیس اور جرائم سے تعلق رکھنے والوں میں منظم

کیا جائے، ہر فرقہ پرست کو اس میں شامل کیا جائے اور جب یہ تنظیم

طاقت ور ہو جائے تو وہ انتخابی دھاندلیوں کے ذریعے اقتدار حاصل

کے لے“

”وہ دن کبھی نہیں آئے گا کشتہ“

کوشش میں پولیس کے ہاتھوں مارا گیا۔

”کچھ بھی ہو، ہمیں نہاڑے ضائع ہونے پر بے حلال ہوگا۔“ ایک پولیس مین نے پیتل سے اس کا نشانہ لیتے ہوئے جواب دیا۔ شہزاد کے اعصاب گولی کا جھٹکا سینے کے لیے تیار ہوئے۔ پستول والے نے اس کے دل کا نشانہ لیا۔... مگر اسی وہ بلی دبانے ہی والا تھا کسی کے ہوئے درخت کی طرح زمین بوس ہو گیا۔

”آسی لمحے اوشان کا ڈبلا پتلا دھودنفا میں بلند ہوا اور اس نے باقی دروں پولیس والوں کو پکڑ لیا۔ شہزاد نے موقع پانے ہی الٹی چھلانگ لگائی۔ اب وہ باقی تین پولیس والوں سے اچھا بڑا تھا۔ وہ ان تینوں پر تار بڑھو لے کر رہا تھا اور اپنے عقب سے آسے اوشان کے خطرناک گھڑوں کی دھم دھم سنائی دے رہی تھی۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ اوشان ان میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔

... اور پھر بڑا بھی میری۔

چھ جسم زمین پر بے حس دے حرکت نظر آنے لگے۔ اوشان کے تیزوں شکار اپنے سروں کے زرخیز سے چمڑے بڑے ہو چکے تھے جبکہ شہزاد کے دونوں حریف دیر بڑھ کر ہڈی ٹوٹنے سے مرے تھے۔ اس کا تیسرا حریف اب بھی نرپ رہا تھا اس کی سانس آ جا رہی تھی۔

اوشان اس کی طرف لپکا تو شہزاد نے اسے روک دیا۔

”نہیں اوشان... اس سے کچھ پوچھنا ہے۔ یہ کہہ کر وہ اس نیم مردہ شخص کے پاس دوڑنا چاہے گا۔“ میرے قتل کی اطلاع داس ہی کو دی تھی نا؟

”ہاں... آ...“ وہ نرپ کی حالت میں کہا۔

”کس طرح؟“ ٹائیگر نے پوچھا۔

”فون کی گھنٹی کے ذریعے... اس کے دفن فون کا تھا گھنٹی دو مرتبہ بجنے کے بعد رسیدی روک دینا تھا۔ یہی... تمھاری موت کا سگنل... تھا۔“

”شکر و دوست“ ٹائیگر نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: ”شاید تم یقین نہ کرو لیکن میں حلفیہ کہتا ہوں کہ تم اس ملک کی پولیس کو کل تباہی سے بچاؤ چاہتے ہیں۔ داس بڑی گہری سازش کر رہا ہے۔“

”میں... تم پر یقین نہیں... کر سکتا۔“

دو بہت تیزی سے سوچ رہا تھا، اب اسے اس پورے گردہ کا تعلق ختم کرنے کے لیے کوئی فوری کارروائی کرنی تھی اور اب سے ضروری کام پر تھا کہ تنظیم کے اجلاس سے قبل ہی داس کو ختم کر دیا جائے۔ اس کے بعد تنظیم کے ان تمام کارکنوں کو گرفتار کر لیا جائے جن کا ذکر اگر دال نے اپنی تحریر میں کیا تھا۔ وہ اسی سوچ میں غرق اگر دال کے گھر سے نکلا لیکن لان پر پہنچنے ہی آسے احساس ہوا کہ وہ تنہا نہیں ہے۔

وہ چونک پڑا۔

”شہزاد...“ آسے عقب سے آواز سنائی دی۔

وہ بلٹا لڑکے تین پولیس مین نظر آئے۔

وہ سمجھ گیا کہ اس کے لیے جال تیار کیا گیا ہے۔ اس نے فوراً ہی نشانہ لگالیا کہ وہ تینوں مرکزی دروازے کی آ... بکری اس کے عقب میں آئے ہوں گے اور اس کا یہ اندازہ درست نکلا۔

دوسری طرف بھی تین پولیس مین موجود تھے۔ مسلح اور کسی بھی کارروائی کے لیے تیار... چھ تربیت یافتہ جوان آسے قتل کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے۔

داس نے آسے بھی دھوکا دیا تھا اور وہ داس کے جال میں بری طرح پھنس گیا تھا۔

”شہزاد...“ عمارت کے قریب کھڑے ہوئے ایک شخص نے پھر مکیا۔

”کیا چاہتے ہو؟“ ٹائیگر نے آسے سمت بڑھتے ہوئے پوچھا۔ آس کی حرکت عملیاتی تھی، وہ اتنے قریب آ جاؤں کہ ہاتھوں سے مقابلہ کر سکے۔

”تمھاری موت...“ دوسرے شخص نے سب شین گن کی نال پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا۔ ”چیت کا حکم ہے کہ تمھیں موت کا تحفہ دیا جائے۔“

شہزاد اب ان سے محض چند گز دور تھا۔

”کیا تم جانتے ہو کہ داس تمھیں استعمال کر رہا ہے؟“ شہزاد نے اپنے عقب میں قدموں کی آہٹ سنتے ہوئے کہا۔ وہ جانتا تھا کہ آسے ہر طرف سے گھیر لیا گیا ہے۔ اس کے ذہن میں مفناتیس لہریں سی دھننے لگیں۔

وہ داس کا منہ دیر بھرا گیا۔

کل کے انجمناد میں شرمیلی ہوئی، کشتی کا تامل زار ہونے کی

اگر دال سکین کی موت مگیا۔

اس کے چرسے پر تکلیف کے آثار پیدا نہیں ہوئے اور ہی اس کی آنکھیں پٹی نہیں... یہ وہ مگیا۔ بالکل اس طرح ہر کوئی گہری نیند میں سو رہا ہو۔

شہزاد اٹھا دھول کو تحریر پڑھنے لگا۔

اس خط میں سب کچھ موجود تھا۔ سازشوں کے مقام اور دال کے علاوہ شریک کار کو گول کے نام اور پتے تک درج تھے۔ اس میں سارے واقعات تفصیل سے بیان کیے گئے تھے۔ یہ بھی بتایا تھا کہ داس نے کس طرح قاتل اسکاؤٹ تنظیم کے تنھے کس طرح دوستوں کو پولیس کی نوکری دلوائی تھی اور کس طرح انھیں سیما اقتدار حاصل کرنے کے لیے منظم کیا گیا تھا۔

اس میں اب شک کی موت کا بھی ذکر تھا۔ یہ بھی بتایا گیا کہ انصاف پسند تحریکیں شامل کتنے پولیس مین اصل سازش پر بے رحم تھے۔ داس کے اس نسلے کا بھی ذکر تھا کہ وہ خود اپنے دہندہ ہے جسے جھگڑا نے حکمرانی کے لیے منتخب کیا ہے اور۔ کابھی ذکر تھا کہ اگر دال نے کتنی بار داس کو باز رکھنے کی کوشش اور اسے ناکامی کا فائدہ اٹھایا۔

ہر صفحے پر اگر دال کے عقل و ستون موجود تھے۔

اسے پڑھتے ہوئے شہزاد کو اندازہ ہو گیا کہ کتنے مرد کو بیکس مزاحمت کے کیوں ملے گئے۔ خط میں انبال جرم کے خود کشی کا بھی اعتراف تھا اور دیکھا تھا۔

”زندگی اتنی مکروہ کبھی نہ تھی میں جہنم سے کھنڈرات پر پولیس اسٹیٹ قائم ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ میں نے نفس اپنی بیٹی کا انتقام لینے کے لیے ایک بھیانک غلطی کی جس کا خمیازہ اب پوری قوم کو بھگتنا ہوگا لہذا میں گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے خودکشی کر رہا ہوں۔ کاش میری یہ قربانی رائگاں نہ جائے۔“ اگر دال

شہزاد نے یہ خط دھڑکنے پڑھا۔ اس کے ایک ایک میں مکہ اور غم کا درد سمجھا جاتا تھا۔... اور جب وہ تیسری مرتبہ پڑھ چکا تو اس کی آنکھیں جھپک رہی تھیں۔

”تم بزدلوں کی طرح زندہ رہے مگر مردوں کی طرح شہزاد نے لاش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ”تم نے موت کو اتنے سے گلے لگایا کہ میں تم پر رشک کیے بغیر نہیں رہ سکتا لیکن کو۔۔۔ داس کو ایسی موت نصیب نہیں ہوگی۔ خدا حافظ۔“

”کیا تم اسے روک سکو گے؟“ اگر دال کے لیے میں جرت تھی۔ میں اسے روک نہ دھکاؤں گا۔“ ٹائیگر کی آواز میں کسی جھلے جیسو عزت تھی۔ اس کی آنکھیں اب بھی اگر دال پر مرکوز تھیں جو سوچ روک کے قریب کھڑا تھا۔ ”گو ہاتھ انعتق و تحقیق داس اور تنظیم سے نہیں ہے؟“ اگر دال کے لیے میں اس مرتبہ خوشی کا گہرا اثر تھا۔... لیکن شہزاد اگر تنظیم کا راز فاش ہو گیا اور لوگوں کو حقیقت معلوم ہو گئی تو ان کا قانون پرست اعتماد ختم ہو جائے گا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ لوگ قانون کے محافظوں سے انتقام لینے کے لیے کوئی اور گروہ بنائیں۔ اس طرح ملک میں قانون نافذ کرنے والے ادارے اپنا جرم ہی نہیں وجود تک کھو بیٹھیں گے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تمام کامیابی کے بعد یہ بات عام نہ ہوتے دو کر قتل و غارت گری کی اس ہمیں قانون کے محافظوں کے ایک گروہ کا ہاتھ تھا؟ ”میں کوشش کروں گا،“ ٹائیگر کشتی اگر دال کے ملینڈا بیچے سے متاثر ہوئے بغیر زندہ سکا۔

”نہ جا۔“ نے کیوں جی چاہتا ہے کہ تم پر اعتماد کروں؟“ بڑھے اسکا ہاتھ جیب کی طرف رینگنے لگا اور شہزاد پوری طرح جکس ہو گیا۔ میں ریو اور نہیں نکالوں گا بیٹے۔... صرف کاغذ نکال رہا ہوں۔ ہاتھ باہر آتا تو اس میں ایک لفظ دبا ہوا تھا۔ یہ تو... اس لفظ میں سارے راز محفوظ باں۔ اگر ممکن ہو تو میری موت کے بارے میں سب کو بتا دو کہ مجھے قانون شکنوں نے قتل کیا ہے۔ ویسے لفظ میں میرا انبال جرم ہے، میں نے اپنی تحریر میں سب کچھ لکھ دیا ہے کسی کبھی اس کی صداقت پر شک نہیں ہو سکتا۔

وہ شلیف کی طرف بڑھ گیا جہاں پولیس رکھی ہوئی تھیں اس نے ایک گلاس پر زور کیا۔ لفظ بھی اس نے شلیف ہی پر رکھ دیا۔ ”کیا میں کچھ سکتا ہوں کہ اس خطرناک گروہ کا دھوکس طرح عمل میں آتا تھا؟“ ٹائیگر نے پوچھا۔

”بہت چھوٹی سی بات اس کا باعث بنی؟“ اگر دال نے ایک لمبا گھڑٹ لیتے ہوئے جواب دیا۔ ”میں نے اپنی بیٹی پر ظلم کر کے دالوں کی تلاش کے لیے چند افراد کو مامور کیا تھا اور۔۔۔ جی سے بنیادی غلطی ہوئی تھی۔“

”ہر لیے کا آغاز کسی دسی معری بات سے ہی ہوتا ہے،“ ٹائیگر نے جواب دیا اور پھر اس نے اگر دال سے کوئی زیادتی کیے بغیر قتل کر دیا۔ اس نے بڑھے کو موت کے کرب میں مبتلا نہیں کیا بلکہ اس کے قریب گیا گلاس کے کرشیف پر رکھا اور اس کی کینٹین پر پھیلیا مارچ، اگر نے سے پہلے ہی وہ اسے سنبھال کر ستر پر لٹا رہا تھا۔



یقین کرو دوست... ادواب سو جاؤ، یہ کہہ کر ٹائیگر نے اس لئے دل پر ہاتھ رکھ کر دباؤ بڑھا دیا۔

اوشان لاشوں کے درمیان کھڑا شہزاد کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کا سبز لبادہ بنوایں لہرا رہا تھا۔

”کیا سوچ رہے ہیں، ایشل نادر، شہزاد نے شروع ہی میں اچھا اور بھی بھول گیا کہ چند لمحے قبل ہی اس کی زندگی کو ایک مبینی خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔“

”سوچ رہا ہوں کہ تم نے انہیں بڑی شرافت سے ہلاک کیا ہے۔ نہ تو کسی کی شکل بگڑا اور نہ ہی...“

”ہاں... یہ سب رعایت کے مستحق تھے کیونکہ انھیں گمراہ کیا یا تھا، شہزاد نے نفسیانہ انداز میں جواب دیا۔

”چھ تو اسے گئے۔ اب ساتواں بھی احمقانہ حرکتوں کے الزام مارا جائے تو بہتر ہے آخر تم یہاں تنہا آنے کی حماقت کیوں کر پتے تھے؟“

”کبھی کبھی سنک جاتا ہوں نا بہر حال چلیے ایک اور ضروری کام بھی نپٹانا ہے۔“

کار کی طرف بڑھتے ہوئے شہزاد نے ایک طویل سانس لے کر نکالت کی طرف دیکھا جہاں اگر وال کی ناش پڑی تھی۔

”میں نے ایک ایسے شخص کو کبھی قتل کیا ہے جو اس سزا مستحق نہیں تھا، اوشان... میں یہ بدیعہ جینی محسوس کر رہا ہوں۔“

”تمہارے ہاتھوں آج تک کوئی بے گناہ قتل نہیں ہوا۔ لہذا یہ بدیعہ جینی دودر دودر میں تمہاری گردن ناپنے میں کوئی عار محسوس نہیں کروں گا۔“

”کیا آپ نے ان لوگوں کو اس طرف آتے دیکھ لیا تھا، شہزاد نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

”ہاں۔ پہلے تو مجھے کسی خطرے کا احساس نہیں ہوا لیکن جب انھوں نے پولیس سبھائی شروع کی تو میں سب کچھ سمجھ کر چھت پر پہنچ گیا لیکن پھر میں نے سوچا کہ چھت سے ان لوگوں پر گرتا ماسٹر آف شاخو کے دتار کے خلاف ہو گا لہذا...“

وہ بولتے بولتے چپ ہو گیا۔ یوں محسوس ہوا تھا جیسے اس کی سماعت کسی خاص جانب مصروف ہو گئی ہو۔

ٹائیگر کے مصطلحات بھی تن گئے۔

خطرے کی ایک لہریسی اسے ماحول میں دوڑتی محسوس ہو رہی تھی۔

... پھر بیک وقت چار گراںڈیل افراد نے اُن پر دھواں بول

دیا۔ وہ چاروں کار کے پیچھے پھٹے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں نیزہ دار اور چوڑے پیل والے چاقو چمک رہے تھے۔

وہ کسی طوفان کی طرح ان کی طرف لپکے۔ چاندل کی کوشش یہ تھی کہ اُن کے چاقو اوشان اور شہزاد کے جسم میں اند تک دھنس جائیں... مگر یہ اُن کی بھول تھی۔

ان کا مقابلہ عام احمقوں سے نہیں تھا۔

”واہ... اوشان کی آواز نفسا میں گونجی اور فوراً ہی تحلیل ہو گئی۔ اس کے بعد خاموشی چھا گئی لیکن کبھی کسی کی گمراہ اس خاموشی کو بھی توڑ دیتی تھی۔

شہزاد نے ایک شخص کی کلائی پر بیک بک سے وار کیا اور دوسرے کے سر پر ہلکا سا دو پتہ مارا۔ بیک بک کا شکار ہونے والا اپنی کلائی پر کڑا کو مہرا ہو گیا جب کہ دوسرا برداشت کرنے والے نے سر جھپکتے ہوئے خونخوار نظروں سے ٹائیگر کی طرف دیکھا اور ایک بار پھر اُس کی طرف لپکا۔

ٹائیگر نے اس قسمیاس کی دونوں کلاٹیاں پکڑ لیں۔ وہ پہلوؤں کی طرح زور لگاتے لگے۔ جرئت خاصا تنکوا تھا... لیکن پھر اُس کے چہرے پر کرب کے آثار نمودار ہونے لگے چاقو اُس کے ہاتھ سے گر گیا اور وہ گھٹنوں سے بل بیٹھ گیا۔ اسی لمحے ٹائیگر نے ایک زوردار غصہ کراس کے چہرے پر ماری...۔

وہ شخص بے ہوش ہو گیا۔ اُس کے چہرے کا مہترابن گیا تھا۔ معاً شہزاد پر عقب سے حمل ہوا... وہ کسی سانپ کی طرح تڑپ کر بیٹھا تھا۔ ڈٹی ہوئی کلائی والا بائیں ہاتھ میں چاقو پکڑے ہوئے تھا۔ اس کا ہلکا دار تو وزن بگڑنے کے باعث ضائع ہو گیا تھا اگر وہ پہلا وار صدمہ کرتا تو شاید ٹائیگر غصی ہو جاتا...۔ مگر اب موت خود اُس کے سر پر منڈلا رہی تھی۔

ٹائیگر نے بیک کراس کی کہ تمام لی اور پھر وہ شخص نفسا میں بلند ہو کر ایک درخت کی ٹوک دار پھٹی پر گر گیا۔ اُس کا جسم اس جگہ میں بیروست ہو گیا اور پھر پھٹی سمیت زمین پر آ پڑا...۔ کرنے سے پہلے ہی وہ مر چکا تھا۔

شہزاد نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔

اُس کا پہلا شکار آخری سانس لے رہا تھا۔

دولاشیں اوشان کے قدموں میں پڑی تھیں اور اوشان ایک پھول توڑ کر اسے ترنگہ رہا تھا۔

شہزاد کو اپنی طرف متوجہ پا کر اس نے پھول اُچھا لیا اور ہاتھ جھاڑتے ہوئے کار میں بیٹھ گیا۔ کار چلی تو اوشان نے گفتگو میں

سے شروع کی جہاں منقطع ہوئی تھی۔

”لہذا میں چھت سے اتر کر ان کے قریب جا کھڑا ہوا اور جب اُن میں سے ایک نے انھیں گولی مارنے کے لیے پستول اٹھایا تو میرا ہاتھ بھی اٹھ گیا۔“

”آپ اور ہرام کا نظریہ دوست تھا اوشان، شہزاد نے کار چلاتے ہوئے کچھ سوچ کر کہا۔“ ان میں کوئی بھی اچھا آدمی نہیں تھا۔ سب ناسور تھے اور باقی بھی ایسے ہی ہیں۔“

”مجھے خوش ہے کہ تم نے اپنی عقل کو چراگاہ سے واپس بلا لیا ہے۔ ہاں... میں تو بھول ہی گیا تھا کہ ڈاکٹر ہرام نے انھیں ایک پیغام بھیجا تھا۔“

”کیسا پیغام؟“

”اُس نے کہا تھا کہ بعض حالات میں کسی کی زندگی ملک سے زیادہ قیمتی نہیں ہوتی۔“

”یہ پیغام اُس نے کب دیا تھا؟ شہزاد نے حیرت سے پوچھا۔

”یاد نہیں رہا۔“

”یاد نہیں رہا، شہزاد ہنس پڑا۔“ آپ نے اُس وقت تک بتانا مناسب نہیں سمجھا جب تک میرے سر سے قانون کے محافظوں کی بے گناہی کا ٹیٹو نہیں اُتر گیا۔“

”یقین کرو میں بھول گیا تھا، اوشان نے دوسری طرف دیکھ کر کہا... پھر اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

انسپکٹر داس کی میز پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی تو اس کا ہاتھ بے ساختہ فون کی طرف بڑھا لیکن اس نے رسیبہ نہیں اٹھایا۔ دوسری گھنٹی بجی تب بھی اس نے رسیبہ نہیں اٹھایا اور ہاتھ میز پر رکھ لیا...۔ فون کی تیسری گھنٹی سنجی تو اس کے چہرے پر ناخاندانہ مسکراہٹ ناچنے لگی۔

اس کے تمام مسئلے تیزی سے حل ہو رہے تھے۔

اگر وال کو شہزاد... اور شہزاد کو اس کے آدمیوں نے قتل کر دیا تھا اور اب بدیہی صرف اُس کی تھی۔ اس نے ایک مزدوری کام کے بہانے بدیہی کو ہوائی مہمان سے ایک قریبی شہر بھیج دیا تھا تاکہ وہ اپنے باپ کی ناگہانی موت کی خبر نہیں اور نہ۔

اس کے کمرے سے باہر کی پولیس میں موجود تھے۔ اس نے غڑی بچی کو دیکھنے والے تھے۔ ایک گھنٹہ پہلے جو ایک گھنٹہ پہلے شہزاد کے سینے میں ناخن بھرا لٹا نہیں تھی۔ پولیس کا نفرین میں بھی تاثر کی جاسکتی تھی۔

اس نے میز پر رکھے ہوئے کاغذات ایک بار دیکھے۔ یہ اس کی تقریبی اجلاس میں کرنی تھی تاہم وہ سچ رہا تھا کہ اسے غریب

تقریب سے ہٹ کر بھی کچھ کہنا ہو گا۔ اسے اپنے منصوبے کا اعلان کرنا تھا اور قانون کے محافظوں کو یہ احساس دلانا تھا کہ وہی ملک کی تقریب کے مالک اور اقتدار کے اصل مفید ہیں۔ وہ پولیس کا نفرین میں اپنے اصل عوام پر پسینہ رکھ کر یہ اعلان کرنے والا تھا کہ پولیس کی ایک نظم قائم کی گئی ہے جو جرائم کے خلاف فیض جٹ کرے گی۔

داس نے اُن میں جھانک کر دیکھا جہاں پولیس میں جتن تھے اور زور زور سے قہقہے لگا رہے تھے۔ وہ تعداد میں چالیس کے قریب تھے۔

وہ بدیہی کے کمرے سے گزرتا ہوا، بال کی طرف جانے والی راہداری میں آگیا۔ اس نے ان دو مہتممات افراد کو دیکھا جو بال کے آہنی دروازے پر کھڑے تھے۔ وہ اس کے سر پر ہٹا ہوا آرمز تھے۔ اس کا دل خوشی سے زور زور سے دھڑکنے لگا ان میں سے ایک دارا حکومت کی میز پر پولیس کا ڈی ایس ایس تھا اور دوسرا قریبی شہر کا انسپکٹر...۔ ان کی ڈیوٹی پٹی کئی کارہاں پسندوں کے علاوہ کوئی اہل مال میں داخل نہ ہو پائے۔

داس سکرانا اُچھا لال میں داخل ہو گیا۔

شہزاد نے ”خشب“ بچنے کے بعد رسیبہ رکھ دیا اور تیزی سے کار میں بیٹھ کر اُس کے دفتر کی طرف دوڑنے لگا۔

”سکون سے گاڑی چلاؤ، اوشان نے تیز رفتاری پر پائلز میں کتے ہوئے کہا۔

”سکون سے ہی گاڑی چلا رہا ہوں ایشل نادر، اس شہر کا اصل یہی ہے کہ اگر گاڑی تیز نہ چلائی جائے تو لوگ اجنبی سمجھ کر پشیمان کرنے لگتے ہیں۔ شہزاد نے دو کاموں کے درمیان سے گاڑی نکالتے ہوئے جواب دیا۔

”لیکن اس تیز رفتاری سے تم دوسروں کو خوفزدہ کر رہے ہو۔“

وہ ایک کار کو ڈب بٹھ کر چڑھ گیا۔

”آپ ہی کیوں ڈرا بیڑ نہیں کریتے۔ تم، شہزاد نے جھلکتے ہوئے کہا۔

”میں اس شیطانی چرچے کو باآسانی کنٹرول کر سکتا ہوں۔“

... دیکھ میں اس گاڑی کی ضرورت صرف کون کا جوابی تیز رفتاری کے باوجود ابھی تک نہیں ٹوٹی۔

”آپ تو بعض اوقات پریشان کر دیتے ہیں۔“ شہزاد نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

”ماں۔ کچھ دیر پہلے جب تم سب مشین گوں اور پستول کی زد میں تھے

”ہی ہے ادا۔ اسپیکر اس شہر دار نے سرگوشی میں کہا۔  
 ”آہ... یہ تو صورت ہی سے ابلیس نظر آ رہا ہے“ اوشان ٹڑپا۔  
 ”یہ آپ کیسے کہہ رہے ہیں؟“  
 ”چہرہ... چہرہ شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ انسان کسی دے

فائز اسٹیج کی سرزمین پر پہنچا تو داس کا چہرہ حیرت اور خوف سے  
بگڑتا چلا گیا۔

اس نے آنے والے کو یہی ان کہا تھا۔  
 اسٹیج پر پہنچ کر ٹائیگر نے سرمرد غفلت سے اسپیڈ دوس کو دیکھا ہوا بھی  
 فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ چند لمحوں تک دونوں  
 دوسرے کو ٹھوہرتے رہے۔۔۔ پھر شہزاد کو پالیس والوں کی طرف پلٹ  
 لاکت اور مضطرب بیٹھے تھے۔

شہزاد نے ایک ہاتھ بند کر کے کناٹا شروع کیا۔ میں آپ حضرات  
نے وہ خط چھاپا ہے تاہم جو کوشش زکریا نے اپنی موت سے قبل  
تھا یہ ناٹیک کے لیے ہیں۔ اعتماد اور سوا گزشتہ عشق تھی۔ اس لیے عجیب  
وال کا نظریہ نکال کر کھول لیا۔ اگر وہ زکریا کی طرح ہر ایک جانفروش  
حضرات اس نے انتقام لینے کے لیے تحریک شروع کی تھی جو بعد میں  
بڑھتے بڑھتے نکل گئی اور اس تحریک نے ایک ایسی شکل اختیار کر لی  
کہ دن کے نہیں بلکہ رات کی شخصیات، مفاد میں تھی جس کے باعث  
میں نے خود کوئی کام فیصلہ کیا اور یہ خط اس ناخوشی پر ہے۔ اس میں  
میں نے سب کو دو ٹوک انداز میں کھ دیا ہے۔ یہ بتایا ہے کہ اس نے  
پسند نہ کر سکا اس طرح اور یہ شروع کی۔ آغاز میں اس کا مقصد  
ہر تھا کہ اگر ہم کارنامہ کرنا چاہتے ہیں تو یہ تحریک اس کے ہاتھوں  
کل کر ایک سیاسی تنظیم بن چکی تھی۔ اگر وہ نے بھی کھائے کہ  
یہ تحریک کو سیاسی بننے سے روکنے کے لیے جسے ہی جس کے لیے وہ  
ارادہ کیا تھا ہے۔ میں یہ سب کچھ صرف اس لیے تحریر کر رہا ہوں  
میں انتہائی تدبیر اختیار کرتے ہوئے اس تنظیم کا قلع قمع کر دوں  
میں کہ وہ قوم، انسانیت، جمہوریت اور مساوات کی راہ پر گامزن رہے  
قرار قرار ہے اور بنیادی آزادیوں کی ضمانت کو کوئی آٹھ دانے یا  
شہزاد نے یہ پرانے پڑھ کر ایک طویل سانس لی۔ اس نے  
میں کو ایک وصیت بھی کی ہے۔ وہ کھتا ہے: میں ان جوانوں  
میں سے ہوں جو جلدی پوش ہیں اور میں نے وہ دیکھا ہے انسانیت  
کے لیے قانون میں امتیاز کرنے کی واحد علامت ہیں لیکن میں  
آپ لوگوں کے سامنے حقائق پیش کیے جائیں گے تو آپ بھی  
میں گے کہ آپ کو گراہ کیا گیا ہے آپ کا فرض انسان اور انسانیت  
کا قانونیت اور آزاد رجحانات سے بچنا ہے۔ یہ مقدس ترین  
میں جن کو حاصل کرنے کے واسطے مذہب کہلائے ہیں۔ اسی مقصد  
والوں کی راہ میں، میری قربانی ایک آدمی پر ہے لیکن شاید  
ربانی سے قانون کے نام پر ان کا قانونیت کا سلسلہ بند ہو جائے۔  
یہ کہ شہزاد کو اس دلائل کے چہرہ والے کا جائزہ لینے لگا۔

”یہ تجھوتا ہے“: داس نے چلا کر کہا ”جعل سانہ ہے، اس پر یقین مت کرو۔“

شہزاد نے مسکراتے ہوئے بیٹا آنکھ پٹکا جس میں کبھی جھوٹ  
پہنیں بولتا میرے غم اُمتندانہ جھوٹ کو جسم کے لیے تنگ کیے تیرے ہون  
خوار دیا ہے میں سب کچھ جانتا ہوں کیونکہ میں نے ہی ان کو ال گزرا  
... میں نے اسے اس وقت کیا کیونکہ تجھے ایسا کرنے کا حکم ملا تھا  
... اور تجھے یہ حکم کرنے کو دیا تھا کہ پولیس والوں کے نام نہ یاد دوز  
انسپیکٹر واس نے ... اور اس حکم کو جو یہ بھی کہ اگر وال اسے سیاہ  
وقت بننے سے روکنا چاہتا تھا  
" تم جھوٹے ہو " واس نے ایک مرتبہ بھر چلائے ہوئے کہا  
پستول بھی نکال لیا۔

”وہجا حضرت ابابکرؓ مجھے قتل کرنے کے واسطے ہے تو قاتل  
 داس... قاتل... لیکن جو پر حملہ کرنے سے قبل اپنے آپ کو میں  
 ستر یاد کرو جنھوں نے کئی مرتبہ مجھے قتل کرنے کی اجتماعی کوششیں  
 کیں۔ اگر ایسی دبا جائے تو میں بھی نہیں لوگوں کا میں بہتر  
 کا کہ خود تمام لوگوں کو ساری حقیقت بتا دوں میں بتاؤ کہ تم ہی ختم  
 فرمادے ہو اور تم ہی اگروال کے قتل کا حکم دیا تھا“  
 ”ہم... ہم... غلطی شیطان تم جنھوں نے ہو یہ داس نے؟  
 پختہ ہوئے کہا۔ اگروال کے قاتل تم ہو“

ہاں... میں نے اس سے کب انکار کیا ہے یہ سزا دینے والا  
 ہوئے کہا: "لیکن تم بھی یہ تسلیم کرو کہ کوئی حکم تم نے دیا تھا۔"  
 ٹائیگر اب داس سے صرف تین قدم دور تھا اور اس کی آنکھوں  
 میں ایسی نفرت کی آگ سلگ رہی تھی جس کی صحت سے گلاس ٹک ٹکلا  
 سکتا تھا۔

اچانک ہی داس کو اس بھاپ مار پارٹی کا مشیروا گیا جو اس کی قیادت میں شہزادہ کو قتل کرنے اس کے ٹھہر گئی تھی۔ اس کی نظروں کے سامنے صحن میں بکھری ہوئی لاشیں دھس گئیں۔ اسے اچانک ہی موت کی گھمٹوس ہونے لگی تو تھارے اپنے ساتھ لے کر گیا تھا۔

[illegible]

رو کوئی مجرم رہا ہوتا ہے تو اس میں عدالت یا قانون کا کوئی قصور نہیں ہوتا بلکہ تفتیش کا قصور ہوتا ہے۔ افس زندہ رہنے کا حق ہے لیکن

تھیں مزید سانس، مینے کانوں کی تھپ تھپ... جلاؤ گولی،  
 ہانگے کے سپرے پر اترتا ہوں ناگ مسکراتا ہے گی، بڑی  
 مسکراتی تھی جو وہ اس نے اس کے لیے پر اس وقت بھی سمجھی جب وہ  
 اپنے میں ملتا آواز کا قانون کے محلول کو ہلان کر رہا تھا۔  
 دیکھتے دیکھتے اس کے ہنسنے کی نال بلند ہوئی اور اسی گولی  
 کے سچے ہی دھماکہ اس کی کینٹی نے خون بہنے لگا۔ اس نے دیواروں کی  
 نال پھینچی پر کوہکڑا ٹھہرا ہنگر دیا دیا تھا۔

پتوں اور آس کی انکلیوں سے نکل کر اپنے پر کو اڑا کر چھڑا چھل کر  
عین اس جگہ ٹکڑ کیا جہاں دال کا جسم گر رہا تھا۔ اس کی میب سے  
بہت سے کاغذ بھی نکل کر گر گئے۔ وہ اس کی وہ تاریکی تقریر تھی، جو  
اس نے بڑی محنت سے تیار کی تھی۔

تہزاد نے یہ مسئلہ اٹھاکر اس کی لاس پر رکھ دیا اور پھر پولیس والوں کی طرف پھیلستا ہوا یہ ناقابل یقین منظر دیکھ کر اپنی اپنی جگہ جامد ہو گئے تھے۔

۵۔ لوگو!۔۔۔ انگریز کی سرزمین پر تو آواز اُٹالیں جو کوئی نہیں۔  
اپنے گھروں کو دایسے جاؤ۔ داس اٹھنے بھول جاؤ۔ انصاف پسند تنظیم  
کو لاؤ۔ موش کو درد۔ حبیب بھی تعہیں دیوئیں جو کسی بزم سے انصاف نہیں  
کھاؤ۔ کیا تو یہ ضرور سوچیں کہ شاید یہ تعہد ان نقیض میں کو غلطی ہو گئی  
تھی۔ جاؤ۔۔۔ لوگ تم پر اعتماد کرنا نہیں۔ تم سے محبت کرتے ہیں کیونکہ  
تم ان کی آبرو دے گئے۔ غلط ہو،

دہ شاید طبی تقریر کرنے یا دواؤں سے بچاؤ نہیں مفاد اوشان ایک  
دوا دازے کی آڑ سے نکل آیا۔ اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر شہزاد کو  
خاموش دہنے کی ہدایت کی۔

پھر ایسی جگہ سے گزر کر اوشان کے شانہ بشانہ صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ ابھی صدر دروازے کے قریب ہی پہنچے تھے کہ ہال میں موجود آدمی انصاف پسند تحریک کے بیچ ہال نکال کر داس کی لاش پر یوں بھینٹے لگے گویا ان سے اسے سگساڑ کر رہے ہیں۔

”حمکین۔ مجھے تم پر فخر ہے، ایسے بچے! آؤشان نے پُرسرت بچے میں کہا۔ تم نے ان تمام کمزوروں کو راہِ راست پر ڈال دیا ہے۔“

”آہ۔۔۔ کاش کوئی مہرِ اُلو بھی راہِ راست پر ڈال سکے، بشہزاد نے ہنستے ہوئے کہا، وہ بھی میرا حصولِ اُنسا یہ تھا، انصاف کرانا

رہتا ہے :

وہ بڑی دیر سے خاموش اور ساکت بیٹھا ہوا تھا۔

ایک کتھی نہ جانے اس امر کو نشہ کتھ کسے میں کہاں سے کتھی آئی  
کتھی نہ کتھی بار بار اس کے منت پر بیٹھ جاتی تھی... اور وہ ہاتھ کی خفیف  
سہی حرکت سے اُسے اُڑا دیتا تھا۔ شاید اس کے ہاتھ کی ضرب سے دو  
تین بار پچھنے کے بعد کتھی کو بھی کچھ غلط آنے لگا تھا۔ اس کا ہاتھ اُسے  
اُڑا کر جیسے ہی پہلو میں بھونے لگا، وہ اس کی ٹانگ پر آکر بیٹھ جاتی۔ رفتہ  
رفتہ اُسے غصہ آنے لگا۔ کتھی کبھی اس کے رخسار پر بیٹھ جاتی اور کبھی  
اس کے اُپر کے بالوں میں گدگدی کرنے لگتی۔ رفتہ رفتہ جھٹکا... جتنی کہ  
دو تین بار اس نے اتنے زور سے ہاتھ مارا کہ خود اس کا ہاتھ اپنے رخسار  
سے ٹکرا گیا۔ چنانچہ اسے تیز آواز پر ہتھیار ہوتی اور اس کا غصہ دو چند ہو جاتا...  
لیکن وہ ایک سمجھ دار آدمی تھا۔ اس نے کتھی سے اس پھر بچاؤ میں مزید  
دقت ضائع نہیں کیا اور کسب کا ہاتھ کھڑا کر لیا۔

وہ آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

اس کی بڑی بڑی کوٹھلیں اس کے جہرے کا عصب بن جھارہ سی  
تھیں۔ اس نے نوٹیں گوں کو ماردیتے ہوئے خود کھلائی کے انداز میں کہا۔  
”ہوستان خان! انسان کی کیا حیثیت ہے۔ قدرت چاہے تو عین ایک  
حقیر سی کھٹی کے ذریعے زنج کر سکتی ہے نہ کہ دودھ نوش دل سے مٹس پڑ  
گورستان خان ایک دولت مند آدمی تھا۔ کراچی میں اس کے  
قیام گزشتہ تیس سال سے تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ جب وہ یہاں آیا تھا تو  
اس کے پاس اتنے ڈھانچے کے لیے پورے کچرے بھی نہیں تھے... لیکن  
آج وہ تیس سال پہلے والا ہوستان خان نہیں تھا۔ شہر میں اس کے کئی  
ریستوران تھے۔ مگر ان کی طرح وہ گوشت کاسب سے بڑا سلاٹر تھا۔  
اور بھی کچھ دھندے تھے جن کو یاد کرنے کے لیے خود ہوستان خان کو بھی  
ذہن پر زور دانا پڑتا تھا۔

وہ اپنی جوی اور دوستیوں سے ساتھ وینس کے ایک شان دار  
کونوی میں رہتا تھا۔ اس کے زندگی بڑی صاف ستھری تھی، گوشت کی  
سپلائی کے سلسلے میں باہوں کے کھن میں اس انتظام کے افسر کو کوڑی  
بہت رشوت دینے کو کہہ گئے نہیں سمجھتا تھا۔۔۔ وہ تو اس فن کا دل  
بھی لگا، وہ نہیں سمجھتا تھا، جو اسے ہر مہینے ایک مخصوص وقت پر، ایک  
مخصوص نمبر پر کر کے لے جاتی تھی۔ اس فن کا کے عوض اسے ہر ماہ معقول  
رقم بذریعہ ڈاک ملتا یا کرنسی تھی ادا سے صرف اتنا سا کہ بڑا تھا کہ  
گوشت کے سلسلے میں اعداد و شمار فن پر تاد سے۔ یہ سراسر تجربہ اس  
کے ایک دوست سے ملتا تھا جس سے اس کے بعد بھی ملاقات نہیں

نام... تیر... کو ڈوکر... اور اطلاعات... نسوانی آواز  
 رہی تھی... مسعود کی آواز میں کہ بوستان خان کو لانا شروع کرنا تھا۔  
 پہلائی کا کام حسبِ معمول... لیکن بعض علاقوں میں گوشت  
 بقت ہوئی جا رہی ہے... اس کی ایک وجہ گوشت کی خرابی ہے۔  
 ج میں نے جو گوشت چمکا اس کا ذائقہ ایسا تھا جیسے میں نے تانبے کا  
 کوئی کڑنٹہ پی رکھا ہو... وہ بو لانا... پھر چائیک کی آستے دوہلی  
 کھٹ سے کچھ عجیب سی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اسی مداخلت کے  
 عث وہ جلدی جلدی اپنا بیان ختم کر کے خاموش ہو گیا۔  
 یک گراؤنڈ سے بھرے والی آوازیں آئیں جیسا کہ مسامت



مید جسو علی امام بڑے دل گڑے والا آدمی تھا لیکن جنگل میں درخت سے چھوٹی ہوئی اور خون کی بوندیں چپکاتی ہوئی لاش اس کے اسباب پر گراں تھی۔ خاص طور سے اس کے چہرے پر دو خون آلود ٹرسے بے حد خوف ناک لگ رہے تھے۔ میرا امام ایک جھجھری سی لہ کر گیا خوف کا اثر زائل کرنے کے لیے وہ سوچنے لگا کہ کبھی ان آگھوں کی جگہ جو آکھیں تھیں وہ مقتول کے لیے کس قدر اہم دہی ہوں گی اور وہ ان کی حنا نہ نہ کے لیے کیا کچھ نہ کرتا ہو گا؟

اس نے اپنے کتے نامی کی طرف دیکھا جو زبان نکالے باپ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں لاش پر جمی ہوئی تھیں اور جیتا جاگتا سرخ سرخ خون دیکھ کر اسے چھلنے کی خواہش قطره قطره دل بن کر اس کی زبان سے نکل رہی تھی۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ ثانی۔ میرا امام نے کتے کی توجہ ہٹانے کے لیے سخت لہجے میں کہا: "میرا چلو!" کتے نے مالک کی آواز سنی تو وفاداری کا جذبہ اٹلی بھوک پر غالب آ گیا۔ بڑا بڑا طور پر اس کی ڈم لگی۔ لاش سے نگاہ ہٹ کر اپنے مالک پر مرکوز ہوئی تو اس کی وحشتناک جبلت پر اس بڑ گئی۔ میرا امام دایں چل دیا تھا اس لیے کتا بھی اس کی اچڑیوں سے تھوکتی کھاتا ہوا اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

وہ جلد سے جلد گھر پہنچ کر اس خوف ناک لاش کے سلسلے میں قانون سے واسطہ قائم کرنے کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔

صدر مملکت نے حال ہی میں صدارتی ڈسٹے وارڈن کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھایا تھا اور ان کے شب و روز بے حد مصروفیت میں گزر رہے تھے۔ ان کا خاص سیکرٹری اس وقت دفتر میں موجود تھا اور وہ انھیں بعض ایسے حقائق سے آگاہ کر رہا تھا جن کا علم انھیں نہ منصب سنبھالنے کے بعد ہی ہو سکتا تھا۔ سیکرٹری شہزادی کچھ دیر قبل ہی صدر مملکت کے دفتر میں آیا تھا اور اس نے تھوڑے سے وقت میں اسے اپنے حیرت انگیز اکتشافات کیے تھے کہ صدر مملکت کی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی کے تاثرات کو دیکھ لینے کے تھے۔

"یہ بڑی ہی عجیب چیز ہے! شہزادی؟ صدر مملکت نے منکر کر کہا۔ بالآخر وہ خبر تو ان کے صوفیوں سے نکل آئے جن کا کامیاب ہو گئے تھے اور ان کے ہونٹوں پر ہر بول عربیہ شکرابٹ رقص کرنے لگی تھی۔ سیکرٹری مروت کا چہرہ بھی غالباً اس شخصیت کے بارے میں

نہیں جانتا اور اس کا تذکرہ ضرور کرتا؟

"آپ کا خیال درست ہے جناب... لیکن ہمیں کہہ بالا خرہ وہ شخصیت نہ صرف تھانے ہاں آچکی ہے بلکہ اس نے کاروائی کا ارادہ بھی ظاہر کر دیا ہے۔ اس شخصیت نے عالمی سطح کارنامے سر انجام دیے ہیں، وہ نہیں مختصر آپ کے گوشے پر چکا ہوں؟"

"کیا میں اس شخصیت سے مل سکوں گا؟"

"شاید... اور ممکن ہے، آپ آپ ایک اس سے مل سکتے ہیں؟" لیکن اسے پیمانہ محال ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کہ جس قدر دیر وہ رہے گی، تو وہ ملک کے لیے اتنی ہی فائدہ ثابت ہوگی۔ بہر حال آپ کی دائیں ہاتھ والی چپل دوا میں سرخ نیل فون موجود ہے، آپ اس پر اس شخصیت سے لا کر سکتے ہیں؟"

صدر مملکت نے اشارت میں سر ہلایا اور سیکرٹری کو کہا اشارہ کر کے دوا نہ بند ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ دوا نہ بند ہوا خود کار تالا گئے کی ہلکی سی کلک سنائی دی اور صدر مملکت نے اپنی دائیں دوا بھول کر فون سے ریسپونڈ کر ڈالی۔ اس فون پر ڈائل نہیں تھا۔ گویا لائن براہ راست عمل نے جیسے ہی ریسپونڈ کان سے لگایا، دوسری جانب سے "جناب عاری ایک خزانہ آواز سنائی دی۔" "میں مشر پریڈ پرنٹ؟" ایک لمحے کے لیے صدر مملکت کی جھون ناگواہی سے ہو گئیں۔ دوسری طرف سے بولنے کی آواز میں سوائے انداز کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور اس نے علیک سلیک یا رسمی باتوں میں بھی ممانعت نہیں کیا تھا۔

"میں زہر خورانی کے واقعات پر بے حد تشویش میں ہوں۔ صدر مملکت نے تمھاری لہجے میں کہا۔ ان کے لہجے میں قوم د سالیت کے لیے گہرا غلوں سے بھرا ہوا تھا۔

"جی ہاں... بہر حال آپ آواز اب بھی جذبات سے اس سلسلے میں کام کا آغاز کر دیا جائے؟"

"او۔ کے مشر پریڈ پرنٹ؟ دوسری طرف سے کہا گیا۔ کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع ہو گیا۔ صدر مملکت چند لمحوں تک سر ہاتھ میں تھانے سے اُٹھ کر رہے... پھر ان کے ہونٹوں پر شکرابٹ پھیل گئی جس نے انھیں عوام میں بے پناہ مقبول اس شکرابٹ میں ان کی فطری چٹائی، وطن پرستی اور غلوں کا سمندر دکھائیں مانا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ چالوس اور بڑی؟

لے دالے لوگ کاروائی نہیں ہو کر تے جنہیں کام کرنا ہوتا ہے ان کے پاس رسمی باتوں کے لیے ایک لمحے کی بھی فرصت نہیں ہو سکتی۔ لہذا چند دھن سے ملک کے سب سے بڑے صوبے میں ایک عجیب سا جرم سرکار ہوا تھا اور اس کی وجہ سے کئی اموات واقع ہو چکی تھیں۔ پولیس اور خفیہ پولیس کے دونوں محکمے اس سلسلے میں کام ہو چکے تھے۔ انتہا ان سے خاص سیکرٹری نے "میکر اور ہرام کے سلسلے میں اکتشاف کر کے جہاں انھیں حیرت سے دوچار کیا تھا، وہاں اس عظیم فری ایسے کو حل کرنے کے لیے ایک مثبت راہ بھی چھانڈی تھی۔

میکر نصف شب کے وقت شہر کے مرکزی حصے کی ایک سڑک پر لوٹکر آیا ہوا تھا اور اس وقت وہ بڑے چپل تھا کہ وہ نشے میں اس بڑی طرح دھت ہے کہ اس کے لیے چلنا دھبہ ہو رہا ہے۔

یہ بخوری کی ایک سرد ترین رات تھی اور میکر کے جسم پر صرف بی بی شرٹ اور پتلون تھی۔ پتے سے موٹی کپڑے کی بی شرٹ میں نام آدمی اس وقت بستر سے نکلنے کا بھی تصور نہیں کر سکتا تھا جبکہ وہ سڑک پر چل رہا تھا۔ ہنسنے والی جڑائیں، اس سے جسم سے ٹکرا رہی تھیں لیکن اب تک اس کے جسم میں کپڑا ہٹ کی خفیت سی رہی پیکر کرنے میں ناکام رہی تھیں۔ ایک ایک ہنسنے والی جڑائیں اس کا سر مار رہی تھیں۔ اس میں موجود خفیت سیامیوں نے سڑک کے چپوں پر ایک ایک شخص کو لٹکھڑکھڑاتے دیکھا تو گاڑی روک لی۔

"اسے اُگن ہو تو... اور کدو؟ ایک سپاہی غزایا۔ شہزادہ نیگر نے کوئی توجہ نہیں دی۔ وہ اسی طرح لوٹکر آتا ہوا چلتا رہا۔

"اوتے تم نے سنا نہیں؟ سپاہی کا بارہ چڑھنے لگا۔ میکر اب بھی سنی سنائی کر کے کچھ دھت رہا۔ دھڑا دھڑا اس کا سر کے چاروں طرف سے اٹھنے اور چار پولیس مین کو دھڑک دھڑک کر اس کے لیے سارا علاقہ ان کے ذہنی زلوں کی دھمک سے گرج اٹھا... اور دوسرے ہی لمحے وہ چاروں ٹائیگر سے ٹکے گئے۔ وہ اسے بڑے گڑبگڑ کی طرف گھسیٹ رہے تھے لیکن نہ جانے کیا بات تھی کہ انھیں اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ چند ہی لمحوں میں پولیس مین ان کے گاہک ہٹ گئے اور ٹائیگر اپنی جگہ کھڑا رہا۔ اسے درخت کی مانند دکھائی دینے لگا جس کی جڑیں زمین میں بہت گہرا تک پہنچی ہوئی ہوں... اور وہاں کے زور پر چھوٹ رہا ہو۔

مکانات ہے کل زمانہ؟ پولیس کا رہیں بیٹے ایس۔ آئی

نے پوچھا۔

"یہ آدمی تو اپنی جگہ سے ہٹا کر نہیں جناب؟ ایک پولیس مین نے ہاتھ بٹھوڑے جواب دیا۔

"کیا یہ مزاحمت کر رہا ہے؟ سب انسپکٹر غزایا۔

"نہیں یہ بات بھی نہیں ہے جناب؟ کل زمانہ نے کہا۔

سب انسپکٹر بڑبڑایا ہوا کار سے اُتر آیا۔ اس نے ہوش سے دوا اور لٹکالا اور ٹائیگر کی طرف تان کر بولا: "اوتے نشے باز! شرارت سے تمھارے چلتا ہے یا بجائوں تمھاری کھوپڑی؟ سیدھی طرح آگے لگ جا!"

ٹائیگر نے نشے میں دھت شرابی کی طرح ہر اک ایک انگلی سب انسپکٹر کی آنکھوں کے سامنے لہرائی اور ایک فلمی گیت گنگانے لگا تھا۔

"تو میں کی اولاد تمھارے چل۔ تمھاری ساری داگی نکل جائے گی۔ اسے اٹھا کر گاڑی میں ڈال دو؟ سب انسپکٹر نے ٹھکانا انداز میں کہا۔

چاروں سپاہی ایک بار بھرا اس پر بل پڑے... لیکن کوشش کے باوجود وہ ٹائیگر کو اپنی جگہ سے ہلانے میں کامیاب نہ ہو سکے...

سب انسپکٹر کا غصہ آسمان کو چھو تا ہوا تھا۔ بچہ وہ بھی سپاہیوں کے ساتھ شامل ہو گیا لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین بات اٹھا ٹائیگر اپنی جگہ کھڑا ابھی مجھوم رہا تھا اور اس کے پیروں نے ایک ایک پانچ زمین بھی نہیں چھوڑی تھی۔

"رہنے کس جی کا بنا ہوا ہے؟ سب انسپکٹر نے کھسکا کر پتے بٹھوڑے کہا۔ وہ بڑی طرح باپ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں حیرت اور بے یقینی سے پھیل گئی تھیں۔ اس نے سپاہیوں کو دودھٹ جانے کا اشارہ کیا اور پہلی بار غور سے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔

وہ بے پناہ نشے میں تھا۔ اس کی آنکھیں نہ تو واقعتاً اوپر سے پرکھنی ہوئی تھیں۔ شہر کے کانٹے کے ٹوکے تھے۔ اس کی بی شرٹ کے پٹن کھلے ہوئے تھے اور گہرائی سے سینے کے سیاہ بال جھانک رہے تھے۔ اس کی بی شرٹ اور پتلون پر غشیں تھیں اور کئی جگہ سے لباس گہرا ہوا تھا۔ شراب کی بڑا اتنی تیر تھی کہ پولیس والوں کو اپنی کھوپڑیاں فضا میں متعلق محسوس ہو رہی تھیں۔

"منو مشر! سب انسپکٹر نے اپنے ٹوکے کہا: تم تمھارے چل رہے ہو یا نہیں؟

"کس جرم میں؟ ٹائیگر نے لبک کر پوچھا۔

"شراب نوشی اور پولیس کے آدمیوں سے زور آزمائی کے

جرم میں:

"میں نے پی نہیں ہے بلکہ مجھے پلائی گئی ہے" ٹائیگر نے گا کر جواب دیا: "اور اندازاً زمانی تو تم لوگ مجھ سے کر رہے ہو۔ کھاؤ قسم، میں نے کچھ کیا ہے؟"

"تم یوں نہیں مانو گے؟ یہ کہہ کر سب انہیں کرنے دیو اور دلا دلا دھت لہرایا۔ دیو اور کادہ دستہ ٹائیگر کی کھوپڑی کے عقبی حصے پر پڑا اور وہ یوں تن گئی جیسے اس کا جسم مرنے کے بعد لوگوں کے تناؤ سے اکڑ کر رہ گیا ہو۔۔۔ اور بعد وہ آہستہ آہستہ سر تک پر جھٹکا چلا گیا۔ حتیٰ کہ لمبا لٹا نظر آنے لگا۔

"اسے اٹھا کر گاڑی میں ڈالو یہ سب انہیں ملے فاتحانہ انداز میں کہا اور سب اپنی ٹائیگر پر جھپٹ پڑے۔ اس بار انھیں کسی کو شکاری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

ٹائیگر کو پولیس کار میں ڈال دیا گیا اور گاڑی تیزی سے پولیس اسٹیشن کی طرف روانہ ہوئی۔ ٹائیگر کے عقبی سیٹ پر سب ایسوں کے درمیان ساکت بیٹھا تھا اور کار میں بدبو کے جھیکے پھیل گئے تھے۔

E

صدر پولیس اسٹیشن کا انچارج عثمان غصے کے معاملے میں پولیس کا سب سے شراب آفر تصور کیا جاتا تھا۔ وہ ابھی ابھی گشت سے واپس آتا تھا اور اسے شہزاد ٹائیگر کے سلسلے میں اطلاع دی گئی تھی۔ اس اطلاع پر اس نے غصے سے زحمت پاؤں چٹا تھا بلکہ سب انہیں جہاں زیب کے کندھے پر آتی زبرد سے ہاتھ ماما تھا کہ اس بے چارے کی ہڈی تک کوڑا لگی تھی۔ یہ یوں تو تم لوگ اب ایک شرابی سے اس کا نام اور یہ بھی معلوم نہیں کر سکتے۔ لعنت ہے تم پر۔۔۔ کیا تم نے اسے میرا نام نہیں بتایا میرا نام سن کر تو مرنے لگی ہوئی ہو گئی ہو۔

یہ شخص اگر مردہ ہوتا تو زور دے کر پڑتا جناب! مجھے تو لگتا ہے اس پر کوئی جونی وطرہ سوار ہے۔ یہاں زیب نے کہا کہ کہاں ہے وہ؟ ہاں انچارج غزائا۔

"حوالات میں بند کر دیا ہے۔"

"اسے نکال کر میرے دفتر میں لاؤ۔ انچارج یہ کہہ کر برائیاں بجاتا ہوا اپنے دفتر میں چلا گیا۔ اس کی کھوپڑی گھوم گئی تھی۔ وہ قانون کو سختی سے نافذ کرنے کا ہادی تھا اور اس کا نظریہ تھا کہ صرف قانون کو سخت ہونا چاہیے بلکہ پولیس افراد کو سہ اتنا سخت گیر ہونا چاہیے۔ اسے مجرموں کے سلسلے میں سات سال کا تجربہ تھا اور اس تجربے نے اسے یہی سکھایا تھا کہ قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں سے نرمی کا سلوک کبھی

تبیخ و تباہی نہیں ہوا کرتا۔

چار پولیس والوں کے سامنے چلتا ہوا نوجوان جب اس کے دفتر میں داخل ہوا تو عثمان کی آنکھوں سے یوں لگتا تھا جیسے ان پر خون آ کر یا ہوا۔ اس نے پہلے تو گہری نظر سے ٹائیگر کا ہاتھ دیا۔۔۔ معنی خیز انداز میں سرگواخت میں ڈالنے لگا۔ بولے۔۔۔ تو تم لوگوں کو جان آئی ہو: وہ غزائا۔

"سخت جان ہر ناکی جرم تو نہیں" عثمانیہ صاحبہ ان کے منہ سے کہہ کر کہا۔

کمرے میں سنا تھا چلا گیا۔ وہاں موجود چار پولیس مین اپنا کھڑے تھے جیسے انھیں سانپ سونگھ گیا ہو۔ انھوں نے آج تک کو انچارج سے اس انداز میں بات کرتے نہیں سنا تھا۔ انھیں لگا کہ اس نوجوان سے ہمدردی محسوس ہونے لگی۔ ان کی دانست میں ان نوجوان کی کھال اس کے جسم سے اُدھر کو فرش پر گرنے ہی والی تھی۔ لیکن غلط توقع عثمان غصے سے پاگل نہیں ہوا بلکہ اس کی حسد بڑھا لگا۔ ٹائیگر کو تو سنے میں معروف ہو گئی تھیں۔

تھانیہ دار کے دفتر میں تیز روشنی کا ملبہ مل رہا تھا۔ اس دن میں ٹائیگر ایک ایسے معصوم نوجوان کی طرح نظر آتا تھا۔۔۔ جسے بے تکلف دوستوں نے زبردستی شراب پلا کر بازار میں دھکیل دیا۔ اس کے ہوشوں پر بڑی ہی بھاری سنگراہٹ دھن کر رہی تھی۔ یہ شرابی کی خمار آؤ سنگراہٹ ہو کر نہیں کہا جاسکتا تھا۔ اس کے کھنکھارے کے انداز میں بے پناہ اعتماد تھا اور اس کی آنکھوں میں اتنی ہی تھی کہ بڑا راستہ ان میں دیر تک دیکھنا ممکن نہیں تھا۔

"تمہارا نام؟ عثمان نے پھر سے پوچھا۔

"شہزاد۔۔۔ ٹائیگر نے جواب دیا۔

"باب کا نام؟" تھانیہ دار کے کچے میں ڈرا س حرارت اور پیدا ہوئی۔

"سنو؟" ٹائیگر نے ہاتھ اٹھا کر کہا: "کیا تم نے ہاتھوں سے پوچھ سکتے ہو کہ مجھے زبردستی سر تک سے اٹھا کر یہاں کیوں لانے ہیں؟" وہ اکیلا یہی بتانے کی ضرورت ہے؟

"یقیناً۔۔۔ مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ تم کو قصور کیا ہے؟"

"تم نے شراب پی رکھی ہے اور یہ قانوناً ہی نہیں، مذہباً بھی جرم ہے۔"

"کون کہتا ہے؟" میں نے شراب پی رکھی ہے؟

"تو اور کیا؟" کمرے میں اگر تینوں کی خوشبو پھیل چکی ہوئی ہے؟

"اس کو کا یہ مطلب نہیں کہ۔۔۔"

"اسے کچھ کمرے میں لے جاؤ۔" تھانیہ دار ہاتھ اٹھا کر دھاتے اندر۔

اب اس کی زبان میرے سوالوں کا جواب دینے پر آمادہ ہو جائے تو وہ واپس لے آتا۔

"میں انھیں تنہا کر رہا ہوں کہ مجھ پر ہاتھ اٹھا کر تم قانون شکنی کے مرتکب ہو گے۔" ٹائیگر نے پرسکون لہجے میں کہا: "پھر کرنا ہی ہے دیکھنا کہ اس کا اور اگلا کرو کیا۔ ان سے کہو کہ جو کچھ کرنا ہے، یہیں کر لیں۔"

"اس کا داغ درست کرو۔" تھانیہ دار چرخ کر بولا اور اس کے ساتھ ہی اس نے میرے رول اٹھا اور بعد وہ رول پوری قوت سے ٹائیگر کے بائیں بازو پر دے مارا۔ اس سے پیسے ہی رول اٹھا یا تھا، ٹائیگر کے جسم سے غیر محسوس انداز میں اکڑنا شروع کر دیا تھا اور جب رول اس کے بازو سے جدا ہوا تو اس کا جسم پھر ہونچکا تھا۔ نتیجہ رول پیسے لٹ گیا، وہ کھڑے ہو گیا۔

تھانیہ دار نے جیت سے رول کی طرف دیکھا۔ اس رول سے سخت جان براؤم پشہ پولوں کی کئی کئی منٹ تک مرمت کر چکا تھا اور اس کی ضرورتوں سے ان کے فرشتے تک بول اٹھتے تھے۔۔۔

پہلی آج یہ رول کوٹ گیا تھا اور اسے رول سنوس ہوا تھا جیسے اس نے ازل کی پوٹ کسی انسانی جسم پر نہیں بلکہ پتھر کے کسی بیت پر لگائی ہو۔

"مارا کہ اس کا پتھر کس نکال دو؟" عثمان کی فراہمیت میں کسی اڑے کتے جیسی سفائی تھی۔

ٹائیگر اطمینان سے کھڑا مسکراتا رہا۔ اس کا سکون اُن گولوں کے لیے جینے کی حیثیت رکھتا تھا۔ چاروں پولیس والے اس پر ٹوٹ پڑے بلکہ اس نے اس کے جڑے پر کھون مارا، دوسرے نے لات چھڑک کر میٹ لہاری تیسرے نے پشت سے دو ہتھیر چلایا اور چوتھے نے اس کی پسلیوں میں ہونے کا اگلا حصہ آزمایا۔

تھانیہ دار عثمان کی نگاہ ٹائیگر پر جمی ہوئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اس خمار سے اس کی جینیں نکل جائیں گی۔۔۔ اور وہ ان چیزوں پر اتنا زبردستی بند کر کے اتنا زور دے گا کہ وہ باندے گا۔ جینیں کتنے ہی کی حالت تھیں۔ کتنے کے لیے یہ جین ہو گئی تھیں اس قبضے نے وہیں اڑا دیا۔ آواز زمرے سے باہر آئی تو اسے قبضہ نہیں بلکہ شدید استعجاب لہرایا کہ کیا جاسکتا تھا۔۔۔ اور اس کی وجہ تھی کہ شہزاد نہیں جتنا تھا بلکہ چاروں سپاہی مل کر اس کی پٹ پٹ تھے، جنھوں نے اس پر لڑا تھا۔ کھون مارنے والے نے اپنا ہاتھ تمام لیا تھا۔ اس کی پسلیوں کے جوڑ ٹوٹ گئے تھے اور پٹیاں گشت سے باہر لگی تھیں۔

دوسری ہاتھ دوسرے ہاتھ سے تمام کر کچھ ران میں چھپانے کی کوشش کر رہا تھا اور اس کے چہرے پر کرب کی علامتیں زندہ ہوئی جاری تھیں۔ جس شخص نے لات چھڑک کر میٹ میں ماری تھی، اس نے فرش پر بیٹھ کر اپنا پاؤں تمام لیا تھا۔ اس کا منہ بے آب مچھلی کی طرح کھلا ہوا تھا اور اس کی آنکھیں اپنے خنکے کا جائزہ لے رہی تھیں جہاں کی گول ہڈی اپنی جگہ سے کھٹک گئی تھی اور کوئی دوسری ہڈی اپنی جگہ سے ٹوٹ کر ٹوک وار خنک کی طرح گوشت اور کھال کو بھاڑتی ہوئی، گول ہڈی سے بھی آگے نکل گئی تھی۔ اس کے حلق سے اب تک آواز نہیں نکلی تھی۔

مارے تکلیف کے اس سے شاید چہنچاہی نہیں جا رہا تھا۔ سب ان شخص اپنی ٹوٹی ہوئی کلنیاں دیکھ کر یوں پیچ رہا تھا جیسے کسی بکرے کو گرا کر ذبح کیا جا رہا ہو۔ اس کے دو دونوں ہاتھ دونوں سے ٹوٹ کر کھینچ کر سب تھے جس شخص نے ٹائیگر کی پسلیوں کو کٹنا بنایا تھا، وہ اس ٹانگ کو اٹھلے، دوسری ہاتھ پر اچھل کر گرا رہا تھا اور اس کے حلق سے اتنی دلدرد جینیں نکل رہی تھیں جیسے اس نے غلطی سے دھکے پڑنے کوکوں پر لٹکا پاؤں رکھ دیا ہو۔

عثمان کا منہ ابھی کھلا ہوا تھا۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ٹائیگر کو کھنکھ رہا تھا۔

"مگر تھانیہ دار نے ٹائیگر کی آواز اب گونج دار ہو گئی تھی: "اس میں کوئی شک نہیں کہ تم ایک سرکاری آدمی ہو اور انھیں قانون کا محافظ بنایا گیا ہے۔۔۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم کسی کو ایک ہی گولی سے ہانکنے کی کوشش کرو۔ انھیں مجھ پر شراب پینے کا الزام عاید کرنا تھا تو اس کے لیے میرے معدے سے مواد حاصل کر کے اس کا لیبارٹری ٹیسٹ کروانا ضروری تھا۔ بعض لوگ سے تم مجھے شرابی تسلیم نہیں دے سکتے۔"

"تم۔۔۔ تم جیسی بھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا جائے گا؟" عثمان کی آواز تلخی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"وہ کس خوشی میں؟"

"ان چاروں کو دھکی کرنے کے سلسلے میں؟"

"حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں نے جہاں ان کوئی کارروائی نہیں کی۔ انھوں نے اپنی حماقت سے اپنا نقصان کیا ہے۔"

"تجربہ بات کبھی ثابت نہیں کر سکتا؟"

"یہ شوقی ہو کر اور کہہ دو؟"

"اسے لے جا کر بند کر دو اور اور ابتدائی رپورٹ لکھنے کا جرح میرے پاس ہے آؤ؟" عثمان نے کمرے کے باہر دوازے پر کھڑے پولیس والوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ سب سپاہیوں کی چیخ و گکار سن کر وہاں جمع ہو

گئے تھے۔

ٹائیگر نے کرڈٹ لی اور سلاح دار دو دروازے کی طرف دیکھا تو عین اسی لمحے کھڑا تھا اور اس سے ایک شخص کو اندر دھکیل کر اسے دوبارہ بند کر دیا تھا۔ اندر آنے والا اس انداز میں حتمات میں داخل ہوا جیسے وہ اپنے گھر کے کسی آرام دہ کمرے میں قدم رکھ رہا ہو۔ اس تنگ اور نیم تاریک کمرے میں اس وقت ٹائیگر سمیت چار آدمی تھے۔ دو آدمی بدکردار کیلون میں فرش پر پڑے کانپ رہے تھے اور ایک دیوار سے ٹیک لگائے سرگرم بھونک رہا تھا۔ نووارد نے دک کر گہری نظروں سے حتمات کے مکینوں کا جائزہ لیا۔

اس نے کمرے کے کمرے اپنی جیب مٹولی اور کچھ تلاش کرنے لگا لیکن شاید وہ تیرا اس کی جیب میں سرے سے موجود ہی نہیں تھی۔ اس کا ہاتھ جیب سے نکلا تو اس میں ایک پتھر دبی ہوئی تھی۔ وہ تلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

”اے... اے... اس نے دیوار سے لگ کر بیٹھے ہوئے شخص سے کہا: مجھے ایک سرگرمیت دو“

”یہ آخری سرگرمیت ہے“ استاد یہ کہہ کر اس شخص نے ایک آخری کش لگایا اور نووارد ہاتھ درم کی طرف پھینک دیا جہاں سے بدو کے بھیکے پڑے کمرے میں آ رہے تھے... پھر اس شخص نے بوسیدہ کیل اوڑھ لیا اور لپٹ گیا۔

الگے ہی لمحے اس کی پیچ سے پوری حتمات گونج اٹھی۔

دو مجموعہ خواب حتمات بھی بولکھلا کر اٹھ بیٹھے۔

ٹائیگر بھی پکیں جھپکائے لگا۔ مارے غصے کے اس کے جڑے پہنچ گئے تھے۔ نووارد نے اس شخص کو اتنی زبرد سے تھوکر لگائی تھی کہ شاید اس کی کوئی پسلی ہی ٹوٹ گئی تھی۔ حتمات کے باہر کمرے سنتری نے دھاک دھک چیتنے والے کو خاموش رہنے کا حکم دیا اور دوبارہ پتیارہ کر اہ کر رہ گیا۔ اس کے کمرے اندر پھر دھونے کی دھیمی دھیمی آواز میں حتمات میں گونجتی رہیں۔

”شلارو دی حکم عدلی موت کا دوسرا نام ہے“ نووارد کا لہجہ خوف ناک تھا۔ اس نے باری باری باقی دونوں سے سرگرمیت طلب کی۔ انھوں نے معذرت کرنی کہ وہ سرگرمیت نوشی نہیں کرتے... تب وہ ٹائیگر کی طرف متوجہ ہوا۔ سرگرمیت نکالو!

ٹائیگر نے جیب میں ہاتھ ڈال کر نکالا اور اس کی طرف بڑھا دیا... لیکن اس کا ہاتھ خالی تھا۔ نووارد نے چند لمحے اس کی طرف

یوں دیکھا جیسے یقین کر رہا ہو کہ کہیں اس بات کو نہیں کرنا ٹیگر کی ہتھکڑیوں سے لپٹ کر نکلتا ہے۔ ٹیگر نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا: ”پھر وہ کسی درندے کی طرح دھاڑتا ہوا ٹائیگر پر آگرا۔ ٹائیگر نے اپنی جگہ سے ڈاسی بھی جھٹک نہیں کی۔ وہ اس سے محروم اور قریب ہی فرش پر گر گیا۔

گرنے سے خاصی آواز پیدا ہوئی تھی اور پھر وہ شخص ہر گرا تھا، وہیں ساکت ہو گیا۔ تب ٹائیگر نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ ایک تیز دھاڑ خیز ہے۔ وہ چند لمحوں تک اس شہر کی طرف دیکھا پھر اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ دم گیا تھا کہ اس شخص کو اسے قتل کرنے یا کم از کم شدید زخمی کرنے کے سلسلے میں حتمات میں بند کیا گیا تھا۔ مگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ حتمات میں خود بھی چیرلانے میں کبھی کامیاب نہ ہوتا۔ اس نے خود بخود پھر اس کے دونوں ہاتھ حرکت میں آئے۔ ٹیگر اس کے ہاتھوں سے نکل کر چھت کی طرف گیا اور لکڑی کی ایک کڑی میں پوسٹ لگا۔ اس نے کس آنکھوں سے سلاح دار دو دروازے کی طرف با دوں سنتری موجود نہیں تھا۔

ٹائیگر نے اشبات میں سر ہلا کر آواز پر لپٹ گیا۔ اس آنکھیں بند کر لیں اور گہری میند سونے کی کوشش کرنے لگا۔ حتمات کی اس سے بات چیت کرنے کے لیے بے چین تھے۔

وہ اس سے اس کے بارے میں مختلف سوالات کر رہے لیکن ٹائیگر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چند ہی لمحوں میں وہ گہری میں ڈوب گیا... لیکن اس کی ایک مخصوص حس بیدار ہوئی جو خواب میں اس کے آس پاس سے آگاہ رہتی تھی۔ یہ حس بیدار کے لیے آواضان نے اسے جس قسم کی مشقیں کروائی تھیں، ان کے کر کے آج بھی وہ کانپ جا کر رہا تھا...

وہ اطمینان سے سوتا رہا اور اس کے آس پاس قانون محافظہ انتقام کی آگ میں جلتے ہوئے نہانے کبھی کیس کا کاٹ میں مصروف تھے۔

□

ٹائیگر کا ٹوٹا بے حد خراب تھا۔ اس کا جی تو چاہ رہا تھا کہ صدر پولیس اسٹیشن کو تیرا میں تبدیل کر دے... لیکن پھر وہ اپنے غصے پر قابو پانے کا مایاب ہو گیا۔ غصے کی شدید حالت میں، آواضان کی ایک اس کے ذہن میں گھومتی گئی تھی کہ حضرت انسان کی صلاحیت تو انیموں کو جلا ڈالتا ہے۔ رات ایک غنڈے کی آمد اور

اس سے خیر آمد ہونے پر ٹائیگر ہی سمجھا تھا کہ پولیس نے قتل کرانے کے لیے کسی بد معاش کی خدمات حاصل کی... لیکن وہ شخص تو خود ایسا بے خبر ہو گیا تھا کہ صبح بھی اس کی کھلتی نظر نہیں آ رہی تھی۔ ٹائیگر جانتا تھا کہ وہ مزید چار تیرے ہوش رہے گا۔

وہ کن آنکھوں سے اس کڑی کی طرف دیکھنے لگا جہاں اس نے خود پوسٹ کیا تھا۔ خیر آب بھی اس میں بہت تھا۔

رات بھر وہ گہری اور پرسکون میند سویا تھا حالانکہ اسے توقع تھی کہ جب اسے مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا جائے گا تو یہ شخص شراب نوشی کا مقدمہ نہیں بلکہ نہایت سنگین قسم نجات عاید ہو جائے گی۔

لیکن یہ محض اس کا خیال تھا۔ اس پر نشہ استعمال اور رات کو آوارہ گردی کرنے کا الزام تھا۔ ان دو کے اس پر کوئی ناجائز دفعہ نہیں لگائی گئی تھی۔

اسے حتمات سے نکالا گیا اور دو سپاہی ایک ٹیکسی میں لے کر اسے سٹی کرڈٹ لے گئے جہاں اسے مجسٹریٹ کیلانی کے پیش کیا جانا تھا۔ ٹائیگر کو پورے تین گھنٹے عدالت کے باہر اپنا اُسے ہتھکڑیاں لگی ہوئی تھیں اور اس کے ساتھ آئے دو دنوں سپاہی یوں خوف زدہ نظر آ رہے تھے جیسے انھوں لپٹنے سے موت کے فشتے کو گرفت میں لے لیا ہو۔

ٹائیگر سے اب بھی شراب کے بھیکے محسوس ہو رہے تھے، وہ نہ تو رات کو لپٹے میں تھا اور نہ ہی اب اس پر مستی سوار تھی۔ آواضان نے اسے تھوکر کی ایک خاص مشق کرائی جسے استعمال کر کے وہ اپنے تھکنے بند کر کے تھوکر کی بوتاس بے نیاز ہو سکتا تھا اور اس دوران خفیف سی سانسوں سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔

اس طرح مجسٹریٹ کے حضور پیش ہونے کے خیال سے بال ہتھکڑیوں میں خود کو جکڑے دیکھ کر ٹائیگر کو وہ خوفانی لگا اور رات یاد آگئی۔ جب وہ رات کی ڈیوٹی پر تھا اور اس کے لیے بل کی طرف نکل گیا تھا... اور پھر وہاں اس کے سامنے اسے ڈیڑھ گھنٹہ کی تھی جس نے اتنا زور و کوب خاکہ ہلاک ہو گیا... اور اس ہلاکت کی سزا ٹائیگر کو تیری کے ہاتھوں جھگڑنا پڑی۔ وہ کوئی تیرا لگا ہوں میں ہلاک ہا اسے سزا کے موت دے دی گئی... لیکن وہ ایک نئی

زندگی لے کر پھر دنیا کے سامنے آ گیا اور اس بار وہ پولیس کا ایک عام سا افسر نہیں تھا بلکہ اس کے پاس دنیا کے کئی ممالک کے خصوصی اجازت نامے موجود تھے۔ ان اجازت ناموں کی زور سے وہ بغیر وضاحت کیے کسی کو بھی موت کے گھاٹ اتارنے کا مختار تھا۔

ٹائیگر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

اس نے اپنی کلائیوں کی طرف دیکھا اور پھر سپاہیوں کو دیکھنے لگا۔ ہمیں اور کتنی دیر انتظار کرنا پڑے گا؟ اس نے نرمی سے سوال کیا۔

”صاحب کی مرضی پر منحصر ہے“ سپاہی نے ایک جوابی لے کر کہا، ”ہو سکتا ہے، دن بھر تھکنے کے بعد کل طلب کرنے“

”مجسٹریٹ کیلانی کے بارے میں، میں بھی بہت کچھ سن چکا ہوں“ ٹائیگر نے جواب دیا۔ اور میں اس سے بٹنے کے لیے بے چین ہوئی۔

”تم کوئی عام آدمی اور عادی نشہ باز نہیں لگتے ہو۔ دوسرے

سپاہی نے کہا۔ وہ عمر رسیدہ تھا اور اس کی آنکھوں میں بھانڈی کی چمکی تھی۔ ”میں حیران ہوں کہ تم اس وقت کو کیسے پہنچ گئے؟“ ”میں سمجھتا ہوں کہ میری عمر خوش بختی ہے“ ٹائیگر نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لیے لیے کہا۔

غالباً اس کی بات بڑھے سپاہی کو مری گئی تھی۔ اس نے منہ نہ لایا اور پھر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ اپنا کلائی نے آواز لگائی، ”شہزادہ وغیرہ...“

ٹائیگر کے ہونٹوں پر بڑی ہی شریک سی مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

”سنو“ بڑھے سپاہی نے اسے اٹھاتے ہوئے کہا: بہتر ہوگا کہ تم اپنی یہ زندہ دلی عدالت کے باہر ہی چھوڑ باؤ، صاحب کے سامنے کوئی ایسی ویسی بات نہ کرنا ورنہ زندگی کا جہیل میں گزر جائے گی اور کوئی پوچھنے والا بھی نہ ہوگا۔

”بہت سخت گیر مجسٹریٹ ہے؟“ ٹائیگر نے دریافت کیا۔ اس کے لیے میں اب بھی شراوت تھی۔

”جنت ترین“ سپاہی بولا۔

”لیکن میں نے سنا ہے کہ یہ شخص صرف غریبوں کے لیے ایسا ہے، دولت مندوں کے لیے اس کا رویہ بالکل مختلف، دوستانہ بلکہ ہمدردانہ ہوتا ہے۔ میں کسی مرکزی افسر سے ڈرنے والا آدمی نہیں ہوں“

تم عوام کے لیے ایک قاتل ہاتھ کا کردار ادا کر رہے ہو میں یہ تباہ کار ہاتھ کاٹ ڈالنا چاہتا ہوں۔ اگر تم کل رات ہی مجھ بل جاتے تو میں اب تک نہ جاتا۔ کتنی دیر جا چکا ہوتا۔ یہاں تک کہ تم میرے سامنے ہوا اور مجھے اپنی سالگرہ کا کیک کاٹنا ہے۔ تم اسے بڑا کیک کی خدمت طول سے اور تمہاری زندگی کے حد منظر... اس لیے وہ نہرست تمہیں نہیں سنائی جاسکتی۔ میں اللہ تمہیں سوچنے کے لیے چند لمحے ضرور دے گا۔ ان لمحوں میں تم اپنی پچھلی زندگی پر ایک نظر ڈال سکتے ہو۔ انسان غرتے سے پہلے چند لمحوں میں اپنی پوری زندگی کی فلم ذہنی طور پر دیکھ سکتا ہے۔ تم اپنے جرائم پر نظر ثانی کرو، میں ان کا سر انجام دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر تانیا بڑا ہنسٹا آہستہ آگے بڑھنے لگا۔

گیلا نے لمبے لمبے ہاتھوں کو جینا جاہلا آواز اس کے معدے سے حلق کی طرف آئی اور پھر حلق میں ہی گھٹ کر گئی کیوں کہ اس وقت تک تانیا کی انکشت شہادت اس کے زخموں پر وار کر چکی تھی۔

”نہیں... تمہاری آواز نہیں نکل سکتی۔ تانیا نے کہا۔ تمہیں اب بولنے کی احتجاج کرنے کا کوئی حق نہیں۔ مرنے سے پہلے صرف ایک بات سن لو کہ میں نے اپنی سالگرہ منانے کے لیے صرف تمہارا ہی انتخاب کیوں کیا ہے، تمہیں وہ فٹ ہاتھ یاد ہوگا، جہاں تم نے چند کالیں بنا ڈالی تھیں۔ ان کو کاٹوں کی دہرے سے ایک پیلا سا معصوم بچہ ہلاک ہو گیا۔ وہ دو کالیں جس جگہ تعمیری گئی تھیں، وہاں فٹ ہاتھ بہت ضروری تھا لیکن تم نے اپنے اختیارات سے کام لے کر وہاں سے دولت کافی ادفٹ ہاتھ ختم کر دیا۔ اس موڑ سے ایک تیز رفتار ٹرک آیا۔ ایک بچہ اسکول سے گھر جا رہا تھا۔ اگر وہاں فٹ ہاتھ ہوتا تو وہ اس پر چلتا لیکن اسے دو کالوں کی دہرے سے ٹرک پر چڑھنا پڑا جس کے نتیجے میں ایک ٹرک نے اسے کھل دیا جس دروازہ بچہ کھلا گیا تھا، اسی دن میں نے تہہ کر لیا تھا کہ اس کی موت کے ذمے دار شخص کو زندہ نہیں چھوڑوں گا“

”لیکن وہ بچہ تو ٹرک سے کھلا گیا تھا۔ تم ابھی خود اپنی زبان سے یہ کہہ رہے تھے... پھر اس کی ذمے داری مجھ پر کیسے عاید ہوتی ہے؟ گیلا نے تھوکر نکل کر کھینچی چھٹی سی آواز میں احتجاج کیا۔ اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں تھی، پھر اگر تم مجھے ذمے دار سمجھتے ہو تو مجھے صفائی کا موقع دینے بغیر کیسے قتل کر سکتے ہو۔ مجھ پر مقدمہ چلاؤ...“

”سٹرگیلا! تانیا کو کہہ دو کہ وہ بڑا بڑا ہو گیا۔ میں جس تنظیم

تانیا کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی گیلا نے سپاہیوں کی ہر دیکر اس کی تھکنیاں کھول دی جا رہی۔

عدالت میں سنا تھا کیا تھا۔ ایک ایسا نوجوان جس اب بھی رات کی شراب نوشی کے پھٹکے اڑ رہے تھے، مجسٹریٹ بھی اثر انداز ہو سکتا ہے، یہ تو کسی نے کبھی خواب میں بھی سوچا ہوگا۔

سپاہیوں نے اس انداز میں تانیا کی کلاٹیاں آزاد کیں کہ وہ یہ تمام حرکات خواب کے عالم میں کر رہے ہوں۔ وہ بھلی از سے نکل کر اس جیسری کی طرف بڑھ گیا جس میں مجسٹریٹ لی ہوا تھا۔ تانیا نے اندر داخل ہو کر مجسٹریٹ کی طرف دیکھا۔ دروازے کی طرف منتظر لگا ہوں سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی اس کا ہٹا ٹیگر پر پڑی، اس نے سوائے لگا ہوں سے اس کی جانب مار دیکھ کر زبان سے بھی پوچھا۔ ہاں... اب بتاؤ۔ یہ سب کچھ کیسے ہوا ہے؟

”آپ اس رقم کو پس ماندگان کے لیے منافع سمجھ سکتے ہیں۔“

”پس ماندگان کا منافع؟ مجسٹریٹ کے لیے میں شدید حیرت میں تھا۔ مجرا مطلب نہیں سمجھا۔ اس نے وضاحت چاہی۔ ”میں ایک خاص تنظیم سے تعلق رکھتا ہوں۔ تانیا نے احت کی بات کی، جب سے مجھے اس تنظیم میں خاص قسم کے زیارت ملے ہیں، میں نے اپنا ایک ذاتی اصول بنالیا ہے۔“

”کیسا اصول، تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں۔“

”میں اس کا سوال نظر انداز کر کے بول رہا ہوں۔ ہر سال آج دن میں اپنی سالگرہ مناتا ہوں۔ یہ سالگرہ اس اعتبار سے نام ہوتی ہے کہ میں کبھی ایک ناسور کا آپریشن کر دیتا ہوں۔ آج کا ناسور تم کو گھلاتا ہے، میں تمہیں اپنی سالگرہ کا کیک کھا کر کٹ ڈالوں گا۔ تانیا نے کہہ دیا کہ اس نے اس نوجوان پر براجمان کو کھلا اور اپنے پیش کار کی طرف دیکھا پندرہ منٹ کے لیے درخواست کی جاتی ہے“

”میں منٹ... تانیا نے کہہ دیا۔“

”ٹھیک ہے، بیس منٹ... مجسٹریٹ نے یوں

جائے۔ اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا اور عدالت میں ہو گیا۔

سپاہیوں نے اسے کنبے میں لے جا کر کھڑا کر دیا۔ چالان پہلے ہی پیش کیا جا چکا تھا۔ مجسٹریٹ فائل کی دکان میں موقوف تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے نگاہ اٹھا کر تانیا کو دیکھا۔

چند لمحوں کے لیے دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ ایک دوسرے کی شخصیت سے ہو گئے ہوں... پھر گیلا نے سنبھل گیا اور اس کے کونڈھے پر ہونے لگا۔ اس سے پہلے کہ عدالت تمہارے خلاف کوئی دے، کیا تم اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتے ہو؟ مجسٹریٹ کی میں شہر دل جیسی گرج تھی۔

”جی ہاں... تانیا نے کہا۔ میں ایک چیز آپ کے لیے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے جیب میں ڈالا... پھر اس کی انگلی بیٹی کوئی سیلائی میں رنگ لگا کر طرح واپس آئی کہ کسی پچھلی پڑنے والے کانٹے کی طرح ہوئی تھی... اس انکڑاٹا انگلی میں کاغذ کا ایک ٹکڑا ہوا تھا۔

اس نے کاغذ کا یہ تہ کیا ہوا ٹکڑا مجسٹریٹ کی طرف مجسٹریٹ اس کی اس حرکت پر چونکے بغیر نہ رہا۔ چونکہ تانیا تھا اس لیے فوراً ہی سمجھ گیا کہ اس نوجوان نے کی ایک نئی راہ نکالی ہے۔ اس نے میز پر جھک کر تانیا کو سے تہ کیا ہوا کاغذ لے لیا... پھر اسے کھولا تو صرف کی آنکھیں حیرت انداز سے یقینی سے پھیل گئیں بلکہ اس کیوں میں سیٹیاں بھی کھینچنے لگیں۔ اس کا غریب تجربہ آپ سے تنہائی میں ملنا چاہتا ہوں۔ دس ہزار روپے کا منسلک ہے۔ مزید کچھ بھی توقع رکھیے“

”ٹھیک ہے“ مجسٹریٹ کی گونج دار آواز سنائی۔ تم سے اپنے جیسریز بات کروں گا۔ یہ کہہ کر اس نے کرسیوں پر براجمان کو کھلا اور اپنے پیش کار کی طرف دیکھا پندرہ منٹ کے لیے درخواست کی جاتی ہے“

”میں منٹ... تانیا نے کہہ دیا۔“

”ٹھیک ہے، بیس منٹ... مجسٹریٹ نے یوں

توجہ چلو آگے؟ بوڑھے سپاہی نے کہا لیکن شہزادے اس کے لیے جیب میں اب بھی اپنے لیے ہمدردی محسوس کی تھی۔ وہ دل ہی دل میں اس بوڑھے سپاہی کے جذبات کو سراہتا ہوا کہ عدالت کی طرف بڑھنے لگا۔

دونوں سپاہی اس کے دائیں بائیں تھے۔

تانیا کو حقیقت مجسٹریٹ گیلائی سے ملاقات کے لیے یہاں آیا تھا۔ اس نے گزشتہ شب کا ابتدائی بیشتر حصہ اس کی تلاش میں گزار دیا تھا لیکن قسمت اس پر مہربان نہیں ہو سکی تھی۔ مجسٹریٹ اسے کہیں نہیں مل سکا تھا۔ وہ اس کے گھر کی ادھر دھڑکے ڈھونڈتا ہوا اس خاتون کے فلیٹ تک بھی جا پہنچا جو ان دنوں گیلائی صاحب کے دل و دماغ پر حکومت کر رہی تھی۔ اس اپارٹمنٹ کے علاوہ میں چار خاص آؤٹے تھے، جہاں شراب، قمار بازی اور شب اب اور لعات میں ڈوب کر گیلائی دن جری کی ذہنی تھکن اٹا کر رہتا تھا لیکن اتفاق سے وہ ان خاص آؤٹوں پر بھی نہ مل سکا۔ ایک آؤٹے پر اس کی آمد متوقع تھی اس لیے تانیا نے اپنے ایک بوتل شراب کی منگوائی تھی اور اسے پینے بیٹھ گیا تھا۔ شراب کا بیشتر حصہ اس کے کپڑوں پر گرنا رہا تھا اور باقی حصہ اسے میں یوں جمع ہو رہی تھی کہ وہ جب چاہتا ہاتھ روہ میں جا کر معدہ خالی کر سکتا تھا... رات بہت زیادہ ہو گئی۔ گیلائی نہیں آیا تو تانیا شراب خانے سے نکل کر سڑک پر آگیا اور پیدل ہی ایک طرف چلا دیا۔ اسی دوران ایک پولیس کار آئی اور پھر اسے گرفتار کر کے تھانے پہنچا دیا گیا۔ یہ ایک انوکھی تجربہ تھا اس لیے تانیا نے سوچا کہ اسے توالات میں رہ کر اپنے روز مجسٹریٹ کے سامنے پیش ہو کر یہ ملاقات کر لینی چاہیے جس کے لیے اسے اب تک مارے مارے پھرننا پڑا تھا۔

دن کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ وقت دیکھنے کے لیے تانیا کو گھر پر لگاؤ ڈالنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے ذہن میں ایک خیالی گھڑی تھیں جس کا حساب دل کی دھڑکنوں سے کھانا جاتا تھا۔ یہ ساعتیں شمار ہو کر خود ہی اس کے ذہن میں محفوظ ہو جاتی تھیں اور وہ ضرورت کے وقت اس کا حساب کر لیا کرتا تھا۔

تانیا نے ایک طویل سانس لی۔ ٹھیک دو گھنٹے بعد اس کی فلاح جانے والی تھی اور اسے اس پرواز سے آدھان کے پاس پہنچنا تھا جو بڑی بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا ہوگا۔ ٹھیک ہے، میں کوشش کروں گا کہ دو گھنٹے میں کام منٹ



سے تعلق رکھتا ہوں، اس کا نام ہے چارہ گر... تنظیم برائی کے خلاف ایک جہاد کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ بیکر کرنا نیگر ہے پھر انجمن شہادت بلند کی جو شریٹ سر کے درمیان مانگ لٹکا کے عادی تھا۔ مانگ کی گیر سے اس کی کھوپڑی کی سفید جلد جھلک رہی تھی۔ ٹائیگر کی انگلی اس مانگ میں حرکت کرتے لگی اور کمرے میں یوں آواز گونجی جیسے ہرے کی کئی کانچ پر جل رہی ہو۔ گیلانی اپنی مزر کے سارے کمرے کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں کی گرفت مزر پر اتنی سخت ہو گئی کہ اس کی انگلیوں کے جوڑوں کی سفیدی نظر آنے لگی... جہاں مانگ پر ٹائیگر کی انگلی نے خود کی طرح کاٹ دار حرکت کی تھی، وہاں لمبے بھر کے لیے ایک گہری کھینچ نظر آئی۔ پھر اس میں خون نمودار ہونے لگا اور جہندہ ہی سامعین میں وہ مانگ خون سے بھر کر ایک نئی سی تال کی نالی نظر آنے کی پتلی سی تالی جس میں وہ خون بہہ رہا تھا جسے ٹائیگر اپنی ساگر کا حنف سمجھ کر دیکھنے کی خواہش رکھتا تھا۔ غلیظ خون... ناچار گیلانی سے پیدا ہونے والا فاسد خون... اس کا سر آہستہ آہستہ مزر کی طرف جھکنے لگا... اور جہندہ مزر سے اس کی ٹھوڑی تک گئی۔ ابھی تک شاید گیلانی کو احساس نہیں ہوا تھا کہ اس پر کیا قیامت بیت گئی ہے۔ وہ ٹھوڑی مزر پر ٹیکے نے ٹائیگر کو کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ ٹائیگر کے منوں پر بڑی ہی طمانیت بھری مسکراہٹ زخم کر رہی تھی۔ وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ اچانک گیلانی کی آنکھوں میں شدید تکلیف کا تاثر ابھرا۔ پھر اس کی آنکھوں میں خفیف سی چمک پیدا ہوئی۔ یہ پانی کی پتلی سی چادر تھی جو اس کا آنکھوں پر پھیل رہی تھی۔ انگلی ہی سماعت یہ چمک ماند پڑنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں وہند لاہٹ ابھری اور پھر مرنی جھانکے لگی۔ ٹائیگر نے اس کی نہیں دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ وہ جانتا تھا کہ گیلانی مرنے لگا ہے۔ اس کی مانگ کا زخم خون سے اب اتنا بھر چکا تھا کہ خون کی نالی بننے لگی تھی جنوں کی ایک پتلی سی، سرخ سرخ لکیر اس کی مانگ سے پیشانی پر آئی اور پھر پیشانی سے ناک پر... اور پھر ناک کے بالے پر چلتی ہوئی اس کے بالائی لب پر پہنچ گئی۔ بالائی لب سے یہ لکیر ایک لمحے کے لیے ساکت رہ کر دونوں طرف پھیلنے لگی... اور پھر اس کی بائیں آنکھوں سے ٹھوڑی کے گرد سرخ نیم دارغہ بانکر بن کر پھرنے لگی۔

مزر کی شفاف سطح پر خون کے سرخ سرخ قطرے سرخ مزر میں کی طرح پکلتے دکھائی دیے اور پھر اس کے دونوں ہاتھ جسم کا بوجھ سنبھالنے میں ناکام ہو گئے۔ اس کا چہرہ گر گیا اور اپنے ہی خون میں

تھڑنے لگا۔ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ ٹائیگر نے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا... وہاں کہ اس طرف سے جانا بہت سے لوگوں کے لیے خطرناک تھا۔ اس کے موت بچھاؤ کرنے والے ہاتھ بے قرار تھے یہ انہیں بے گناہوں کے خون سے نہیں رنگنا چاہتا تھا۔ اندر آکر دروازہ بند ہی نہیں بلکہ مفلک کر دیا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ ٹائیگر نے آخری بار گیلانی کی لاش پر نگاہ ڈالی اس کی پشت پر فاقے کھڑکی کی طرف مڑ گیا۔ یہ عدالت تیسری منزل پر واقع تھی۔ اس نے مقرر کھول دی چند لمحے وہ عقبی حصے کی طرف دیکھتا ہوا پھر کھڑکی کی سرول پر ٹکرا ہو گیا۔ اگلے ہی لمحے وہ جھٹکا، اس کے دونوں کھڑکی کی بل پر جم گئے اور دونوں پاؤں باہر بھر لے گئے۔ مگر بڑے بڑے پتھروں سے تعمیر کی گئی تھی اسیہ پتھر بظاہر ایسے تھے کہ کوئی ان پر پاؤں جما کر نیچے اتر سکے لیکن ٹائیگر نے اپنے پتھروں کے جوڑ پر ہمارے ادا ہاتھ بل سے ہٹائے۔ اس کے دو پاؤں حرکت میں آئے اور ہاتھ بھی ٹھک ہو گئے۔ اب وہ بڑی چھبکی کی طرح پتھروں کی اس دیوار سے عقبی حصے کی تیزی سے اتر رہا تھا۔ عمارت کے عقبی حصے میں کار بارانگ تھی۔ ٹائیگر کی چھت پر گود گیا اور ایک طرف جھلٹک لگا کر کچھ ہی کے سے باہر نکل آیا۔ ایک ٹیکسی قریب سے گزر رہی تھی۔ اس کے اشارے سے آئے روکا اور انٹرلوڈ چلنے کا کہہ کر گشت سے ٹیک لگالی۔ اس نے آنکھیں موند لیں۔ اس کے کمرے پر بے پناہ سکون تھا۔ اسے اس قدر کرکون کہہ سکتا تھا کہ ابھی کچھ پر تزلزل اس نے کسی کو اتار بے دردی سے موت کے حوالے کر دیا ہوگا، گیلانی کو قتل کر بعد وہ اس کی میر سے دس ہزار کا وہ پروانہ اور رقم اٹھانا چھوڑا تھا جس نے گیلانی کو اس سے تنہائی میں بات کر۔ مجبور کر دیا تھا۔ ٹیکسی تیزی سے انٹرلوڈ کی طرف دوڑتی رہی اور سے آنکھیں بند کیے، پشت گاہ سے سر نہ لگائے نیم دروازہ۔

دو گھنٹے بعد ٹائیگر ایک شان دار ہوٹل کے سامنے آئی بس سے اتر رہا تھا۔ اس کے پاس سامان نام کی کوئی چیز

تھی۔ اس نے دو کھٹے کا یہ ہوائی سفر بھی بے سرو سامانی کی حالت میں ہی کیا تھا۔ اب اس کے لباس سے بڑے بڑے جھینکے محسوس نہیں ہو رہے تھے۔ اس نے کوٹ الٹ کر پہن لیا تھا اور اس کی دل موہ لینے والی چال موٹ کی حسین استقبالیہ ٹھکر کو کام چھوڑ کر اس کی طرف دیکھنے پر مجبور کر رہی تھی۔ ٹائیگر نے استقبالیہ ٹھکر کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور بس باہر بیٹے ناقص کی طرح پریشانی ہوئی چال سے لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔ لفٹ کا باؤں ڈاکر وہ برقی منزل پر پہنچ گیا اور پھر ایک دروازے کے سامنے ٹھکر کو آنکھوں نما انگلی سے دستک دینے لگا۔

اوشان نے دروازہ کھولا اور اس کی طرف دیکھ کر ناک پھول کر بڑھانے لگا۔ "تم نے واقعی یہ بھی ہے یا...؟"

"نہیں، مقدس باپ! میں بھلا کیوں بیٹے لگا۔ ٹائیگر نے کسی شرابی کے سے انداز میں انگلی لہر کر کہا تو اوشان نے اس کی انگلی ہٹا لی۔

"کہاں سے آ رہے ہو؟ اوشان نے کمرخت لہجے میں پوچھا۔

"تم کل دوپہر سے غائب ہو؟"

"نہیں اپنی ساگرہ منانے گیا ہوا تھا، مقدس باپ!"

"اوہ... اوشان کے ہونٹ ٹھکڑے ہوئے۔ "میں خون کی بو محسوس کر رہا ہوں۔"

"ظاہر ہے، آدمی میں جس چیز کی کمی ہوتی ہے، وہ اسی کے خواب دیکھتا ہے۔" ٹائیگر نے اوشان کی مختصر سی شخصیت کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا اور پھر جھٹکا کی دے کر اس کی بغل میں سے نیگل جانا چاہا لیکن اسی لمحے بغل نے اسے سنبھلنے کی طرح کس لیا۔

ٹائیگر نے فوراً ہاتھ پاؤں ڈال دیئے۔ وہ جانتا تھا۔ اب وہ جس قدر بھی زور زماں کرے گا، خود اس کی طاقت اپنے ہی خلاف استعمال ہوگی اور کچھ عجب نہیں کہ اس کی گردن کی ہڈی ہی ٹوٹ جائے۔ لیکن نادر... وہ جھڑپ ہوئی آواز میں بولا۔ "آپ نے ایک بار کہا تھا کہ اس کی آنکھوں کی آواز میں بولے۔"

"ہاں، کہا تو تھا، اوشان کے لہجے میں بے اعتنائی تھی۔ توجہ کیوں خود کو لے اولا کر نے پر تلے ہوئے ہیں۔ یقین کیجئے، آپ کی بغل میں ایک لڑکے کی گردن دی ہوئی ہے جو اگر مزید دب گئی تو آپ اس لڑکے کو شہر شہر کھوٹ کر بھی تلاش نہیں کر سکیں گے۔"

"ایسے موقعوں پر تمہیں ایک خاص ٹیکنیک استعمال کرنی چاہیے

فرزند! اوشان نے مخصوص انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔ مجھے یقین ہے کہ تم وہ مخصوص داؤ بھولے نہیں ہو گے۔"

ٹائیگر چند لمحے سوچا کہ پھر اس کا کیا بااں ہاتھ آہستہ آہستہ اوشان کی بغل کی طرف بڑھا اور وہ وہاں انگلی سے گدگدی کرنے لگا۔ اچانک اوشان نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور اس کی گردن چھوڑ دی۔ تم بھول گئے... بھول گئے... لیکن خیر اعام آدمی تو گدگدی کی وجہ سے لمائی ہو کھلاہٹ میں مبتلا ہو کر گردن چھوڑ سکتا ہے۔ اب میں تمہیں وہ مخصوص داؤ دوبارہ یاد دلانا ہوں۔ ایسے موقع پر...

اس کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا کیوں کہ اسی لمحے فون کی گھنٹی گنگنا نے لگی۔

ٹائیگر موقع غنیمت جان کر فون کی طرف لپکا اور ریسپور اٹھا کر بولا۔ "شہزاد ہیر اوشان..."

دوسری طرف سے بہرام کی بھڑائی ہوئی آواز سنائی دی۔ "تم کہاں تھے فرزند! میں دوسری بار فون کر رہا ہوں۔"

"میں اپنی ساگرہ منانے گیا ہوا تھا۔ ٹائیگر نے جواب دیا۔

"گیلانی کا قہقہہ پلک پلک بھڑکا ہے۔"

"اگہ... بہرام نے کہا۔ تم دو دنوں جلدی سے تیار ہو جاؤ تمہیں ایک تدفین میں شرکت کرنی ہے۔"

"تدفین...؟" ٹائیگر چونک پڑا۔ "کس کی؟ میری باپ کی؟"

"ایسے موقعوں پر سنجیدگی اختیار کرنی چاہیے۔ بہرام کا لہجہ تنبیہ آمیز تھا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم دونوں ٹھیک سات بیٹے قبرستان پہنچ جاؤ... اور ٹائیگر... اس نے معنی خیز انداز میں جملہ ادھورا ہی چھوڑ دیا۔

"کیا بات ہے سویت ہارٹ؟ ٹائیگر کا لہجہ سر بڑھا۔

"وہ دس ہزار روپے... کیا تم ساتھ لیتے آئے ہو؟"

"نہیں سویت ہارٹ! وہ تو میں نے آئے وقت ایک ٹیکسی ڈرائیور کو بپ دے دی تھی۔"

دوسری طرف سے ایک گراہ مستانی دی اور ٹائیگر کے ہونٹوں پر گراہ کے جواب میں پھیلی ہوئی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔ بہرام حال، ٹھیک سات نیچے پہنچ جاتا۔ بہرام نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔ ٹائیگر نے ریسپور کو کڑیل پر رکھ دیا اور اوشان کی طرف دیکھنے لگا جس کا چہرہ ایک بڑا سوالیہ نشان بن گیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ کال بہرام کی تھی۔ بہرام کی کال کا مطلب تھا کہ کوئی ناکام اور کوئی نئی مصروفیت۔ وہ اسی سلسلے میں ٹائیگر سے پوچھنا چاہتا

تھا لیکن اس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ دیکھ کر کچھ گھبرا گیا کہ کوئی زیادہ اہم کام نہیں ہے... اور یہ مسکراہٹ اسے یہ بھی بتا دی تھی کہ ٹائیگر اس وقت تفریح کے ٹوڈ میں ہے لہذا اس سے سنجیدگی کی توقع فصول ہی ثابت ہوگی۔ اوشان کرے میں کچھ بڑی چٹائی پر کھڑا تھا۔ یہ چٹائی اس کا سب سے پسندیدہ بستر تھی۔ "بلن ناڈر؟" ٹائیگر نے یکایک مصنوعی سنجیدگی کے چہرے پر طاری کرتے ہوئے کہا: "میں ٹھیک سات بجے قبرستان پہنچتا ہوں۔" وہ کیوں؟ اوشان نہ چاہتے ہوئے بھی چونک پڑا۔

"ہیں ایک تدفین میں شرکت کرنی ہے؟"

"کس کی تدفین؟" اوشان کی توشلیں بڑھ گئی بہرام کی کال کے بعد کسی قبرستان کا تذکرہ کوئی اچھی خبر نہیں تھی۔

"یہ تو بہرام نے نہیں بتایا۔ ممکن ہے وہ قبرستان میں خود کشی کر کے اپنی تدفین کرانا چاہتا ہو؟" ٹائیگر نے جواب دیا اور سچی بھانا بھرا کپڑوں کی الماری کی طرف بڑھ گیا۔

بوستان خان کا جنازہ قبرستان پہنچ چکا تھا اور قبرستان کے آس پاس اتنی کاریں کھڑی تھیں کہ کسی نے وہاں کاروں کا اتنا زرافا غلغلہ آئے جیسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بوستان خان کی حیثیت کا اندازہ ان کاروں کو دیکھ کر آسانی سے لگایا جاسکتا تھا... لیکن یہ اس کی آخری شان و شوکت تھی اور پھر اسے منون مٹی تلے لیٹ کر اپنے اعمال کا حساب دینا تھا۔

قبرستان کے دفنی آہنی گیٹ کھلے تھے اور لوگ کاروں سے اتر کر اندر آ رہے تھے۔ صبح کا وقت تھا اور سردی کی شدت سے قبریں تک ٹھنڈی ہوئی تھیں۔ اس وقت لوگ صبح کو بہرام کا چہرہ کسی لوح مزاسی طرح ٹھوس لگ رہا تھا۔ وہ اپنی گیٹ کے ایک طرف کھڑا تھا۔ اوشان اور ٹائیگر ابھی اپنی قبرستان پہنچے تھے۔ اوشان بلکے زرد پونے میں ملبوس تھا جب کہ ٹائیگر کے جسم پر پتلون اور قمیض نظر آرہی تھی۔ جن لوگوں کو زیادہ سردی لگتی تھی وہ اسے ہلکے کپڑوں میں دیکھ کر کپکپی میں مبتلا ہو رہے تھے۔

"تم لوگ قدرے تاخیر سے پہنچے ہو۔ بہرام کا لہجہ سخت تھا۔ اوشان قبرستان جانے سے پہلے لمبی چوڑی توبہ کرنے کا عادی ہے۔ بس اسی وجہ سے دیر ہوئی؟" ٹائیگر نے جواب دیا۔

بہرام نے بغور اس کی طرف دیکھا۔ چند لمحوں تک اس کی آنکھیں میٹھی مری رہیں پھر وہ خفیف سا مسکرا کر بولا: "تم کچھ شاعرانہ ٹوڈ میں دکھائی دیتے ہو؟"

"جب اوشان جیسا شخص فی وی ڈراے لکھنے پر تیار جائے تو مجھے شاعری کرنے سے کون روک سکتا ہے؟" ٹائیگر کے لہجے میں ہلکا سا کھلڑا ڈرائین تھا۔ لیکن سویت ہارٹ ایہ آپ نے مجھ پر شکوک کا دھندناک سے شروع کر دیا، ویسے سننا ہے، بڑا ہی مستان بخش کاروبار ہے۔ ایک کمال اور بلیکے کا کام ہے اور..."

"شٹ آپ! بہرام کا ٹوڈ بگڑی ہوئی؟" تم اس وقت قبرستان میں کھڑے ہو؟

"اس کے لیے سنجیدگی کی ضرورت نہیں البتہ قبر میں لیٹنے وقت مسکراتا معیوب ہوتا ہے جبکہ میں نے بعض کمراتی ہوئی لاشیں بھی دیکھ رکھی ہیں..." وہ یکایک خاموش ہو گیا کیوں کہ اسے بہرام کے چہرے پر غیر معمولی سنجیدگی کی نظر آرہی تھی۔ بہرام... اس نے کھنکھار کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا: "کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ میں اتنی صبح قبرستان کی فضاؤں میں سانس لینے کی کیوں رحمت دی گئی ہے؟"

بہرام اس کا ہاتھ ختم کر جنازے کی طرف بڑھ گیا۔ ٹائیگر نے دیکھا کہ جس جگہ جنازہ رکھا گیا تھا، وہاں ایک لمبی دارھی والا شخص دو عاٹیں بیٹھنے میں مصروف تھا۔ سردی کے باوجود جہم مولی صاحب کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چک رہے تھے... اس نے اوشان کی طرف دیکھا لیکن اوشان نے کوئی تبصرہ نہیں کیا... پھر وہ بہرام کی طرف متوجہ ہو گیا جو کہر رہا تھا۔ یہ بوستان خان کا جنازہ ہے۔ گوشت کے سلسلے میں ہمارے کمپیوٹر کو جو معلومات حاصل ہوتی تھیں، وہ اسی شخص کی زبانی ہم تک پہنچی تھیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اسے مرنے تک ہم تک پہنچنے والا یہ نون پر جو اطلاعات فراہم کرنا رہا ہے، وہ چارہ گر نامی ایک ایسی تنظیم کے کمپیوٹر میں جمع ہو کر ہیں، جن سے ہم لوگ استفادہ کرتے ہیں۔ میں نے اس کی جملہ معلومات کا از سر نو جائزہ لیا تو یہ قیلا کہ یہ شخص کسی خاص چیز کی ٹوہ میں تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اسے قتل کیا گیا ہے۔"

"محض آپ کے سمجھنے سے کوئی شخص مقتول نہیں ہو سکتا۔ ٹائیگر کے لہجے میں ناگوار کی کا تاثر تھا۔

"اس کی لاش اندرون سندھ ایک ایسے جنگل میں دفن سے قلعی پائی گئی تھی، جہاں یہ شکار کے ارادے سے گیا تھا۔ اس کی آنکھیں نکال لی گئی تھیں... اور اس کے جسم کا بیشتر گوشت کاٹ کر پڑوں سے الگ کر لیا گیا تھا۔ میرا خیال ہے اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ انھیں یہاں کیوں طلب کیا گیا ہے۔"

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر کہا: "میں تمہا کتا ہوں"

کہ میری حرکت نہیں ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں اپنی سالگرہ منانے میں مصروف تھا۔ یہ کہہ کر اس نے اوشان کی طرف دیکھا، جو ان دونوں سے بے نیاز مولی صاحب کی طرف متوجہ تھا جن کی آواز خاصی قنت آمیز ہوئی تھی۔

"میں جانتا ہوں کہ یہ تمہاری حرکت نہیں ہے۔ بہرام بڑبڑایا۔ لیکن یہ ایک بے چیدہ معاملہ ہے۔ ہمیں اس کی طرف فوری توجہ دینی چاہیے۔ بات یہ ہے کہ بوستان خان کے شان دار پتوں میں سے ایک ہومل میں سر کیا گیا سارے کا سارا گوشت زہر آلود نکلا اور اسے کھانے والے ٹی آؤڈی ہلاک ہو گئے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ زہر بلا پن محض اتفاق نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے کوئی خرب کار ہاتھ ہے۔ چونکہ بوستان خان مرکزی طور پر ملک کا سب سے بڑا گوشت کا سپلائی تھا اس لیے ہم اس کی غیر فطری موت نظر انداز نہیں کر سکتے۔ میری معلومات کے مطابق گوشت کے سلسلے میں تب بھی جانور روزانہ ذبح کیے جا رہے ہیں، کسی خاص طریقے سے انھیں زہرے دیا جاتا ہے جو بعد میں انسانوں کی موت کا باعث بن رہا ہے۔ اس سلسلے میں میں نے حکومتی بیان پر ایک خاص وکیلین لوگوں کو استعمال کرائی ہے جس نے فی الحال تو خاطر خواہ نتیجہ نکل رہا ہے لیکن..."

"جب وکیلین استعمال ہو رہی ہے تو پھر تشویش کی کیا بات ہے؟" ٹائیگر نے ناف جھوں چڑھاتے ہوئے کہا۔ یہ اس کا ظاہری روپ تھا۔ وہ بہرام کا آغاز اسی طرح طوطا کر رہا تھا کہ اس نے کہا لیکن اس کے دل میں انسانی ہمدردی کے سوتے پھوٹ نکلتے تھے اور بے اختیار اس کا دل چاہنے لگتا تھا کہ وہ پک چھپکے یں جرم ہاتھ کاٹ کر پھینک ڈالے۔

"تھیں، اس سے مسئلہ حل نہیں ہوتا؟" بہرام نے دھیمی آواز میں اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ ٹائیگر کو رام کر کے راہ چلا رہا ہو۔ "ہیں ابس جرم کا کھرج تباہ کرنا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ ہماری دی گئی وکیلین کتنے لوگ استعمال کر رہے ہیں۔ جو لوگ اس سلسلے میں بے پروائی کریں گے، انھیں موت کا شکار ہو پڑا ہے گا... اس کے علاوہ ہماری مداخلت کی وجہ محض یہ نہیں ہے۔"

"پھر کیا ہے؟" ٹائیگر نے چونک کر دریافت کیا۔

"اس کی سب سے بڑی وجہ سیاسی ہے۔"

"تو پھر مجھے سمجھ کر کے سیاست دانوں سے بات چیت کا موقع فراہم کیجئے۔ میں انھیں قاتل کرلوں گا کہ تو شخص جس کی

انداز میں آبادی کم کر رہا ہے، دراصل وہ دنیا میں قاتل پلاننگ کا سب سے بڑا حمایتی ہے۔"

"ٹائیگر... اس بار بہرام کا لہجہ بے حد سخت تھا حالانکہ آواز اب بھی دھیمی تھی تاکہ قرب وجوار میں پھیلے ہوئے سوگواروں میں سے کوئی ان کی باتیں نہ سن سکے۔

"میں جانتا ہوں کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟" ٹائیگر کے لہجے میں بھی برہمی تھی۔ "اب آپ مجھ سے کہیں گے کہ میں جانوروں کو زہر دینے والے شخص یا گروہ کا شرع لگاؤں اور پھر اسے اس جرم سے روک دوں۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ آپ مجھے کسی شہر کا کافی ضعی کیوں نہیں مقرر کر دیتے۔ میں شب و روز لوگوں کے علم میں ڈوبا ہوا رہتا ہوں کہ ان کا؟"

بہرام نے اس تبصرے کے جواب میں ہونٹوں کو سختی سے جھینچ لیا۔ وہ دھمکتا تھا کہ ٹائیگر کی الجھن اکھڑا ہوا ہے۔ اسے راہ پر آنے میں وقت لگے گا۔

"آخر آپ سمجھتے کیوں نہیں ہیں؟" ٹائیگر نے بے حذر انداز میں دھیمی آواز سے کہا: "میں ایک سرکاری قاتل ہوں جس کے فتنے غیر معمولی جراثیم پیش لوگوں کا جو حرافت کرنا ہے۔ میں کوئی ڈاکٹر یا سائنسدان نہیں ہوں۔ مجھ سے کام کروانا ہو تو شرع رسانی توڈ کرنا، سویت ہارٹ... اور پھر اس شخص کی طرف الجھل کا اشارہ کر کے مجھے کسی شکاری کتے کی طرح اس کی طرف دوڑا دیا کرو؟" یہ کہہ کر اس نے ایک بار پھر اوشان کی طرف دیکھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ اس سے تائید چاہتا ہو... لیکن اوشان اب ان کے قریب نہیں تھا۔ کچھ فاصلے پر کھڑے سوگواروں کے درمیان کھڑا تھا اور اس کی تمام تر توجہ مولی صاحب کی طرف تھی جو جنازے کے آخری مراحل طے کرنے میں مصروف تھا۔

ٹائیگر نے بے بسی سے خود بہرام ہی کی جانب دیکھا۔ ان نگاہوں کا مطلب تھا کہ وہ اس معاملے میں دل پیپی لینے پر آمادہ ہو گیا ہے۔ اس شخص نے مرنے کے قبل آپ کو کیا پورٹ دی تھی؟ اس نے پھر اپنی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"اس کی رپورٹ یہ تھی کہ ذبح ہونے والے جانور تیزی سے کم ہو رہے ہیں۔ اس کے علاوہ حکمران صحت کی طرف سے اس کے ہومل کے گوشت پر جو مہر لگائی گئی تھیں، وہ معمول سے زیادہ موٹی ہیں۔ ان کو دودھ سے اکھیرا ہوا صاف دیکھا جاسکتا تھا۔ ان نمبروں کا ڈاکٹر بھی محسوس ہوتا ہے۔ یہ رپورٹ میں نے گزشتہ رات ہی سنی ہے۔"

کہ انسان کو کہہ کر غمزدہ ہونا چاہیے۔ اس نے عجائبات ایک گئے کہ غضب میں چھبک دیا۔ اس گلتے میں ایک جیت پیش ہوا اور لگا بھٹکا وہ جلدی سے آئینے کی طرف بڑھ گئی۔ دروازہ کھولنے سے پہلے وہ آئینے میں دیکھ لینا چاہتی تھی کہ اس کے رخساروں پر آنسوؤں کی خشک کھیریں اب بھی موجود ہیں یا نہیں جنہیں اس نے بانی کے لیے ایک آپ زدہ چہرے پر برقی مشکل سے بنا تھا۔ یہ ایک روایت تھی کہ اُسے اپنے شوہر کے غم میں ڈھال نظر آنا چاہیے۔ وہ ڈھال تو نہیں ہو سکتی تھی البتہ اس حد تک سوگوار ضرور دکھائی دیتی تھی۔ اس نے سیاہ پانی یا س زہین تن کر رکھا تھا۔ اپنے چہرے پر سوگوار کی کھیر پور تافر سے متاثر ہو کر اس نے دیکھ کر ایک گلی نکل اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اسی لمحے اطلاعی گھنٹی بھر پڑے زور سے بجتی تھی۔

مشرقیوستان نے دروازہ کھول دیا اور اس کے ڈور کے پیر کی جانب اسے تھ آدمی دکھائی دیے جنہوں نے سرخ رنگ کے لمبے لمبے پوٹے پہن رکھے تھے۔ انہیں دیکھ کر بے اختیار ہتھکڑی لگنے کو جی چاہتا تھا لیکن مشرقیوستان بڑے ضبط والی عورت تھی۔ اس نے ہتھکڑی لگنے کے بجائے دھن دھن کر دیا اور سوگوار سے انداز میں بولی۔

”فرمائیے...“

جواہان آچھ آدمیوں میں سے کسی نے بھی کچھ نہیں کہا۔

”کیا آپ لوگ میرے مرحوم شوہر کے دوست ہیں؟ اس نے چہرے کے چھکے لیے ہیں بڑھاپا۔

جواب میں پانچ آدمی تو بھٹوں کی طرح ساکت کھڑے تھے جبکہ چھ آدمی جو ان کا لیسٹر دکھائی دیتا تھا، اس نے اثبات میں سر ہلادیا۔ اس کے لہجہ وہ بھی سسکی جھٹے میں تبدیل ہو گیا۔

”اوہ... وہ اپنے شوہر کے دوستوں کا معیار دیکھ کر حیران رہ گئی۔ آپ لوگ اندر شریف لے آئے۔

مشرقیوستان کی زبان سے یہ سننا تھا کہ وہ سب کے سب بے جان بھٹوں کی بجائے جیتے جاگتے آدمی بن گئے۔ فوری رد عمل یہ ہوا کہ عقب میں کھڑے دھن دھنیلے فوراً ہی دائیں بائیں دیکھا تھا۔ جیسے وہ آس پاس کا جائزہ لے رہے ہوں۔ مشرقیوستان کو توقع نہیں تھی کہ وہ اس کی دعوت قبول کر کے اندر بھی آجائیں گے۔ اس وقت وہ گھڑیں تنہا تھیں۔ ان کی یہ شان دار کوٹھی جس جگہ واقع تھی، اتفاق سے اس کے دائیں بائیں کی دو گلیاں برائے فوجت تھیں۔ عقب میں اور سلسلے ابھی میلانی غیر آباد علاقہ تھا اس لیے یہ کوٹھی ماحول کے اعتبار سے الگ تھلک اور

”ڈاکٹر بہرام، ٹائٹل گرنے جواب دیا۔

”اوہ ہاں... کیا ڈاکٹر بہرام کسی وقت ہمارے گھر تشریف لائے؟“

”میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ تجویز دیکھنے سے زیادہ ہاں ہونے سے الگ ہے۔“

ٹائٹل خوش مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بول رہا تھا لیکن اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ اس کا ذہن تو اپنے باپ کی ترقی والے اور کیپوٹر کی طرف سے ملنے والے جواب میں الجھا ہوا تھا۔

دھن رہی تھی کہ ان تینوں آدمیوں کا بھی اس کیپوٹر سے کوئی نہ تعلق ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے ڈاکٹر بہرام کی حیثیت ”داغ کی ہو بوجہ“ عضلات کا کام دیتا ہو جبکہ یہ مسترد پیر زناں شخص۔

ننان کے بارے میں کوئی رائے نہ قائم کر سکی۔ اس نے کندھے اٹھ اور یہ سوچ کر رہ گئی کہ اس شخص کی تہہ کا متعین کرنے کے لیے

کافی وقت ہے۔ اس کے ذہن میں یہ بات بھی گردش کر رہی تھی کہ ہے ان لوگوں کا تعلق محض کڑھت سے ہو۔ یہ وہ آدمی ہو سکتے تھے جنہوں نے اس کے ڈیڑی کو قتل کیا تھا۔ ان باتوں

رکھ کر اس کے ذہن میں ایک خیال طوفان ہمارے لگا رہا۔ پاس پر غور کرتی رہی۔ پھر اس نے فیصد کر دیا کہ وہ بھی آئی بر

ن کر کے گی اور کیپوٹر کی ہلک ہلک ریکارڈ کرے گی۔ اس ہلک

ہاکی آوازوں سے وہ کیپوٹر کا کوڈ تلاش کرے گی... اور پھر اس

اشارے لگا لے گی... اور پھر وہ اس کیپوٹر میں پہنچ جائے گی۔

اور پھر معلوم کرے گی کہ اس کیپوٹر کو کن آپریٹ کرتا ہے...

پھر اس شخص کو قتل کر دے گی... اور اگر وہ ایک سے زیادہ

مے تو وہ ان سب کو قتل کر دے گی۔

مشرقیوستان ایک نشیمن تہل خاتون تھی۔ اگرچہ اس کی دو

لانیٹیاں بھی تھیں لیکن اپنی بیٹیوں میں جیسی وہ ان کی والدہ

بجائے بڑی بیٹی ہیں وہ دکھائی دیتی تھی۔ وہ عجائبات ہتھ سے

بھٹی کے سے انداز میں اپنے گھڑیں گھوم رہی تھی اور اسے دیکھ

ایک ایسی تسلی کا گمان ہوتا تھا جس کی منزل کھو گئی ہو۔

مٹا دروازے کی اطلاعی گھنٹی بجنے لگی۔

وہ چہرہ کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔...

آج صبح

بہرام نے اپنے لیے آنے والوں کی وجہ سے اس کی زندگی اجہرن

لگائی تھی۔ اگرچہ اسے اپنے شوہر کے قتل ہونے کا بے چارہ غم ہوتا تھا

نہ وہ ہر وقت غمزدہ رہنا پسند نہیں کرتی تھی۔ اس کا نظریہ تھا

ٹائٹل گرنے کیوں پر شریک مسکراہٹ نص کرنے لگی۔

”بڑا عجیب آدمی ہے! آرزو نے بہرام کے بارے میں تبو

کرے ہوئے کہا۔

”دراصل ہمارا چیت تدفین کے مناظر و داشت نہیں کر سکتا

ٹائٹل گرنے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ ہر انسان میں کوئی نہ کوئی گودی

ہوتی ہے۔ یہ تو آپ جانتی ہی ہوں گی۔“

آرزو نے ٹائٹل کی طرف نگاہ کی تو اس کی سیاہ آنکھوں

میں ڈوب سی گئی۔ وہ خود فراموشی کے سے عالم میں ایک قدم آگے

بڑھی۔ پھر خشک کر سنبھل گئی۔ آپ کا نام کیا ہے؟ اس نے ٹائٹل

سے پوچھا۔

”میرا نام شہزادہ ہے۔ ٹائٹل گرنے مسکرا کر جواب دیا۔

”صرف شہزادہ لڑکی کا لقب نہیں خیر تھا۔

ٹائٹل گرنے اثبات میں سر ہلادیا۔ ہاں... صرف شہزادہ میرے

لیے ہی کافی ہے اور میرے جان پہچان والے لوگ بھی اسی شہر سے

نام سے ملے ہو جاتے ہیں۔“

”کیا آپ لوگ میرے ڈیڑی کے دوستوں میں سے تھے؟

”دوست نہیں، سادھی تھی۔ ٹائٹل گرنے عجیب سے بے یمن

جواب دیا جس پر آرزو حیرت زدہ رہ گئی۔ اس نے اپنی کمان دار

آنکھوں سے ٹائٹل کا جائزہ لیا پھر بولی۔...

”تم لوگ گوشت کا کاروبار کرنے والے آدمی تو ہرگز دکھائی

نہیں دیتے۔“

”دراصل ہم ہارون کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ ٹائٹل گرنے سیڑیوں

کا نام لینے ہوئے کہا۔

”اوہ... اچھا... لڑکی قدرے مطمئن نظر آنے لگی لیکن اگلی

لمحے ایک نئی تشویش نے اس کی پیشانی پر سونوئیں بکھیر دیں۔ ہاں

... ہارون... لیکن مجھے حیرت ہے کہ وہ ڈیڑی کے جنازے میں کیلا

شریک نہیں ہوگا؟“

”وہ اور تھارے ڈیڑی تو غالباً ایک دوسرے سے بے حد

قرب تھے۔ یہ ٹائٹل نے اُسے سنا۔

”ہاں... کوہا... اتنے قریب تو ضرور تھے کہ ایک دوسرے کے

جنازے میں انہیں بھراں شریک ہونا چاہیے تھا۔ یہ کہہ کر اس

طرف دیکھنے لگی یہاں تھکڑی ہوئی گاس پر تیز تیز قدم اٹھا کر گیٹ

کی طرف جانا۔ جواہرام اب بھی دکھائی دے رہا تھا۔ کیا یہ شخص... اس

کا کیا نام تھا؟ وہ ٹائٹل کی طرف دیکھ کر بڑھڑائی۔

لیکن اس سے تو کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔ ٹائٹل گرنے بے بسی

سے کہا۔ یہ تمام گوشت وہ کہاں سے حاصل کرتا رہا ہے؟

بہرام چند منے سوچ میں ڈوبا رہا۔ پھر اس نے جواب دیا۔

”سلاٹر ہاؤس... اور وہاں کے سلاٹرین کا نام ہے۔ ہارون...“

”ٹھیک ہے۔ ٹائٹل گرنے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ میں

اس سے منٹوں کا یہ کہہ کر وہ دوبارہ آؤشان کی طرف متوجہ ہو

گیا۔... اور پھر اسے چہرہ کا جائزہ لیا۔ آؤشان، سیاہ بالوں والی ایک

حسین و جہل لڑکی کے ساتھ انھی کی طرف رہا تھا۔ ٹائٹل کی نگاہیں

اس لڑکی کے گلہ پیرے سے لکھ کر رہ گئیں۔ وہ سیاہ پانی لباس

میں تھی اور اس کا حسن سوگوار ٹائٹل کے دل میں بے جینیاں بھرنے

کے لیے کافی تھا۔

قریب آکر آؤشان تعظیم بہرام کے سامنے جھکا اور اپنی مخصوص

آواز میں بولا۔ میں نے اسے معصوم پہنچی۔ بہت دی ہے کہ یہ آپ

کو مرحوم کی موت کے سلسلے میں جو کچھ بھی معلوم ہے تفصیل سے

بتا دے۔“

بہرام کے انداز سے یوں ظاہر ہوا جیسے وہ آؤشان کے اس

اقدام پر حیران رہ گیا ہو۔

ٹائٹل گرنے گہری نگاہ سے اس لڑکی کی طرف دیکھا لیکن وہ بہرام

کی طرف متوجہ تھی۔ میرا نام آرزو ہے اور میں مشرقیوستان کی بیٹی ہوں۔

یہ کہہ کر اس نے مصالحت کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

بہرام کے چہرے پر اب بھی دلے کی کمی نہ تھی۔ وہ حیران

تھا کہ آؤشان نے نہ جانے اس کے بارے میں لڑکی سے کیا کہا ہوگا۔

آؤشان... اس نے گہری متانت سے آؤشان کی طرف دیکھتے ہوئے

پوچھا۔ کیا تم نے... میرے شعلق... اس نے جملہ ادھورا جی چھوڑ دیا۔

کیونکہ بات مکمل ہونے سے پہلے ہی آؤشان نے ہاتھ اٹھا کر اسے متاثر

رہنے کا اشارہ کر دیا تھا۔

”تھیں مکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ آؤشان نے ہر قدر

پہچ میں کہا۔ میں نے اسے تنہا ہی خفیہ بول کے بارے میں کچھ نہیں

بتایا اور نہ ہی یہ ظاہر کیا ہے کہ میں اور شہزادہ تھارے غم بھولوں پر اس

طرح عمل کر کے کسی ملک کی بنیادیں مضبوط بنا دیتے ہیں۔ میرا خیال

ہے کہ میری اس مہربانی کو یاد رکھو گے اور کسی دن کسی روز اس سلسلے

میں انعام ضرور دو گے۔ یہ کہہ کر آؤشان بے ڈھنگے پن سے ہنسنے لگا۔

”رہو رت باقی عدل سے دیتے رہنا۔ یہ کہہ کر بہرام گھومنا اور

تیز تیز ایک طرف بڑھ گیا۔

سنان ہی تھی۔

وہ ایک طرف ہٹ گئی اور سب سے پہلے جو شخص اندر آیا وہ قہار میں سب سے آگے کھڑا تھا۔ اس نے اسکرین ڈور کھولنے کے لیے ہاتھ اٹھایا تھا تو مسز بوستان پر کیکی طاری ہو گئی تھی۔ مسز بوستان نے اس کا ایک ناخن دیکھ لیا تھا۔ یہ ناخن کم و بیش تین انچ لمبا تھا اور اس میں ہلکا سا خم تھا۔ ناخن بے حد چمک دار تھا اور آخری حصے سے کھارڑی کے سے انداز میں کٹا ہوا تھا۔ مسز بوستان کو نہ جانے یہ ناخن کیوں ایک خطرناک ترین اور مہلک ترین ہتھیار محسوس ہونے لگا تھا۔ چھ کے چھ آدمی اندر آ گئے۔ اندر آتے ہی ان کے انداز میں قدرے بے تعلقی پیدا ہو گئی اور وہ بے ڈھنگے سے انداز میں مسکرانے لگے۔ ان کا لیڈر دروازہ بند کرنے میں مصروف تھا وہ سب سے آخر میں اندر آیا تھا۔ اس نے دروازہ مقفل کر دیا اور مسز بوستان کی طرف دیکھ کر مسکراتے لگا۔ آپ نے ہمیں اندر آنے کی اجازت دے کر کتنی مہربانی کا سلوک کیا ہے۔ اگر دروازہ نہ کھلتا تو شاید ہم اس عمارت میں قدم بھی نہ رکھ سکتے۔

مسز بوستان کو اس کا یہ تبصرہ بڑا ہی عجیب اور ناقابلِ فہم لگا۔ اب اُسے شبہ ہونے لگا تھا کہ ان لوگوں کا اس کے شوہر سے کوئی تعلق نہیں یہ اُس کے دوست نہیں ہو سکتے اور اس نے انہیں اندر بلانے کی بڑی غلطی کی ہے۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ اس کے ذہن میں سب سے پہلے داخل ہونے والے شخص کا ناخن گھوم گیا۔ اس تصور نے ہی اس کی بڑھک پڑی سے خوف کی ایک نئی سی جھپکلی چمکادی کہ اتنا خوفناک اور تیرہوا ناخن اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ اور یہ ناخن محض ایک ہی وارے کسی کی شہ رگ پر آسان کاٹ سکتا ہے۔ لیڈر نے جو کچھ کہا تھا اس پر ایک شخص نے قہقہہ بھی لگایا۔ اس کا مطلب تھا کہ یہ لوگ اس سے اظہارِ ہمدردی کے لیے ہرگز نہیں آئے ہیں وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ اگر اس نے اچھا ل سکون کے لیے کچھ ہی دیر پہلے وٹیم کی گولی نہ کھالی ہوتی تو اس وقت نہ جانے اس کا کیا حال ہوتا۔ اس دوا کی وجہ سے وہ خود کو سنبھالنے میں کامیاب ہو رہی تھی۔

اس نے خود کو سنبھالا اور ان پائندہ مہالوں سے اندر گزشت میں چلنے کی درخواست کی۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کمرے کی طرف چل دیے جس کی جانب مسز بوستان نے اس رہ کیا تھا۔ ان کے سرخ لبہ اسے اور زور دے چلے کہ دیکھ کر مسز بوستان کی دہشت میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ اس نے کمرے نشست میں میزوں پر رکھی ہوئی بوتلوں

کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: بلا تکلف اپنی مدد آپ کیجئے۔ جس چیز کو چاہے شوق فرمائیے؟

اچانک مسز بوستان کی بڑھک پڑی سے چکی ہوئی خوفِ انتہی سی جھپکلی نے حرکت کی اور اوپر آنے لگی۔ اُسے محسوس ہوا تھا کہ لیڈر بڑی عجیب بنگ ہوں سے اس کا چہرہ لے رہا ہے۔ بوستان کے ساتھ جو کچھ ہوا، بڑا ہی خوفناک ہے؛ وہ اس عجیب احساس کو کرنے کے لیے بولی۔ میں اب تک نہ جانے کتنی بار خود سے یہ سوال چکی ہوں کہ آخر میرا بوستان ہی اتنی دردناک موت کا شکار کیوں ہوا؟ صرف وہی کہوں؟

سرخ لبہ اسے والے پراسرار آدمیوں کے سرخ نے ہمدرد کے اظہار میں گردن ہلا دی۔ یہ بالآخر وہ آزاد ہو گیا۔

یہ ایک غیر فطری سا جواب تھا جس نے مسز بوستان کی بڑھک کی بڑی پر خوف کی جھپکلیوں کی تعداد بڑھا دی۔ وہ ہندی ابدہ کا منہ کانپ گئی نہ ہو سکتا ہے، وہ آزاد ہو گیا۔ وہ جبرائی ہوئی آواز میں بولی اس کی گوشمالی کی کہ وہ خود کو گھبرائی ہوئی ظاہر نہ کرے اور اس کے لیے کچھ نہ کچھ کہنا ضروری تھا۔ لیکن محض اس کے آزاد ہونے سے سارے مسائل تو حل نہیں ہو جاتے۔ آخر میں کہاں جاؤں؟ کیا ہو گا؟ وہ سرخ کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے قدرے دھڑکے ہوئے پوچھا: بتاؤ، میرا کیا ہو گا؟ رستوران کون سنبھالے گا۔ اور لوگوں کی کچھ بھال کون کرے گا؟

سب کا ہندو بہت وقت کے مطابق ہو گیا کہ تپ ہے: میرا لبہ اسے سرخ نے کہا: بوستان خان، جلدی مر گیا حالانکہ یہ آگے جینے کے دن تھے۔

اگرچہ وہ شخص اس کے دل کے زخموں پر مرمم نہیں رکھ رہا تھا لیکن پھر بھی نہ جانے کیوں مسز بوستان کا دل بھرا آیا اور اس کو آنکھیں آنسوؤں کی دھند سے بھر گئیں۔ اس بار اس کے رشتہ دار پر آنسوؤں کی جو دو لکیریں نہیں، وہ بالکل اصل تھیں۔ میں آٹھ شخص کے لیے ہی زندہ تھی۔ وہ جبرائی ہوئی اور جڈ بانی آواز میں بولی: میں دیانت داری سے صرف اسی کی ہو کر زندہ رہی، اس کے بعد اس دنیا میں میرے لیے کیا وجہی ہو سکتی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور سکیاں بھر بنے لگی۔

جب اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اپنا چہرہ ڈھانپا تھا تو اس کی کہنیاں عقب میں کھڑے ایک شخص سے ٹکرائی تھیں۔ یہ شخص جب وہ قدرے دھڑکے اور اس کی جانب دو قدم ہٹی تو ایک آنسو



پر انگلی ہو۔

"تم نے ابھی تک میری بات کا جواب نہیں دیا" اس بات کے ساتھ ہی ناخن کا مہلک ہتھیار ایک بار پھر اس کی آنکھوں کے سامنے چمک اٹھا۔

"میں نہیں جانتی تم کیا کہہ رہے ہو وہ بے بسی سے بولی۔  
"تمہیں چاہیے کہ جو کچھ بھی معلوم کرنا ہے، کھل کر بات کرو ممکن ہے، میں تمہاری کچھ مدد کرنے پر آمادہ ہو جاؤں۔"

مسز بوستان کی بات معقول تھی لیکن اسے صرف معقول نہیں ہی قبول کر سکتا تھا جبکہ وہ چھ آدمی معقولیت کے کسی بھی خانے پر پوسے نہیں اترتے تھے۔ سرخ کا ہاتھ اس کے کندھے پر پتہ بیچا اور اس کی انگلیوں نے مسز بوستان کے نازک کندھے پر کسی آہنی ٹکڑے جیسی گرفت ڈال لی۔

"وہ مر چکا ہے، سرخ غرانے لگا" اس کی روح جسم سے نکال کر کائنات کی دستوں میں آزاد کر دی گئی ہے۔ اب اس کی نیت اور اس کا خیال ذہن سے جھٹک دو اور اپنے بارے میں سوچو بھانے مناؤ میں یہی ہے کہ مجھے سب کچھ بتا دو۔"

مسز بوستان برف کی کسی تل کی طرح سمندر پر کھڑی تھی۔ اس نے جواب دینے کے لیے بول کو حرکت دی تو اسے بے پناہ ڈھاری کا سا، نازک اور پٹا، نام نہاد بولنے میں کامیاب ہوئی۔ اب اس رات میں سونے کے ارادے سے بستر پر لیٹ چکی تھی۔ وہ چلا گیا۔

اس نے جانے سے پہلے مجھ سے کوئی بات نہیں کی کیونکہ شاید وہ یہ سمجھا ہو کہ میں سوچتی ہوں۔  
"سرخ جوٹے والے شخص کی انگلیاں سلاخوں کی طرح اس کے کندھے میں چبھنے لگیں۔" اس نے انھیں جو کچھ بتایا ہے میں بتاؤ وہ اپنی بات پر جبراً یہ تم نے اب تک جن عقائد کے تحت زندگی بسر کی ہے ان سب کو بھول جاؤ۔ مذہب اور گوشت کو ذہن سے جھٹک دو۔"

اچانک ہی مسز بوستان کے جسم میں توانائی کی بہرہ سی ڈوڑ گئی۔ اس نے ایک جھٹکے سے خود کو آزاد کر لیا۔ وہ ذرا سا عقب میں رکھڑائی اور پیچھے کھڑے شخص سے ٹکرائی۔ اس کی کہنیاں عقب میں کھڑے جوٹے والے کے سینے میں لگی تھیں۔ کیا کہا تم نے؟ وہ دلبرائی سے سہرہ پور لہجے میں بولی۔ فیشن اہل ہونے کے باوجود وہ ذہنی اور قلبی طور پر مذہب کی طرف بے پناہ مائل تھی۔ مذہب، غموشی اور عقائد کو بھول جاؤں۔ وہ پیچ پرچی۔ یہ تم کیا بکواس کر رہے ہو۔ میں مذہب کو نہیں چھوڑ سکتی چاہے میری جان ہی کیوں دی جلی جائے۔

سے تصادم ہو گیا۔ اسی طرح بائیں طرف بھی ہوا۔ وہ سمجھتی کہ ان گولوں نے اسے پاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا ہے۔ اچانک اس نے چہرے سے دونوں ہاتھ اٹھا کر سامنے دیکھا تو اس کے حلق سے ایک لمبی ٹھنکی سی جگ نکلتے نکلتے روٹھی۔

وہ خوفناک ناخن اس کے چہرے کے سامنے نقصان میں معتق تھا۔ او وہ ایک رڈ کی بن کسی تنہا کابھائی کی طرح چمک رہا تھا۔ اس سے منکس ہونے والی کہیں تک مہلک محسوس ہو رہی تھیں نہیں لیکن ہے کہ تم نے اب تک محض اسی سے محبت کی ہے اور اسی کے لیے زندہ رہی ہو۔ اس لیے تم سے بہتر کون تباہ کتا ہے کہ اس نے کیا کہا تھا۔

مسز بوستان اسے یوں گھونٹنے لگی جیسے اسے کتے ہو گیا چند کلیم وادہ ناچتی تک تعجب اور خوف کے اظہار میں کھٹا ہوا تھا۔ اس نے سامنے کھڑے زرد روشنی کے چہرے پر نظریں گارٹنے کی کوشش کی لیکن اس کا سر تیزی طرح گھومنے لگا تھا۔ اس کی آنکھیں ڈھنلا رہی تھیں اور اس شخص کا زرد چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے پھینک جا رہا تھا۔ اب اسے صرف اس کی دونوں آنکھیں ہی نظر آرہی تھیں۔ دو سیاہ بڑی بڑی آنکھیں... گہری سحر آلود آنکھیں۔

"اس نے کیا کہا تھا؟ یہ سوال دہرایا گیا۔  
"کب؟ اس نے بے یقینی کے ساتھ عام میں دریافت کیا اس نے تو بہت کچھ کہا تھا۔ تم مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو؟  
"اس نے گھر سے نکلتے وقت کیا کہا تھا؟ زرد روشنی نے محسوس نہیں کیا اپنا سوال دہرے تبدیل کے ساتھ کیا؟ اس نے شکار پر جانے سے پہلے تم سے کچھ کہا تھا؟

مسز بوستان نے دائیں بائیں اور پیچھے دیکھا۔ وہ سب کے سب اس سے صرف ایک قدم کے فاصلے پر کھڑے تھے۔ یوں گٹا تھا جیسے وہ زرد چہرہ اور سرخ جوٹوں والے مجسموں کے درمیان زندہ چن دی گئی ہو۔ اب اگر وہ چاہتی بھی تو ان کے حصار سے نہیں نکل سکتی تھی۔ ایک قدم بھی آگے پیچھے کرنا ڈھار تھا وہ پوری طرح ان کے نرٹے میں آ چکی تھی اور مارے خوف کے اس کا حلق خشک ہو گیا تھا۔ اس نے باری باری اس چھ آدمیوں کی طرف دیکھا جواس کے گرد حصار بندے کھڑے تھے۔ ان کے چہرے پر ہنگامی کے تاثرات تھے۔ آنکھیں سفاک تھیں اور ان کے دہانوں سے درندگی کا احساس ہوتا تھا۔ وہ کانپ کانپ گئی۔ اس کی حالت ایک ایسی نفسی سی چڑیا جیسی تھی جو بیک وقت چھ ٹیکوں کی زد

حیرت انگیز تیزی سے اپنی بڑی ہوتی حالت پر قابو لیا۔ اس کے سامنے کھڑا شخص پیچھے چہرے پر بڑی چوٹی دو رلی سیاہ اور چمک دار آنکھوں سے اسے گھور رہا تھا۔ اس کے ہونٹ مسکرائے تو یوں لگا جیسے سنگ چہرے میں نا پڑ گئی ہو۔

"بے چارہ بوستان... وہ ایک بار پھر آرزو ہو گئی۔ رڈ جانے کے کہن پر اسرار باتوں میں خود کو اچھایا تھا۔ وہ خود کو کامی کے لہر میں تھی۔

اچانک فرشتہ دوسرے بالائی حصے سے ایک آواز آئی اور تان کے سامنے کھڑا ہوا آدمی اس آواز کی طرف متوجہ ہو گیا۔  
"یہ کچھ نہیں جانتی۔ آواز کہہ رہی تھی اس سے نفرت تو نہیں بلکہ مہال سے رخصت ہو جانا چاہیے۔"

اسی دوران مسز بوستان نے عقب میں کھڑے آدمی کے ہاتھ رکھ کر کمرے نرمی سے دھکیلتے ہوئے کہا: کیا تم مجھے جانے نہیں دے سکتے؟

اس شخص نے اثبات میں سر ہلادیا اور سامنے سے ہٹ گیا۔ نہ جانے کیا ہوا۔ مسز بوستان کا حسین سراپا بیروں پر مہلک وہ ایک بار پھر سرخ جوٹوں والے لوگوں کے سرخنے کے ہاتھوں پائیں جھپک رہی تھی۔ اچانک وہ ہی تیرہ دھار کابھائی نما ناخن آنکھوں کے سامنے لہرایا۔ ایک لمبے کے لیے اس کی جگہ دکھائی دے اپنے نرٹے پر اس کی کاٹ کا احساس ہوا۔ وہ پیچ پرچی۔ بے یلوسن استادہ دونوں آدمیوں نے اسے جبراً دیا۔ اس کی مان کی گرفت میں تھیں اور وہ دلہائی کے لیے جبراً جبراً کر رہی تھی۔ اس کھڑے ہوئے شخص کا ہاتھ پھرا اور اس کے منہ پر چمک گیا۔ تان نے اپنے سینے کی طرف دیکھا جس پر نرٹے سے اتری زن کی پتلی سی چادر بھینٹ جا رہی تھی۔ مارے دہشت کے اور ہرجا کا پ گیا۔ اس کی دوا ملی آمیز حرکت کی وجہ سے عا کر مزید کھل گیا اور خون مزید تیزی سے بہنے لگا۔

ناخن والے شخص نے اس کا کندھا تھام لیا اور پھر اس کا زورک میں آ گیا جس کی ایک انگلی سے وہ مہلک ناخن ابلتے اس کا ناخن اس کے نرٹے میں گہرا تر گیا۔ یہ ایک جان لیوا وہ ذبح ہونے والی بڑی کی طرح تڑپا اور اس نے چیخنے کے بولنے کی کوشش کی چیخ اس کے سینے سے بلند ہوئی اور اس نول تنے والی چوٹی زبان تک آ کر دم توڑ گئی۔

ناخن والے شخص کا ناخن اس کی آنکھوں پر عمل کر رہا تھا

مسز بوستان کو اپنی ہستی ایک ایسی کشتی محسوس ہونے لگی جس میں جبر سورج ہو گئے ہوں اور وہ ڈوب رہی ہو... اسے اپنی ناگہیں بے جان لگ رہی تھیں۔ اس کے جسم کا پوچھنا چکا ہی اتنا بڑھ گیا تھا کہ ناگہیں اسے نبھانے میں کامیاب نہیں ہو رہی تھیں... پھر اسے ہر چیز کو اپنی چوٹی لگنے لگی۔ ہر شے پھٹنے لگی۔ وہ خود بھی پھیل رہی تھی۔

تین آدمیوں نے اسے جکڑ رکھا تھا۔ انھوں نے اس کو کچھ ڈر دیا۔ ایڈر اپنے خوفناک ناخن کا جائزہ لے رہا تھا اور اس کی کار کوئی پر پرے مد مظہن تھا۔

وہ لوکھڑائی رہی۔ اس کا تیزی سے بے جان ہوتا ہوا جسم ایک مینر سے ٹکرایا اور پھر وہ گر گئی۔ وہ مری طرح فرش سے ٹکرائی تھی لیکن اس تصادم سے اسے تکلیف کا ذرا سا بھی احساس نہیں ہوا تھا۔

چھ کے چھ چوٹوں والے خاموش کھڑے اس کے تڑپنے کا منظر دیکھتے رہے۔

جب اس کا جسم ساکت ہو گیا تو سرخ بولا: ہمیں فوراً اپنا کام شروع کر دینا چاہیے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب ہمارے پاس بالکل وقت نہیں ہے؟

تدفین کے بعد ٹائیکر اور آڈیشن نے آرزو کو اپنی کار میں گھر چھڑنے کی پیش کش کی جسے اس نے بلا تردد قبول کر لیا۔ آڈیشن وقتی نشست پر بیٹھا تھا اور اس کی پائیں ساکت تھیں۔ ٹائیکر کا ڈراما ٹوکر رہا تھا اور آرزو اس کے پہلو میں کسی حسین عجیبے کی طرح ساکت بیٹھی سامنے وڈا اسکرین کو گھور رہی تھی۔  
"اوہ... یہ سب کچھ ایک بھیانک خواب محسوس ہوتا ہے۔"

وہ زیر لب بولی۔  
ٹائیکر نے گن آنکھیں سے اس کی طرف دیکھا۔ انداز دھما طلب تھا۔

"میرا مطلب اس تدفین اور اپنے ڈیڑی کی لاش سے ہے۔ آرزو نے کہا: مجھے حیرت ہے کہ کوئی شخص میرے ڈیڑی کا اس حد تک بھی دشمن ہو سکتا تھا۔ ان کے اس مٹا کا تہ قتل کی وجہ میری سمجھ سے باہر ہے۔" اس کے لیے میں بے بسی لگتی۔  
"کیا تم بتا سکتے ہو کہ ایسی دردناک موت کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ ٹائیکر نے اس کے بائیں گھٹنے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ اسے پرسکون کرنا چاہتا تھا؟ ایسی اموات کی وجہ معلوم کرنا دنیا کا

کر رہی تھی؟ وہ جانتا تھا کہ جب کبھی وہ ایسی حالت میں مبتلا ہوتا ہے تو کوئی انہونی ہی سامنے آتی ہے۔

"میں ہاتھ دھو کر آتی ہوں" آرزو یہ کہہ کر باہر چلی گئی۔

کئی طرف چل گئی۔

معاً اس کے کانوں سے بانی گرنے کی خفیف سی آواز ٹکانے لگی۔ پھر ایک طویل کراہ اس کی سماعت تک پہنچی اور اس کے بعد لوگوں کا جیسے کمرہ نشست سے کوئی ہاتھی سر پیٹ بھاگتا ہوا اس کی طرف آ رہا تھا۔

"اودہ میرے تھا۔ میرے رب عظیم۔ میرے اللہ مولوی قدر گزرتا پڑا اور اپنا کتا کتا سامنے آیا ٹائیگر نے اس سے پوچھا جانا کیا ہوا لیکن مولوی تدبیر پر تو ایسی بدحواسی پھائی تھی جیسے اس نے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔ وہ سر پیٹ بھاگتا ہوا صدر دروازے تک پہنچا اور پھر اسے کھول کر باہر نکل گیا۔

ٹائیگر نے کچھ نہ سمجھے کے انداز میں دیدے بچائے اور اسی لمحے اس کے حساس تھنوں نے خود کار انداز میں عمل کرنا شروع کر دیا۔ وہ خون اور موت کی بو محسوس کرنے لگا۔ اب اسے حالات کی سنگینی اور آدھان کی باتوں کے وزن کا احساس ہوا۔ وہ تیزی سے کمرہ نشست کی طرف بڑھا اور پھر اسے ٹھٹھک کر رہ جاتا پڑا۔

کمرہ نشست کا فرش خود کا جھوٹا سائلاب نظر آ رہا تھا۔ چھینے دیواروں پر بھی دکھائی دے رہے تھے۔

مولوی تدبیر گھر سے نکل کر لان کے ایک درخت کے پاس ٹک گیا اور اپنی بے ترتیب سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کے بے پناہ موٹے چہرے پر پسینے کی کئی ندیاں بہتی محسوس ہو رہی تھیں۔

ٹائیگر کمرہ نشست سے نکل کر کچن کی طرف دوڑا۔ صابن کا جھاگ آؤ دیا لی آرزو کے بازوؤں اور چہرے سے بہہ رہا تھا۔ وہ سیدھی کھڑی تھی۔ اس کے حلق سے ایک دلہ روز جینٹ نکل چکی تھی اور دوسری جینٹ کے لیے اس کا دہانہ کھل رہا تھا۔ ماکہ دہشت کے اس کی آنکھیں معمول سے دوگنی بڑی ہو چکی تھیں۔ کچن میں اس کے علاوہ کوئی نہیں تھا اور وہ ٹائیگر کو دیکھ کر نہیں چینی تھی۔ اس لیے ٹائیگر حیران تھا کہ اس نے کیا دیکھ لیا ہے۔

معاً اس کی نگاہ کچن کی کھڑکی سے باہر لان کے ایک

بستر بوستان کو میری روحانی امداد کی ضرورت ہو؟

وہ کار کے قریب پہنچ گئے۔

"آرزو تمہارے پاس گھر کی چابی ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

یہ سن کر لڑکی اچھل ہی تو پڑی۔ وہ دوڑتی ہوئی گھر کے دروازے پر پہنچی اور اس سے زور زما کر کرنے لگی۔ اس انداز سے بیکار ہی دیوانی آئینے بے چینی کا اظہار ہونے لگا۔

ٹائیگر کو وہ ایک بے قرار نگہری لگی۔ "بڑی عجیب بات ہے" بیچ رہی تھی۔ "مٹی نے آج تک گھر کا دروازہ مقفل نہیں کیا۔ یہ کہہ کر اچانک وہ ٹھکی اور چٹائی کے نیچے ٹوٹنے لگی۔

کا ہاتھ سامنے آنا تو اس میں ایک چابی موجود تھی۔ اس نے ی جلدی دروازہ کھولا اور درب گھر میں داخل ہو گئے۔ مولوی جب بھی ان کے پیچھے ہی اندر آئے لیکن آدھان باہر ہی رہا۔

ٹائیگر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

آدھان ایک درخت کی طرف دیکھ رہا تھا جس کے نیچے ماس کا ایک ٹکڑا قد سے نمایاں لگ رہا تھا۔ "اندا جاؤ ٹان" ٹائیگر نے دروازے سے ہانک لگائی۔

"میرا خیال ہے" مجھے یہاں سے باہر ہی رہنا چاہیے۔ آدھان نے جواب دیا۔ "یہاں ایک ایسی چیز ہے جسے میں کسی طرح بھی سن نہیں کر سکتا۔"

"مجھ سے زیادہ نا پسندیدہ چیز کون سی ہو سکتی ہے؟"

ٹائیگر غرا یا۔

"میں سمجھ رہا ہوں شہزاد، آدھان کے لہجے میں بے پناہ غلطاب تھا جسے ٹائیگر بھی محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔" میں باہر لان میں لگا۔ آدھان نے بے حد عذری انداز میں کہا۔

ٹائیگر چند لمحوں تک تو اس کی طرف دیکھتا رہا پھر وہ کندہ لہتا ہوا ٹیبلٹ گیا اور اس کے عقب میں دروازہ بند ہو گیا۔

آدھان چند لمحوں کے لیے جہاں کھڑا تھا وہیں مساکت کھڑا رہا۔ اس میں ٹھٹھکا رہا۔ پھر اس کے تھنوں نے نہایت آہستہ حرکت کرنا شروع کر دیا۔ وہ عمارت کے عقبی حصے کی طرف چلا گیا۔

گھر میں داخل ہو کر آرزو نے انہیں کمرہ نشست میں چلنے اشارہ کیا اور بلند آواز میں اپنی ماں سے بولی۔ "مٹی میں آئی ہوں۔" مولوی صاحب کمرہ نشست کی طرف بڑھ گئے اور ٹائیگر ماکہ حیرت سے سوچتا رہ گیا کہ آخر آدھان کو کیا بات پریشان

ٹائیگر نے کارڈ رٹرو سے میں موڑ دی۔ زرد شہیار کھڑکیاں آنکھوں کو بہت بھلی لگ رہی تھیں۔ جیسے ہی اس نے کارڈ کی اچانک اس کی نگاہ ایک سلسلے پر پڑی۔ وہ پڑا۔ یہ سایہ ایک کھڑکی سے اندر بھاگ رہا تھا۔ "آدھان کا خیال رکھنا؟" اس نے کہا اور آرزو سے بولا۔ "تم یہیں آرزو کا رے اسے آکر آدھان کے قریب کھڑی ہو۔ اس کے انداز سے ڈراسی بھی تشویش کا اظہار نہیں ہو۔ ٹائیگر تیزی سے کھڑکی کے عقبی حصے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھو یہ نوچا چل رہا ہے جیسے اس کے پاؤں زمین سے نہ چھو رہے۔ آدھان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے نتیجے سے حرکت کر رہے تھے۔ اس کی نگاہ عمارت پر جمی ہوئی اور یوں لگتا تھا جیسے وہ خاموشی سے کسی خاص چیز کے ہونے کا انتظار کر رہا ہو۔ آرزو نے محسوس کیا کہ اچانک اس بوڑھے کے چہرے پر ویسے ہی نا اترات پیدا ہوئے جیسے اس وقت نظر آئے تھے جب وہ اس کے باپ کی رہا تھا۔

اس کا دل آہستہ آہستہ بے ترتیب دھڑکنوں کا ٹائیگر تیزی سے عمارت کے عقبی حصے میں جا پہنچا۔ وہ شخص بھی کھڑکی سے ہرٹ کر لیٹ پڑا۔ ٹائیگر اس قدر زہین پہنچ چکا تھا کہ دونوں کے سینے ٹکرائے۔ صاحب۔ ٹائیگر کے لہجے میں حیرت تھی۔ اس شخص کو قبرستان میں جنازہ پڑھاتے اور دعائیں مانگتے دیکھنا حیرت ہونے لگی کہ وہ ان سے پہلے یہاں کیسے پہنچ گیا کیوں جھانک رہے تھے؟ اس نے پوچھا۔

صاحب ریش ایک جہیم آدمی تھا۔ اس کے چہرے پر انشا گوشت تھا کہ اس کی ایک کی بجائے تین ٹھوڑیاں تھیں۔ وہ ٹائیگر کو یوں اچانک سامنے پا کر مری طرح پھر خود کو قد سے سنچال کر بولا۔ "میں مسر بوستان سے۔ لیکن اس نے اگلا ہی سٹپنی کے جواب میں دروازہ بند میں دیکھ رہا تھا کہ کہیں خدا نخواستہ..."

"اودہ ٹھیک ہے؟" ٹائیگر نے اس کا بازو تھام لیا۔ لے کر آرزو اور آدھان کی طرف چل دیا۔ اسے میں جہیم کہہ رہا تھا۔ "میں ایک عرصے سے اس گھر میں آباد ہوں۔ میری دعاؤں کے طفیل بڑی ترقی کرتا رہا ہے۔ میں۔

سب سے مشکل کام ہے؟ وہ بڑبڑایا۔

"نہی لڑکی... آدھان عقبی سیٹ سے بولا۔ "تم جس شخص سے پوچھ رہی ہو اس سے چائے کو ایسی باتیں سوچنے کی عادت نہیں ہے۔ یہ خود ایک تنگ سانس ہے۔ اسے کیا معلوم کر..."

"آدھان... ٹائیگر بلیٹ کر غرایا۔ "کم از کم اس موقع پر تو خاموش رہیے؟" اس کے لہجے میں تنبیہ پر اثر نہ تھا۔ اس نے کارڈس سڑک پر موڑ دی جس پر آرزو کی قیام گاہ تھی۔

آدھان اپنے مخصوص انداز میں سینے لگا تھا اور ٹائیگر کو یہ ہنسی پیلے سے کہیں زیادہ تکلیف دہ محسوس ہوئی تھی۔ اس نے ٹھوکر عقب نما آئینے میں، آدھان کے عکس کی طرف دیکھا۔

"آپ تو یوں ہنس رہے ہیں جیسے اس سلسلے کی حقیقت سے پوری طرح آگاہ ہوں؟" اس نے تاؤ دلانے والے انداز میں کہا۔

"میں سمجھتا ہوں؟ ہم لوگ جب سے قبرستان سے روانہ ہوئے ہیں، ہم سے زیادہ آپ کو کچھ معلوم نہیں ہوا ہوگا۔"

"میں کافی جانتا ہوں؟" آدھان نے ایک بیک بیکہ ہوتے ہوئے کہا۔ میں جانتا ہوں کہ ڈاکٹر ہارم نے تمہاری عدم موجودگی میں ایک خاص بیماری کا نام لیا تھا؟

"ایک نئی بیماری... ٹائیگر جو کہ بغیر زہر سکا؟ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟"

"جانوروں کا لٹو؟" آدھان نے جواب دیا۔ "جانوروں کا لٹو... تو... تو... تو..." اس نے بلی کی سی آواز نکالی۔

"مجھے خوشی ہے کہ آپ ایک عرصے بعد آج پھر اپنے مخصوص خوش گوشت موڈ میں مبتلا ہوئے ہیں۔" ٹائیگر نے جلتے کے انداز میں کہا۔

"میں خوش گوشت موڈ میں نہیں ہوں بلکہ تمہاری کم عقلی کا ماتم کر رہا ہوں؟" آدھان کا موٹا بک بکٹ خواب ہو گیا۔

ٹائیگر سمجھا گیا کہ اب آدھان سے اچھا ٹھیک نہیں اس لیے وہ آرزو کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔

وہ لگتا تھا جیسے وہ ان دونوں کی باتوں پر توجہ ہی نہ دے رہی ہو بلکہ باہر کے مناظر میں خود کو گم کر دینا چاہتی ہو۔

"تمہاری ماں اس تین میں کیوں شامل نہیں ہوئی؟" ٹائیگر نے پوچھا۔ "کیا وہ پردہ دار خاتون ہیں؟"

"نہیں... لیکن وہ اس قدر غرور تھیں کہ انہیں ساتھ لانا انہیں ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ لیکن ہمارا اصرار آگیا۔ اس نے ایک کھڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ہوا تھا اس پر مسکرتہ صمت کی طرف سے جو ہر گال کی تھی وہ قدرے نمایاں اور بڑھتی تھی:

"اس کا کیا مطلب تھا؟ عقبہ سے پوچھا گیا۔

"میں نہیں جانتا، وہ کراہ کر بولا اور پھر یہ کہ ایک دلہ و زینچ میں بدل گئی، اس کا ناموں میں پہلے سے زیادہ تکلیف ہوئی تھی۔

"یہ حقیقت ہے کہ میں نہیں جانتا: اس نے جواب دیا اور توقع کی کہ اس بات تکلیف اور زیادہ شدید ہوگی لیکن ایسا نہیں ہوا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم غلط بیان سے کام نہیں لے رہے ہو۔ پیچھے کہیں ہو جو شخص غلطی میں ہے میں بولا: وہ نہیں فون کرنے کے بعد ہلاک کیوں کر دیا گیا تھا؟

"میں نہیں جانتا... ہارون نے کہا اس کے ساتھ ہی شدید تکلیف و اذیت کا رونا سنا شہید تھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو بہہ آئے تھے۔ اس کے دونوں ہاتھیں اس حد تک ٹپک رہی تھیں کہ اس کے جسم کا ہتھری بہتیں موس ہو رہی تھیں۔ ٹپک جھانکے کے بعد اسے تکلیف کا احساس نہیں ہوا جیسے تھا لیکن یہ سب کچھ اس کے لیے ناقابل فہم تھا۔

"اُسے کیوں ہلاک کیا گیا؟ سوال دہرایا گیا۔

ہارون کے دونوں ہاتھ اپنی نالوں پر جم گئے، وہ انھیں دبا کر قدرے سکون حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن اسے ناکامی کا مشورہ کھینچا۔ وہ حیران تھا کہ جو شخص بھی اس کے گھر میں داخل ہو کر اسے اتنی اذیت دے رہا ہے، یہ اندر کیسے آیا ہوگا؟ باہر سے پہلے سے دارخا جو کسی بھی طاقت یا اجنبی ہستی کو اندر آنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا، اگر اس شخص نے اس پر ہاتھ دیا یا تو وہ خود غور کرنا تھا کہ کیا جو اجنبی لوگوں کی مگر بولنے کرنے میں مشہور تھا، وہ ایک دور آخر کے تھے ہوں گے... اور پھر وہ سب کچھ اتنی خاموشی سے کیے ہو گیا کہ اس کے کسی کراہ کا دل کان پر نہیں چلا۔ اس کی سوچ پر ایک بار پھر شدید ترین تکلیف کا رونا جاری ہو گیا۔ میں بیٹھیں سے نہیں کہہ سکتا، وہ حق کے بل بوتے پر کرا رہا تھا۔ میرا خیال ہے کہ یہ ریٹ پیکری حرکت ہے۔

"میں اس کی عبرتناک موت کی وجہ معلوم کرنا چاہتا ہوں: عقبہ سے آواز آئی۔

"اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے میٹ سپر کو بتایا تھا کہ بوستان کو یہ چل گیا ہے۔ یہ سن کر وہ پریشان ہو گیا تھا اور جانتا تھا کہ بوستان نے اس بات کا کسی اور سے بھی تذکرہ کیا ہے یا نہیں؟ یہ کہنے ہوئے اُسے درویش کی محسوس ہوئی تو اس نے آنکھیں کھول دیں، وہ اس پر ملامت و دشمنی کو دیکھنا چاہتا تھا جس نے اُسے زندگی کی بھیانک ترین اذیت

سزا دینے پر تیار ہو گیا تھا کہ اس نے آنکھیں دوبارہ بند کر لیں۔ "تم ہار گئے ہو: وہی تنگ آواز دوبارہ اس کی سماعت سے مکمل تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اب اذیت کا احساس قدرے کم ہو گیا تھا لیکن اب بھی اس کی ٹانگیں ٹپک رہیں اور وہ انھیں حرکت دینے سے قاصر تھا۔

"تم کون ہو؟ اس نے کہتی ہوئی آواز میں دریافت کیا۔ "تمہاری حریف تم کا ایک کھلاڑی: مضحکہ خیز انداز میں جواب دیا گیا۔

"کیا چاہتے ہو؟ اس بار جو آواز اس کے حلق سے نکلی تھی اسے لگا کہ یہی معمول کر سکتا تھا۔

"بوستان خان کی بیٹی کے کمرے میں میز پر فون کے قریب ایک پیلی کھا ہوا تھا، اس پر پھل لٹکا ہوا تھا اور یہ ہدایت درج تھی کہ انھیں کال کی جائے۔ کیوں؟

"اوہ خدایا... میری ٹانگیں... وہ پھر زچ بڑا۔ درویش ایک شہید لہر اس کی دونوں ٹانگوں میں ہوں دوڑتی تھی جیسے کوئی تیز رفتار چھری اس کا گوشت کاٹتی ہوئی گزر رہی ہو۔

"فی الحال تو یہ تمہاری ٹانگیں ہیں: عقبہ سے وہی خوشخوار آواز سنائی دی۔ لیکن اگر تم نے میری بات کا جواب نہ دیا تو یہ ٹانگیں میری ملکیت ہو جائیں گی... اور جب میں اس گھر سے واپس جاؤں گا تو یہ ٹانگیں میری مملکت میں دلی ہوئی ہوں گی۔

ہارون پوری جان سے کانپ گیا، سر کی وجہ اس کا چوراہم پسینے میں جھپک گیا تھا اور اس کی پیشانی سے پسینے کے قطرے باقاعدہ چھپنے لگے تھے۔ اس نے اپنی پوری زندگی میں ایسی اذیت کا کبھی تجربہ نہیں کیا ہوگا کہ جس میں اس اتنی ہستی نے اسے مبتلا کر رکھا تھا۔ "جواب دو... عقبہ سے کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی دونوں ٹانگیں یوں پٹک اٹھیں جیسے ان کی ہڈیاں اور گوشت ایک دوسرے سے مل کر سیال میں بدل جائے گا۔

"میں نہیں جانتا کہ بوستان کی لڑکی مجھے کیوں بات کرنا چاہتی تھی: وہ حق کے بل بوتے پر بولا اور کرنا ہے لگا: البتہ مجھے بوستان نے کال کی تھی۔

"اس نے تم سے کیا بات کی تھی؟ جانگوں کی تکلیف قدرے کم ہو گئی۔

"اسی طرح بولنے پر جو اور سب کچھ کہتا رہا: آواز نکلتی تھی۔

"اس نے مجھے فون کر کے بتایا تھا کہ بول میں جو گوشت پھانسی

تھی لیکن اس کی مرآت نگاہ کے ایک نئے مسافہ کے ساتھ آواز کرتی تھی۔ اُسے دنیا میں بس دو ہی شوق تھے۔ پیر کا نام اور میرزا کرنا۔ کانٹے کے لیے اس کے پاس ساتتے درخت تھے کہ بعض اوقات اُسے خود بھی ذہن پروردے کران کا احاطہ کرنا پڑتا تھا پھر بھول چوک ہو جاتی تھی جبکہ فورتوں پر خرچ کرنے کے معاملہ لوگ اُسے کسی شہنشاہ کا ہم پیر قرار دیتے تھے۔ اس وقت وہ تھا اس کے دائیں طرف بزرگ بیڑی کی ایک بوتل کھینچ کر اس کے ساتھ چھاگ اڑائی ہوئی بڑ کا ایک ہیر پر گلاس موجود تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ دھتے وقت سے گلاس کی طرف جاتا

دیکھتے بغیر وہ گلاس اٹھا لیا، گلاس نہ ٹپک جاتا، ایک گھڑ گلاس سے اس کے حلق میں نقل ہو جاتا اور پھر خود کا رسے اٹھا ہاتھ اُس گلاس کو واپس بڑھ کر رکھ دیتا تھا۔ اس دوران میں اسے بار بھی اُس کی نگاہ کی اس کی سہیل سے نہیں ہوتی تھی۔

فٹ بال کا بیچ اس وقت پورے زوروں پر تھا اور اس میں جو ہیجان خیزی کا تاثر تھا اس سے ہارون کے جذبات اب تک رگ رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کس طرح ختم ہوتے ہی وہ فون کر کے طلب کرے گا اور پھر یہ آگ خود بخود ہی سرد پڑ جائے گی۔

چانک لڑکی کی اس کمر میں ہاٹ ہوئی۔ وہ چونک پڑا۔ پورے نوے سمجھا تھا کہ شاید چل جاتی تھی لیکن پھر اس نے روشن جیسا اور بڑھ چلا دیکھا تو اسے حیرت اس نے دونوں ٹانگیں سیٹ کر رکھنا چاہا پس اسی پر قیامت گئی۔

اس کے حلق سے ایکسے سا سختی نکل گئی تھی۔ وہ اپنی ٹانگیں سینے میں ناکام رہا تھا، صرف یہ عکس۔ یوں محسوس ہوا تھا جیسے اس کی ٹانگیں کسی خاص وجہ کے تحت مچھلے مچھلے ہو رہی ہوں۔ اُسے اپنا ریشہ ریشہ کرب و اذیت متلا محسوس ہو رہا تھا۔

"وقت ختم ہو گیا: عقبہ سے ایک بھاری آواز سنائی دے گی ختم ہو چکا ہے، ہارون... اور تم رہ گئے ہو۔

اس سے اذیت برداشت نہ ہو سکی تو آنکھیں پھینچ لیں اور آہستہ آہستہ زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔ اسے بھی اس نے لی۔ وہ سے نکل ہوئی آواز سمجھا تھا... لیکن کچھ ہو رہا تھا اسے اس کا شبہ کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ اس نے لمبے نھر کے لیے آنکھیں کھولیں تھیں تو اسے اپنی ہر قسم کی ایک ایسے تالاب کی طرح کی تھی جہاں

درخت پر جم گئی اور وہ سانس لینا بھی بھول گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ آواز دیکھ کر جیتی تھی۔ خود اس کے بھی رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے یہ ایک فوٹو کا منظر تھا۔ درخت کی ایک مضبوط شاخ سے ایک لاش لٹکی ہوئی تھی۔ سب سے پہلے دے والی یہ لاش بے حد سستی پر ثابت ہوئی۔ ٹائیکر سے اعصاب بھینچنا کر رہ گئے۔ اُس نے جلد ہی اپنی حالت پر قابو پالیا۔ اس دوران میں وہ آرزو کی طرف سے لمبے بھر کے لیے غافل ہو گیا تھا۔ وہ دوسری اڈھوری بیچ کے ساتھ ہی فرش پر گر کر بے ہوش ہو چکی تھی۔

ٹائیکر کا دل فشتہ سے دھڑک رہا تھا اور بار بار اُس کی حالت بگڑ جاتی تھی۔ وہ کوئی معمولی اعصاب کا آدمی نہیں تھا لیکن جو کچھ اُس کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں وہ بھی معمولی منظر نہیں تھا... پھر معمولی اعصاب کی مالک آرزو تو کب کی گر کر بے ہوش ہو چکی تھی اور معمولی اعصاب والا مولوی قدیر تو کسی بدحواس باغی کی طرح دوڑتا ہوا گھر سے نکل کر باہر لان میں پہنچ چکا تھا۔

ٹائیکر نے دونوں ہاتھ کھڑکی کی سیل پر جمائے اور مسز بوستان کی لاش کا جائزہ لینے لگا جو درخت کی ایک شاخ سے بھول رہی تھی۔ اسی لمحے ٹائیکر کا نگاہ اوشان پر پڑی۔ اوشان اُس درخت کے قریب کھڑا تھا، وہ لاش کو کھنڈ رہا تھا... پھر اس کا ہاتھ میں لپٹا ہوا جسم متحرک ہوا۔ وہ درخت کے تنے کے گرد چکر لگا رہا تھا وہیں چکر لگانے کے بعد وہ نک گیا۔ اب ٹائیکر نے دیکھا کہ وہ اپنے پاؤں کے پنجے سے ٹھٹھری ہوئی زمین کو رید رہا ہے۔

□

ہارون کہنے کو تو ایک سیزم تھا لیکن درحقیقت اعلانِ بے پردہ لال کا حکم کرنا تھا اور گوشت کے کاروبار میں کروڑوں کے سونے اسی کی معرفت ہو کر رہتے تھے جن میں سے اُسے لاکھوں کی بچت ہوتی تھی۔ کروڑوں میں لاکھوں کا کشن نہیں ہوتا تھا بلکہ بعض اوقات وہ سودا اپنی ہی فرم کے حق میں کر لیتا تھا۔ بول اس کے چاروں ہاتھ پر گھٹی میں تھے اور سر رکھتا تھا۔ رادی اس کے لیے چین ہی چین نکھتا تھا جس وجہ تھی کہ اس وقت وہ اپنی شاندار کوئی کے کوہ نشست میں بیٹھا تھا وہی پرفٹ بال کا نتیجہ دیکھ رہا تھا تو اس کے چہرے پر بے پناہ آسودگی تھی۔

وہ ایک آوارہ مزاج آدمی تھا۔ اس کی زندگی تباہی کا شکار

بچے بھی شامل ہیں۔ عورتیں اپنے بچوں کو بھی ساتھ لے آتی ہیں۔

میں خون اُتر آیا ہو۔ اس نے ایک نظر مائیں گری طرف دیکھا... پھر مارون

وہ چھوڑ کر دوسرے کام سے اس انداز کا مطالعہ ہی کرنا چاہی

ذیل ہے: **ایک** کوارعہ **معلوم** میں **بہتا** ہوں کہ **مجھے** اپنے **سبزی** خود **ہوئے**



تیسرے حملہ آور نے اپنے دو نوں ساتھیوں کا خستہ دیکھ لیا تھا۔ اس لیے وہ فیدل کُن انداز میں حملہ آور ہوا تھا۔ اس کا حملہ خطرناک ہی نہیں جھک جی تھا۔ اس کا شہ بہنے نائن والا ہاتھ، کرانے کی شہداد کاٹ ڈالنے والی ضرب لگانا جتنا تھکا دینا گر کو اب تک

میتے جنہیں جرنیلوں کا سامنا کرنا پڑا تھا، یہ شخص ان سب سے خطرناک تھا۔ پھر جسے ایک عدلیہ میں بھی بڑھ گئی تھیں کہ ٹائیکر کے باز پرس کے لیے زندہ رکھنا چاہتا تھا۔

مشرق ہوائی دالے کا ہوا تو کسی تلوار کی طرح اُس کی طرف آیا، بڑھانے فوراً اُس کی انگلیوں کے درمیان اپنی انگلیاں الجھا دیں اور اُسے پوری قوت سے اچھال دیا وہ تو اڑن برق رفتار نہ رکھ سکا اور پھر ٹائیکر کے لیے بنا ہوا قاتل در باغوں کی مدافعت اور اپنے ہی زور میں اچھا تو ٹائیکر کے اوپر سے نصف اڑے میں آتا ہوا درجن کے دفتر کی بیڑی کو بھی سے ٹکرایا۔

کھڑکی کی شیشے کی تھی اس کا بھاری پھر کچھ شیشے سے ٹکرا کر اُس کے چہرے پر آتا ہوا ٹھکڑے سے باہر لیشنگ پر پگھلا کر ٹائیکر نے کھڑکی سے نیچے جھانکا تو اس کے منہ سے ایک طویل سانس خارج ہو گئی۔

منا ٹائیکر کو اپنے بائیں ہاتھ کی پست پر حمل کا احساس ہوا۔ اس نے چونک کر اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا، ہاتھ کے کئی ٹکڑے ایک سڑا توں اُسے آتی تھی اور جن کا احساس اس خراش کی وجہ سے ہی ہو رہا تھا۔

خوش کسی خشک ندی جیسی تھی... لیکن دوسرے لمبے سے خراش تیزی سے بھونک رہی تھی۔ ٹائیکر نے ایک طویل دھبے بعد اپنا دل دیکھا تھا خون دیکھ کر اسے جب کی لذت کا احساس ہوا وہ اس خیال کو ذہن سے جھٹک کر وہ بارہ ٹھکڑے سے جھانکنے لگا۔

گرتے وقت وہ شخص اس انداز میں خراش پر پڑھا تھا کہ اس کے دونوں بازو خراش سے پہلے ٹکرائے تھے۔ نتیجہ اس کا جسم اپنے ہاتھوں پر پگھلا تھا۔ اس کا تین اشجائے وہاں خراش میں تھیں، خود اس کے پیویں دھنسا گیا... اور یہ تمام آتشا بدی تھا کہ اس کا تان پھو کو چیرتا ہوا غانا دل میں جھانک رہا تھا۔ ٹائیکر نے اسے چماتے ہوئے دیکھا تو اس شخص کی طرف متوجہ ہوا جس کے گھٹنے ایک دوسرے سے ٹکرائے تھے۔ وہاں زندہ تھا۔ وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا لیکن اس کی تیز رفتاری کسی کام نہ آئی۔

اس نے قبل کہ ٹائیکر اس تک پہنچا یا اس کے اڑانے سے آگاہ ہوا، اس شخص نے اپنا منہک ناخن والا ہاتھ اٹھا یا اور جب وہ گرا تو ان کے کھلبانے سے پہلے اس کا زخموں پر چڑھا لیا تھا۔ وہ اوندھے ٹانگوں پر گر گیا۔ اس کے زخموں سے خون بہنے لگا اور وہ چند بار تڑپ کر سکتا ہو گیا۔

ٹائیکر کی مٹھیاں غصے سے پہنچ گئیں... لیکن وہ بے بسی سے

اس لاش کو دیکھنے کے سوا کچھ بھی کیا سکتا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اس کے دل میں خفا پیش پیدا ہوئی کہ کاش بائیں ہاتھ جیسے انسانیت کی جھانکی کے لیے اسے ان گنت قتل کرنے کا لاشیں ملائے قدرت کی طرف سے کئی کو زندہ رکھنے کا لاشیں ہی ملے جاتا... اُسے عظیم ترین قدرت کی بے مثال عظمت کا احساس ہوا، اس کی ہتھیں ہتھیر سے جھک گئیں اور وہ خود کو خداوند و خدا تعالیٰ کے سامنے ایک تجرین ذرہ محسوس کر کے فرسے اس میں ڈوب گیا۔

ایک ایسا ذرہ جو اپنے جیسے سیکڑوں ذرات پر بھاری تھا۔ وقت بہت تھا تھا اس لیے بڑھانے نے سوچا کہ اُسے فوری طور پر ہاتھوں کے خون پر سیدھا کوڈ نمبر کے ذریعے مرٹیکر دالے سے بات کر لینی چاہیے۔ اس نے تیزی سے بڑھ کر کوڈ نمبر ڈال دیا... فور... اور... سیلون۔ دوسری طرف ٹھنکی ٹھنکی جی... ٹائیکر نے فوراً ہیجان کیا کہ یہ کچھ بڑے منہک ذرات کی ٹھنکی ہے۔ ٹھنکی کا شور مچا گیا۔ تین بار کلک... کلک... کلک کی آوازیں پیدا ہوئیں پھر ریکارڈ کی ہوئی آواز ٹائیکر کے کان میں گونجنے لگی: آپ نے جس جبر کو ڈال کر کیا ہے اس پر ہی اعمال پات ہیں پوچھتے۔ اسے خواب تصور کیجئے... اس کے علاوہ پلیز چیک کر لیجئے کہ آپ نے درست تجربی ڈال کر کیا ہے نا؟

ٹھیک ہو... اس کے ساتھ ہی دوسری جانب سے سلسلہ قطع ہو گیا۔ ٹائیکر نے فوری قوت سے ریسپر کو کھینچ لیا اور پڑے مارا۔ ریسپر اور کھینچنے کے نتیجے میں اُس کے... اور وہی وہ ٹھوکانا جب باہر کے گھنگھارے جو سیریں کرتی ہاتھوں کے دفتر میں ٹھس آئے اور ٹائیکر کو ایک منہ جھٹ لگا کر اسے کچھ تکے ہلکے پھلکے ہوئے بیرونی دروازے تک پہنچا دیا۔

ٹائیکر ہاتھوں کے دفتر میں ٹھس آنے والے جڑائیوں سے قہر نکلا تھا لیکن جب وہ استقبال کے کمرے میں پہنچا تو پولیس زمرہ کی پوری میٹا سٹیشن کو گھیرے میں لگی تھی بلکہ ایک اسپیکر اور جب سپاہی استقبال سے میں موجود تھے۔

ٹائیکر کو روک لیا گیا۔ اُس نے ایک طویل سانس لی اور لگا گیا کہ یہ جواب طاقیت کا منہا ہے کامرٹ ایک ہی مطلب ہو سکتا تھا کہ پولیس فوس کے کئی جوان اُس کے ہاتھوں ملنے جائیں۔ غداروں کی اس کے قریب آکھڑی ہوئی تھی۔ پولیس نے باز پرس شروع کر دی۔ ٹائیکر سے اُس کا نام پتہ دریافت کیا گیا جو اس نے بڑی روانی سے بتا دیا۔ اُس نے اپنے بیان میں کہا کہ جب وہ دفتر میں داخل ہوا تھا تو وہ

رخ ہلکے والے ایک دوسرے سے الجھے ہوئے تھے۔ ہاتھوں نے دوسرے کو دیکھتے ہی دیکھتے قتل کر دیا۔ اس دوران ایک بار فون ٹھنکی میں بھی... اُس کے ہاتھوں میں فون پر بات چیت کرتا رہا... اس کے ہاتھ پر اُڑا ہوا ہاتھوں میں قیامت کے ذرات اُچھے اور معدوم ہو گئے۔ فون کال کے بعد اس کا جوش خروش مائل ہو گیا۔ جیسے کسی طاقت نے اس پر پانی چھیر دیا ہو۔ اس نے سرسری انداز میں غلبے کی کارروائی قیامت کی اور پھر چہرے میں ہتھوں میں سب کو ہلانے کی اجازت دے دی۔ ٹائیکر بیرونی دروازے کی طرف بڑھا تو عذرا بھی اس کے ساتھ دلی۔ اس کی آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کچھ پر بعد اس نے اپنے چلتے ٹائیکر کے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا: یہ خراش کہاں سے آئی؟ ٹائیکر نے سر کو جواب دیا: خاتین کے لیے داخل سے میں بیش ہی دودھ پنے کی کوشش کرتا ہوں پھر بھی... اس نے معنی خیز انداز میں جواب دیا: پھر بھی...

"یہ خراش میرے ناخن سے تو نہیں آئی؟"

"تم یقین سے کیسے کہہ سکتی ہو؟ ٹائیکر نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھا۔

"اس لیے کہ میں بڑھ کر ہونے ناخنوں کو پسند نہیں کرتی۔ یہ کہہ کر اُس نے اپنے دونوں ہاتھ ٹائیکر کے چہرے کے سامنے لہرائے اور ٹائیکر نے دیکھا کہ اُس کے گلے کی گلائی بھی منہ ناخن آتی تھیں بڑھتی تھیں تھے کہ ان سے کوئی خواش پیدا ہو سکتی۔

\*\*\*

وہ اپنی کار تک پہنچ گیا تھا جس میں اُوشان، انھیں بند کیے یوں بیٹھا تھا جیسے انتظار کرنے کے لیے آؤٹھ گئی ہو۔ ٹائیکر نے غدار کا شکریہ ادا کر کے قلعے کی اجازت چاہی تو غدار نے قہر دیکھا کہ گھر ملاقات کا وعدہ کیا۔ اس نے غم قبضے میں اُوشان کو انھیں گھولنے پر مجبور کر دیا۔ غدار اپنی گئی تو وہ دروازہ کھول کر اسٹینرنگ منیال کر بیٹھ گیا۔ اُوشان نے ہتھ پھٹا کر پچھلے اندر خون کی کوٹھڑی کو ٹائیکر کو گہری غوروں سے بچھا... پھر اس کی نگاہ ہاتھ کی پست پر پڑی ہوئی خراش پر پڑ گئی۔ اس نے معنی خیز انداز میں سر کو اشارت میں بلایا اور کچھ منوں سے اس طرف دیکھنے لگا۔ مدد غدار چلی جا رہی تھی۔ تھیں اتنی دیر کہاں لگ گئی، تو غدار نے اُوشان سے دریافت کیا۔

ٹائیکر نے جواباً اسے صراحت کے اندر پیش آنے والی صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ اُوشان سمجھا تھا کہ اس کے ہاتھ کی پست پر خراش سے وہ غدار کے انہماک جھٹ کی نشانی ہو گئی لیکن جب اسے حقیقی صورتحال معلوم ہوئی تو اس کا کوٹھ ایک دم خراب ہو گیا۔ اُس نے لال لال آنکھوں

سے ٹائیکر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: مجھے یقین ہے کہ تم نے ان لوگوں کو اپنے سے کم سمجھا ہوگا۔

"اُدھ نہیں بل فادر، ٹائیکر نے جواب دیا: یہ عرض ایک اتفاق بھی تو ہو سکتا ہے۔ آپ یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ میں نے اس ناخن کو نظر انداز کر دیا ہوگا۔"

"اتفاقات عام آدمیوں کے لیے ہوتے ہیں ٹائیکر، اُوشان نے اپنے میں زندگی لگائی: "ادرم کوئی عام آدمی نہیں ہو۔ یاد رکھو عام اور ام میں کوئی فرق نہیں ہوتا کیونکہ ام ہر عام آدمی میں کھا سکتا ہے۔ تھیں عام آدمیوں کی سطح سے بلند کرنے کے لیے وقت کے ماہرین فون کی خدمات میں کی گئی تھیں غم کرنے کے ان تالیب ستادوں کے فن پر اتفاقات کی کالک نہیں لگا سکتے۔"

"ہم تو باقاعدہ ناراض ہو گئے، بل فادر، ٹائیکر اُس کے لیے سے تیار ہونے پر نہ سکا۔ بس اب غصہ ٹھوک کیجئے۔"

"اگر مجھے تھانے جہم کے کسی صفحے کی طرف عزیز ہوتے تو میں یہ غصہ تمہارے منہ پر ٹھوک دیتا۔ اُوشان کی خراش میں سب جھلپٹ میں شامل ہو گئی تھی۔

اُوشان نے ٹائیکر کے اس انداز میں آج سے پہلے کبھی گھٹو نہیں کی تھی اس لیے وہ پریشان ہو گیا۔ وہ جواباً خاموش رہا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اب بعض باتوں سے اُوشان کو قاتل کرنا ایک ناممکن سی بات ہے۔ ایسے موقع پر غامضی ہی کا انداز ثابت ہوتی تھی... لیکن معلوم ہوتا تھا کہ آج اُوشان اپنی زندگی کے سب سے زیادہ فیصلے دے گا شکار ہو گیا ہے۔

"جانتے ہو، یہ خراش تمہارے زخموں پر بھی لگ سکتی تھی... اور یہ نسبت گہری بھی ہو سکتی تھی۔ اُوشان گرج رہا تھا۔

"بل فادر... ٹائیکر نے زخمی ہوئی آوازیں کہاں کیا آپ سے اندازے کے کبھی غلطی نہیں ہوئی، کیا آپ کی زندگی میں ایسا ایک بھی اتفاق پیش نہیں آیا؟

"نہیں... ہرگز نہیں... اگر ایسا ہوتا تو میں زندہ نہ ہوتا۔"

"اچھا بل فادر... یہ بتائیں کہ یہ ناخن کدور کرنے کا آپ کیا لیں گے؟

اس بار ٹائیکر کا اچھے سے مدد غدار تھا۔ غلاف معمول اُوشان خاموش ہو گیا۔ ٹائیکر نے پتے کر اُس کی آنکھوں میں دیکھا، اُس کا دل شدت سے دھڑل رہا تھا۔ اُسے اُوشان کی آنکھوں کی گہرائیوں میں خوف کا خفیف سا اثر محسوس ہوا تھا۔ اس نے دھڑکنوں کی بے زنجیر پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے سر کو گھڑکی کی "بل فادر... کیا

ادھر ادھر دیکھنے پر اسے کوئی قابلِ توجہ شے نظر نہ آئی تو وہ پلٹ کر  
اوشان کی طرف دیکھنے لگا... لیکن اوشان وہاں نہیں تھلا نہ ملا  
کب وہ وہاں سے ہانچکا تھا یا کون سمجھتا تھا جیسے اسے زمین نیلے گہر  
ہو یا چر آسمان نے اٹھایا ہو۔

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا... تب ہی اس کی  
نگاہ اوشان کے غائب ہوتے ہوئے لبائے پر پڑی۔ اس کی آنکھیں غصہ  
سی جھلک ہی دکھائی دی تھی اور پھر وہ ایک دور افتادہ چٹان کی  
اوت میں چھپ گیا تھا۔

ٹائیگر بھی اندھا دھندلا سی چٹان کی طرف دوڑ پڑا۔  
وہ پوری قوت سے دوڑ رہا تھا۔ اس کے کپڑے جسم سے چپے  
ہوئے تھے۔ تین بھی بندھے اور لباس کچھ ایسا تھا جیسے اس کی کھال  
منہ چاڑھا ہو... اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کی تیز رفتاری اور خفایت  
سے متاثر کرنے والی ہوا، لباس کے جینٹلے اٹا دیتی ہے... پھر بھی  
کے باعث وہ شدید حرارت محسوس کر رہا تھا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی  
کہ اوشان کا وہیلڈر حالاً بادہ ہوا کی مزامت کیسے برداشت کر لے  
ہے؟ اس کی کبھی ایک دم بھی تک نہیں اتری تھی۔

وہ چٹان پر پہنچ کر گر گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اچانک  
اسے اوشان کا غائب ہونا اور وہ ایک لمحے کے لیے دکھائی دیا... پھر  
ایک اور دور افتادہ چٹان کی اوٹ میں نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اگر  
لے جت لگائی اور اوشان کے تعاقب میں دوڑ پڑا۔

کئی چٹانیں عبور کر کے بالآخر وہ ایک جگہ ٹک گیا۔  
سلنے ایک رشت کے نیچے اوشان کنول کا آسن چلائے بیٹھا  
تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور لب مغز تھا۔ ٹائیگر خاموش رہا۔  
وہ جانتا تھا کہ اس وقت اوشان کی بے پناہ رومانی قوت سرگرم ہوئی  
وہ ایک طرف کی رشت کی طرح سلاکت و جامد ٹھہر رہا۔ اس کی

دھڑکیں ابھی تک محمول پر نہیں آئی تھیں... اور ایسا بھلا ہوس کیسے  
سکتا تھا۔ اس صدی کا استخفاف زدہ تھا۔ اس کی کوئی بھی حرکت  
معمول کے مطابق نہیں تھی۔ ٹائیگر محسوس کر رہا تھا کہ انجام کار جو کچھ بھی  
سلنے اسے گا، وہ بے حد تیز اور ناقابلِ برداشت ہوگا۔ اس کی  
آنکھیں اوشان پر جمی رہیں۔ وہ منظر دہا... انتظار کے یہ لمحہ طویل  
ہوتے جیسے تھے اور غور پر غور فضا بھل محسوس ہو رہی تھی۔

اوشان کے جھپٹے پر ٹوڑی نے قدر نظر کر رہا تھا۔ اس کے جھپٹے پر  
نگاہ چلائے رکھنا مشکل ہو رہی تھی۔ یہی کار کس لینے والا اوشان  
مراقبہ میں ڈوبا ہوا جانے لگا۔ ٹائیگر بڑبڑا رہا تھا۔  
معاذ اس نے آنکھیں کھول دیں... لیکن وہ ٹائیگر کی طرف

بات ہے؟  
اوشان خاموش رہا۔  
اس کی خاموشی بے مدد پاس راستی۔ اس کا چہرہ غلاف معمول  
بے مدد نظر آ رہا تھا۔

”اگر آپ کی روح قبضِ ثمری سے پرواز نہیں کر گئی تو مجھے  
اجازت دیجئے کہ گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دوں؟“  
بڑھا دو... اوشان نے سرسراہتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔  
ٹائیگر نے گاڑی اسٹارٹ کی اور ایک جھلکے سے آگے بڑھا دی۔

وہ عجیب سے حساسات کا شکار ہو گیا تھا... ایسے احساسات میں وہ  
پہلے کبھی مبتلا نہیں ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے گاڑی اسٹارٹ کی  
اور ایک جھلکے سے آگے بڑھا دی۔ — بھروسہ تھا کہ منظر کی تبدیلی  
عمران کو ڈی تبدیلی کا باعث بن جاتی ہے۔ وہ اب تک اپنی بے ترتیب  
دھڑکنوں پر قابو نہیں پاسکتا تھا۔ کار کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی بیٹھا  
میشن سے دور ہو کر اس نے کار ایک معنائی شکر پر ڈال دی۔  
اوشان کے چہرے پر بار بار عجیب سے تاثرات ابھرتے اور  
پل بھر میں مدموم ہو جاتے تھے۔ ٹائیگر کی الجھن بڑھتی جاتی تھی...  
لیکن وہ جانتا تھا کہ اس موقع پر اوشان سے کچھ معلوم کر لینا ناممکنات  
میں سے ہے۔

”روکو... گاڑی روکو...“ اچانک اوشان نے چیخ کر کہا۔  
ٹائیگر نے پوری قوت سے بریک لگا دی۔ گاڑی ایک  
دھچکے سے ٹک گئی۔ اوشان، سیٹ پر جس طرح تباہ تھا، ویسے  
ہی بیٹھا رہا۔ گاڑی کے دھچکے اس کے ٹورن میں کوئی فرق نہیں  
آیا تھا۔ شہزاد پلٹ کر الجھن آئین نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا ایک  
بار پھر اسے چونک رہا پڑا۔

اوشان کے سختے تیزی سے پھٹک چکے تھے۔ انداز ایسا ہی  
تھا۔ جیسے وہ ابھی کسی پل پر روکے گا... یا بشکلِ نشوونما کرنے کی  
کوشش کر رہا ہو... لیکن شہزاد کو اندازہ تھا کہ اس کی قوتِ شاہکار  
کر رہی ہے۔ خود اس نے بھی تو سختی کی کوشش کی لیکن اس نے سنسن  
تک کوئی غلاف معمول کو یا خوشبو نہیں پہنچی۔

”کیا بات ہے؟ اوشان؟“ اس نے بے مددسات سے پوچھا۔  
”اگر میرا اندازہ درست ہے... اوشان بڑبڑایا، کاش! میرا  
خیال غلط ہو... یہ کہہ کر وہ دروازہ کھولا، ہوا کا اسے آگیا۔

ٹائیگر نے بھی دروازہ کھولا اور گاڑی سے اتر کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔  
وہ حیران تھا کہ اوشان کی حیات نے یوں اچانک ہی کیا چیز محسوس کر  
لی ہے جس نے اس کے قلب و ذہن میں بے چینیاں بھر دی ہیں؟

دیا تو اسے دن کسی نہ کسی کو اٹھا کر کے اس سے دولت ہوئے نہ سہلہ شروع ہو جائے گا۔ اس کے پاس ان لڑکیوں کی سرکوبی کے لیے غارت خانہ جو کے مالک و دوگ کا اختیار موجود تھا۔ بادشاہ نے سوچا کہ یہی اختیار استعمال کر کے لڑکیوں کو زبردستی جواب دینا چاہیے۔ دوگ اپنے سترہ جوانوں کے ساتھ شگھائی جا پہنچا۔۔۔

ٹائیگر نے انہیں تیس سربراہوں کو دشمن کو قلعین دلا کر وہ جتن موش ہے چند لمحوں تک اوشان اسے کھوڑنا رہا جب اسے ٹائیگر کی سبیدگی پر قلعین آگیا تو پھر بولنے لگا۔

”سنناؤ کے جیلے ان جھگڑوں میں جاگئے جہاں ان خون آشام لوگوں کا بیسلا تھا کیا تم جانتے ہو یہ خون آشام، واقعی انسان کا خون پیا کرتے تھے؟“

”یہ شیطان کے بھاری تھے اور ان کے پاس شیطانی طاقتیں تھیں۔ ان طاقتوں کو ان لڑکیوں کے استعمال سے انھوں نے شگھائی کے شر زوروں کو ملک کر دیا تھا اور ان کے خون سے اپنی ازل پس سجھائی تھی۔ دوگ تلاش کرتا رہا تو ایک روز وہ انھیں تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے ان سے کچھ فاصلے پر پڑاؤ ڈال دیا اور اپنے چار آدمی اس پیغام کے ساتھ بھیج دیے کہ مجرورہ جبریت چاہتے ہیں تو وزیر کو غیر مشروط طور پر رہ کر دیں؟“

”اوہ... بیک میڈگ اور زرتادان و حوں کرنے کی ڈرنا تھا، کالی پلائی تار کے چال میں ہیں، ٹائیگر نے دھیمی آواز میں کہا۔

”ہاں... انسان خود جس قدر قدیم ہے اس کی ہوشیاں بھی اتنی ہی قدیم ہیں۔ اوشان نے کہا۔

”اور نیکیاں؟“ ٹائیگر نے مسکرا کر پوچھا۔

”ہرگز نہیں نیکی اور بدی ایک دوسرے سے سنت لے جاتے

کے لیے کوشاں رہی ہیں۔ اوشان کا لہجہ کسی منگھ جیسا ہو گیا تھا۔

”پھر کیا پھر؟“ رشل فار: کیا ان لوگوں نے خواہر لے لے

دزیر کو رہا کر دیا تھا؟“

”نہیں... اوشان کا لہجہ غور غور ہو گیا۔ انھوں نے پیغام لانے والے تین آدمیوں کو قتل کر دیا اور جو تھا اس حالت میں واپس

آیا کہ اس کے حواس باتے رہے۔ اس نے دیواری کے عالم میں جو باتیں ہیں اور جن مناظر کا تذکرہ کیا، ان سے اندازہ ہوا کہ باقی ساتھیوں کو کتنی قربانیاں مرتے سے ہٹا کر کیا گیا تھا۔ اس نے دھڑکنے کے

آدھوں کا تذکرہ کیا۔۔۔

”کھوتیر... اے آدمی! ٹائیگر جو کچھ پڑا... پھر خود ہی اپنے سول

فلنے کا مالک ہو کر تھا اگرچہ وہ جوان تھا لیکن دنیا بھر میں اسے مذکر نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔۔۔ پھر وہ زمانہ آگیا جب غارت خانہ جو کا فرعون ماسٹر ہو کر آگیا۔ اس خاندان کا زوال سب سے بڑے ماسٹر دوگ کے دور میں شروع ہوا۔ دوگ نری عہد کا استاد تھا اگرچہ اس کی عمر بڑی زیادہ نہیں تھی لیکن اس نے ٹیسی قوانین کو سنانا جیم قانون کا سترہ قرار دیتے ہوئے، غارت خانہ جو کے بیسوں کے لیے دشمنی کے دوائے کھول دیے تھے جس قدر مالک اس استاد کی تعین اس سے قبل کسی استاد کو نہ تھا نہیں جانا گیا تھا۔

اوشان نے ترک کر کے ٹوک لگا اور ٹائیگر کی طرف دیکھنے لگا۔ آج غارت خانہ جو کے آباؤ اجداد کے قتلے بڑے ہی صبر و تحمل سے ن ہوتا حالانکہ اس سے پہلے وہ ہمیشہ اس کی باتیں مذاق میں اڑا دیتا تھا۔ ایک بار تو اس نے اوشان کو کہاں تک مٹھو دے دیا تھا کہ روہ لولائی کہانیاں کہنے لگے تو مٹھو سے ہی عمر میں بے پناہ مشہور ملتا ہے۔

”شاید تم یقین نہ کرو... لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں جو کہانی میں سناتے جا رہا ہوں، وہ کوئی دیوانہ کی کہانی نہیں ہے۔“ اوشان بولے میں بے پناہ کرب تھا۔

”میں جانتا ہوں، رشل فار:“ ٹائیگر نے بے حد صاف سے باب دیا۔ میں آپ کے آباؤ اجداد کی کہانی سننے کے لیے یہیں بیٹھ گیا۔ ”یہ میرے آباؤ اجداد کی کہانی نہیں تھی اس لیے کہ یہ کہانی ہے۔“ ان جو کچھ میں ہوا، مٹھو کے دوکانی فیض آدمی کے کمال فن نیتو جو تم اس خاندان کی آخری نشانیاں ہو۔ تمھارے بعد سنا جو لکھنا پڑا ہو جائے گا۔“

ٹائیگر کا دل بھر آیا۔ وہ اپنے بوڑھے اُستاد کے جذبات سے بہ آگاہ تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ اس وقت اوشان کس قدر روحانی بے ادبی اور ذلت میں مبتلا ہے۔

”میں دونوں دوگ خانہ جو کا سربراہ تھا، انھیں دونوں شگھائی کے بادشاہ پر ایک عجیب افتاد آن پڑی تھی۔ اس نے پلانٹائر دوگ کو بلا لیا۔ دوگ اپنے خاندان کے جہازوں کی رفاقت میں شگھائی کی طرف روانہ ہو گیا۔ ان آیام میں شگھائی کے بادشاہ کو جنگ ایک قبیلے نے مدد پریشان کر رکھا تھا۔ انھوں نے اس کے ایک راکھ کو کر دیا اور بادشاہ سے جاری زرتادان دلا دیا۔ دولت اگر بادشاہ کے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا تو اس کے غریبوں کے لیے ہر جہ سے ہوتے تھے۔ لیکن وہ ان کی ضرورت کو مستقل دردمندانہ لکھتا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ ایک بار اس نے ان کا معاہدہ پورا کر

کے بعد ٹائیگر نے طلب کی چند باتیں دریافت کی تھیں اور اسے غم جہاں چھوڑ کر وہاں سے واپس آگیا تھا۔ اس کی آمد کے بعد کسی نے موت کا عمل پورا کر دیا تھا۔

ٹائیگر نے دونوں کی لاش اس کے لباس کی جڑ سے بچائی تھی وہ کھڑکی کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھنے لگا اور تب اسے ایک باہر چمک اٹھنا پڑا۔

دقت کے سننے میں کچھ تھک چکا تھا کہ اس کی کھڑکی پر لول بھی گئی تھی جیسے طاق میں کوئی چیز سجائی جاتی ہے۔ میں جانتا تھا: اوشان پڑھتا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے شکار کے اندرونی اعضا دقت کی جڑ میں دفن کرتے ہیں۔“

”آپ کس کا تذکرہ کر رہے ہیں فادر؟“ ٹائیگر نے تانی سے پوچھا اور نگاہ پھیر لی۔ اوشان کے دونوں ہاتھوں پر اوشان کی لاش کے اندرونی اعضا رکھے ہوئے تھے۔ ان اعضا کو کسی نے بے حد صفائی سے نونج کر دقت کی جڑ کے قریب دفن کر دیا تھا۔

اوشان نے ہارون کے اندرونی اعضا دیں واپس رکھ دیے جہاں سے نکلتے تھے۔ پھر اس نے ہارون کی دھڑکنے والی دھڑکنے سے دھڑکنے دیا اس کا مہر فارنا ہو کر وہ لاش کے سر کی طرف متوجہ ہوا۔ کب سے بڑا ماسٹر پھر ہر قسم سے بے نیاز تھا۔ اس نے طاق میں جتنے میں رکھا تو یہ پھر ملے مدد کیا۔ لگ لگاتار اس کی آنکھیں ملنے کے بعد میں کھلی ہوئی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے اس پر نصیب شخص نے اپنی افسوسناک موت کا منظر دم توڑنے تک اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔ جتنی جتنی وہ دہشت زدہ آئیں۔ اور کرب کی کھیر دل سے سجایا تو فنا کی چہرہ۔

اوشان نے ہاتھ بڑھا کر اس کی کھلی آنکھیں بند کر دیں اور ٹائیگر کی طرف متوجہ ہوا۔ ”میں کیا پوچھ رہا تھا؟“ ٹائیگر نے اس نے بڑے ہی عجیب سے لہجے میں دریافت کیا۔

”آپ کس کو لوگوں کا تذکرہ کر رہے تھے؟“

”وہ لوگ سنا جو جتنے قدیم دور سے تعلق رکھتے ہیں۔“ اوشان نے جواب دیا اور دقت کے پاس سے ہٹ گیا۔ سنا جو کا گھڑا ناس قدر قدیم زمانے سے تعلق رکھتا ہے اس کا اندازہ انھیں اس بات سے ہو سکتا ہے کہ میرے آباؤ اجداد مصر کے فرعون کے زمانے میں بھی زندہ تھے۔ ہر دور کے فرعون نے ان کی خدمات سے استفادہ کیا اور انھیں ان کا حکم کرنے کے لیے مقرر کیا۔ جیگر خان بھی اس حکمران کا قدر دان تھا۔ لیکن سنا جو کے گھڑے کو سب سے زیادہ شہرت ان دنوں حاصل ہوئی جب میں پر بادشاہت قائم تھی۔ سنا جو کے

متوجہ نہیں ہوا۔ وہ اس دقت کے متوجہ نہ تھا جیسے اسے میرے حمید نے دلتے تھے۔ پھر لوگ آنکھوں کے ذریعے اس سے میں شگاف پیکار دینا چاہتا ہوں۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہ اٹھا اور تنے کے قریب جا کر زمین پر جھک گیا۔ ایک باہر اس کے سختے تیزی سے حرکت کرنے لگے۔ کچھ دیر وہ اپنی پراساری کیفیت کا شکار رہا۔ پھر اس کے

دونوں ہاتھ دقت کے تنے کے قریب زمین پر ایک جگہ پڑ گئے۔ اس عمل کے دوران ہی اس کی انگلیاں اکڑ گئیں۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ زمین کے سینے میں دفن ہو گئیں۔

ٹائیگر دم ساڑھے کھڑا رہا۔

وہ اوشان کے شہادت سے اندازہ لگا پڑا تھا کہ اس وقت اوشان اپنی زندگی کا کوئی اہم ترین کام نہ تھا۔ اس کی ذرا سی لڑکیوں نے ہڈی نئی تھوڑی جتنی کھوکھلا کر اس نے دھڑکنے کے سکھ میں دونوں ہاتھ لگائی تک گاڑ دیے۔

ٹائیگر مزید توجہ سے اس کی طرف دیکھنے لگا جو کچھ بھی تھا اس ایک آدمی ساعت میں سامنے لے کر دلا تھا۔

شام کے سلسلے گہرے ہو گئے تھے لیکن پوسے جاندار کی زسٹ ان سائوں میں ابلا بھری تھیں۔ ٹائیگر نے جنگل میں ادھر ادھر دیکھا۔ پھر دو تک قدر اور دقت آسوں کی طرح کھڑے ہوئے تھے اور ان کی کھنی شت میں خوفناک انداز میں ایک دوسری سے بچ کر جگانے کن سائوں میں مصروف تھیں۔

ٹائیگر کو بھر پوری سی آگئی۔

اسی لمحے اوشان نے دونوں ہاتھ کھینچ لیے۔ ٹائیگر کھوکھلا سا جھک گیا۔ اُسے کچھ نظر آیا، وہ دیکھ کر ٹائیگر کو اپنی بڑھ کر بڑی لایک چھلکی سی رنگت عکس ہونے لگی جب پہلی بار اس نے غور سے دقت کے تنے کی طرف دیکھ

تے سنے ایک لاش پھول رہی تھی۔

اوشان کے ہاتھوں کی طرف انہماک سے دیکھنے کے باعث اس کی نگاہ اس لاش پر نہیں پڑی تھی۔ لاش پوسے لباس میں تھی اس کے ہونے تک پہنچے ہوئے تھے۔ لیکن خود تلاش میں نہیں تھی۔ اس کی گردن کے اوپر سے سر غائب تھا۔ اس کا گردن جاک تھا۔ زرخیز سے لے کر کثافت تک گردن نکلا تھا اور اس خلا میں سے ایک اور خلا جھانک رہا تھا۔ اس خلا سے خون ریں دس کر جاک گردن کے اطراف میں پھیل کر خشک ہو چکا تھا۔

یہ ہارون کی لاش تھی۔ اسی ہارون کی لاش جس پر سترہ دھلتے



ضائع کیے بغیر کام کا آغاز کر دیا تھا۔

اپنے باپ کی تدفین کے وقت اُسے چند ایسے مبرا سرار افرو دکھائی دیئے تھے جنہیں اس نے پہلے بھی نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی اُسے معلوم تھا کہ اس کے پیارے باپ کا ان لوگوں سے کوئی تعلق بھی ہو سکتا تھا۔ وہ اپنے باپ کو ایک مثالی آدمی سمجھتی تھی اس لیے ہمیشہ اُس کی چھپ کر نگہانی کرتی رہتی تھی۔ وہ اس کی ایک ایک بات سے آگاہ ہونا چاہتی تھی۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ وہ کمپیوٹر کا پتہ چلانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔... اواب اُسے یہ معلوم کرنا تھا کہ وہ کمپیوٹر کہاں نصب ہے۔

وہ جیسے عورت گئی اس کی عقل عاجز آتی جا رہی تھی۔ آخر اس کا باپ کمپیوٹر کو کیا اطلاعات فراہم کرتا تھا اس نے آپ تک جتنی بھی باتیں سنی تھیں، ان میں گوشت کے اعداد اور شراب کے علاوہ صرف قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کا ذکر تھا۔ آخر ان بے ضروری باتوں سے کوئی شخص کیا استفادہ کرنا رہے۔... اور وہ کون سی بات تھی جس کے باعث اُس کے باپ کو اتنی بے دردی سے ہلاک کر دیا گیا تھا۔ وہ سوچتی رہی اور الجھتی رہی۔ ایک بات کا البتہ اُسے یقین تھا کہ اُس کے باپ کو کسی بہت ہی معمولی سی بات کے لیے ہلاک کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے، جب معمولی سی معلومات کے لیے خطر رقم بطور معاوضہ دی جا سکتی ہے تو معمولی سی بات کے لیے کسی کو قتل بھی تو کیا جا سکتا ہے۔

وہ خیالوں کو جھجک کر کام کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اس نے مزید موجود آلات کا سلسلہ ایک دوسرے سے جوڑنا شروع کر دیا۔ دہریک وہ اس کام میں الجھ رہی۔... پھر اُنھی ادھک کے ترخانے کی طرف بڑھ گئی۔ ترخانے بے حد لطیف تھا اور اس کی ساخت اس قسم کی تھی کہ کسی کو ذرا سا بھی شہر نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کا دروازہ ایک بڑی سی تصویر کے پیچھے پوشیدہ تھا۔

دروازے سے بیڑھیاں اُتر کر وہ ترخانے میں پہنچ گئی۔ نہ جانے یہ ترخانہ اس کے باپ نے کس مقصد کے لیے بنوایا تھا۔ اب تو وہاں کا کچھ کابڑی بھر اُٹھا تھا۔ جب پہلی بار آرزو نے اپنے باپ کی آواز فون پر سنی تھی اور اُسے محسوس ہوا تھا کہ وہ کسی کمپیوٹر سے باتیں کر رہے تو آرزو نے اس کا فون شپ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس خواہش اور عمل کے پیچھے صرف اور صرف شرات ہی کا رفا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ زندگی کے کسی خاص لمحے میں اپنے باپ کو چوٹ لگا کر اُس کی حالت سے لطف اندوز ہو گی۔... لیکن قسمت نے عجیب ہی رنگ دکھایا تھا۔ وہ جس

”آپ نے مجھے ہمیشہ ثابت قدم رہنے کی تلقین کی ہے آج آپ کیسے آپس کر رہے ہیں، اوشان! آئیے گورکشش کے باوجود ضبط کر کے اور پڑانے لگا۔ مجھے آپ کی ہی قسم ہے، اوشان! میں ان مافی کے آئیپول کو اتنا کرادوں کروں گا کہ خود شیطان بھی ان کی لالچ تلاش نہیں کرے گا۔“

”تمہارے اسی بچنے سے مجھے ڈوگنا ہے۔ شاید تم شیطان کی قوتوں سے آگاہ نہیں ہو۔ اوشان نے اُسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔“جہاں تک میں سمجھ رہا ہوں۔ یہ حریت تمہاری اور میری زندگی کا سب سے بڑا حریت ثابت ہو گا۔“ پھر تکر کی بات یہ ہے کہ وہ تعداد میں بہت زیادہ ہیں۔“

”ان میں سے تین کو کم کروں؟“ ڈائیگر نے ہنس کر کہا۔ اور عنقریب آپ سنیں گے کہ کتنی سرخ لہاؤں والے میرے اُٹھل کے کھارے تلے ریڑ، ریزہ ہو چکے ہیں۔ کاش! ہمیں ان کی صحیح تعداد کا علم تھا۔“

اوشان کی آنکھوں سے ٹھنڈی چھانکھ رہی۔ وہ خوفزدہ نہیں تھا بلکہ ڈائیگر براہیلی ہی حالت اس لیے ظاہر کر رہا تھا کہ وہ مزید محتاط ہو جائے۔... ڈائیگر... جو نہیں جانتا تھا کہ اس بار کس قسم کے حربوں سے اُسنا سنا ہونے والا ہے۔

۱۴

آرزو بے حد مدد دے تھی۔ اس کے انہماک سے احساس ہوتا تھا جیسے اُسے گریوڈیشن کا بھی ہوش نہ ہو۔ اس کے سامنے مزید برآں گنت اشیاء بکھری پڑی تھیں۔ اُس نے دو سال قبل ذاتی شوق کے تحت کمپیوٹر کا کورس مکمل کیا تھا۔ کمپیوٹر میں اُسے بچپن ہی سے دلچسپی تھی اور یہ ذوق و شوق اس وقت اُس کے کام آ رہا تھا۔

وہ اس کمپیوٹر کا مقام تلاش کرنے کی تیاری کر رہی تھی جہاں اس کا باپ رابطہ قائم کیا کرتا تھا۔... بوستان خان... تو بھلا ایک ترین موت کا شکار ہوا تھا۔... اور جس کی لاش دیکھ کر آرزو نے قسم کھائی تھی کہ وہ اپنے باپ کے قاتلوں سے انتقام لے کر رہے گی۔ ابھی اس قسم کی تکمیل کا پہلا مرحلہ بھی طے نہیں ہوا تھا کہ اس کی ماں بھی اسی انداز میں قتل کر دی گئی۔

آرزو پر دلوانچی طاری ہو گئی۔ کئی روز تو اُسے خود کو سنبھالنے میں لگ گئے تھے۔... اور جب اس کی ذہنی صلاحیتیں دوبارہ کام کرنے لگی تھیں تو اُس نے ایک لمحہ بھی

باقی اٹھ آدمی اس کی آنکھوں کے سامنے دم توڑ گئے۔ ان آٹھ آدمیوں میں، دو دمک کا بچا، دو دمک کا بچا اور بیٹا بھی شامل، دو دمک چھپ کر خوفناک جنگ دیکھتا رہا حتیٰ کہ اس کا بیٹا بکراک ہو گیا۔ تب وہ مبرا و ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھا۔ وہ خود کو پوشیدہ نہ رکھ سکا۔ اس نے انھیں ہلکا راور میدان چٹا میں کودیا۔ اس نے چھپ کر فن حرب کا وہ مخصوص پیرو دیکھا کہ جس کی وجہ سے ان لوگوں کو خاندان بنو کے لڑاؤں پر سبقت دے ہو رہی تھی۔ وہ ان سے دو تار... اس نے ان میں سے کئی ہلاک کر دیے۔ لیکن پھر اُسے خود اُن سے فرار ہونا پڑا۔ ”زار... ڈائیگر بڑبڑایا۔ کیا سنا ہو گھر کے استاد فرما رہا ہے۔“ اُن... اور اس کی وجہ یہ تھی وہ بھی چکا تھا کہ تنہا اسہ کا نفع نہ لیں کر سکتا جبکہ اُس کی انتہائی خواہش تھی اس کا کسی نہیں کے لیے وہ فرار ہو اور اُس نے خاندان بنو کے بچوں کو ذہنی شوق کر دی۔... میں انھی میں سے ایک ہوں اور تم ہم سے آخری ہو۔ ڈائیگر۔

”میں سمجھتا ہوں کہ ہم ان لوگوں کو بچن چن کر مار سکتے ہیں ڈائیگر نے ہنسنے سے کہا۔“

”یہی تمہاری عقلی ہے۔ سوچو! آج آپ کے قبل کبھی کسی ہاتھ تمہیں نقصان پہنچانے میں کامیاب ہوا ہے؟ اس انداز کبھی نہیں ہوا۔ خود ہر قابو رکھو۔ ذہن کو بے قابو نہ ہونے دو۔“

”اوہ! شاید اسی لیے آپ خوف زدہ ہیں؟“ سسٹم نے بڑا مالک صرف مالک حقیقی سے ڈرتا ہے۔ فرزند۔ میں اس لیے خوف زدہ ہوں کہ تم ابھی ناچنے ہو۔ کہیں تم ہاتھوں کوئی نقصان نہ اٹھاؤ۔

ڈائیگر کے جیسے سختی سے بھننے گئے۔ اُسے اپنی کمپوزیٹ ہوا سا، جٹا محسوس ہو رہا تھا۔ اُس کی نگاہوں میں ان میں سرخ لہاؤں والوں کی لاشیں ٹھوم ٹھوم تھیں۔ تب اُسے افسوس ہو۔ لگا کہ شیطان کے ان بچوں کو اُس نے کتنی آسان موت سے بچا کیا تھا۔ کاش! یہ سب کچھ اُسے پہلے ہی مدبر ہوتا۔

”ایک بار پھر تیار اپنے آپ کو بڑھانے کے لیے آمادہ مجھے بھی بہت طویل انتظار برداشت کرنا پڑا ہے۔ میرے آباء کی وجہیں مجھے یاد رہی ہیں۔ میں نے بچپن میں جو حملت اٹھا، اس کی مکمل کا وقت سرور آ گیا ہے۔ لیکن میں بوڑھا اور لاوا سوچا ہوں۔ کاش! یہ موقع آج سے دس پندرہ سال قبل آ جاتا۔“

کا جواب بھی دیا: اوہاں! آپ نے ابھی ابھی بتایا تھا کہ وہ شخص اپنے حواس کھو بیٹھا تھا۔

”پہلے پہل اُس کی باتوں سے سب کو دیوانگی ہی کی جو محسوس ہوئی تھی بسکین بعد میں پتہ چلا کہ وہ بکھر چکی تھی۔ اُنہوہ پاگل پن کی باتیں نہیں تھیں بلکہ ان کا ایک ایک لفظ بچ پڑتی تھا۔“

”کیا مطلب؟“ ڈائیگر چونکہ، پڑا، آبا و اجداد کی دھڑکیں کا کوئی وجود تھا؟

”ہاں فرزند! وہ دھڑکیں کے آدمی تھے اور خون آشامی ان کی فطرت بنائی تھی۔ وہ شیطان کے بچاری تھے اور ان کا ایک مخصوص عقیدہ تھا جس کے تحت وہ لاش کا سر کاٹ کر درخت کے تنے میں طاق بنا کر رکھتے تھے اندرونی اعضا کو درخت کی جڑ میں دفن کر دیا جاتا تھا اور بے سر لاش کسی شاخ سے لٹکا دی جاتی تھی۔“

اس بار ڈائیگر نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ وہ جدید دور کا ترقی یافتہ انسان تھا ایسی باتوں پر یقین نہیں رکھتا تھا لیکن اس کی آنکھیں بہت کچھ دیکھ چکی تھیں اس لیے وہ اوشان کا منہ کبھی نہیں کھلا سکتا تھا۔ ہاروں کی سرکشی لاش اس کے سامنے وجود نہ تھی۔ اس کا سر درخت کے تنے میں بے ہوشے طاق میں سجا ہوا تھا۔ اور اس کے اندرونی اعضا ابھی چند ہی لمحے قبل خود اوشان نے کھود کر نکالے تھے۔

”میرا کیا ہوا؟ اوشان! ڈائیگر نے بھڑائی ہوئی سی آواز میں دریافت کیا۔

”وہ دمک نے مزید باقی آدمی روڈ کیے... لیکن ان کا شتر بھی پہلے جیلوں سے مختلف ثابت ہو گیا۔ اس بار جو شخص بچ کر واپس آیا تھا، اُس کی باتیں بھی پہلے آدمی کی باتوں سے مختلف نہیں تھیں... تب وہ دمک کو محسوس ہوا کہ وہ دھڑکیں کے آدمیوں کا جو دو بے اور وہ لوگ کسی خاص فن حرب سے آگاہ ہیں۔ ایک ایسا فن جس کے سامنے خاندان بنو کا ایک بھی فرو نہیں ٹھہر سکتا۔ جانتے ہو وہ دمک نے کیا کیا؟ اوشان نے نیم تاریکی میں ڈائیگر کے چہرے پر لگا ہوا گھستے ہوئے ہوجھا۔

ڈائیگر نے نفی میں سر ہلادیا۔

”وہ دمک نے باقی اٹھ آدمیوں کو بھی بھیج دیا... اور تنہا چھپ کر اپنے ساتھیوں کا تعاقب کرنے لگا۔ کئی دن بعد اُس نے اپنی آنکھوں سے دھڑکیں میں بیٹے ہوئے آدمیوں کو دیکھا۔ وہ کسی مجرے کی طرح آئے تھے اور پھر جنگل میں ایک غورہ جنگ شروع ہو گئی تھی۔ اس جنگ میں وہ دمک کے ساتھی مرنے لگے۔“

باپ کو چونکا کر مہنسا چاہتی تھی، خود اس نے اسے چونکا کر خون کے آنسوؤں نے مجبور کر دیا تھا۔ وہ اس کی گفتگو کے ٹیپ گھن میں نہیں رکھ سکتی تھی۔ وہاں وہ کبھی بھی وقت کسی کی بھی نگاہوں میں آسکتے تھے لہذا اس نے بڑی سوچ و دیکار کے بعد اس ترخانے میں انھیں رکھنا شروع کر دیا تھا۔ برسوں سے وہ ٹیپ میں جمع ہو رہے تھے کیوں کہ یہیں سے ایک خفیہ لائن اس فون سے منسلک تھی جس پر اس کا باپ کمپیوٹر سے باتیں کیا کرتا تھا۔ اس نے کاٹھ کا ڈھنڈا اور ٹیپ جمع کرنے لگی۔ دونوں ہاتھوں سے جتنے ٹیپ اٹھا کر وہ اوپر لے جاسکتی تھی انھیں اٹھا کر وہ واپس اپنے کمرے میں پہنچ گئی۔ اس نے ایک ٹیپ ریکارڈ میں رکھا اور اسے پلے کر کے تھوڑا سا وائیم رکھ لیا۔ اس کے کمرے کا دروازہ مغل تھا اور کھڑکیوں پر بھاری پردے پڑے ہوئے تھے جب اسپیکر نے اس کے والد کی آواز کرے کی محدود فضا میں بکھری تو آرزو کیوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کا دل مٹھی میں جکڑ لیا ہو اور یہ گرفت ہرگز نہ ہونے لگے کے ساتھ ساتھ جھٹتی ہی جا رہی تھی۔

اگرچہ اسے اپنی ماں سے بھی محبت تھی اور اس کی الٹا موت کا بھی اسے بے حد دکھ تھا۔ لیکن بوستان کی موت نے تو جیسے خود اسے بھی ایک لاش ہی بنا دیا تھا۔ وہ خود کو ایک چلتی پھرتی لاش سے زیادہ کچھ نہیں محسوس کرتی تھی۔ ایک ایسی لاش جس کی روح نکل کر آسمان کی دستوں میں گھو گئی ہو اور خالی جسم انتقام کی پیاس میں مبتلا کھٹک رہا ہو۔ ایک کے بعد دوسرا ٹیپ سننے کے بعد اس نے تیسرا ٹیپ لگادیا۔

آب وہ خود کو ایک بار پھر سنبھال چکی تھی۔ اس نے رائیٹنگ پیڈا اپنی طرف کھسکا یا اور لکھنے لگی۔ اس کا ہاتھ تیری سے تپل رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ رک جاتی... اور کبھی کبھی اس کا ہاتھ اسپیکر سے لکھنے والی آواز کے ساتھ ساتھ متحرک ہو جاتا تھا۔ وہ لکھتی چلی گئی حتیٰ کہ پیڈے کے بیشتر صفحات بھر گئے۔ ٹیپ بند کر کے اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی کپڑاں سہلایں اور کچھ دیر کے لیے آنکھیں بند کر کے ذہنی سکون حاصل کرتی رہی... لیکن سکون تو اس کی زندگی کے یوں آٹھ گیا تھا جیسے کسی مژدہ جسم سے دوح نکل جاتی ہے۔ اسے اپنی آنکھیں جلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں اور کنپٹیوں پر چمچ رہی

تھیں جیسے ایک نادیہ ہتھوڑی ان پر بار بار ضرب لگا رہی ہو میز پر بٹھ کر اس بھی موجود تھی جس میں اس نے بیٹھنے سے قبل کافی بھری تھی۔ اس نے ایک کپ کافی سے لبریز کیا ڈاڈا گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔ کافی ختم کر کے آرنے اپنے سامنے رکھا تھوڑا دھرتوں اٹھایا جسے وہ گزشتہ دو گھنٹے سے لکھ رہی تھی۔ اس نے ان تمام ٹیپوں پر غور کیا اور پھر ایک سرخ پینسل نکال کر کسی کی جلی کو نشان زد کر دی چلی گئی۔ ان جملوں کے ساتھ اس نے ٹیپ کا مزید بھی لکھا تھوڑا سا اور جب ٹیپ ریکارڈ میں چل رہا تھا تو کاؤنٹر سے خبر ہو کر وہ کبھی پیڈ پر لکھتی چلی گئی تھی۔

مزید ایک گھنٹہ کی مشقت کے بعد وہ ایک نامستورہ کرنے میں کامیاب ہوئی۔ اس مستورے میں اس کے باپ کا بائیں تھیں... لیکن اگر یہ جملے فون پر کسی سے کہے جاتے تو وہ ماضی میں لاکھ سنے ہوئے کے باوجود سننے ہی معلوم ہوتے۔ ان فقرات کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد اس نے ٹیپ ریکارڈ میں پہلا ٹیپ پڑھا یا اور کاؤنٹر پر رکھ دیا... پھر اس نے آگے مبن دبا دیا اور کاؤنٹر پر نگاہ گاڑے رکھی۔ جیسے ہی مطلوبہ نمبر آس نے ٹیپ کا مبن آن کر دیا۔

وہ بغور دیکھتی رہی، جیسے ہی کاؤنٹر کا نمبر مقررہ حد کے قریب پہنچا، اس کی غور غلی انگلی آف کے مبن پر پہنچ گئی۔ یہ بڑا ہی ذہانت اور مہارت کا کام تھا... لیکن اسے اس ری ٹیپنگ میں کسی قسم کی دشواری نہیں ہو رہی تھی کیوں کہ اس کا کچھن کا شوق تھا۔

اس کام میں اسے کافی ٹھکن ہو گئی۔ وہ کئی گھنٹے سے مسلسل کام کر رہی تھی... لیکن جب کام ختم ہوا اور اس نے اپنی چھند سے تیار کیا ہوا فائل ٹیپ سے آوازیں نکال کر ماری ٹھکن چلے ہو میں دودھ ہو گئی۔ اس نے ریکارڈ سے ٹیپ نکال کر مڑبٹوں سے لگائی۔ اب وہ دوسرے مرحلے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ اب اسے ایک کمپیوٹر کو دھوکا دینا تھا... اس کمپیوٹر کو اس کا باپ جس کا وفادار تھا... اور جسے وفاداری کی بہت بھاری قیمت ادا کرنا پڑی تھی۔ اس نے فون اپنی طرف کھسکا یا اور وہ مخصوص نمبر ڈیا جس پر بوستان بہرام کے ہیڈ کوارٹر سے رابطہ قائم کیا کرتا تھا۔ دوسری جانب سے جلد ہی کال ریسپونڈ گئی اور کمپیوٹر پر ٹیپ شدہ آواز نے کہا کہ وہ اپنا پیغام ریکارڈ کر دے گا۔ ٹیپ چلتا رہا۔ اس دوران میں آرزو کی نگاہ اپنے کمپیوٹر پر جمی رہی

جیسے اس نے شب و روز کی محنت سے تیار کیا تھا اور اس کے پروگرام حاصل کرنے کے لیے اس نے بے پناہ دولت بھی خرچ کر دی تھی۔ کمپیوٹر پر تیزی سے حرفت ابھر ابھر کر معدوم ہو رہے تھے۔ اچانک چند حرف ساکت ہو گئے۔ چارہ کر... اس نے حروف پڑھے اور اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے ذہن میں لاشان بہرام اور شہزاد کے چہرے گھوم رہے تھے۔ نہیں آ رہی ہوں! اس نے غور و کلامی کے انداز میں کہا! اپنے باپ کا مقام لینے کے لیے آ رہی ہوں!

6

دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔ شہزاد دروازہ کھولنے کے لیے پڑھ گیا! لاشان اس وقت لڑے کے وسط میں کنول کا آس جاتے۔ اپنے مخصوص انداز میں بیان تھا۔ اس وقت وہ دونوں ہول کے کمرے میں بیٹھے تھے وقت تنگ ہوئی ٹائیگر ڈوے سروں کے کسی دیکر کی آمد کی توقع کر رہا تھا اس نے اپنے بھائی کی جگہ پر بنایا تھا کیونکہ اس نے پون گھنٹہ قبل فون پر اسے مرس کو آرزو رہا تھا... لیکن نہ جانے کیا مصیبت تھی اس کا آکر دروازہ غلط ہی سیلائی ہوتا تھا اس وجہ سے اس بار اس نے فحشوی ہدایت دی تھیں۔ دروازہ کھولنے سے قبل اس نے تھنوں کو بھیلایا اور سیکڑا... اسے حیرت ہوئی کہ ذرا سی ہی خوشبو کا احساس نہیں ہوا۔ اب اس کی قوت شائستہ اتنی ناقص نہیں تھی کہ وہ جاووں کی خوشبو نہ سونگھ سکتا جب رشتہ کی جو سے اس کے تھے خوف و ہراس موت اور دیگر غیر مرئی ٹیپنگ ہو گھٹنے پر قادر ہو چکے تھے۔ اس کے کانوں نے رنگ کارٹ کے بیڑوں کی آواز بھی نہیں سنی تھی۔

ٹائیگر کی غیر معمولی تیزیات فوراً بیدار ہو گئیں۔ اس کا دایاں اٹھائی پشت پر چلا گیا اور اس کے عضلات میں تناؤ پیدا ہو گیا اب ہاتھ کی کلہاڑے سے سی کاٹ دار حوت لگانے کے قابل ہو گیا تھا۔ اس کا باپاں ہاتھ دروازے کی تاب کی طرف بڑھ گیا... ہاتھ اس نے ایک جھٹکے سے کوڑا کھول دیا۔ دروازہ کھٹنے ہی آرزو کی کچھ پھر چلے ہوئے پرندے کی طرح اڑتی ہوئی اندرائی اور اس کے دونوں ہاتھ ٹائیگر سے پیٹ گئے۔

"شہزاد... شہزاد... وہ خدا کا شکر ہے" یہ کہتے کہتے لی کی آواز بھڑکی۔ اس نے ٹائیگر کے سینے میں منہ چھپا لیا اور اسے سسک کر روئے لگی۔

اس کی سسکائی سن کر آدشان بھی چونک پڑا۔ اس نے ٹیپ کھول کر ان دونوں کی طرف دیکھا اور پھر اس کی توجہ رہا

پڑھ رہے تھیں۔ ٹائیگر نے آرزو کو سنبھال دیا اور خود سے انگ کر کے ستر کی طرف لے گیا۔ اسے ستر پر بٹھا کر جوئے اس نے ستر سکون آؤڈ میں کہا! ذرا آرام سے... صبر سے کام لو... اور بتاؤ کہ کیا بات ہے؟

آرزو چند لمحوں تک اس کا بازو دھتھے۔ اس کی آستین میں منہ چھپانے کی کوشش کرتی ہوئی روئی رہی... پھر اس نے آنسوؤں سے بھیجی ہوئی نگاہیں اٹھائیں اور دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔

اس کے انداز سے بے پناہ دہشت کا احساس ہوتا تھا ٹائیگر اب بھی اسے پکار رہا تھا اور آرزو کی حالت ہرگز نہ بچنے لگے کے ساتھ شہزاد جاری تھی۔ کافی دیر بعد جب وہ بولنے کے قابل ہوئی، تب بھی اس کی نگاہیں دروازے پر ہی جمی ہوئی تھیں اور ان سے اب بھی دہشت کا اظہار ہو رہا تھا۔

"آخراً بتا دیا ہے؟ تم اس قدر دہشت نہ کیوں ہو ٹائیگر نے اس پر تہہ قدر سے زور دے کر پوچھا۔

"مم... میں... میں اپنے گھر میں تنہا تھی! آرنڈو نے ایک ایک کر کے تمام تر عمارتیں لٹائیں بے خوف و ہراس تھی۔ اچانک میری نگاہ کھڑکی سے باہر اٹھ گئی... وہ خاموش ہو کر کانٹے کی سیجے اس دہشت ناک منظر نے اس کے اب بھی اوسان خطا کر رکھے ہوں! میرا... خیال ہے کہ میں نے... دیکھا..."

"تم نے کیا دیکھا؟ ٹائیگر نے فری سے پوچھا۔ بتاؤ تم نے کھڑکی کے باہر کیا چیز دیکھی تھی؟

"وہ... آف... کس قدر خوفناک! آرنڈو کا بک کئی۔ اس کی آواز میں بھی خوف کی زیادتی سے لرز پیدا ہو گئی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں ڈاؤن سے خدا... میں اسے بیان بھی نہیں کر سکتی!"

ٹائیگر چند لمحوں تک تو اسے گھورنا رہا... پھر اس کے ہونٹوں پر چار بھری مسکراہٹ آ گئی۔ دیکھو آرنڈو! اس نے بھلنے والے انداز میں کہا! اگر تم مجھ سے کسی مدد کی توقع نہ کرنا کی مڑو تبھی چاہیے کہ سب کچھ بالکل درست بیان کر دو!"

"میرے قریب رہو... مجھے تنہا چھوڑو! اس نے ٹائیگر کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے جھٹکے دیکھ کر اسے دوبارہ دہشت سے بچنے کو کہا! اس کا سینہ بے ترتیب سانسوں کی وجہ سے شدید آواز دھوا دھاکا رہا تھا۔

باوجود میں نے جو جھک دیکھی اُس سے پتہ چلتا تھا کہ وہ کوہیا کی کس باشندے تھے۔ لہذا وہ وہی تھے۔۔۔ اُف میرے قُصا۔۔۔ کس قدر خوفناک منظر تھا۔۔۔ کتنا درشت ناک۔ انھیں دیکھ کر میرا دل ہی شیشے لگا تھا۔

ٹائیگر نے یس کر اثبات میں سر ہلایا اور اوشان کی طرف دیکھتے ہوئے بڑبڑایا "معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اب آرزو کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔"

اوشان نے کندھے اچکا کر نگاہ بارے نیازی کیا۔  
"میرا خیال ہے، ہمیں اس لڑکی کو اپنے ساتھ ہی رکھنا چاہیے۔ ٹائیگر نے پھر اُسے مخاطب کیا۔

اس بار بھی اوشان نے بڑی بے نیازی سے کندھے اچکا دیے تھے۔ انداز ایسا ہی تھا کہ اگر وہ لڑکی سمیت جہنم میں بھی چلا جائے تو اُسے کوئی پروا نہیں۔

دفعۃً دروازے پر زور دار دستک ہوئی۔  
آرزو کے حلق سے ایک ڈری ڈری سی چیخ نکل گئی۔ وہ اب پھر خنجر تھکا کھینچنے لگی تھی۔ اس کی مڑال کی ہسی ہوئی آنکھوں پر آنکھیں کھلی تو دروازے کی طرف اور بھی ٹائیگر کی جانب اٹھنے لگی تھیں ان نگاہوں میں منتظر کے لیے جہ پناہ درخواست تھی۔

اوشان دوبارہ اپنی جگہ جا بیٹھا تھا۔ اس کے انداز سے اب بھی بے نیازی ظاہر ہو رہی تھی۔ نہ جانے وہ جیسا بیٹھا کھینچنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ ٹائیگر کو اس کی بے نیازی پر شدید جھٹکا ہو رہی تھی۔

"دروازہ کیوں نہیں کھولتے؟" ٹائیگر اوشان نے چمکایا کر کہا "کیا تم کھانے کا آرزو دے کر بھجول گئے ہو؟"

ٹائیگر آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کی چال میں آرزو کو کسی درندے کی سی مستند سی محسوس ہو رہی تھی۔ کسی چیتے کی طرح بے آواز اور محتاط قدموں سے دروازے پر پہنچا اس کا دایاں ہاتھ پشت پر چلا گیا۔۔۔ بائیں ہاتھ سے اُس نے ایک جیسے سے دروازہ کھول دیا اور کمرہ اوشان کے تحقیر آمیز قبضے سے گونج اٹھا۔ ٹائیگر بھی ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ اس کے دائیں ہاتھ کے عضلات ٹھیلے پڑ گئے۔

سامنے روم سروس کا دروازہ کھانا لے کر اٹھا۔

یڈر کے انداز میں بے پناہ سکون تھا۔ اُس نے اپنے ساتھیوں کو بڑی وضاحت سے بتایا کہ انھیں کیا کرنا ہے۔

"فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، ٹائیگر نے اُسے ایک بار پھر سنبھالنے کی کوشش کی۔ میں تمھارے پاس ہی ہوں اور تمھیں چھوڑ کر کہیں نہیں جا رہا ہوں تم اس وقت پوری طرح محفوظ ہو جھوڑیں تمھارے لیے پانی لانا ہوں۔ اتنی دیر تم اپنی حالت سنبھالنے کی کوشش کرو۔"

وہ اُسے چھوڑ کر پانی لانے کے لیے کوئنگ مشین کی طرف بڑھ گیا۔ جب وہ گلاس بھر کر واپس آیا تو آرزو کی حالت کافی سدھر چکی تھی۔ اس نے خود کو اس حد تک سنبھال لیا تھا کہ اُس کے منہ سے تسکینوں کی نکاسی بند ہو گئی تھی۔ البتہ وہ سب سے سب سے انداز میں اب بھی ٹائیگر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ معاً اُسے محسوس ہوا کہ کوئی اس کے قریب ہی اٹھ رہا ہوا ہے۔

ٹائیگر اس کی آنکھوں سے مزید تیزی کے ساتھ آنسو بہنے لگے۔۔۔

"ایک بات تو بتاؤ لڑکی؟ اوشان نے اُس کی طرف جھک کر کہا "جب تم کمرے میں داخل ہوئی تھیں تو تم نے کیا کہا تھا۔ وہ خدایا تیرا شکر ہے۔۔۔ یا۔۔۔ کچھ اور؟"

آرزو چونک کر اوشان کی طرف دیکھنے لگی۔ لمحے بھر کو اس کی آنکھوں میں حیرت پیدا ہوئی۔۔۔ پھر اس نے اثبات میں سر ہلایا اور اوشان کی بات کی تائید کر دی "میں نے کہا تھا، اوف! خدا یا تیرا شکر ہے! وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

اس وقت تک ٹائیگر پانی کا گلاس لے کر اُس کے قریب پہنچ چکا تھا۔ وہ سہری کی پتی پر آرزو کے پیلو میں بیٹھ گیا اور گلاس اُسے سنبھال دیا۔

آرزو کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ اس نے گلاس لیا تو اس میں سے ٹھوڑا سا پانی چھلک گیا۔۔۔ لیکن وہ جلد ہی مزید سنبھل گئی۔ اب وہ چھوٹے چھوٹے ٹھونٹ لے کر پانی لی رہی تھی۔ پانی کا گلاس خالی کر کے اُس نے اپنے دائیں گھٹنے پر رکھ دیا۔

"اب بتاؤ تم نے کیا دیکھا تھا؟ ٹائیگر نے سوال کیا "کیا تمھیں کچھ لوگ نظر آئے تھے؟"

"ہاں، شہزاد، وہ سر سے پاؤں تک کانپ کر بولی میرے گھر کے احاطے میں کچھ لوگ موجود تھے؟"

"اوہ، ٹائیگر کے ہونٹ سکڑ گئے "کیا وہ دیکھنے میں جینی شزار لگتے تھے۔ کوہیا کے رہنے والے تھے؟ ان کی تعداد کتنی تھی؟ یہیں تھے یا جا رہا؟"

"شاید ہمارے۔۔۔ لیکن احاطے میں تاریکی تھی۔۔۔ اس کے

پروگرام بتانے کے بعد اس نے وضاحت کی کہ ان کا کھانا کالی سے بھلا نہیں ہوا بلکہ وہ کامیاب ہوئے ہیں۔  
وضاحت کرتے ہوئے لیڈر نے ٹھکانا رکھا صاف کیا اور نچم کھانے سے باہر پھینک دی۔ اس وقت وہ سب ایک ہوٹل کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے اور یہ وہی ہوٹل تھا جہاں اوشان اور نائیک مقیم تھے۔

”لیکن ہم اپنے بہترین ساتھیوں سے اتنا دھو بیٹھے ہیں“ ایک ساتھی نے کورین زبان میں احتجاج کیا۔  
”جب تک حاصل کیا جاتا ہے تو پتے سے دنیا بھی ہوتا ہے“ لیڈر نے بے رحمی سے جواب دیا۔

”ہم نے کیا حاصل کیا ہے؟“ احتجاج کرنے والے کا ہوش شدید ہو گیا۔  
”ہم نے بجز یہ حاصل کیا۔ ہم نے سوچا جو حاصل کی۔ لیڈر نے سختی سے جواب دیا۔ یہ کہہ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں جیسے اپنے تین ساتھیوں کی زندگی اور حاصل ہونے والے تجربے یا سوچے ہوئے کو کاغذی میزان میں موازنہ کر رہا ہو۔ پھر اس نے آنکھیں کھولتے ہوئے کہا۔  
”جو کچھ تھا، بعد میں ناک تھا۔ لیکن یہ ضروری تھا کہ یہ تم تانے ہو کہ اس سے ہم نے کیا سیکھا ہے؟“

”اجتاج کرنے والے نے تاننا یا ٹانگنے کیسے انداز میں ان کے تینوں ساتھیوں پر چمکایا تھا۔ اُنھیں جہاں جہاں زخم آئے تھے ان کی تفصیل بیان کی۔ اس سے وہ اس سلسلے میں مزید بھی کچھ جاننا چاہتا تھا کہ ایک ساتھی نے اس کی بات کاٹ دی۔ وہ اس بوڑھے کا تذکرہ کر رہا تھا جو بیٹھنے کی عمارت کے باہر کار میں منتظر بیٹھا تھا۔

”زندہ آؤ۔“ لیڈر نے دہرایا اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہ تھی۔ اس کا دایاں ہاتھ اپنی دائیں آنکھ کی طرف اٹھا اور قریب جا کر کھنکی کی شکل میں بیچ لگا، اس کی ایک ہاتھ کی انگشت شہادت کیپنی کو سہلانے کی جگہ جب کہ دوسرے ہاتھ کی انگشت شہادت اپنی آنکھ کے نیچے رخسار پر چمک گئی تھی۔ اس انگلی کا ناخن کہ وہیں اٹھانے لگا تھا۔ یہ کیا اس کی آنکھوں کا رنگ فولا دیا جیسا تھا؟ اس نے اوشان کے بارے میں بتانے والے سے سوال کیا۔

”ہاں...“ جواب دیا گیا۔  
”اوہ تو میرا خدا قدرت ہی ثابت ہوا۔ لیڈر بڑبڑایا۔ وہ آگے بڑھا۔... باقرہ یہاں پہنچ گیا۔“ یہ کہتے کہتے وہ بیٹھ گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ گود میں گر گئے اور اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ یوں گستاخ جیسے وہ بیٹھے بیٹھے خاموش عبادت میں ڈوب گیا ہو۔

لیڈر پر سے ڈیڑھ منٹ تک اس حالت میں بٹھلا رہا۔ پھر اس نے دھیرے دھیرے اپنا سر اٹھا یا اور حرکت کے عالم میں نکل گیا۔ کیا تم نے دوسروں کو ادائیگی کر دی ہے؟ اس نے سوال کیا۔ آپ بڑا نااہلوں کے بارے میں پوچھ رہے ہیں؟  
”ہاں۔“ کیا وہ لوگ ہمارے عقیدے کے بارے میں پوچھ رہے ہیں؟ اس نے دوسرا سوال کیا۔

”نہیں جناب!“ اسے جواب دیا گیا۔  
”کیا مہدوں کی تجدید کر لی ہے؟“ لیڈر نے پوچھا  
اس بار اسے اثبات میں جواب ملا۔

”نئے آدمیوں کی خدمات حاصل ہو چکی ہیں یا نہیں؟“  
”جی ہاں۔۔۔ اور انھیں کچھ چنگی معاوضہ بھی ادا کر دیا گیا ہے“  
”ٹھیک ہے۔ دوسروں کو بھی کالو؟“ لیڈر نے کھانسی دنگ میں کہا اب وقت آگیا ہے کہ اس معاملے کو خوش اسرار کے ساتھ فطالیں۔ ہیں اب ایسا کیا کرنا چاہیے؟

لیڈر کا حکم سننے ہی جواں سال کورین اٹھ کھڑا ہوا، وہ ٹھکانا چھٹکا اور پھر دیر تیز قدموں سے چلتا ہوا کمرے سے باہر نکلا۔ اس کے جاتے ہی لیڈر بھی اپنی سیٹ سے اٹھ گیا۔ اس کے اُٹھنے اُتارے حد متوازن اور بہتر تھا۔ وہ چار فٹ گیارہ انچ لمبا تھا اس نے ہوٹل کے کمرے میں پہنچے ہوئے تانیاں یا اس انداز میں جھلدا شروع کر دیا جیسے اس کو اپنے قدموں تلے روندنا چاہتا ہو۔ کیا ایک وہ ایک کھول کے سامنے ڈک گیا۔

کھول پر پزیرنگ کا سمجھایا پر وہ بڑا ہوا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ بڑے سے اٹھ گیا اور اس نے بڑے کو ایک جھٹکے سے ہٹا دیا

پروہ ہتھ پڑی کرے میں تیز دھوپ کا سیلاب سا آگیا۔ وہ سے باہر کھڑے لگا۔ پیچھے ملے چمکائی ہوئی کالوں کا ایک قافلہ رہا تھا۔ دھوپ کی وجہ سے باہر کی گھنٹی میں حدت تھی۔ لیڈر کو گورجے حد نہ تھی۔ ٹھکانہ نہ جانتے کیوں اسے بڑی گھنٹی تھی اس سلسلے میں کئی کوئی خیال آ رہا تھا انہیں کی تھی البتہ اس کے بعد ساتھیوں کا خیال تھا لیڈر کو گوری کے باعث جاق و چوبند رہا ہے یہ وہ اس کو محسوس کر رہا تھا۔

لیڈر کی آنکھیں چمک داریں تھیں اور اس کے دھیمی بر تھے جن سے ہر وقت ہوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ٹھگ رہی اور ان سے دھواں سا اٹھ رہا ہو۔

لیڈر کی آنکھیں جیانی سے محروم تھیں اور وہ مکمل طور پر ماتھا۔

ایک دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ اس کا مطلب اس نے من دوسرے ساتھیوں کو طلب کیا تھا، جواں سال نا اُمیں ہلا کرے آیا ہے۔

”میٹر جاؤ۔۔۔ چیز!“ قدموں کی آواز تھیں ہی بوڑھے لیڈر

اس نے یہ بات کورین زبان میں کہی تھی اس لیے جواں سال نے ترجمہ کر دیا۔ میٹر جاؤ چیز۔

لیڈر مزید لمبے ساکت دھماکہ کھڑا رہا۔۔۔ پھر اس کے کانوں اور آدمیوں کے بیٹھنے کی آواز گھرائی، مٹوانے کا چہرہ اچھڑایا۔ آواز میں کئی کئی بار پڑے بڑے ایک باہر پھر بار بار دیا۔ بہت سست چلتا ہوا اپنی کڑی کس پہنچا۔ اس کے انداز سے نہیں جانتا تھا کہ وہ اندھا ہے۔ کڑی پر بیٹھنے کے بعد اس کی دھواں لگتی ہوئی آنکھیں چمکے لگیں جیسے وہ نوراد افلا کا حارہ لے رہا ہو وہی سیٹ پر بیٹھا تھا، وہ خون کی طرح سرخ رنگ کی تھی اس سیٹ پر بوڑھے لیڈر کا چہرہ کی آسب جیسا نظر آ رہا تھا۔

لیڈر کے دونوں ہاتھوں کی کچھل پر بے قراری سے حرکت رہے گئے۔ ساتھ ساتھ یہاں موجود ہے اس نے کہا کہ ان کی مثال بیت گئے۔ آج صبح ہماری راتیں آپس میں گزری ہیں۔

لیڈر کی بات کا ترجمہ کرتے ہوئے جواں سال کورین نے کہا۔ ”ہم نوراد کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔“

”لیکن ہم خود نہیں کریں گے۔ بوڑھا لیڈر اس کے ترجمے سے برکتا رہا۔ بتا رہے تھے کہ جب ہم ہی لوگوں نے فولا دھیمی نہال آنکھوں کے مالک کسی غصے پر چمکی، موت ہمارے کئی قیوں کا مقدمہ ہوئی۔۔۔ اور اب وہ شخص مزید خطرناک ہو گیا ہے اس کے ساتھ ایک مشرقی نوجوان بھی ہے۔ ایک ایسا نوجوان جس کو اس نے جواں سال نائیک سیرا غن موچن ہے۔“

”ہم خود نہیں کریں گے۔“ مترجم نے کہا اور اپنے لیڈر کی ایک بات کا اس میں توجہ دیا۔ ”ہم چمکائی اور تانیاں کا اصول اپنائیں گے۔ اس بات پر کہ وہ تھا لیڈر جو کتا ہو گیا کیوں اس نے رد عمل کے درپے کی کو کڑی میں پہلو بہتے ہوئے لیا تھا۔

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟“ ایک آواز کرے میں گونجی۔  
”جی سے ناواقف ہونے کے دور سے لیڈر نے اپنے ساتھی سے رگڑنا اور بولا۔ دھواں مندا ساتھی! دونوں پر ایک وقت دونوں طرف

سے حملہ۔۔۔“ کہنے کے بعد وہ ہنس پڑا۔ بڑی ہی حقیرانہ ہنسی تھی۔ ”حقانذات ہے۔ اگر تو دن بھر کسی دیوار سے ٹکراتے رہو تو شام کو کیا نتیجہ نکلے گا؟ دیوار نہیں گرے گی البتہ تمہاری کھوپڑی ضرور ہاش ہاش پاش ہو چکی ہوگی۔۔۔ اس کی کہ یہاں اگر توجہ درست اور صحیح اینٹ ٹکانے میں کامیاب ہو جاؤ تو پھر دیوار آں کی آن میں نہیں بوس ہو جائے گی۔“

”مترجم نے جب اس کی باتیں منتقل کر دیں تو ان کے جواب میں دوسری کڑی کا چہرہ اچھڑایا۔ لیڈر کے ڈر آنکھیں آواز پر چمک گئیں۔

”کیا ہم ان دونوں کو بھی اسی انداز میں قتل کریں گے جیسا کہ پہلے کرتے رہے ہیں؟“ جواں سال مترجم نے نوراد کی بات اپنے لیڈر کے کانوں تک پہنچائی۔ لیڈر نے کچھ نہیں کہا مگر یہ نوراد، دوست نہیں سمجھتا کہ ہم لاٹھوں کی کھال بھینچ کر انھیں دفن کرنے سے کیوں ناگ دیتے ہیں اور بعض حیوانوں کی کیوں تدفین کرتے ہیں؟

”کس قدر احمق معلوم ہوتا ہے۔ یہ شخص! لیڈر کی آواز غصہ آہستہ تھی۔ یہ ایک روایت ہے۔ ہماری طاقت کا نشان ہے۔ ہماری برتری کی علامت ہے۔ اس طرح ہم اپنے دشمنوں کی موت ہی حاصل نہیں کرتے بلکہ اس سے باقی دشمنوں پر غرور و ہراس بھی طاری ہوتا ہے۔ دس دشمنوں کو قتل کرنا اور ایک سو دشمنوں کو شہادت میں مبتلا کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ ایک سو دشمنوں دہشت زدہ ہو جائیں تو یہی سمجھا جائے کہ ان کی نصبت قوت ختم ہو گئی ہے۔“

لیڈر خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر اب بھی بری کے آثار تھے اس کی دامن کیپنی کی ایک رنگ بار بار چمک رہی تھی۔

اس کے انداز میں شے کی شدید جھلک دیکھ کر اسے ہی موجود سب لوگوں کو جیسے سائب سمجھ گیا تھا۔ بروکلی پتھر کے کسی بُت کی طرح ساکت بیٹھا تھا، صرف مترجم کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی اور لیڈر کی چمک دار لیکن بے نور آنکھیں اس مسکراہٹ کو دیکھنے سے قاصر تھیں۔

”ہم اپنی قسم! اپنے قبیلے اور اپنے عقائد سے نفرت رکھنے والے گروہ کے آخری افراد ہیں۔ لیڈر کی آواز ناگ بار بار گونجنے لگی۔ ہم سیاہ ظالمین ہیں۔۔۔ ہم ۱۹ کی قیامت مصری ہیں۔۔۔ اور اب ہم اپنے عقائد کا آخری کام دیکھیں تک پہنچانے میں کامیاب ہو رہے ہیں۔ میرے بزرگوں کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی۔ سن بڑی ٹھیک کا مالک باقرہ ہمارے سامنے آ رہا ہے۔ اس کی موت کے بعد ہمارے پورا کلاں کے لیے سلا موات ہو جائے گی۔۔۔ انھیں اپنے عقائد کا بجا کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ یہ میرا آخری فریضہ ہے۔“



”کام ہماری رہنا چاہیے۔ مترجم نے اس کی ان ہی چیزوں باتوں کا ایک ہی حصے میں ترجمہ کر دیا۔ وہ جانتا تھا کہ سب جسدانی باتیں ہیں جس سے معانی لوگوں کو کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔  
”میں نے یہ لکھ دیا تھا کہ کیا۔“ مجھے جو کچھ کہنا تھا نہیں کہہ چکا ہوں۔ اب جو کچھ بتاؤں اُسے کھو۔“

مترجم نے ہلڈی سے ایک بیڑ لکلا اور قطر کھولنے لگا۔ بیڑ سے بیڑ کے مکان بے حد حساس تھے اُس نے جیسے ہی موسیقی کی مترجم کھینے کے لیے تیار ہو چکا ہے وہ تیزی سے بولنے لگا۔ وہ مسلسل دلی منت تک بولتا رہا۔ بولوں محسوس ہوتا تھا جیسے اُس کے ذہن میں لاکھ عمل مکمل تھا اور وہ اُسے دو ہزار بار۔ بات پوری کر کے وہ بے زور آنکھوں سے اس سمت میں مگھورے لگا جہاں اس کا نائب کھڑا تھا۔  
”اپنے آدمیوں کو پوری طرح تیار کر دو اس نے کورین زبان میں حکم دیا۔  
”میں۔۔۔ مترجم نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔  
بڑھا لیڈر کے سر وسط میں کھڑا اُن کے قدموں کی آہٹیں سناتا رہا۔ دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور پھر اُسے آہٹیں سے بند کر دیا گیا۔  
اب وہ مکر سے تین تہا تھا۔ تنہا ایک کا احساس ہوتا ہی لیڈر ایک بار پھر اپنی گری کی طرف بڑھا اور پھر اس پر لڑی گئی جیسے اس کا جسم بندھا ہوا ہو۔ وہ بہت بڑھ چکا تھا۔ اُس کے اعصاب تنگ چکے تھے۔ وہ ٹوٹ چکا تھا۔۔۔ لیکن اُس نے کبھی اپنی کمزوری اپنے آدمیوں پر ظاہر نہیں ہونے دی تھی۔ وہ اپنے آنے والے پیر و کاروں سے چٹان کی عظمت کو محسوس تھا۔ وہ اپنے آنے والے پیر و کاروں سے دل برداشتہ تھا کیونکہ ان میں زمانے کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ بہت سی تبدیلیاں پیدا ہوئی تھیں جن کی ان میں سے بہتر توانائی مادی زبان تک نہیں پہنچتے تھے۔ وہ دنیا کے نئی باتوں کو مالک کی زبان میں بولنا باہر فطرت قرار دیتے تھے جب ہیڈر کو پہلی بار احساس ہوا کہ وہ اپنے عقائد کا آخری آدمی ہے۔ وہ تنہا ہے۔ اس کی قوتیں اور اُس کی توانائیاں بکھر گئی ہیں۔ اب موت ماضی کی روایات اور اُن کی یادیں ہی باقی رہ گئی تھیں۔ بلکہ موت ایک روایت باقی رہ گئی تھی۔

مرگ انہما۔۔۔ وہ اس آخری روایت کو بھی ہار کر دینا چاہتا تھا کیونکہ وہ آخری آدمی تھا۔ اور نیز مرگ انہما اُس شخص کے لیے تھی مگر اُس شخص کا نام وہ نہیں جانتا تھا لاکھ اس کی ہر خصوصیت سے اُسے متعلق آگئی تھی۔ سناٹوں کی خوشبو کا مالک۔۔۔  
سورجوں میں ڈوبے ڈوبے لگا ایک چمک چٹا۔ اُس کے اعصاب پر شدید دباؤ تھا۔ گڑبڑ پر بیٹھے بیٹھے اُسے سکون کا احساس نہ ہوا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ آہستہ آہستہ کمرے کے اُس دروازے کی

طرف بڑھنے لگا۔ وہ خواب گاہ میں محسوس تھا۔ بستر تک پہنچنے پر اس کوئی دشواری نہیں ہوئی۔

وہ بستر پر لیٹ گیا۔ اس کا جسم کھردر رہا لیکن وہ صلیب نما جسم میں یکساں پوشیدہ تھیں۔ ایسی یکساں جن کا کٹر دل پر براہ راست شیطان کے ہاتھ میں تھا۔ روایت پسند پر مباحثات کی طرف مڑ گیا۔ اس کی بے زور آنکھوں میں کالج کی گولیوں جیسی چمک تھی۔ اُسے وہیں ماضی کی یادوں سے غبار آلود ہونے لگا۔ اُسے اپنے کانٹوں کی یاد آ رہی تھی۔ اُسے سونے سے بھرے ہوئے وہ معبد یاد آ رہے جہاں لوگ دیوتا کو ٹھینٹ دینے کے لیے آتے تھے۔ اُسے استاد یاد آ رہا۔ جو مرتے وقت اُس سے وعدہ لے رہا تھا کہ مرگ انہما کی تکمیل کرنی ہے۔

وہ اپنے آرام دہ بستر پر دراز ہو کر تار تار۔ وہ اصول اور با۔۔۔ اور وہ روایات میں کاغذی اُس کے آباؤ اجداد سے تھا۔ اُسے تعلیم دی گئی تھی کہ معدوم کام کرے۔ اس لیے درہماب میں واقع اس کی حفاظت بے حد ضروری ہے۔ اگر معدوم بنا کر دیا جائے تو تباہ ہو جاتا ہے اس کے کانوں میں اپنے استاد اور محترم باپ - اتفاقاً گونجنے لگے۔

”سنو بیٹا! تھیں مرنے والے مرگ انہما، کھلے ہمارے اُس سے اُٹھنا۔ یاد رکھو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تمہاری روح دنیا میں اُٹھو تو سب کی اور اُسے کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ اُس نے مرگ انہما کی روایت کا سبب بڑی خوش اسلوبی سے نبھایا تھا۔ اسے لاشوں کا وہی شکر، جو اس کے آباؤ اجداد نے اپنی تھیں جو کچھ دیا لیے تھا۔ اُسے زمین میں دفن کر دیتا تھا، جو کچھ بھرتا، اُسے سا ٹھکانا تھا اور زندگی ختم ہونے کے بعد سرکٹ لٹاؤں میں سما لیتا تھا۔ یہ ان کی سیکرٹوں میں ایک ہزاروں سال پرانی روایت تھی۔ مہاتما دینا بے حد خوش تھے اور اُنھوں نے اس کے بزرگوں کو بہت اُمتان تھا۔ لیکن اب شاید دینا بے حد سے مڑ گئے تھے۔ اُس کی کہیں تیزی سے بہت دیر تھی اور آخری سانسیں قریب تر آ گئی تھیں۔ غارت سناٹوں کے بہت کو تلاش کرنے میں ناکام رہا تھا۔ یہی وہ دیوتاؤں نے اُس سے اُس کی آنکھیں جھپکنی تھیں۔ اس میں کوئی نہیں کہ اُس نے اپنے عقائد کے پرچار میں بڑی مستعدی دکھائی۔ شدید محنت کی تھی جس کے نتیجے میں اس کا مذہب دنیا کے ہر ملک میں پھیل گیا تھا۔ چین، جاپان، کوریا اور روس رومانیات اور دنیا میں اس کے پیروکاروں کی تعداد ہزاروں ملک پہنچ گئی تھی۔ یہ اس نے سناٹوں کو تلاش کر کے جوگن و غلظت بھرا تھا، اُس کی سزا ہے

میں تھی۔ اُس کی آنکھیں اس کی بنیادی ختم ہو گئی تھی۔ اور اب زندگی کی سانسیں بھی قریب ختم تھیں۔ اُس نے اندھے ہونے کے بعد اپنے معدوم سے سونا نکالنا شروع کر دیا۔ اس سونے کو وہ بے دریغ خرچ کرنے لگا۔ لیکن سناٹوں کا کہیں شراغ نہ مل سکا۔ کبھی کبھی تو اُسے یوں محسوس ہونے لگتا تھا جیسے سناٹوں اُس کی دسترس سے پہلے ہی موت سے بکھر رہے ہو چکا ہے۔ جیسے مرگ انہما کی تکمیل سے پہلے ہی موت اُسے نکل گئی ہے۔ لیکن اب وہ اس کے سامنے تھا۔ وہ اس سے بہت قریب پہنچ چکا تھا۔

اس نے بے چینی سے کڑھت بدلی۔ وقت گذرنا بدلی گیا ہے۔۔۔ ہر چیز بدلی گئی ہے۔ اب وہ اپنے ہاتھوں سے مرگ انہما کی تکمیل کرنے سے قاصر تھا۔ اُسے اپنے چند بچے کچھ آدمیوں پر انحصار کرنا پڑ رہا تھا۔۔۔ کجاہ قواس کے اپنے آدمی بھی قریب الختم تھے۔ ملک ناخون والے آسب تیزی سے دنیا سے اُٹھنے جا رہے تھے۔ تین تو سناٹوں کے ساتھی ہی نے ہلک کر دیے تھے وہ اپنی بے بسی پر کراہ کر رہ گیا۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا۔ اس کی بے زور آنکھیں اس کی ہتھیلیوں کے نیچے اُٹھ رہی تھیں۔۔۔ وہ مسک رہا تھا۔ وہ اپنے دیوتاؤں اور اپنے بزرگوں کو یاد کر کے رورہا تھا۔ ان سے مدد کا طلب گار تھا۔

کالی دیوتا اس نے چہرے سے ہاتھ اٹھائے تو اس کا چہرہ ایک نئے عزم سے سرخ ہو رہا تھا۔ ”سناٹو۔۔۔ سناٹو۔۔۔ مرگ انہما کے لیے تیار ہو جاؤ۔“ اس نے کہا اور کڑھت سے کہ آنکھیں بند کر لیں۔



ٹائیگر نے آرزو کی طرف دیکھا۔

وہ صبر پر دراز تھی۔ اندر اندر آنکھوں سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ جب سے خوفزدہ حالت میں ان کے پاس پہنچی تھی ٹائیگر نے سخت کی خاطر اُسے اپنے ساتھ رکھ لیا تھا۔ لیکن وہ بلی کی دل میں تیرا جزو تھا کہ آواز اُس کی آواز سے ہر دہری کا اظہار کر گئی نہیں کرتا۔ اس کا رویہ بے حد تعجبک آئینہ تھا۔ ٹائیگر جانتا تھا کہ آواز اُس کا یہ رویہ ہمیشہ دشمنوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ آواز کا باپ، بہرام کا ایک کارکن تھا۔ اس کی موت بے حد شگاف انداز میں واقع ہوئی تھی۔ وہ اپنی آنکھوں سے اس کی تدفین دیکھ رہا تھا۔ اس کے بعد لڑکی کی سالن مرخ لیا ہوا دل والے دشمنوں کے پیڑ و حار ناخون کا شکار ہوئی تھی۔ اس کی لاش بھی اس نے اپنی آنکھوں سے

دیکھی تھی۔۔۔ اب صرف یہ لڑکی باقی تھی۔ اس کی ایک اور سہیلی تھی جسے اتفاق سے اس کے باپ نے اعلانِ تیسرے لیے بیرون ملک بھیج رکھا تھا۔ اگلے ہی دن ایک تنہا لڑکی سے ہمدردی و مروت کا شہزاد کے نزدیک سراسر زیادتی تھی۔۔۔ اور خفا اس طور سے اس وقت تو یہ ایک ظلم بھی تھا جس کا لڑکی نے انتہا سہیل اور جوان تھی۔ آرزو نام ہی کی نہیں، شکل و صورت اور سراپا کے اعتبار سے بھی ایسی لڑکی تھی کہ اُس کی آرزو کی جاسکتی تھی۔

ٹائیگر نے آرزو کی آمد کے بعد بہرام سے رابطہ قائم کر کے اس لڑکی کے بارے میں اطمینان کر لیا تھا۔ وہ بھی کبھی آزیت کی لڑکی میں مبتلا تھی اور نہ ہی اس کا تعلق کسی نجوم گرہ سے تھا۔ وہ ایک صاف ستھری اور ذہین لڑکی تھی اور اس کا تعلق بہرام کے ایک کارکن سے تھا جس کی کارکردگی بے مثال تھی۔

ایک جاگت آوشان کمرے میں آیا اور لڑکی کے قریب جا کھڑا ہوا۔ اس کی پیر متحرک آنکھیں آرزو پر جمی ہوئی تھیں اور ٹائیگر نے اس پر ہر ہاتھ کا آخر وہ اُسے تنگ کی نگاہ سے کیوں دیکھتا ہے اس سے پہلے کہ ٹائیگر، آوشان سے کوئی سوال کرتا، آوشان پشاور اپنے کمرے میں چلا گیا۔

ٹائیگر نے ایک دھماکے سے درباری دروازہ بند کر دیا۔ اس نے پیدل آرزو کی طرف دیکھا تو اُس کی آنکھوں میں ابھیں تیری محسوس ہوئیں۔

”یہ لڑکی کیا کچھ پسند نہیں کرتا؟ اُس نے تیرے میں پوچھا۔  
”خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرو۔ اگر کوئی ایسا شخص پسند کرنے لگے تو میں فوراً ہی خود کشی کروں گا۔ شہزاد نے مسک کر کہا۔  
۔۔۔ پھر اس کی طرف جھک گیا۔ اس کی آنکھیں ایک جاگت ہی تھیں۔  
ڈوبی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ ”جاگت ہو، آرزو۔۔۔ میری آرزو کیا ہے۔۔۔ اگر تمہارے چہرے پر بخیر سے مجھ سے اُن گنت کلمے ہوتے تو۔۔۔“  
”تو کیا۔۔۔؟ آرزو ششدر رہ گئی۔

”تو تمہاری مثال ایک ایسی رات سمجھتی ہوئی حبیب آسان پر ہر طرف ستارے ہی ستارے چمک رہے ہوتے ہیں؟“  
آرزو ہنس پڑی۔

اس کی ہنسی میں موسیقی کی آمیزش تھی۔۔۔ ایک ایک وہ غنیفہ پھر اداس اور اگلی سی ساعت رودینے والی ہو گئی۔ اس کے چہرے کے بدلنے ہونے تاثرات ٹائیگر سے پوشیدہ نہ رہ سکے۔ وہ بھی فوراً ہی غنیفہ ہو گیا۔ آرزو۔۔۔ اس نے غصے سے آواز میں کہا۔ کیا تم

”اوہ... اس نے کہا ہو گا کہ وہ دراصل بہت اچھے نکھتا ہے

... ہے، نا؟“

”نہیں... اس نے نقل کے بارے میں باتیں کی تھیں، اگر وہ

کی آواز گلاب کی تھی، تو اس کی طرف سے منظر ہونا چاہیے، شہزادہ“

یہ سن کر ٹائیگر بلیکس بھپکا کر رہ گیا۔ بات ہی اتنی عجیب

تھی کہ اس کا یار ہونا کا تھا۔

”نہ جانے کیوں، مجھے اس سے خوف محسوس ہوتا ہے، شہزادہ“

آرزو کہہ رہی تھی۔ میں سمجھتی ہوں کہ وہ تجھ کا پیٹھ پیچھے کی منصوبہ بندی

میں مصروف ہے۔“

ٹائیگر بلیکس بڑا۔ اس نے اس بات پر ناک کے سامنے لیوں

ہاتھ نہ رہا جیسے کسی بگھی کو آڑا ہو... بھیدہ دروازہ عقب میں بند

کرنا ہو اور دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

اس کے جاتے ہی آرزو کے چہرے کے تاثرات دکھایک

بدل گئے، اب وہ مسکرا رہی تھی اور اس کی مسکراہٹ میں بڑی ہی

طمانیت تھی۔ نہ جانے کیوں اس کا دل خوش گوار انداز میں دھڑکنے

لگا تھا۔ اسے کامیابی بہت قریب محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے ٹائیگر

سے باتوں باتوں میں جو کچھ بھی معلوم کیا تھا، اس سے اسے پابند

لگاتے ہیں کوئی دشواری نہیں ہوئی تھی کہ کسی شخص کی اسے درحقیقت

تلاش ہے، وہ ان سے ملنا چاہتا تھا۔ وہ سب سے پہلے اسی کو

قتل کرنا چاہتی تھی... اس کے بعد ٹیڑھے اوشان کی باری تھی...

اور سب سے آخر میں ٹائیگر کو قتل کرنے کا منصوبہ اس کے ذہن میں

تیزی سے ترتیب پا رہا تھا اس نے سوچا کہ اپنے نسوانی ہتھیاروں

سے کام لے کر شہزادہ کو رام کرے گی اور پھر اسی کے ہاتھوں بوڑھے

کومر وادے کی اس سلسلے میں اس نے پہلی بات کر کے اپنی والدیت

میں شہزادے کو دل میں بوڑھے کے بارے میں شبہ پیدا کیا تھا...

اور اب اسے اس کے در قتل کا انتظار تھا۔

ہرگز نہ ہوا تو اس پر پگھلا تھا۔ وہ ایک ایک کپ اور ایک

ایک ساعت گرن گرن کر گزار رہی تھی جب سے اس نے اپنے باپ

کی لاش دیکھی تھی، اس کی شبیہ آرزو کے ذہن پر نقش ہو کر رہ گئی تھی

اور جب بھی کھلی شہادت اختیار کرتا تھا، یہ شبیہ اس کی نگاہوں کے

سامنے ختم ہو جاتی تھی۔ اسے اپنے باپ کی اس مرنے والی تصویر سے

خوف نہیں آتا تھا بلکہ اس نے انتقام لینے کی جو حکم جاری تھی، اس

میں مزید استحکام پیدا ہو جاتا تھا۔

وہ جب سے ٹول میں ان لوگوں کے ساتھ غم تھی، اس

دوران میں ایک بار بھی شہزادے اسے میل نگاہ سے نہیں دیکھا

جاتی ہو، ہمارے والد کو کبوں قتل کیا گیا تھا؟

دل کی نے بلیکس چپکا کر اس کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں

سے دو آنسو ٹوٹ کر رسابوں پر ٹھہک آئے۔ اس نے سر کو مٹائی

جنبت دیکھی اور اس کے لب سختی سے جھنجھکے رہے۔ یوں نگہ ہاتھا

اگر بلیکس ٹول میں وہی جونی ان گنت سکیاں، بل پڑیں گی۔

اس نے منہ چھپا لیا اور رونے لگی۔ اس کا دل شدت

سے بھر آیا تھا۔ ٹائیگر ایک بار پھر اسے تسلی دینے لگا... لیکن محض

باتوں سے اتنے بڑے غم کا بوجھ نہیں بٹ جاتا کرتا۔

”مجھے بتاؤ آرزو... کیا تم نے کوئی غیر معمولی بات محسوس کی

تھی؟ اس نے بڑی ہی گلاؤں بھری آواز میں سوال کیا۔ یہ پوچھ آرزو

جیسی دوسروں کو بلکان کرنے کے لیے کہی تھا۔ آرزو بھی لرز کر رہ

گئی لیکن اسے اپنے آپ پر نہ جانے کیا تھابت تھا کہ ٹائیگر کے لیے کا اثر

فوری زائل ہو گیا۔

”نہیں... میں نے کبھی کوئی غیر معمولی بات محسوس نہیں کی

تھی، وہ آنسوؤں سے چھلکی ہوئی آواز میں بولی، ”شہزادہ، مجھے وہ

شخص یاد ہے، جو باپ کی تدفین کے موقع پر آیا تھا؟“

”ہاں... ہاں ٹائیگر نے جواب دیا۔

”کیا وہ سیاں آتا جاتا ہے؟“

”کبھی کبھی... کیوں؟“

”وہ بہت عجیب آدمی تھا، اسے یا آرزو نے عجیب سے لمحے

میں کہا۔

”یہ دنیا ہے، یا برسی اور سیاں ہر شخص دوسرے کے لیے

عجیب اور ناقابل فہم ہے... لیکن میرا مشورہ ہے کہ تم کم از کم اس

شخص میں کوئی دلچسپی نہ ڈالو، بہتر ہے۔“

”وہ کیوں؟ آرزو کا جواب بھی عجیب تھا۔

”اس لیے کہ وہ کسی ناقابل فہم لمحے کی پیدائش ہے، خود میں

بھی اسے اچھی طرح نہیں سمجھ سکا ہوں، تاہم ایک شہر ہے جو میں

جواب دیا۔

”اور تم اس بوڑھے کو کس حد تک جانتے ہو؟“

”جسامت کے اعتبار سے اس ناٹوں سے بوڑھے کی حدیں

ہی کیا ہیں؟“ ٹائیگر نے کہہ کر سن بڑا، ”لیکن مجھے بھی میں اسے کافی اچھی

طرح جانتا ہوں، تم نے یہ سوال بول کیا؟“

”اس نے مجھے اپنے کام کے بارے میں تھوڑی بہت باتیں

بتائی ہیں۔“

مقاہلہ نکلے دولوں نامہ معنایسی کشش کے باعث ہونٹوں کے

گلاب ایک دوسرے کو متعلق کر چکے تھے۔ ابھی تک اس کے ذہن

میں بیانیہ وجود تھا کہ شہزادہ اس کے باپ کی موت کا ذمہ دار ہے۔

اب بھی وہ اس احساس سے بچھا نہیں تھا، اس کی تھی کہ بوڑھا اوشان

اس کے باپ کا بدترین دشمن تھا۔ ایک بار بھی اس کے ذہن میں

یہ بات نہیں آئی تھی کہ اگر ٹیگر اس کے باپ کے قاتل میں

قراخون نے اسے اپنے ساتھ رہنے کی اجازت کیوں دی ہے؟

اس کو تو دن رات بس ایک ہی تصور پریشان کرتا تھا... باپ

کی موت کا تصور جو اکثر وہیشہر تحسیر اختیار کر کے اس کا ذہن باقی نام

خیالوں کی طرف سے ہٹا دیتا تھا۔

”میں شہزادہ... اوشان... اور ان کے تیسرے ساتھی

بہرام کو قتل کروں گی، یا اس نے تمہیں کو قتل کر دیا ہو گا اور

انہیں بند کر کے اپنا جرم مہدی پر دھیل دیتا ہو گا۔

\*\*\*

چارلی کی نگاہ اپنے سامنے رکھے ہوئے جام پر جمی ہوئی

تھی۔ اس نے ان لوگوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جو کمرے میں

آکر اس کے قریب کھڑے کیوں پر بیٹھ گئے تھے، اس لیے جام

اٹھایا اور اپنے منہ کی طرف لے گیا۔ اس دوران میں دوائے ناخن

کی طرف سے بے حد محتاط رہا تھا۔ یہ ناخن بے دھیانی میں اس

کا رخسار بھی زخمی کر سکتا تھا۔

چارلی طبیعت کے اعتبار سے ایک پیدائشی لیڈ تھا۔

اسے دوسروں پر حکومت کرنے کے خیال ہی سے لذت حاصل

ہوتی تھی اور اس کی زندگی کا بیشتر حصہ اسی ہی کسی حکومت کے

خیالوں میں ڈوب کر یا اس کے لیے جدوجہد کرنے ہوئے گزر گیا

تھا۔ اسکول کے زمانے میں بھی وہ لوگوں کی ایک پادری ترتیب

دے کر لیڈ بننے کا شوق پورا کرتا تھا۔ گویا یہ اس کی بچپن کی

ایک خواہش تھی جسے شرمندہ جمیل ہونے کے لیے ابھی آؤ وقت

درکار تھا۔

وہ ایک پیشہ ور قاتل تھا۔ یہ کام اس نے تھوڑے ہی عرصے

قبل شروع کیا تھا اور زیر زمین، غیر قانونی گروہوں میں کرام برپا

کر دیا تھا۔ اتفاق سے تین کویرین اس کے دوست بن گئے تھے۔

ان لوگوں کو ساتھ ملا کر اس نے باقاعدہ قتل و غارتگری شروع

کر دی تھی اور یوں اس کے ہاں دولت کے انبار بننے لگے تھے۔

طاقت استعمال کر کے وہ اس دولت کو حاصل کر رہا تھا جسے

کمانے کے عجب کر کے وہ تنگ گیا تھا۔ اتفاق سے اب تک

جتنے بھی کام ملے تھے وہ ان کو رین دوستوں کی وجہ سے ہی ملے

تھے۔ چارلی قاتل مزید تھا لیکن اسے صرف زندہ انسانوں کو

ہلاک کر کے خوشی ہوتی تھی کیوں کہ اس طرح اسے معاوضہ ملتا

تھا... جب کہ اس کے میٹوں ساتھی ایک عجیب از نا قابل فہم

عقیدے سے وابستہ تھے۔ وہ قتل کرنے کے بعد لاش کا سر کاٹ

دیتے تھے اور سیدھا چاک کر کے اندرونی اعضا نکال کر زمین میں

دفن کر دیتے تھے... پھر سر کی لاش کسی درخت سے لٹکا دی

جاتی تھی۔ چارلی کو لاشوں کی اس قطع و برید سے بڑی نفرت

تھی لیکن اس نفرت پر دولت کی چمک حاوی ہو جاتی تھی۔ اسے

صرف اور صرف دولت سے مطلب تھا۔ اس کے دوست کس

عقیدے کے تحت یہ سب کچھ کرتے تھے، اس سے اسے کوئی

وجہی نہیں تھی۔

ابھی حال ہی میں انھوں نے ہارون نامی ایک شخص کو

قتل کیا تھا۔ اس سلسلے میں چارلی کو کافی دولت مل چکی تھی

لیکن لاش کی حالت دیکھ کر کئی روز تک اس کا مڑھ تراب رہا تھا۔

اس نے داد کا کہ جام سے آخری گھونٹ لیا اور اس کاغذ

پر نگاہ جمادی سے اس کا کو رین دوست لایا تھا۔ اس کاغذ پر

کی کارکردگی کو تفصیل سے بیان کیا گیا تھا۔ یہ ہدایات ان کے

کو رین لیڈ کی جانب سے لکھوائی تھی تھیں اور چارلی کو ان کی

پابندی کرنا تھی... اس نے کاغذ کا مطالعہ کر کے اسے

جام تلے دبا کر رکھ دیا اور پٹ کر بلا ٹھیک ہے۔ یہیں شروع کر

دینا چاہیے؟

یاٹ سین، شینگ، کوٹالی، گلوک اور برگ نامی افراد

اس کے کمرے میں رہا تھا۔ اور ان سب کی نظریں اس پر

جمی ہوئی تھیں۔ چارلی نے بسر کے قریب کھڑے ایک چھوٹی بونکر

دار سے چند کاغذات نکالے۔ اداں ساتھیوں میں تقسیم کر دیے

کاغذات بانٹ کر وہ طیس اپنی میز پر آیا اور باجم تیار کرنے میں

مغور ہو گیا، اس دوران میں اس کے ساتھی کاغذات کے

مطلعے میں ڈوبے رہے۔

”یہ ہمارے آئندہ کے پروگرام کی تفصیل ہے۔ چارلی نے

پہلا گھونٹ لے کر احتیاط سے نگاہ رکھتے ہوئے کہا۔

اچانک کمرے میں جو خود افراد ہیں سے کسی کے حلق سے

کراہ نکل گئی۔ پھر وہی... اس شخص نے احتجاج کرنے والے

انہیں کہا۔

چارلی نے بولنے والے کی طرف دیکھا۔ یہ کوٹالی تھا...

شخص شہر سے اس کے ساتھ تھا کیا بات ہے ڈیڑھ چارلے نے پوچھا کیا تم خوف زدہ ہو؟  
 "خوف زدہ" مائی ڈی... یونٹوئی غائب! اس ایک مہینے میں ہمیں چار بار قصابوں کے سے اغاز میں کام کرنا پڑا ہے۔ چارلے نے اس اجتماع پر کندھے جھٹک دیے اور بے بندی سے بولا بات یہ ہے کہ کوئی ایسی صورت حال اپنے قابو میں کرو۔ یا پھر صورت حال خود تم پر قابو پالے گی یہ ایک اتفاقی اصول ہے۔ اس نمونے جواب پر کمرے میں سناٹا مچا گیا۔ ہر شخص دوبارہ کافدات پر جھٹک گیا۔ اس خاموشی کے لمحے میں چارلے اپنے ناخن کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ایک مصنوعی ناخن تھا۔ چارلے کے ٹک جھٹک لہا یہ ناخن اٹھا کر دیکھا اور اس نے اس ناخن کے استعمال کی فہم دور سے تربیت حاصل کی تھی۔ تب اس نے محسوس کیا کہ ناخن بے حد صہک رہا ہے۔ وہ اس کی بے حد ہر دایک کرتا تھا۔ ہر طرح اس کا کلباڑی کے کئی ڈھیسان رہ کر کرتا تھا۔ پھر اس کی کلباڑی کا تھا۔  
 "یہ کیا ہے؟" اہا ایک ایک آواز نے اسے پرکھا دیا۔  
 اس نے گردن موڑ کر وادی طرف دیکھی شینگ کاغذ کے زیر کی صفحے کی حیرت پر اٹھ کر ملے ہوئے دریافت کر رہا تھا۔ یہ کیا ہے؟ چارلے نے اپنا تیز دھار ناخن سامنے رکھے سب پر مارا اور اسے ناخن میں ڈبو کر اٹھایا۔ دانتوں سے غور ٹاسا سب کاغذ کاغذ کے چلتے ہوئے بولا "تم کسی چیز کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے ہو؟"  
 "یہ آخری جیسے میں سمجھا ہے کہ میں مزید وہاں میں کمرے سے بے شائبہ ہے۔"  
 "یقیناً... اور انھیں الگ الگ تیار کرنا ہے۔ چارلے نے اس کی بات مقلد کر دی۔ بالکل اس طرح جیسے ہم نے ایک شہر اور اس کی جوتی کو الگ الگ ٹھکانے لگا دیا تھا۔  
 یاٹ سین نے اس بار مدافعت کی یہ ایک مزوری ہے کہ ہمیں اس کاغذ میں مارا جائے؟"  
 "یہ لیڈر کی خواہش ہے۔ چارلے نے کہا۔ جو شخص معاونہ اور رتا ہے۔ ہمیں اس کے طریقہ کار پر عمل کرنا چاہیے۔"  
 "کیا ہم انھیں گولی مار کر ہلاک نہیں کر سکتے؟"  
 "ہرگز نہیں۔"  
 "انھیں ہم کھمکے سے کیوں نہ اڑا دیا جائے؟"  
 "بالکل نہیں۔"  
 "کیا یہ ممکن نہیں کہ ان دونوں کو کسی وزنی گاڑی سے جکس والا جائے؟"

"مگر اس بند کرو، چارلے جھٹکا، آخر کی مصیبت ہے ہر دو اور آدمیوں کی کو قتل کرنا ہے۔ تم لوگوں کی جان کیوں لگ رہی ہے؟"  
 "اس لیے کہ قتل کا بے دخلی کرنا اغاز ہے اور ہم اسے پسند نہیں کرتے۔ یاٹ سین نے کہا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے ہرگز اس کو موت سے بھگنا کر تھا اور اس وقت سے بنا ہوا جیسے لگے تھے۔ اس کی بات پر کمرے میں موجود تقریباً ہر شخص ہنس پڑا۔  
 یاٹ سین غصے سے لگا۔ "جو یہ نہیں بند کرو۔ نیا دہ تر کام میں ہر کوئی نہ ہوں۔ میری یہ ناخن والی انگلی جوں کی داخل ہو کر انھیں موت سے بھگنا کر رہی ہے۔ یہ تم لوگ مجھ سے کم معاونہ جیسے ہو؟"  
 اس پر خاموشی چھا گئی۔  
 "کیا تم اس کام سے الگ ہو رہے ہو؟ چارلے کا بوجھ بھر سخت ہو گیا۔  
 یاٹ سین چند لمحوں تک تو اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس کے ہونٹ بھترتی مسکراہٹ سے پھیل گئے اور اس نے فحش میں سر ہلایا۔  
 چارلے نے اس کی مسکراہٹ کے جواب میں بڑی فہم سے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا اور کہا۔ "اگر تم چاہو تو زبردستی سے استعمال کر سکتے ہو۔"  
 "اگر مجھے کئی موقع ملا تو میں یہ ناخن تم پر استعمال کرتے وقت دستانے استعمال نہیں کروں گا۔ یاٹ سین نے مذاق کہا۔۔۔ لیکن اس بات کا چارلے نے بہت شدہ یہ مطلب لیا۔  
 وہ کسی درندے کی طرح پلٹ پڑا۔ اس سے قبل کیات سین کچھ سمجھتا، چارلے کا فو لادی ناخن اس کی ناک پر اڑک گیا۔ چارلے غور کر دنگا جوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ مگر تم نے آئندہ ایسا مذاق کیا تو میں ایک ہی داریں تمھاری ناک کاٹ دوں گا۔  
 کمرے میں موجود تمام افراد کی سانسیں دگ گئیں۔ چارلے کا ہاتھ آہستہ آہستہ یاٹ سین کی ناک سے دوڑھٹ گیا۔ اس کے چہرے پر زردی پھیل گئی تھی۔ اس نے ٹھوکر لگی کر یاٹ سین سر ہلایا۔ یہی حدت چاہتا ہوں۔ اس کی آواز گونجی سے زیادہ مزہ نہیں تھی۔  
 "بہر حال دیباہی کام ہے، جیسا کہ پہلے بھی ہو چکا ہے۔ ہرگز نے فضا سا گھر بنانے کے لیے ہر ضرورت بدل دیا۔ وہ اس گروہ میں تازہ تازہ شامل ہوا تھا۔ اس نے ناشوں کی قطع دہرے بارے میں صرف سنا ہی تھا۔ ابھی تک عملی طور پر محض لینے کی فہم نہیں آئی تھی اور وہ چاہتا تھا کہ کوئی ایسا عملی مظاہرہ دیکھے۔  
 "الو... چارلے نے یاٹ سین سے نگاہ ہٹاتے ہوئے کہا۔

لگا کر کہیں مجھے حق کر وہ الگ الگ ہیں نظر جائیں... پھر نے جملے کی تعمیل اپنا لہر لہر کر۔ ہاتھ قوسی حالت میں لگھو یا تو بڑی ہی غورنگ سستا ہٹ پیا ہوئی۔  
 "اگر تم ایسا کرو گے تو تمھارے ہاتھ کچھ نہیں لگے گا۔ ایک رخصے میں گونجی اور ہر شخص جو ایک کر دواڑے کی طرف متوجہ یہ آواز انھوں نے پہلے بھی دو تین بار سنی تھی... اور اب غلوں نے جو کچھ بھی کیا تھا اسی آواز پر ایک کتے ہونٹے یاٹ ہٹ پیا تھا۔ یہ آواز اس شخص کی تھی جو لیڈر کی باتوں کو بے سنا تھا۔ وہ لیڈر کا دایاں بازو تھا۔ اسے ٹاپ ایکٹ آتھا۔  
 وہ دروازے میں کھڑا باری باری ایک ایک کا جائزہ لیتا۔ پھر وہ جیسے سچے قدم اٹھاتا اندر آگیا۔ غلبہ میں دروازہ وہ چارلے کے قریب آئینے تک کھڑا ہو گیا۔  
 "کیا تم جانتے ہو اس نوجوان نے میٹایشن میں کیا کیا تھا؟ لیڈر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ اس سے قبل کمرے پہنے ہوا لہر لہر کرنے کے لیے غصا میں بند ہو گئے، تمھاری ٹھوکر سے ہی ہاتھ پر کھی ہوئی نظر آگئے۔  
 "میں اور میرے دوست بچے نہیں ہیں۔ چارلے نے احتجاج کیا۔  
 "اگر تم نے ان وہاں وہاں کے سسلے میں اپنے خیالات نہ بدلے انھیں نورا تیزہ پھل کی طرح قتل کر دیں گے۔ مترجم نے سخت میں کہا اور میرے پاس سے ہٹ کر اس کا ڈھک کی طرف بڑھ گیا۔  
 رگھوک بیٹھا ہوا تھا۔  
 چارلے اس صورت حال پر اپنے خشک ہونٹوں کو زبان سے تر بہرہ کا۔ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ اس نے مترجم سے ایلٹ کیا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ لیڈر کیا چاہتا ہے؟  
 "سیر ہو رہا ہو چکا ہے۔ ٹاپ ایکٹ نے جواب دیا۔ ان ذہنی حالت روز بروز خراب ہوتی جا رہی ہے۔ اس کی باتوں سے تو لوگ محسوس ہوتا ہے جیسے سنا ہو کہ آخری بیٹا اطمینان سے سسلے لگا کر ہو کر نہیں کہے گا کہ کون ہے جہاں سے چاہو کاٹ۔ اس کے علاوہ اس کا خیال ہے کہ کسنا ہو کہ بیٹے کا ساتھ چارلے کا غلام ہے اور مجھے چاہیں گے اسے جھکانے لگوں گے۔ جی کا تو وہ نہیں ہے چارلے۔ میں جانتا ہوں وہ نوجوان دیوانہ لیکن ان دونوں کو دیکھ چکا ہوں۔ اس کے بعد مجھ کا اغازہ نہ کہ بہرہ لیڈر پر اگل ہو گیا ہے۔

"پھر کیا کیا جائے؟ چارلے نے دریافت کیا۔  
 "اس کی ایک صورت ممکن ہے۔ ٹاپ ایکٹ نے لڑا دارانہ لہجے میں کہا۔ میں لیڈر کو مطمئن کروں گا کہ جو کچھ بھی ہوا ہے اس کی مرضی کے عین مطابق ہی ہوا ہے۔ جیکو ہم دونوں کو اپنے طریقہ کار سے جھکانے لگائیں گے۔  
 چارلے نے اثبات میں سر ہلایا۔ "تم نے ان دونوں کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ناقابل تخیل قسم کی مشینوں کے مالک ہیں۔ ایسی صورت میں جھکا ہم انھیں بکے رستے سے شامیں گے؟  
 میں ان کی روم سروس کا جاننا لہر رہا ہوں۔ لیڈر کا دست راست مسکرا کر بولا۔ "یوٹھا سہرا غایاں کھانے کا شوقین ہے۔ اس کے علاوہ ان کے کمرے میں پھیل اور چارلے کے علاوہ کچھ نہیں جاتا۔  
 چارلے مسکرا کر ہاتھ روم کی طرف دیکھنے لگا جہاں ایک حسین و فہل انگلی نہا کر باہر آ رہی تھی۔ وہ آخری جلاس کرٹشک گئی تو چارلے کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔ "تم نے سن لیا عذرا... وہ لوہی سے مخاطب ہوا۔  
 "ہاں... میں سن چکی ہوں۔ اس نے مجھے دھوکا دیا تھا۔ وہ دبی ٹیڑھ نہیں ہے۔ یہ کہتے ہوئے اس کا چہرہ غصے کی زبانوں سے پورے صرخ ہو گیا جیسے ہم کو سارا خون چہرے پر سمٹ آیا ہو۔  
 "ٹاپ ایکٹ نے میکی اس عمارت سے کافی فاصلے پر چھوڑ دی۔ جہاں جانے کے لیے وہ گزشتہ رات ہی پروگرام بنا چکا تھا۔ اس بار اسے ایسی صورت حال کا سامنا تھا کہ اس کی عقل ضبط ہو کر رہ تھی تھی۔ اوشان کو اس نے زندگی میں پہلی بار خوف زدہ دیکھا تھا۔ اس نے جو کیا سنا ہی تھی وہ قدیم دور سے غفلت کھینچتی لیکن بڑے کا دل کھتا تھا کہ اس کا ایک ایک لفظ حقیقت پر مبنی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اوشان کے خوف کو بھی اجیت دینے پر مجبور ہو گیا تھا۔ وہ اب بے حد مستطاب ہو گیا تھا۔ عام حالات میں وہ جن باتوں کو خاطر میں لانے کا عادی نہیں تھا، ان باتوں پر خصوصی توجہ دے رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا محترم استاد اس کی غلطی کے باعث ہلاکت میں پڑے۔ اپنے قدیم دشمنوں کے سامنے اس کی نیکی ہو۔  
 اما کے دفتر کے باہر ایک گراڈ پل شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس

نے جب ہائیگر کو منہ اٹھانے والے دفتری طرف آتے دیکھا تو  
اکھٹھرا ہوا۔ وہ آدمی کہ اوگور پز زیادہ لگتا تھا۔ اس کے بطنی پوش  
میں وزنی دیوار لٹھی تھی جس کا دستہ چھانک رہا تھا۔ وہ خوشنوا شخص  
جب کھٹھرا ہوا تو ہائیگر کو گھٹا اٹھا کر اس کے جیسے کی طرف دیکھنا  
پڑا۔ اگر اس کے سر پر ذیل ڈھالی کوئی ٹوپی ہوتی تو وہ دیکھنا اس  
شخص کا چہرہ دیکھنے جیسے اس کے سر پر ٹکڑی ہوتی۔ اس نے  
اپنی رنگ میں اتنا طول و فراغت اور جیم آدمی نہیں دیکھا تھا۔  
تم کہاں جا رہے ہو؟ گراٹیل شخص نے اس پر پوچھے جیسے  
دور یافت کیا۔

”نذر... ناٹیک نے طینان سے جواب دیا اور پہلو ہچاکر نکل جانا چاہا لیکن گرامنڈیل شخص کے دونوں ہاتھ اُس کے کندھوں پر جم گئے۔“

مائیکے نے اس کے بازوؤں کا وزن محسوس کیا۔ عام آدمی ان بازوؤں کے وزن سے دھرا ہوا ہوتا تھا۔ اس کا چہرہ مزید ٹھیک آیا۔ کیا تمہارے پاس اندرجانے کی معقول وجہ ہے؟ کیا تم نے باس سے وقت لے رکھا ہے؟

”میرے پاس دو دنوں چیزیں موجود ہیں“ ٹائیکر نے جواب دیا اور آگے بڑھنا چاہا تو گرائڈیل ٹھنسنے اُسے دو بار روک لیا۔ اس بار نہ جانے اس کے تسم کے درمیان حصّے کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا تھا کہ وہ دونوں اچھے ٹائیکر کے کنہوں سے اُٹھ کر اپنے بریت پر رکھنے کے لیے مجبور ہو گیا۔ وہ آہستہ آہستہ فرش پر پیٹ پگیا۔ ٹائیکر کے بڑے غصّے سے جھنجھنے ہوئے تھے۔ اس نے گرائڈیل ٹھنسن کو کار سے ختم کیا اور دروازہ کھول کر سامنے موجود دروازے میں چلنے لگا۔ گوریل ناما آدمی اس کے عقب میں فرش پر گھسٹا چلا آ رہا تھا۔ فرش پر خوب پالش ہوئی تھی جس کے باعث وہ بے حد چمکتا تھا۔ اس چمکتا ہوتی وجہ سے ٹائیکر کو اسے کھینچنے میں کوئی قابل ذکر دشواری نہیں ہو رہی تھی۔۔۔ البتہ ایک معمولی سی دشواری اس کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔۔

یہ ایک نئے قد کا آدمی تھا جس کے پہلو سے دیو اور کا  
ہوٹر ٹھہر رہا تھا اس نے ایک اجنبی کو یوں آگے آتے دیکھا تو  
پوچھا کیا آپ مسٹر ہائسے مناجاہتے ہیں؟

ٹاشیگرنے بڑی خوش اخلاقی سے آیات میں سرسراہٹا  
 اومسکرانے لگا... لیکن اس کی خوش اخلاقی کا نہ اس کی یہ کہہ سکتے  
 تھے کہ اس آدمی کی نگاہ باؤی گار پیریم ہی تھی۔ اس کا دایاں ہاتھ  
 بجل کی سی تیزی سے ہولسٹ کی طرف پھیکا۔ وہ راپور دیکھنے میں کامیاب۔

نہ جیسا کہ سین اس کا ٹائیگر دبانے کی فرصت ہمیں ملی کیونکہ اگلے دن  
ساعت اُسے دونوں ہاتھوں سے اپنے جیڑے تمام سینا پر غلط  
ٹائیگر نے مسکرا کر اُس کی طرف دیکھا۔

بڑا ہی دلچسپ منظر تھا۔ جو ریلواری اس نے ٹائیگر کو کھانا  
کے لیے لے نکالا تھا۔ وہ اب اس کے منہ میں دبا ہوا تھا۔ اس کے  
دانت آہنی نالی جڑ گئے تھے اور جڑے گویا وہیں پدھام پھرد  
گئے تھے۔ وہ جڑوں کو حرکت نہیں دے سکتا تھا۔ اس لیے اس  
کے دانتوں کی گرفت ریلواری پر کم نہیں ہو سکتی تھی۔ تین  
کے منہ سے خون جاری ہو گیا تھا۔

یہ ایک اس نائے قد کے آدمی کی آنکھوں کے سامنے لگی  
پھیل گئی اور وہ زمین پر ریا رہے۔ اُس نے آہستہ آہستہ ٹھنڈوں کے بل  
جھٹکا چلا گیا حتیٰ کہ اس کا سر بائیکر کے دونوں ٹھنڈوں کے درمیان  
سُس ہوئے لگا۔ ٹانیاں گرنے لگیں۔ دھڑ دھڑا کر اس کا جی کار ختم ہوا۔ اور  
سے دوسرے ہاتھ سے گھسیٹا تھا۔ اُس کے ہاتھ نے لگا۔

اُس کا رخ اس دفتری تحاسن پر ہما کی غم پریدے لگی  
 ہوئی تھی۔ وہ ہما کے دونوں گروں کو کھینٹتا ہوا سیدھا دفتر میں  
 جا کھٹا۔ جیسے ہی دروازہ کھلا اور ہما کی نگاہ اس پر پڑی، وہ ہانک  
 پڑا۔۔۔ اور پھر جب اس کی نظر اپنے اُن آدمیوں پر پڑی جنہیں  
 وہ کئی کئی آدمیوں پر بھاری کھینٹا تھا تو وہ اچھیل کر کھڑا ہو گیا۔ ایک  
 لمحے کے لیے اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئیں، دوسرے لمحے  
 ان میں غصے کی جھلک پیدا ہوئی اور تیسرے لمحے اس کا چہرہ وہ  
 سے زرد پانچوڑ بن گیا۔ اس نے دو تین لمحوں میں جو ذہنی کیفیات  
 بدل گئیں، ان سے نامعلوم کو اندازہ ہو گیا کہ وہ بے حد شرمیل اور اپنا  
 شکم کا آدی ہے۔ اس نے گراڈبل شخص کو میرے کہ ایک طرف اور  
 دوسرے کو میرے کہ دوسری طرف ڈال دیا اور خود میرے کہ ایک طرف اور  
 ہما کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

ہاماکے ہونٹ مرطوب تھے لیکن چند ہی ساتوں میں اس نے  
 اپنی خنکی پیدا ہوئی کہ پیریاں نلک دکھائی دینے لگیں۔ اس کے ہونٹ  
 نہیں پورے جسم کی سب سے بگڑاؤں کی طرح کانپ رہے تھے۔  
 ”ت... تم... تم کو من ہو جاؤ اس نے تنھو زنگ رکھتی چلی  
 آواز میں لوچھا۔

فائیکر کا ہاتھ آہستہ آہستہ اُگے بڑھا اور اُس نے اُسے  
بیابان سے تھام لیا۔ دوسرا ہاتھ کب حرکت میں آیا اور کب اُس  
بیک سپل ٹوٹ گئی، اس کا نام کو تیرہ چلا جب تکلیف کی  
کایک اچھی اور اس کے یور سے بدن میں کسی زبردست زخم کا فوج

پھینتی چلی گئی۔ اس کا منہ چپینے کے لیے کھلا لیکن تکلیف کی زیادتی کے باعث آواز نہ نکل سکی۔ وہ ماہی بے آب کی طرح منہ کھولے اور بند کرنے لگا۔ اس کا مچھوٹا اور پکپکا ہوا زفرہ صاف نظر آ رہا تھا۔

”کم... مجھے... جان سے مت مارو... مجھے وضاحت  
کرنے دو، کچھ دیر بعد وہ قدرے سنبھل کر بولا۔

”ٹھیک ہے، ہاں تیرے لیے کہا۔ وضاحت کرو۔“  
 ”مم... میں نے جب کالی کامال تیار کر دیا تھا... مم... میں  
 میں سوچ رہا تھا کہ اگر کسی وجہ سے اس میں تاخیر ہو گئی تو تم واپس  
 درو لو گا۔۔۔ تم یہ بات جب کالی سے کر سکتے ہو؟“

”جیکالی... ٹائیگ نے دہرایا۔ وہ کون ہے اور میں اس سے کہاں مل سکتا ہوں؟“

ہامانے حیرت سے پہنچ کر تانگیگ کی طرف دیکھا۔ بیچرے عین  
دکڑنے والے انداز میں نہیں بڑا جہنم بڑے ہی زناہ دل آدمی ہو  
دوست! اُس نے دانت نکال کر تانگیگ کو رام کرنے کی کوشش کی  
لیا تو یہ سمجھتے ہو کہ میں اب قریب کو بھی نہیں پہنچا تھا۔ میں نے نہیں  
دیکھتے ہی یہ بیان لیا تھا!

”مغرب...“ ٹائیگر کی آنکھیں سبز گئیں ”یہ کون ہے؟“

اس کے اندر میں ذرا سی بھی بناوٹ نہیں تھی اب بابا کو محسوس تھا کہ کہیں اس سے کوئی ناخوش غلطی تو نہیں ہوگئی ہے کہیں اس نے پہلے ہی سب کچھ تو نہیں بک دیا وہ ایک نریک آدمی تھا کیونکہ کیا نیک نیت آدم کا نظریا تو خفاک تھا کہ وہ اپنی سوچ بوجھ پر برقرار نہیں رکھو۔۔۔ پھر اس کی ٹوٹی ہوئی سیسلی سے جو درد کی آہیں ٹھہری تھیں، انھوں نے اسے الگ بلکان کر رکھا تھا۔ تاہم زندگی بچانے کے لیے ایک آدھ ہلکی سیسلی کا تقاضا اس کی ضرورت ہوئی تھی نہیں رکھتا تھا۔ اس نے صورت حال کی نزاکت کے تحت سوچنے کے لیے کچھ بہت حاصل کرنے کے لیے اپنے دونوں ٹوپوں کو طرف دیکھا۔

وہ مردہ چھپکڑیوں کی طرح بے سحر ہونے لگتا تھا۔  
 ”کیا... کیا یہ میرے بچے ہیں؟“ اس نے ہلکا کر دریافت کیا  
 ”اگر یہ جوش ہیں انے کے بعد جانی سارے قوم کہیں قوم انہیں لے  
 اذنیوں مرنا ہی پڑے گا، ہلائیگی لے شفاک ایچ میں کہا۔

• مل... لیکن تم نے ان مدعوں کو کس طرح جسے پس کر لیا ہے؟  
اس نے تعریفی انداز میں ٹائیدنگ کی طرف دیکھا لیکن وہ اس  
وقت اپنی تعریف و توصیف سننے کے لیے نہیں آیا تھا۔ اُسے کو محض  
تعلق سے ہی دو ایسی ہستیوں کے نام معلوم ہوئے تھے، جن کا

خمر غزلگانے کے لیے وہ سبیاں آیا تھا اگر ہمارا اس قدر بوجھ نہ رہتا تو شاید وہ اتنی جلدی نہ مانتا بھی۔ بان پر نہ لانا۔ بانگر نے محسوس کر لیا کہ ہمارا کوئی غلطی کا احساس ہو چکا ہے۔۔۔ اور وہ سوچتے کے لیے مہلت چاہتا ہے۔۔۔ لیکن وہ اسے کوئی مہلت نہیں دے سکتا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو اسے ہمارا کو بوجھ کھٹ میں مبتلا کرنے کے لیے اتنا دھرم مار کرنے کی جھلکا ہی ضرورت تھی۔

اچانک ہاما کا ہاتھ میز کے کنارے پرنٹک گیا۔ اندازاً ایسا ہی تھا جیسے وہ میز کا سہارا لینا چاہتا ہو۔۔۔ لیکن درحقیقت اس کی نشئی جوئی انگلی الارم کے ٹپن کی طرف بڑھ رہی تھی۔

معا ایک جھکا کر اور ایک تار ہما کی انھوں کے سامنے  
 بھونکنے کا۔ ”تم اسی کو ٹھول رہے تھے، نا؟“ ٹائپر کا ہوجور نہ کیا  
 بھر اور پھر ”سنو۔۔۔ اب تم جلدی جلدی پورنا شروع کرو ورنہ۔۔۔“  
 اس کا دایاں ہاتھ اہستہ اہستہ اٹھنے لگا لیکن اس کے ہاتھ کی حرکت  
 سے سوگنا زیادہ تیز رفتاری سے ہما کی زبان چل پڑی تھی۔  
 ٹائپر نے سکرٹارہ اور اس کی بیانی جو بی باتیں، ذہن نشین  
 کرنا رہا۔

☆☆☆

اوشان کسے کے وسط میں بیچھا کر رکھنے میں مصروف تھا۔  
 دُعا جانے کیوں کچھ ترسے ہے اس پر خدا اور نوسی کا محبوبت  
 حصار ہو گیا تھا۔ وہ دُعا جانے کا کیا افسانہ تھا کہ کبھی کبھی شایگر کوستانے  
 چھڑا تھا اوشان شایگر مرنے کی حد تک بڑھ کر ہونے لگا تھا... یہیں  
 سے بھی اوشان کی دل آزاری نہیں کی تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ اوشان  
 رکھا ہے جس تبتائی کے جو کلمات کاٹ رہا ہے۔ وہ بڑے ہی اذیت  
 ک میں۔

نابینگر کی طرف سے خاطر خواہ داد دینے پر اب آؤشمان سرخ  
 لہا تھا کہ اپنا تازہ ترین ڈراما لکھنے کے بعد وہ فرن پر مہم کرکھٹے  
 وہ دن سن سے اسی میں لگا ہوا تھا لیکن اس کی تمام تر حسدیت  
 بیدار تھیں۔

بظاہر وہ گرد و پیش سے بھر گیا تھا۔ لیکن درحقیقت وہ ایک ایک چیز محسوس کر رہا تھا، بالکل اس انداز میں جیسے وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو۔ اس کی سیات نے بتایا کہ بند رووازے سے لے کر آسمان تک ہر چیز کوئی دسے قدموں چل رہا ہے۔ جھوٹے چوٹے سے لے کر اونٹ ناکتہ بعد چوٹیاں تا قلعہ پر کسی جلی کے بے آواز انداز میں گزرتے رہتے ہیں۔ تھے لیکن اوشان انھیں محسوس کر رہا تھا۔۔۔ اس کے وہ اوشان کی سیات نے اُسے بتایا کہ گرد و وازے کی دوسری جانب



اُسے میں ایک عجیب سی چیخ گونجی جیسے کسی جڑیا نے  
 بولہ... پھر اُردو کے ذہن میں اپنے ہی پستول سے نکلنے  
 والوں کی گونج کہرام مچا گئی۔

”تم جنابت سے غاری ہو جاؤ گے کھوسٹ!“ آرزو بے قابو ہو کر کسی وحشی کی طرح اس کا جھوٹو ہنسنے کے ارادے سے چھپٹ پڑی۔ لیکن اس کے نتیجے آؤشان کی آنکھوں اور چہرے سے کئی نا اچ کے فاصلے پر بڑک گئے۔۔۔۔۔ ان ہواؤں شان کی انگلیوں کی گرفت بے حد سخت تھی۔ آرزو کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی کی ٹانگوں کی ٹہریاں ٹوٹ رہی ہوں۔

”اوہ... تو پھر... میں بھی تمہارا بیٹا نہیں بن سکتا کیونکہ میری عمر بہت زیادہ ہے“ اوشان نے بظاہر بڑی معصومیت

جناؤ۔ یہ پھیل کر کیا ہو سکے گا؟ اوشان نے اپنا سر اٹھایا۔  
 "خیر اوشان..." یہ کہہ کر ٹانگیں گرنے لگیں اپنی طرف کھسکا گیا  
 اور ایک نمبر ڈال کر نکلے گا۔ سات ہینڈول کا یہ نمبر ڈال کر کے  
 دوسری طرف سے سیدھے طے کا انظار کرنے لگا۔ دوسری

تو عجم اُسے بلو، مایہ کاں کیوں کھائے ہو؟ بہرا



شاید دہاں سے مرنے والوں کی دیکھیں تک نصبت ہوئی ہوں۔ میں اس عبارت میں مانگو کیا کروں گا؟ مانیگر جھٹکا گیا، بعض اوقات تو آپ مجھے فلمی سرائے سازوں کی طرح کام کرنے پر مجبور کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

”تمہیں ایک باہر آرزو سے بات کرنی چاہیے۔ بہرام نے مژدہ دیا۔

”کاش! اس لڑکی کے چہرے پر ان گنت جھوٹے ٹھوکرے مل رہے ہوتے۔“ شہزاد نے کہا اور ایک طویل سانس لی کیونکہ دھڑکی طرف سے سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔

اس نے سپور رکھ کر اوشان کی طرف بھاگا جو کمرے کے وسط میں کول کا اسن چلتے بھاٹا تھا اور اس کی آنکھیں سلنے لگی تھیں۔ شہزاد نے گھڑی ہستی میں اس سے سولہ کی دم توڑی ہوئی کرنیں بڑی نصبت سے کمرے کے فرش تک پہنچ رہی تھیں۔

”آرزو کہاں ہے اوشان؟“ اس نے بلند آواز میں دریافت کیا۔ ”کیا آپ نے اسے دیکھا ہے؟“

اوشان نے انکھیں بند کر لیں اور جاری آواز میں بولا۔ ”وہ اپنے کمرے میں ہے اور ہمارے خاتمہ باغیچے کے لیے منصوبہ بنا رہی ہے۔“

مانیگر کی جھوس لے کر کے لے کر کان ہو گئیں۔ وہ اس موضوع پر اپنی اوقات کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا ایسے لمحوں میں سب سے بڑے خطرے کی بات یہ ہوتی تھی کہ اوشان اپنے وزیر و دشمن کی کہانی شروع کر دیتا تھا اور مانیگر کو ان لوگوں کے مافوق الفطرت فتنے سن سن کر آکھن ہونے لگی تھی۔ ”ٹھیک ہے۔ میں اس سے ملنا ہوں اور گھر کے لیے مدعو کرنا ہوں۔“

”ہاں! اُسے مرغابی ضرور کھلاؤ۔“ اوشان نے گہری ستانت سے کہا۔ ”مرغابی صحت مند خالات پیدا کرنے کے لیے اکر توڑے۔“

مانیگر زبردست مرغابوں کو کھاتا ہوا آرزو کے کمرے تک پہنچا اور دروازے پر دستک دی۔ چند لمحوں تک اندر سے کوئی آواز نہ آئی تو اس نے دروازہ کھٹکھا۔ اس بار نہ دھمکی ہوئی نہ دم آواز مانیگر کی سماعت سے گزری۔ ”آہاؤ۔ دروازہ کھلا ہے۔“

شہزاد نے کواڑ دھکیل کر کمرے میں قدم رکھا تو اسے ہشک جانا پڑا۔ آرزو داند سے منہ تکیے پر چھکی ہوئی تھی اور اس کے سر کے شانے پر بار بار جس انداز میں جھٹلے لے رہے تھے ان سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ سسکیاں بھر رہی ہے۔

مانیگر کے قدموں کی آہٹ پر آرزو نے نیچے سے چہرہ

کی طمانیت بھری مسکراہٹ میں کہا جاسکتا تھا کیونکہ وہ کراہٹ تھکا تھکاتھک ٹائراٹ میں بھی ہوئی تھی۔ جب چیف ٹگنگ نے اسے بطور تیار کرنے کا حکم دیا تو یہ مسکراہٹ اس وقت بھی اس کے ہونٹوں پر چھپی ہوئی تھی۔

یہ باورچی، کچن بولنے کی حیثیت سے کام کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ وہ بطن کے کچن کے ایک دور افتادہ کونے میں چلا گیا۔ وہاں کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے بطور ذبح کی اس کے پر نوپے اور پھر اسے کاٹ کر آلائشیں نکال کر دھو ڈالا۔

ان کاموں سے فارغ ہو کر اس نے تلون کی جیب سے ایک ربر اسٹیپ نکال لی۔ دوسری جیب میں پیڑ بھی موجود تھا جس پر بوم کی باریک کی تہ چھپی ہوئی تھی۔

بطور کے کمرے کے اس نے ہر ٹکڑے پر یہ مہر لگا دی۔ ایسی مہر عموماً محکمہ صحت کی جانب سے مقرر کردہ ڈاکٹری ہندو پر لگاتے ہیں۔ لیکن اگر اس مہر کو غور سے دیکھا جاتا تو یہ ڈاکٹر کے نشان کی بجائے ایک آتش کے شہید پر مبنی تھی۔

بطور کے یہ ٹکڑے چیف ٹگنگ کے حوالے کر کے وہ نوکر کچن

بولنے، ہونٹ کے باورچی خانے سے باہر آیا اور پھر ایک طرف چل دیا۔ راہ داری سے گزر کر وہ ایک کمرے میں پہنچا جہاں اس نے باورچیوں میں دردی آنداری اور دوسرے کمرے پہنچے۔

دس منٹ بعد ایک حسین نوجوان اطمینان سے بیٹھی جاتا ہوا ہوٹل سے باہر ایک چمک دار کار کی طرف بڑھ رہا تھا تو اسے نیچے کر کوئی نظر بھی نہیں کر سکتا تھا کہ یہی نوجوان کچھ قبل کچن بولنے کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔

مانیگر نے بڑا سائنہ بنایا اور ریسور کان سے ہٹا کر اسے بغور دیکھنے لگا۔ پھر اسے یہ عجیب جیسے بولا۔ ”بڑی ہی جرات آکر تجھے سوپ ہارٹ... لیکن یہ تو بلی کے کین اس خبر سے کیا نتیجہ افر کول؟“

”موت یہی کہ تمہیں ایک باہر و دین جانا چاہیے جہاں بوٹان رستا تھا۔ اس بات کو مت بھولو کہ ان دونوں میاں بوری کو ایک خاص مقصد کے تحت قتل کیا گیا ہے۔ بوٹان نے، ہمیں جو آخری کال کی تھی، اس سے بہت کچھ سنانے آئے کی توقع ہے۔ میں بہت سی باتیں چیک کرانے کی کوشش کر رہا ہوں۔“

لیکن وہاں کی محنت تلاش کی جا چکی ہے۔ پھر اب تو

ہاں... اتفاق سے دو مہروں کا ایک ملازم اس وقت وہ داری میں تھا۔ وہ آوازیں سن کر آیا تو کچن کے دی کی بار پر کیٹ چڑھا دی تھی۔ وہ یہ معلوم کر کے ہنستا ہوا بھاگا کہ کچن ایک کاؤ بولنے فیم بیکر رہا تھا۔ خوش قسمتی سے اس کچن کے تقریباً سائے ہی سوٹ خالی ہیں۔ اس لیے کوئی متوجہ نہیں ہوا۔

”بھل فادر...“ مانیگر نے بڑے پیار سے کہا۔ ”کبھی کبھی تو آپ ایسی ذہانت کی بات کر دیتے ہیں کہ بے اختیار آپ کو عقل مند تسلیم کرنے کو ہی چاہنے لگتا ہے۔“

”ورنہ تو میں آج ہی ہوں نا؟ اوشان کے پورے گھر گئے۔“

”گراپ کسی ایسی لڑکی کے بارے میں جس ثابت نہ ہوتے جس کے چہرے پر ان گنت جھوٹے ٹھوکرے اور ٹھوکرے ٹھوکرے...“ مانیگر نے جوا دھورا پھر ڈر لینے کر کے کی طرف جھانک لگا دی ورنہ اوشان کا اٹھا ہوا ہاتھ اس کی کھوپڑی سے تل دار لڑکی کا تصور ہمیشہ کے لیے جھاٹ چکا ہوتا۔

\*\*\*

بول کے کچن میں ایک بڑی آدمی آہٹ سے اسے انداز میں بدیہ ترین چہرے کے سامنے اپنے جسم کا بوجھ بھی ایک پاؤں پر اور

کبھی دوسرے پر ڈالنا اور بطور پکائے کی تیاری کر رہا تھا۔ چیف ٹگنگ تھا جس نے آج اپنے ماتحت باورچیوں کے سامنے قسم کھائی تھی کہ باورچیوں میں سے وہ کچھ اس کی پکائی ہوئی بطور کھائے جو کچھ اس قدر بدبو ش ہوئے گا کہ اپنی انگلیاں تک چاؤ لے گا اور اسے احساس بھی نہیں ہوگا۔

اتفاق سے گزشتہ ایک ہفتے سے جب بھی اوشان کچلے مرغابی یا بطور تیار کر کے بھجوا گئی، اس نے اسے ہمیشہ وہیں کر دیا کہ وہ مطلوبہ معیار کے مطابق تیار نہیں ہوئی۔

چیف ٹگنگ کا کچن کے وسط میں اس نظریے کا معامل تھا کہ وہ ہمیشہ درست ہی کہتے ہیں۔ اتفاق سے آج بول میں ایک نا باورچی میں آیا ہوا تھا لیکن چیف ٹگنگ نے اسے بطور پکائے کی بجائے اس کام پر لگا دیا کہ وہ بطور ذبح کر کے اس کے پر نوپے اور اسے پکائے کے لیے ہر طرف سے تیار کر دے۔ کیونکہ کچن میں وہ اپنے ہاتھوں سے کرنا چاہتا تھا۔

نا باورچی ایک نوکر لڑکا تھا لیکن اس نے کچان کے سچے میں جو تالے دیے تھے چیف ٹگنگ میں نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ ان حوالوں کی وجہ سے اسے فوراً ملازمت مل گئی تھی اور ملازمت حاصل کر کے اس کے ہونٹوں پر جو مسکراہٹ آئی تھی اسے کسی طرح

نہ تو فی آواز میں کھائی نہ ہوں۔

”تپ نے بتایا کہ میں ٹپ فادر...“ اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ ”کیا ایسا ممکن ہے؟“

”خفا نہیں کی کوئی بات ممکن نہیں ہے۔ اوشان نے سنیوہ ہو کر کہا۔“ اسی لیے میں تمہاری ان ترانیاں سن کر بہم جاتا ہوں۔ تم ایسی کہتے ہو۔“ اور بڑے بڑے دعوے کر دیتے ہو۔

”اگر آپ کا اشارہ اچھے قدیم دشمنوں کی طرف ہے اوشان! تو میں آپ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ...“

”ہاں... میں... یہ خوش و خوش ہے۔ دو۔ اس وقت تمہاری آواز بالکل ویسی ہی ہے جیسی کہ غالب ٹھوکرے پر ہاتھ مارنے سے پیدا ہوتی ہے۔ تم سے ناؤں نہیں ہوں۔ تم ایسی بہت کچھ کہہ سکتے ہو اور اس میں تمہیں کسی وقت کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ جب تمہارا اپنا آپ تمہارے قابو میں آجائے گا۔ گو گلیاں بھی پلٹ سکتی ہیں۔ جانتے ہو، کس طرف؟ یہ کہہ کر وہ سولہ لفظوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

مانیگر چند لمحوں تک ذہن پر زور دیتا رہا۔ پھر اس نے نفی میں سر ہلادیا۔

”کوئی شخص فضا میں بہہ ہو کر زمین سے متوازی تمہاری طرف طرف سے تو نہ کیا کر سکتے؟ اوشان نے سوال کیا۔

”اوہ، بھل فادر...“ مانیگر بغیر غصے میں توڑا۔ ”میں بھگیا خدا کی قسم بھگیا... میں نے اس طرف تو نہیں جاتی تھی۔ دی تھی۔“

”تمہاری توجہ ہمیشہ رنگوں اور مدد والی اشیاء پر رہتی ہے اس لیے کام کی باتوں کی طرف تمہارا ذہن جا ہی نہیں سکتا۔“

”آرزو نے جو کچھ کہا ہے مجھے اس باتوں سے ہے۔“ مانیگر بڑا بڑا۔

”آپ جانتے ہیں کہ وہ محکم کی لڑکی کتنے جیاد تک تجربات سے دوچار ہو چکی ہے۔ اس کے والدین...“

”میں سب جانتا ہوں۔“ اوشان نے ہاتھ اٹھا کر اسے دہن

بتانے سے روکتے ہوئے کہا۔ ”اسی لیے میں نے اس کی ملازمت نوئی کو ایوں اور زمان سے لکھی ہوئی کا لیں سے بدتر ہوئے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔“

”مجھے صحت ہے کہ کوئیوں کی آواز سن کر وہ دل کی امتحان سے

کالوں پر ہونے تک نہیں رہتی۔“

”صرف ایک آدمی کے شیعہ تھی جسے میں نے جھاڑ دیا تھا۔“

اوشان نے غماز۔

”مانیگر چونکہ پڑا۔“ بول کا کوئی آدمی آیا تھا۔



آرزو اور شہزادہ جرمی دیکھی سے ملی کی طرف دیکھ رہے تھے۔  
جو چند ہی چھلانگوں میں مرقابی کی ٹانگ تک جا پہنچی تھی اور اس  
نے وہ ٹانگ مڑنے میں دالی تھی۔

آرزو کی آنکھوں میں میں عجیب سی چمک تھی اور اس کے ہونٹ  
دانٹوں تلے دب گئے تھے۔ وہ گہرے آنکھوں سے ملی کی طرف دیکھ  
رہی تھی جس نے آہستہ آہستہ مرقابی کی ٹانگ سے گوشت کھانا  
شروع کر دیا تھا۔

ابھی اس نے شاید گوشت کے چند ذرات ہی اپنے منہ  
تک پہنچائے تھے کہ اچانک کمرہ ملی کی دلدرد جھجے سے ٹوٹ اٹھا۔  
آرزو کے دیکھے ٹھٹھے ہو گئے۔ وہ چھٹی چھٹی ہی آنکھوں سے ملی  
کی طرف دیکھنے لگی جو فرش پر پڑی توپ رہی تھی۔

توپ کے بولوں پر خوش گوار مسکراہٹ تھی۔ وہ ملی کے ہونٹ  
پر ٹپٹپٹ کر کے اس کی کوئی شرارت سمجھ رہا تھا۔ لیکن جب ملی  
توپ کے رسات کو ملی تو اس کی مسکراہٹ مجبور ہو گئی اور آنکھوں سے  
سفاقی جھلنے لگی۔

آرزو جھج کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے انداز سے بہترین کیفیت  
کا اظہار ہو رہا تھا۔ ٹانگ پر اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے وہ اس  
کے نونکے نازک شہزادہ کے رخساروں پر گہری خراشیں ڈال چکے ہوئے۔

”تم مجھے مار ڈالتا جا رہے ہو۔ لیکن میں نہیں مرنے کی۔“  
وہ ملی چار چار کر چیخنے لگی۔ ”تم میرے والدین کے قاتل ہو۔ تم  
دونوں دہندے ہو۔ جھیرے ہو۔ جنہوں نے انسانوں کا روپ  
دھار رکھا ہے۔“

”ٹانگ سے بچھانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن ٹوٹا اس کی بجائے  
میں نہیں اڑ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔“  
”تم لوگوں نے تمہارا کیا رنگ ڈھنگ ڈال دیا؟ آرزو سسک سسک کر

کہہ رہی تھی۔ ”تم میرے والدین کو قتل کر۔۔۔“  
”تم بھالے والدین کے قاتل نہیں ہیں۔“ ٹانگ نے گہرے گہرے  
انداز میں توبہ کی۔

”تم؟ تم قاتل ہو۔“ وہ میریائی انداز میں جینچی رہی۔ اور  
یہ تم دونوں کو قتل کر دوں گی۔“  
”میں؟ کتنا بولوں کہ میں غلط فہمی ہو گئی ہے۔“ ٹانگ نے اسے  
ایک بار پھر بھانسنے کی کوشش کی۔

”میں جانتی ہوں کہ تم کون ہو۔ آرزو کی جگہ جگہ منتقلی ملی کی  
درج طرے لگی۔ ”میں تمہارے کام سے بھی واقف ہو گئی ہوں۔ تم  
قاتل ہو۔ تم جاکس ہو۔ تم دہندے ہو۔“

باز کرتے نہیں دیکھی... اور نہ ہی کسی نے کسی کو محض اپنے  
توں سے کوئی نرغہ نکال کر دیکھا ہے۔“

ایک ایک آوازوں کے بولوں پر مسکراہٹ آگئی۔ کچھ دیر پہلے کے  
نات متبادل میں پھر میں کیسے غائب ہو گئے تھے۔ آرزو البتہ اب  
یہ بات دہی تھی۔ اس کے انداز سے دلچسپی کا احساس ہوتا تھا۔  
مگر کے دل میں اس کے لیے یہ تباہ ہادی کے جذبات

آئے۔ وہ اس شہزادہ اور یہ تباہ ہادی کے ذہنی وابستگی محسوس  
رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ لڑکی کا باپ کن حالات میں قتل ہوا  
ہاں نے اپنی آنکھوں سے سبز بوستان کی لاش دیکھی تھی۔  
بے باپ اور مال کی ایسی بھانگ لاشیں دیکھ کر کس میں بیٹی کی

تاریکی ہو سکتی ہے۔ لیکن اسے حیرت تھی کہ آرزو، آوازوں  
اس قدر متغیر کیوں ہے؟ اس نے آوازوں کو قتل کرنے کی کوشش  
کی تھی اور وہ اب تک نئی بار اسے آوازوں کے خلاف جھڑکانے  
لگشش بھی کر چکی تھی۔ ”کہوں... آخر کیوں؟ یہ کیا ایسا سوال

ناجس کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔  
”مجھے میں فائدہ...“ اس نے ماحول کی تلخی دہر کرنے کے لیے  
لگتے لگے جیسے کہ ”اب اس تلے ہوئے شکار پر ہاتھ صاف کرنا  
رہا کریں۔“

آوازوں نے اذیت میں سر ہلا دیا اور ہاتھ بڑھا کر مرقابی  
تک ٹانگ ٹوڑ دی۔ ”میری ٹوٹنے کی تباہی اس آواز سنائی  
کی اور پھر اس نے وہ ٹانگ آرزو کی طرف بڑھادی۔

آرزو اپنی کسی پیرول سمٹ گئی جیسے آوازوں کے بڑھے  
سننے ہاتھ پر اسے کسی سانپ کا شنبہ ہوا ہو۔  
”لو ابھی لڑکی اسے کھاو۔۔۔“ آوازوں نے عجیب سے ہچکے میں  
”یہ بھانسنے تمام دکھوں کا واحد علاج ہے۔“

آرزو نے ٹانگ کی طرف دیکھا۔  
”ٹانگ نے اذیت میں سر ہلا کر آوازوں کی تائید کر دی۔  
آوازوں کے ہاتھ سے مرقابی کی ٹانگ تھام کر آرزو چند لمحوں

لیا متذہب رہی۔ اسی ساعت نے حالے کہاں سے ٹھٹھے آئے والی  
ٹانگ کے چہرے میں میاؤں میاؤں کرنے لگی۔  
آرزو نے وہ ٹانگ میرے کچھ فاصلے پر پھینک دی۔  
ڈانٹنگ ٹیل کے نیچے ٹھٹھٹھٹھ ہوئی لیکن نہ جنت لگائی اور

مرقابی کی ٹانگ کی طرف جھٹ پڑی۔ آوازوں کی آنکھوں میں ایک  
لے کے لیے تعریفی چمک پیدا ہوئی۔ پھر وہ آرزو کی طرف دیکھ کر  
لب سے انداز میں سکر لے لگا۔

اور آوازوں سر ہٹا ہی ڈر کھانے کے عادی تھے۔  
”میں دیکھتا ہوں... یہ کہہ کر شہزادہ آوازوں کے طرف بڑھ گیا۔  
نے دروازہ کھولا اور نوڈ کا رٹا میرے لے کر خود ہی دروازے سے

ڈز نیل تک پہنچائی اور کھانا میرے پر لگنے لگا۔ اس دوران میں  
اس کی لگا ہی آرزو پر جرمی رہی جس پر چہرہ ہچکچاہٹوں کیوں بھی نہیں  
نیچے اپنے گریبان میں بھانگ رہی ہو۔

کمرے کا پر دہی دروازہ بند ہو چکا تھا۔ مگر مرقابی کی  
کاب کھولی اور کمرے لگا۔ یہ مرقابی نمبر ۳۱۲ ہے۔ اس نے اطلاع  
کرنے والے انداز میں کہا۔ اس سے قبل ہم ۳۱۱ مرقابیاں کھ  
چکے ہیں۔“

آوازوں کے ہنسنے پھینکنے اور سکرے لگے۔  
آرزو کے دل و دماغ میں سمجھنا ہی کی غیبت تھی۔ نہ چاہا  
کیوں بار بار اسے اس شخص ہونے لگا تھا کہ اب اس کی زندگی کے

آخری لمبے قریب آگئے ہیں۔ اس نے خوف زدہ لگا۔ ”مے مرقابی  
کی پٹ کی طرف دیکھا اور پھر آوازوں کو گھونسنے لگی جو عجیب نظروں  
سے اسی پٹ کو گھور رہا تھا۔ اسی لے آرزو کو نہ معلوم کس طرح  
احساس ہوا کہ اس کے سامنے جو پٹ کھلی ہے وہ نہر کا کوسہ ہے۔ اگر

لے ہاتھ بڑھایا اور اس کا ہاتھ کاپ لگا۔  
”اوہ تو یہ لوگ مجھے نہر کے پٹ پر ہلاک کرنا چاہتے ہیں؟ آرزو  
کے ذہن میں خیال پیدا ہوا اس خیال نے اس کے قلب و ذہن  
کی طوفانی حالت مزید شدید کر دی اور پھر جیسے اس پر جنوں سا

سوار ہو گیا۔ وہ بھی اور اس نے چھپت کر دونوں ہاتھوں سے مرقابی  
کی پٹ اٹھائی۔ اگلی ہی ساعت اس نے پٹ کو پوری قوت سے  
سامنے والی دیوار پر مارا۔

”نہیں... تم مجھے کس طرح ہلاک نہیں کر سکتے۔ میں نہر نہیں  
کھا سکتی۔“ وہ حق کے بل جھج پڑی۔ ”معاذ اس کی آنکھیں حیرت  
اور بے یقینی سے پھیل گئیں۔ اس نے آوازوں کو ابھی کسی سے پہلے

دیکھا تھا۔ اس سے قبل کہ مرقابی فرش پر گر گئی فرش سے چند انچ  
اٹھ رہی آوازوں نے اسے تھام لیا۔  
وہ مرقابی کے درپاس آیا اور اسے میز پر رکھ دیا۔ اب اس  
کی آنکھوں میں سرخی نظر آ رہی تھی۔ اس کا زرد چہرہ بھی لال ہو چکا

ہو رہا تھا۔  
”ٹانگ نے اس کی حالت دیکھی اور پھر اطمینان آمیز نظروں سے  
آرزو کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے ماحول کو سادہ گار بنانے کے لیے خوش  
دلی سے کہا۔ ”واہ! میں نے آج تک کوئی نئی مرقابی اس طرح

اٹھایا اور پٹ کر دیکھا۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں اور  
رخساروں پر انسانوں کی کمرے کی روشنی میں چمک رہی  
تھیں۔ شہزادہ رنگا لٹے ہی وہ کچھل کر کمرے آگئی اور دروازے  
ہوئی اس کے بازوؤں میں سما گئی۔

”اوہ شہزادہ... کھا سکتے ہو؟ آوازوں نے زندہ ہو۔۔۔  
”بس اب خاموش ہو جاؤ۔ آوازوں نے انھیں صاف کر  
دیا ہے۔ اس کے بارے میں دل صاف کر لو۔ وہ تمہارے لیے  
بے ضرر رہی نہیں، تمہارا بے پناہ ہمدرد بھی ہے۔“

”نہیں... آرزو جینج پڑی۔ وہ... وہ مجھے... اور...  
”میں قتل کر دینا چاہتا ہے۔ آرزو سسک کر بولی۔  
”حقانہ میں نہ کرو۔ اگر وہ میں تمہارے لگا نا چاہے تو اس  
کے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔“ ٹانگ نے شفقت سے اس

کی پشت سہلائے ہوئے مرقابی سے بھانگ لیا۔ ”کچھ دیر میں ڈز  
نے والا ہے۔ تم آج میرے ساتھ ہی کھاؤ گی۔ آوازوں نے ایک  
خاص انداز میں مرقابی کی پٹائی سے۔“

”میں میری بالوں پر یقین نہیں۔ آرزو جراتی ہوئی آوازیں  
بولی۔ جلد ہی تمہیں یہ جل جانے کا... جلد ہی اس کا دل روپ  
تمہارے سامنے آجائے گا۔“

”ٹانگ پر زور لب مسکرا دیا۔ اب بھلا وہ اس نادان لڑکی کو کیسے  
سمجھا کہ آوازوں اس کا شیف دوست نہیں ہیں اس کا دھواں باپ  
اور خاق بھی ہے۔۔۔ اور کوئی خاق اپنی تخلیق لینے ہاتھوں شاننا

پسند نہیں کرتا۔۔۔ پھر آوازوں اس جیسی معصوم اور مظلوم لڑکی کو  
قتل کرنے کا تو خیال بھی دل میں نہیں لاسکتا۔ لیکن یہ سب  
باتیں وہ اپنے آپ ہی میں سوچ کر رہ گیا اور آرزو کو کتنی دینا

نہاؤں سے کمرے میں لے آیا۔ آوازوں اس وقت تک ڈز نیل  
پر بیٹھ کر رہا تھا۔ وہ ان دونوں کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں  
بے پناہ چمک رہی تھیں۔ آرزو نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور رنگا  
پیرلی۔ آوازوں کی آنکھیں اسے اپنے دماغ میں پیوست ہو کر خیالات

کا مطالعہ کرتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔  
شہزادہ اسے لے کر ڈز نیل پر پہنچا اور نرمی سے ایک کمری پر  
بٹھا کر قریبی کرسی گھسیٹ کر خود بھی بیٹھ گیا۔  
آرزو نے ایک بار پھر ان آنکھوں سے آوازوں کی طرف دیکھا  
لیکن وہ اب اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ اسی لمحے کمرے کے باہر

راہ داری میں فوڈ کارٹ کے پہیوں کی چرچاہٹ ابھری اور دروازے  
پر دستک ہوئی۔ مرموس کلاسیک لڑکے کا ڈز نیل کو بچھ گیا تھا۔ آوازوں

لیکایک اس کی نگاہ ایک درخت پر جم گئی۔ یہ درخت اُس  
سے چند قدموں کے فاصلے پر تھا اور وہ اس کی ایک شاخ کو گھوڑ  
ہی تھی۔

دفعہ جبر تصور نے اسے ایک بلیب کر شر دکھایا۔

وہ اس شاخ کو گھورتی رہی حتیٰ کہ اس شاخ سے جھولتی ہوئی اسے ایک لاش دکھائی دینے لگی۔ ایک ایسی لاش جس کا ٹکڑن بڑا موجود نہیں تھا جس کا سینہ کھلا ہوا تھا اور اندر گہرائی میں اندھیرا ہی اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔

اس درخت کے تنے میں ایک طاق بنا ہوا تھا جس میں ایک نسوانی سر دکھا ہوا تھا۔ وہ اس طاق کی طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگی۔ یہ سر اس کا جانا پہچانا تھا نفوس اس کے دیکھے جانے سے ایک بار بھر اس کے ذہن پر غبار سا چھپتا چلا گیا۔

اس نے آنکھیں پھینچ لی۔

چند لمحوں تک وہ اپنی راکھ... بھرا اس نے آنکھیں کھولیں تو وہ لاش اب بھی درخت سے جھونتی نظر آرہی تھی۔

”ہی... آؤ سب بڑی۔“

اس کی آنکھوں میں گرم گرم آنسو آگئے اور آنکھوں کے ٹکڑوں سے ابل کر اس کے رخساروں پر لڑکھنے لگے۔ وہ بڑیک روئی رہی۔

آنسو بھری آنکھوں سے اس خیالی لاش کو گھورتی رہی جو ہمہ جہت ہو کر اس کے سامنے آگئی تھی۔ لاش اس کے ذہن میں ہر وقت ہر کہہ گئی تھی۔ یہ لاش کے پس نظر میں وہ عمارت تھی جہاں اس نے پڑائی خوش گوار وقت گزارا تھا۔ خوشیاں یکجہی تھیں۔ تیغ لگاتے تھے اور ہنسی کھینچتی رہی تھی... سیکن اب وہ عمارت کسی مقبرے کی طرح رگ اور تان کی جی پی پی ہوئی اپنے کینوں پر لوہو خاں لگ رہی تھی۔

آرزو کی آنکھیں آنسو بہاتی رہیں۔ ان آنسوؤں نے اس کے

دل کا غبار دھو دیا۔ رفتہ رفتہ وہ درخت کے تنے سے ٹیک لگنے

ہوئے بیٹھ گئی۔ اس کے منوں میں ایسی میس بھر گئی تھیں جیسے

انھیں جڑوں سے الگ کر دیا گیا ہو۔ اس نے گھٹنے اٹھائے اور چہرہ

آن پہنکایا۔

بیٹھے بیٹھے ٹھنک سے ٹھہرا اس لڑکی کو نہ جانے کیسے مزید

آگئی۔ یہ نیند تھی یا بے ہوشی، اس کا اسے اندازہ نہ ہو سکا... جب

ہوش میں آئی تو اسے پس آتا ہی اس جبر کا وہ زبانی نئی دیر تک

غفلت کا سہارا رہی ہے۔

اس کا سر جھکا رہا تھا اور اسے اپنی نگاہوں کے سامنے کی ہر شے

گھومتی ہوئی محسوس ہورہی تھی۔ رشاخ سے جھونتی ہوئی لاش کے جھولنے

کا کل ہی جی تو جگ رہا تھا۔ وہ زمین پر دھڑکے لگا کر کھڑی اور لوکھڑا ہتھکڑوں

سے اس درخت کی طرف بڑھ گئی جس کی ایک شاخ سے اس کی ان

کی لاش مشکی ہوئی تھی۔ وہ اس درخت کے تنے سے ہٹ گئی اور

خاموش نفاذیں اس کی سکیں کو منجھنے لگیں۔

معلوم نہیں کتنی دیر وہ اس طرح سسکتی اور روتی رہی۔

اور پھر اسے احساس ہوا کہ اس کی آنکھوں کے سوتے بھی خشک

ہو گئے ہیں۔ یہ جانتے ہوا اس کے رخساروں پر پنجو جھجھکیں کاٹے گا ہر

دکھا رہی تھی۔ دل سے دکھ کا پوچھو، درد کی چٹان غلوں کا غبار وصل

گیا تھا اور مزید غفلت کی نیند یا بے ہوشی نے اس کے ٹوٹنے

پرے اسے اس کا اتنی توانائی بخشی تھی کہ اس کا ذہن سوچنے کے

قابل ہو گیا تھا۔

ذہن بیدار ہوا تو یوں لگا جیسے بنڈا واپس کر کے کی کوئی

گھر کی کھل گئی ہو اور تازہ ہوا کے ایک ہی جھونکے نے سارا جس کو

کر دیا ہو۔

اب اسے یاد آئے لگا کہ وہ کہاں سے آ رہا تھا کہاں سے آئی

ہے؟ اس کی نگاہوں کے سامنے سے ماں کی لاش کا تصور راتی ہوا

بہت مہا اور اس کی آنکھیں باغ کی دیواریں اور عمارت پر چھائے ہوئے

سنائے نیا عادی ہو گئیں۔

غیرا... اوشان... ہرام... یمین نام اس کے ذہن

میں چکرانے لگے۔ اسے یاد آ گیا کہ وہ ان تینوں سے اپنے باپ

اور اپنی ماں کے قتل کا انتقام لینے ہی تھی... لیکن وہ ناکام رہی۔

وہ درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ اس کے ذہن

پر ایک ایک خیالات کی پورش ہوئی تھی اور وہ کیوں نہ ہے کچھ بھی نہیں

سوچ سکتی تھی۔ ان منظر خیالوں سے بھی چھڑانے کے لیے وہ اٹھی اور

ٹھنک سے چڑنا ٹھنک کو ایک بار بھر بھڑک دیا کہ وہ اس کا وجود دکھا

کر گھر کے دروازے تک نہ جائیں۔

گھر کے دروازے پر ایک تالہ لگا ہوا تھا۔ اس نے بے جاں

انگیڑوں سے اس تالے کو ٹھٹھا اور وہ ایک لمبی آہ بھر کر روتی رہی

کی تالوں انگیڑوں سے تالہ ٹوٹنے کی طاقت نہیں رکھتی تھیں۔ بالکل سی

طرح اس کے سامنے ایک پراسرار گرو تھا جس پر ایک زرئی تالہ لگا

ہوا تھا۔ وہ اس تالے کو کھولے بغیر اسرار کا پردہ چاک نہیں کر سکتی

تھی۔ تب اسے احساس ہوا کہ ایسے تالے تو بڑے نہیں جانتے۔ انھیں

محض ایک حقیر سی چابی کے ذریعے آسانی سے کھولا جاسکتا ہے۔ ہاشا

اسے وہ چابی مل جائے جس سے وہ اس پراسرار کر کے کھول سکے۔

جہاں پر اسے پردہ اٹھ سکتا تھا۔ اس کے باپ کی پراسرار موت

اور اس کی ماں کی دہشت نیز لاش کا راز فاش ہو سکتا تھا۔ وہ

جھک گئی اور دروازے کے سامنے پڑی ڈور میٹ کے نیچے ٹپٹنے لگی۔

بڑوں سے یہاں چابی رکھنے کی عادت تھی۔ چابی اب بھی ہاں

وجود تھی۔ اس نے چابی نکالی، دروازہ کھولا اور گھر میں داخل ہوئی۔

اس چابی سے گھر کا دروازہ کھولنے میں تو کامیاب ہو گئی تھی لیکن

وہ دروازہ ابھی بند تھا جو اس کے تصور سے تراشا تھا اور جس

کے نیچے کوئی راز، راز نہیں تھا۔

پورا گھر تاریکی اور سائے میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ لوکھڑا ہونے

اور نشست میں بیٹھی اور پھر وہاں سے ملحق ہاتھ زدم میں قدم رکھنے

ہی اس نے روشنی کر دی۔ روشنی میں اس کی نگاہ سبک کے اوپر لگے

ہونے آئیے پڑی۔

آئیے میں اسے اپنا چہرہ دکھائی دیا۔ آج رات آج رات سہرا...

جس پر دہشت اور دہشت کی گہری چھاپ تھی۔ اسے اپنی آنکھیں

بے زور اور دیران محسوس ہوئیں۔ اس کا پینڈل سا چہرہ کھلا گیا تھا تو

اس کے سینے بال منتشر ہو کر یوں اس کے کندھوں اور سینے پر بکھرے

ہوئے تھے جیسے وہ ہوش و خروش سے بگڑا ہوئی ہو۔ اس کے ہونٹوں

پر پریاں جی ہوئی تھیں۔ منشی کے باعث بعض پڑیاں پھٹ گئی

تھیں۔ اور وہاں دراڑیں سی نظر آرہی تھیں۔ ان دراڑوں سے خون

کی سرخی جھلک رہی تھی۔ رخساروں پر آنسوؤں کی گہری خشک

ہو کر۔ جو بھلائی کی خشک ندیوں کی طرح محض نشان بن کر رہ گئی تھیں

اس نے تل کھولا اور ٹھنکے پانی کے چھینٹے سے کمرٹہ

دھونا شروع کر دیا۔ اس کا لباس تار تار ہو چکا تھا سینا کچھ ابھی تو وہ

اپنی بکھر ہوئی ہستی بیٹھنے میں لگی ہوئی تھی۔ ٹھنکے پانی نے اس

کی آنکھوں کی جان اور رخساروں کا میل کیل دھوا لادوہ لوگوں کے

توانا محسوس کرنے لگی ٹھنک کا شدید احساس رفتہ رفتہ دم توڑ رہا تھا۔

منہ ہاتھ دھو کر اس نے اپنے سر پر بارنگاہ ڈالی تو جو تک پڑی۔

وہ کتنی غرناک حالت میں مبتلا تھی۔ اس کا احساس اسے پہلی بار ہوا۔

فصل خانے سے نکل کر وہ اپنے کمرے میں پہنچی اور چٹا ہوا لباس اتار

کر نیا لباس نکالا اور وہاں باغ زدم میں آگئی۔ اس نے پناہ و جود پانی

سے بھرے ہوئے ٹب میں اتار دیا اور غسل سے فارغ ہو کر لباس پہن

لیا۔ اب وہ خود کو دکھا چھٹکا محسوس کر رہی تھی۔

بالوں میں تیل ڈالنے سے اسے بے پناہ سکون ملا۔ وہ آئیے

کے سامنے بیٹھی بالوں میں برش کرتی رہی اور پناہ جائزہ لیتی رہی۔ اسے

اپنا چہرہ ایک بہت بڑا سوالیہ نشان نظر آیا۔ اس سوالیہ نشان نے اسے

بہت کچھ یاد دلایا۔

معاشرہ دار کا لباس اس کے سامنے اٹھا ہوا۔ وہ اس کی سوراخیز

شخصیت کو دیکھنے لگی۔ یہ نیکیاں یکبار اسے سینہ ہی نہیں معصوم بھی

لگ رہا تھا۔ اسے اوشان کا پورا حجاز پر چہرہ بھی دکھائی دیا۔ وہ جیسے

درد نہ سمجھتی تھی، اس نے اسے شفت دی تھی۔ حالانکہ وہ صرف اس

کے خون کی پیاسی تھی بلکہ اس نے اوشان پر دوبارہ قاتلانہ حملے بھی کیے

تھے۔۔۔

”نہیں... یہ لوگ میرے والدین کے قاتل نہیں ہو سکتے۔“

بے اختیار دل کی گہرائی سے یہ بات نکل کر اس کی زبان پر آگئی۔ یہ

لوگ میرے خون کی پیاس میں مبتلا نہیں بلکہ میرے ہمدرد ہیں اگرچہ مجھے

ہلاک کرنا چاہتے تو ان کے لیے کون سی مشکل بات تھی؟

اس انداز میں آندو نے پہلے کبھی نہیں سوچا تھا۔ یہ سوچ اس

کے لیے گھر سے سکون اور طمانیت کا باعث بن گئی۔ رفتہ رفتہ اسے سب

کچھ یاد آئے لگا۔ اسے یاد آ گیا کہ یہ لوگ اس کے باپ کی تدفین میں بھی

شریک تھے... پھر وہ چونک پڑی۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے سر ہٹا لیا۔ ”آہ! مجھ سے کتنی

بھول ہوئی، اس کے حلق سے ایک سرزد آنکھ لگی۔ اگرچہ یہ لوگ

میرے باپ کے قاتل ہوتے تو انھیں اس کی تدفین میں شریک

ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ میری ماں کو۔۔۔“

وہ خاموش ہو گئی۔ اس کے ذہن میں جھماکے سے ہونے لگے

وہ حیران تھی کہ اس کی عقل پر پتھر کیوں پڑ گئے تھے۔ وہ انھیں اپنی ماں

کا قاتل سمجھ رہی تھی جبکہ ایسا نہیں تھا۔ جس وقت اس کی ماں قتل

ہوئی تھی تو یہ تینوں اس کے ساتھ قبرستان میں تھے... پھر وہ اوشان

اور شہزاد کے ساتھ گھر واپس آئی تھی۔ مگر اگر سب اس کی نگاہ اور دہشت

سے بھولتی ہوئی اپنی ماں کی لاش پر پڑی تھی، اس وقت بھی یہ دونوں اس

کے ساتھ ہی تھے۔

”اوہ میرے خدا! اس نے پشانی میں ہونے کہا۔ میں غم زدہ

ہو کر کھوں کی دھانے میں بھول جھلیوں میں کھڑی تھی؟“

اب اسے یقین ہو گیا کہ اوشان اور شہزاد اس کے ہمدرد ہیں۔

بے اختیار اس کا جی چا کہ وہ فون پر ان دونوں سے رابطہ قائم کرے

اور پھر مدد ملے۔۔۔ پھر خیال آیا کہ نہیں... یہ مدد اس

انداز میں نہیں ہوتی جاوے۔ وہ خدا ان کے پاس جانے کی اور ان

سے اپنے رویے اپنی غلط سوچ اور اپنی بدگمانیوں کے لیے مدد

کرے گی۔

یہ خیال اس کے لیے بے حد مدد مند اور توانائی بخش ثابت

ہوا۔ اس نے آئیے میں اپنے ویران چہرے کو دکھا اور پھر اس کے

پہرے میں جھپٹوٹ پر غصہ سی مسکراہٹ آگئی۔ یہ مسکراہٹ اس کے

ذہنی دل کی کراہوں سے بھر پور تھی لیکن اسے اپنے بول پر مسکراہٹ

دیکھ کر بے پناہ سکون کا احساس ہوا۔

آنا ہے تو وہ خود ہی واپس آئے گی، اُسے تلاش کرنا ممکن نہ ہوگا  
ٹائیگر کی کار مختلف سڑکوں پر دوڑتی رہی، اُس نے سڑکوں  
سے پہلے بوستان ماؤں جا کر اُسے تلاش کیا تھا۔ اس کا خیال تھا  
کہ ممکن ہے وہ اپنے گھر چلی گئی ہو... لیکن وہاں جا کر اُس  
کے دل پر بوجھ اور جی بڑھ گیا تھا۔ اُسے جنگل میں ملنے والی بوتل  
کی تلاش یاد آگئی اور پھر آرزو کی ماں، منہ بوستان کی لاش، اُس  
کی نگاہوں میں گھوم گئی جسے اُس نے ایک درخت کی شاخ  
سے لٹکے دیکھا تھا۔ اُسے سر کی ٹی پیٹی لاش جس کے اندر نوٹ لکھا  
زمین کھود کر دفن کر دینے گئے تھے اور جس کی کھوپڑی درخت کے  
تختے میں ایک طاقی بنا کر سپا دی گئی تھی۔  
وہ ایک چھری سی لے کر رہ گیا۔

اُس کی کار ایک بار پھر سڑکوں پر دوڑنے لگی اور دوڑتی  
ہی رہی۔ لیکن اب تک آرزو تو روکنار۔ کوئی ایسی لڑکی بھی  
وہاں نہیں دی تھی جس پر آرزو ہونے کا شبہ کیا جا سکتا۔ اُس  
نے سڑک دیکھ ڈالی جہاں آرزو کے ملنے کی دوسم سی بھی توقع  
تھی لیکن آرزو نہ مل سکی۔ بھاری بیماری دل کے ساتھ وہ ٹاپس  
ہوٹل چل دیا۔

ہوٹل کے کمرے میں واپس آکر وہ تھکے تھکے سے انداز میں  
ٹیل ایک صوفے پر گر گیا۔ اوشان کمرے کے وسط میں ایک  
چٹائی پر اپنے مخصوص انداز میں بیٹھا ہوا تھا اور اُس نے ٹائیگر  
کی آمد پر صرف ایک بار آنکھیں کھول کر اُس کی طرف دیکھا تھا۔  
اُس کے بعد اُس نے آنکھیں بند کر لی تھیں کیوں کہ اُس سے کوئی  
سوال نہ پوچھا جائے گا۔ وہ ٹائیگر کے چہرے سے  
صاف بڑھا جا سکتا تھا۔

ٹائیگر نے تھکنے سے بڑھ کر انداز میں آنکھیں بند کر کے  
صوفے کی پشت گاہ سے سرٹیک دیا اور گہری گہری سانس لینے  
لگا۔ اس کے جڑے سختی سے بھیجے گئے تھے اور وہ اپنے دل بو  
دماغ سے دولاٹوں کا خیال نکال دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

یہ لاشیں اُس سے فریاد کر رہی تھیں، اپنے خون کا بدلہ مانگا ہے ہی  
تھیں... اور ان خیالی آوازوں کے پس منظر میں آرزو کی جینوں  
اور گولیوں کے دھماکوں سے کھرام سا مچا ہوا تھا۔

"انسان نے شوکر ملکوت میں گوال لیا ہے۔" اوشان کی  
بڑبڑاہٹ سنائی دی تو اُس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔  
"کیا کہہ رہے ہیں، ٹیل فادر؟ وہ تھکے تھکے سے انداز  
میں بولا۔

دل و دماغ کا باعث یہ بات تھی کہ وہ اُسے اپنے ساتھی کی  
بے نصیب بیٹی سمجھتا تھا۔ بوستان، مہرام کا کارکن تھا اور اس  
کی زندگی چارہ گر کا کارکن ہونے کی یادداشت میں جھینسی گئی تھی  
... پھر اس کی بیوی کو بھی قتل کر دیا گیا... اور اب آرزو باقی  
رہ گئی تھی۔

سُرخ لبادے والے دزدوں نے آرزو کے والدین کو  
جس عورت ناک اور بھیاں ایک انداز میں موت سے بھنکا کر لیا  
تھا، اُسے یاد کر کے ٹائیگر کے تن بدن میں غصے کے آلاؤ  
دھک اُٹھتے تھے اور اُسے اپنی روح تک انتقام کی چنگاریوں  
سے جلنے محسوس ہوتی تھی۔

اُسے افسوس ہونے لگا کہ اُس نے آرزو کی ذہنی حالت  
کا غلط اندازہ لگایا تھا۔ اگر اُسے ذرا سا بھی شبہ ہو جاتا کہ وہ  
اُسے اور اوشان کو اپنے والدین کا قاتل سمجھ کر محض انتقام  
لینے کی خاطر اُن کے قریب آئی ہے تو وہ چند ہی منٹوں میں اس  
کا ذہن صاف کر کے اس کے دل سے ساری کدورت دھو  
ڈالتا... لیکن یہ بات اُس وقت سامنے آئی جب وہ ان کی  
نگاہوں سے گزر رہا تھا کہ وہاں روپوش ہو گئی تھی۔

وہ بے چین ہو کر ہوٹل سے نکل کھڑا ہوا۔

ایک ایسی لڑکی کو تلاش کرنا بے حد مشکل کام ہوتا ہے،  
جو چاروں طرف سے دشمنوں میں گھری ہوئی ہو اور جو ہمدردوں  
سے یوں بھاگ رہی ہو جیسے ہلکی ہوئی کھوپڑی جنگل میں جھرم  
نہ اٹھا، بھاگ نکلی ہو۔ اگرچہ ٹائیگر اس کی تلاش میں ہوٹل سے  
نکلے لیکن اس کے ذہن میں کوئی خاص جگہ نہیں تھی۔ وہ جانتا  
تھا کہ اس انداز میں کسی کو تلاش کرنا ایک ناممکن سا کام ہوتا ہے  
لیکن جب دل کی بے چینی کسی بل چین... لینے دیتی ہو تو کھٹلی  
لفٹا میں کافی سکون ملتا ہے... پھر کہ انکم وہ دل کو یہ کہہ کر تو  
سمجھا ہی سکتا تھا کہ اُس نے لڑکی کو تلاش کرنے میں کوئی کسر  
نہیں اٹھا رکھی۔

اُسے بار بار افسوس ہو رہا تھا کہ اُس نے اُسی وقت  
سے کیوں نہ روک لیا تھا... وہ یقیناً ایسا ہی کرتا لیکن اوشان  
لی بات اُسے آگئی تھی۔ رات کو اوشان کا خیال تھا کہ لڑکی  
اُسے دست تنہا ہی چھوڑ دینا بہتر ہوگا۔ اس کا یہ نظریہ صبح اُچھ  
سہ پہر تک برقرار رہا تھا... اور جب ٹائیگر نے اب ہو کر اُس  
کی تلاش میں جانے کا ارادہ کر رہا تھا تب چھ اوشان کی بیٹی لائے  
تھی کہ وہ محض اپنا وقت ضائع کرنے پر رہا ہے۔ اگر لڑکی کو واپس

اُس نے اپنے بازو کی نگاہ ڈالی۔

اب وہ ایک سو گوار اور گولوں سے بڑھال لڑکی نہیں تھی بلکہ  
اُس کے چہرے سے عزم اور ستموں کا پتہ چلتا تھا۔

وہ گھر سے باہر آئی اور ایک طرف چلی گئی۔ اس کے انداز سے  
ذرا سی بھی تھکن ظاہر نہیں ہو رہی تھی۔ اس کے قدم تیز آگے بڑھے  
وہ جلد از جلد شہر اور اوشان کے پاس پہنچ جاتا تھا۔ رات کی تاریکیاں  
شہر پر آڑی تھیں اور سڑکوں پر دور دور تک نشان  
تھی اُسے خود بہرہرت ہونے کی کسر شام وہ نہ جانے اتنی دور پیدل  
کیسے نکل آئی تھی۔ جنو کی کھیت میں غاصے کا اُسے اندازہ نہیں ہو سکا  
تھا اور نہ ہی اٹا کوش تھا۔

... اور اب وہ جانتی تھی کہ کاش اُس کے پرہونے اور وہ  
اُڑ کر وہاں پہنچ جاتی رات کے اُس پہر کوئی ٹیکسی بھی نظر نہیں آتی  
تھی۔ معاً عقب سے کسی کار کی بیل لاش دکھائی دیں۔ وہ ٹیکسی کے  
خیال میں اس کا روڑے کا اشارہ کرنے لگی۔ کار کی رفتار سیدھی  
کم ہو گئی تھی اور وہ چند ساعتموں میں اُس کے قریب تک بھی گئی  
... پھر جب اس کی نگاہ کار میں موجود گولیوں پر پڑی تو اس نے  
اندھاؤ دھندلے اور غور کر دیا لیکن اس کی ٹانگیں زیادہ دور تک  
پر رفتار برقرار نہ رکھ سکیں۔

وہ گر گئی... اور دوپٹے ہونے ذہن کے ساتھ اُس نے آنری  
بار صرف یہ دیکھا کہ ایک سُرخ لبادے والے کا ہاتھ اُس کی طرف بڑھ  
رہا ہے۔ وہ ہاتھ جس کی ایک انگلی کا ناش چار بار اٹھا تھا اور اس کا  
کمانہ کسی کلباڑے کے چھل جیسا تھا۔

\*\*\*

آرزو واپس نہیں آئی۔  
رات گزر گئی، صبح ہوئی... اور پھر دن، سہ پہر تک  
مسافت طے کر گیا لیکن وہ نہیں آئی ٹائیگر کے بے چینی بڑھتی جا  
رہی تھی۔ وہ حیران تھا کہ وہ کہاں غائب ہو گئی ہے۔

ڈنر کے وقت وہ جس انداز میں اُن کے کمرے سے بھاگ  
کر گئی تھی، اس پر اوشان نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ وہ جلد ہی  
ناویم ہو کر واپس آجائے گی۔ خود اُسے بھی یقین تھا کہ آرزو کے  
دل سے اُن کے بارے میں غبار دھل گیا ہوگا اور وہ یہ سوچ کر  
واپس آجائے گی کہ اُن دونوں کے دل میں اُس کے لیے نفرت  
نہیں بلکہ محبت ہے... لیکن سوچیں، محض سوچوں کی حد تک  
ہی رہیں، یہ شرمندہ تکمیل نہ ہو سکیں۔

رات بھر ٹائیگر بے چین رہا تھا۔ آرزو سے اُس کی

اُس نے دروازے سے سکون گولیوں کی ڈبیر نکالی اور دو گولیاں  
حلق سے اُتار لیں۔ جاو اور گولیوں کی دبر سے اس کے اعصاب کا  
باقی ماندہ انتشار بھی ختم ہو گیا۔

وہ اب بھی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی تھی۔ بالوں کو برش  
کر کے سٹو آکر اُس نے نوڑے کی شکل میں باندھ لیا اور پھر اُس  
کا دایاں ہاتھ تیز ادرازی طوطے پر اسٹک کی طرف بڑھ گیا۔ شہزاد  
کی شخصیت پوری پوری اُس کے دل کے درجوں سے اندھا رہی  
تھی اور وہ اپنی روح تک کو کجائی نہ لگنے کے باعث مسرور محسوس  
کر رہی تھی۔ ان لگڈھلوں نے اُس میں ایک نئی زندگی کی ہر ذرا کا  
لام و اندھ کے وہ سادے سپارڈیاک ایک ریزہ ریزہ ہو گئے  
تھے۔ اُسے یاد آ رہا تھا کہ اُس نے اوشان اور شہزاد کو کسی کس انداز  
میں اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ان دونوں میں سے  
کسی ایک نے بھی اُسے چھوڑنے کی کوشش تک نہیں کی تھی۔ وہ ان  
کے ساتھ شب و روز، کئی فوٹوں تک میفرم رہی تھی لیکن اس نے  
ان کے کردار میں خفیف سا گھٹاؤ نہیں دیکھا تھا۔ ایسے لوگ  
قاتل نہیں ہو سکتے۔ ایسے لوگ دندنے اور بے رحم نہیں ہو سکتے۔  
وہ حیران تھی کہ اُس کے دل کی یہ پکار پہلے کہاں سو گئی تھی؟ اس نے  
نفس پر کا یہ مثبت پہلو، پہلے کیوں انداز ڈرو کیا تھا؟

... لیکن ان سب باتوں سے قطع نظر اُس کے والدین کی لاشیں  
اُس کے ذہن میں موجود تھیں۔ وہ ذہن پر نقش ان کی تصویر دل کو صاف  
سے کھرج کر نہیں جھینک سکتی تھی۔ وہ یہ سوچے بغیر وہ کہیں  
اوشان اور شہزاد یا مہرام نے انھیں قتل نہیں کیا تو پھر ان کے قاتل  
کون ہیں؟... اور انھوں نے ان دونوں کو اتنی بڑی ناک موت سے  
کبوں بھنکا کر لیا؟ اس کے ذہن کے کسی نہال خانے سے چند بڑے نکل  
کر سامنے آئے گئے... اور وہ اپنے والدین کے قاتلوں کو پھانسی  
"مرغ لبادے والے... لیے لیے ناخون والے... شیطان  
کے کھانوں جیسے ٹیلوں والے یہ لوگ ہی میرے ڈیڈی اور میری ممتی  
کے قاتل ہیں؟ اس نے زیر لب کہا اور ایک بار پھر اس کی رگوں  
میں خون کی جگہ لاوا دوڑنے لگا۔

اس کا ذہن آہستہ آہستہ حقیقت آشنا ہوتا چلا گیا۔ وہ سمجھ گئی  
کہ اوشان اور شہزاد ان سُرخ لبادے والوں کے دشمن ہیں اور ان کا  
تعلق قاتلوں سے ہے۔ تب اُسے وہ کایں یا ایلیم جو اس کا والد کسی  
نامعلوم کیس میں ریکارڈ کیا کرتا تھا، اُسے یہ اندازہ تو بہت پہلے  
ہو گیا تھا کہ اس کا باپ ایک جاسوس ہے۔ وہ یقیناً مہرام کا بدبخت  
تھا، اس بات کا پتہ اُسے اب چلا تھا۔



خوشنمادوں میں جس تصویر کی ایک بات...  
 "شفت آب" بہرام کا مڑو لکھا گیا خواب ہو گیا۔ "دراستی  
 ڈھیل مل اور تھماری کپڑاں شروع ہو گئی ہیں اس وقت تک کل دار  
 لڑکی کا تذکرہ بھی نہیں سنا جاتا۔ تم رز و کے سلسلے میں کیا کرنے  
 جا رہے ہو؟"

"سوائے آرزو کرنے کے اور کیا کیا کیا جا سکتا ہے۔ ٹائیگر  
 نے کرلے کے سے انداز میں کہا۔ "سببت ہی ہر ذوق لوگوں سے بالا  
 پڑا ہے۔ کم بہت لڑکی کو کیڑو کسلاٹر ہاؤس لے گئے ہیں اور مجھے  
 یوں طلب کیا ہے جیسے میں کوئی قربانی کا بلکا ہوں۔"  
 "کونڈ...؟ دوسری طرف سے کہا گیا اور فوراً ہی سلسلہ  
 منقطع ہو گیا۔ اس کا مطلب تھا بہرام کو کچھ تھا کہ وہ اب فنون  
 باتوں سے اسی کا دماغ چاٹ لے گا۔

ٹائیگر نے رسیور دکھ دیا اور پٹ کر اوشان کی طرف دیکھنے  
 لگا۔ مختصر ترین والد محرم۔ وہ بظاہر ادب سے لیکن مضحکہ خیز  
 بیٹے میں بولا۔ میں ایک کام سے جا رہا ہوں۔

"ٹائیگر۔۔۔ اوشان نے عجیب سے انداز میں اس کا  
 نام پکارا۔

اس سے پہلے کہ اوشان کچھ اور کہتا شہزادہ ملدی سے بول پڑا۔  
 "میں جانتا ہوں کل دار۔ آپ نہیں جانتے کہ میں وہاں  
 جاؤں۔ وہاں وہ خون آشام لوگ موجود ہیں گئے جہلا شول کا سر  
 کاٹ کر درخت کے تنے میں سے بڑے طاق میں سجا دیتے ہیں  
 اصلاح کو درخت سے لٹکا کر اس کے اندرونی اعضا میں سے ذوق  
 کر دیتے ہیں۔ میری زندگی میری روح۔ میرا فن۔۔۔ اور سرفرائی  
 ... یہ ان سب کا امتحان ہے، مثل فل دار اور میں اس امتحان کے  
 لیے میدان میں غرور کرتا ہوں گا۔"

"نہیں... نہیں تمہیں روکنا نہیں چاہتا، میرے بچے۔"  
 اوشان کا پڑا اسرار پر برقرار رہا۔

"ادہ، تو میرا آپ خود میرے ساتھ وہاں ملنا چاہتے ہیں  
 گئے۔ آپ اپنے ناکارہ سے شاگردی مدد کرنا چاہتے ہوں گے۔ یہ  
 کہتے بڑے ٹائیگر کا گویہ بہ انتہا سخت اور گستاخ ہو گیا لیکن اس  
 بچے کی گہرائی میں اپنی قوت، اپنی مہارت، اپنے فن۔۔۔ اور  
 اوشان کے لیے بے پناہ فخر کا احساس بھی موجود تھا۔  
 "نہیں... میں تمہارے ساتھ نہیں جانا چاہتا؛ اوشان نے  
 جواب دیا۔

"نہیں جانا چاہتے، ٹائیگر عورت سے اچھل پڑا۔ مجھے

فردا ہی سلسلہ منقطع کر دیتا تھا۔  
 ٹائیگر نے شن و بان کو چارہ گرو کے بیٹے کو رکا کر ڈیڑا مل  
 کیا۔ آٹھ سیکنڈ تک کپیوٹر کی چیزیاں گھومتی رہیں۔... بہرام  
 کا کپیوٹر ہی کی مدد سے ڈائل ہوا اور دوسری طرف فن کی ٹھنٹی  
 بجنے لگی۔

"ہیلو سویٹ ہارٹ! میں آپ کو ایک اطلاع دینا چاہتا  
 تھا۔ اس نے کہا۔ مجھے ابھی ابھی ایک کال وصول ہوئی ہے۔  
 "مجھے بھی کال ملی ہے۔ تمہاری کال کس سلسلے میں تھی؟  
 دوسری طرف سے بہرام نے تشویش سے پوچھا۔

"قیدی... انھوں نے آرزو کو پکڑ لیا ہے اور ان کی خواہش  
 ہے کہ میں اسے آزاد کرانے کے لیے ان کے جہاں میں چھپس  
 جاؤں کیا آپ کو بھی اسی سلسلے میں کال کیا گیا تھا؟  
 "مجھے تو کال ملی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہم جازوں  
 کا گوشت زہر آلود کرنے والوں تک رسائی حاصل کرنے میں  
 کامیاب ہو گئے ہیں۔"

"ادہ... کیا واقعی ٹائیگر میں کرا چھل ہی تو پڑا۔  
 "ہاں... دوسری طرف سے بہرام کی آواز کافی مسرور تھی۔

"میں نے بوستان کی آخری رپورٹ دوبارہ سنی تھی۔ اس میں  
 ایک بات کا تذکرہ تھا جسے لاعلمی کی وجہ سے اہمیت نہیں  
 دی گئی تھی، مجھے صحت کی طرف سے جانوروں پر جو مہر لگائی  
 جاتی ہے، زہر اس کے ذریعے پھیلایا گیا تھا۔"

"ادہ، مائی گاڈ! ٹائیگر کے ذہن میں وہ ترغابی گھوم گئی  
 جس پر ایسی ہی ایک مہر موجود تھی۔ تب وہ دل کی گہرائیوں سے  
 اوشان کی عظمت کا قائل ہو گیا جس نے اسے شہر میں زہر کی  
 موجودگی محسوس کر لی تھی۔ بہر حال، اس کا مطلب ہے کہ  
 اب مجھے ممکنہ صحت کی صحت کا بھی جائزہ لینا پڑے گا۔  
 "نہیں۔ یہ تمہارا کام نہیں۔ اس کے لیے دوسرے لوگ  
 با آسانی کام کر سکیں گے۔"

"آپ کے منہ میں بھی مشکریہ ٹائیگر نے قبہر لگا کر کہا۔  
 "چلو شکریہ۔ آپ کوئی ایسا کام تو نکال جیے دوسرے لوگ بھی  
 کر سکیں گے۔ ورنہ مجھے تو ڈر تھا کہ کہیں آپ لوگوں کے کھڑوں  
 کے بنگرہ بھی مجھ سے ہی نکھلنا شروع کر دیں۔"

دوسری طرف سے بھی قبہر مٹائی دیا۔ اس کا مطلب تھا  
 کہ بہرام بے حد خوش گوار نمود میں تھا۔

"سویٹ ہارٹ! ٹائیگر نے کہا۔ اگر آپ آج اتنے ہی

آئی۔ اسے یہ سن کر اطمینان ہوا تھا کہ آرزو نہ صرف اسی شہر میں  
 موجود ہے بلکہ ابھی تک محفوظ بھی ہے۔ اس نے کھلڈر سے  
 انداز میں جواب دیا۔ عجیب بات ہے، اتم سے کس نے کہا  
 دیا کہ میں اس پاگل لڑکی کو دوبارہ دیکھنا چاہتا ہوں؟  
 دوسری طرف لمحات خاموشی چھا گئی۔... پھر بولنے والے  
 نے اپنی مخصوص آوازیں دوبارہ کہاں، اگر تمہیں اس کا ذرا سا بھی  
 خیال ہے تو میری بات غور سے سنو۔"

"کیا تم عقل سے پیید ہو، میرے بھائی؟ ٹائیگر نے جھلا  
 کر کہا۔ مجھے کسی ایسی لڑکی کا جھلا لینے خیال ہو سکتا ہے، جسے  
 میرا خیال نہ ہو۔ کل رات اس نے میرے ساتھ جو کچھ کیا ہے،  
 اس کی روشنی میں تو میں اس کا تصور کرنا بھی نگاہ خیال  
 کر دیا تھا۔"

"اگر تم نے میری بات پر توجہ نہ دی تو ہم سے قتل کر دیں  
 گے۔ اس بار دوسری طرف سے بولنے والے کا لہجہ بیدار ہو گیا تھا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ میرے پاس چارٹس موجود ہے؟ ٹائیگر  
 نے کہا اور نہیں پڑا۔ وہ اس شخص پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا  
 کہ آرزو اس کے لیے کتنی اہمیت رکھتی ہے۔

"اگر تم نے توجہ سے میری بات نہ سنی تو اس لڑکی کو مڑو  
 سمجھ لینا۔ اس بار دوسری طرف سے بولنے والے کا لہجہ مزید  
 سرد اور سفاک ہو گیا۔

"ادہ... اس کا مطلب ہے کہ میرے پاس انتخاب کی  
 کوئی گنجائش نہیں ہے، ٹائیگر نے قبہر لگا کر جواب دیا۔ بہر حال  
 بڑے بھائی ابلو۔ کیا تھے ہو؟ آخر ایک جوان لڑکی کا معاملہ ہے  
 مجھے تمہاری بات غور سے سننی ہی پڑے گی۔"

"اما کے سلاٹر ہاؤس پہنچ جاؤ۔ دوسری طرف سے ٹائیگر  
 لہجے میں کہا گیا: اس سلسلے میں تمہیں صرف نصف گھنٹے کی  
 مہلت دی جا سکتی ہے۔ وہاں تم سے باقاعدہ بات چیت  
 کی جائے گی۔ اگر معاملہ بن گیا تو تھک دینا۔۔۔ اس نے جملہ  
 اودھوا ہی چھوڑ دیا۔ بہر حال، مٹھانا آنا اور کوئی شرارت نہ کرنا ورنہ  
 تم اس لڑکی کو زندہ نہیں باقی رہے۔"

"آج میرا مڑو کسی لڑکی سے ملاقات کے لیے نہیں چاہا  
 تھا لیکن تب تم مجھ کو کہہ رہے ہو تو آج ہی بڑے گا۔ ٹائیگر نے  
 کہہ کر رسیور دکھ دیا۔ اسے یقین تھا کہ اس کا آخری جملہ دوسرے  
 طرف نہیں سنا گیا ہوگا کیوں کہ اس شخص نے تنبیہ کرنے کے بہ

"ہتھیار...؟ اوشان نے غصہ سے بولا۔ انسان نے اپنی  
 قوت بازو پر انحصار چھوڑ کر ہتھیاروں کی پناہ حاصل کر لی ہے۔  
 اب ایک آدمی، کبھی کے پیر پہنچتی ہوئی کسی مخلوق کے ذریعے  
 پوری ایک فوج کا صفایا کر رہا تھا۔"

طالع کا اشارہ غالباً جوہری آٹائی کے ہتھیاروں اور  
 جراثیموں سے لیس، ہلکے ہتھیاروں کی جانب ہے۔ ٹائیگر  
 نے اپنی توجہ بنانے کے لیے بات نکالی۔  
 "تم لڑکی کو تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔"

اوشان نے کہا۔  
 "نہیں... وہ غالباً اس شہر میں نہیں ہے۔ ایک خوفزدہ  
 لڑکی خوف زدہ ہر لی کی مانند ہوتی ہے جو جب فار ہوتی ہے  
 تو یہ اندازہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ اس کے قدم کہاں جا کر  
 رکھیں گے۔"

"مکن ہے، تمہارا خیال درست ہو۔ اوشان بڑبڑایا۔  
 "لیکن جہاں تک میرا خیال ہے اس کے پاس رقم نہیں تھی۔  
 رقم کی غیر موجودگی میں وہ کہاں جا سکتی ہے؟  
 ایک حسین لڑکی بذات خود چلتی پھرتی دولت ہوتی ہے۔  
 اسے رقم کی کیا ضرورت ہے۔ وہ اگر چاہے تو کسی سے بھی  
 لفٹ لے سکتی ہے۔"

"اور وہ جس کسی سے بھی لفٹ لیتی ہے، وہ اسے اپنی  
 مرضی سے جہاں چاہے لے جا سکتا ہے، اوشان کی آواز قدرے  
 بلند ہو گئی۔

"مجھ سے حماقت ہوئی۔ ٹائیگر نے جواب دیا۔ چیف کو  
 ایک فون کرنا کافی ہوتا۔ وہ اس لڑکی کو چند منٹوں میں پتال سے  
 ڈھونڈ کر نکال لاتا۔"

اوشان اپنے مخصوص انداز میں ہنسے لگا۔ ٹائیگر کی  
 تعجب کے لیے ایک عملی مظاہرہ تھا۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ کدک  
 اور غول کو دل و دماغ سے آنا قریب نہیں آئے دینا چاہیے  
 کہ انسان سوچنے سمجھنے سے ہی عاری ہو جائے۔  
 "میں بہرام سے رابطہ قائم کرنا ہوں۔ ٹائیگر اچھل کر  
 کھڑا ہو گیا اور فون کی طرف بڑھا۔ عین اسی لمحے فون بیدار ہو گیا۔  
 وہ تیزی سے لپکا اور رسیور اٹھا کر بولا۔ سیلو۔۔۔

"اگر تم آرزو کو دوبارہ دیکھنا چاہتے ہو، دوسری طرف سے  
 ایک بھاری آواز مٹائی دی تو تصویر کی بات غور سے سنو۔  
 ٹائیگر کے ہونٹوں پر بڑبڑاہی سفاک مسکراہٹ اُٹھ

روکن بھی نہیں چاہتے... تو میرا آپ کی جانتے ہیں مثل قادر؟  
 "صفت ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ سکون سے ماضی...  
 تمہارے دل و دماغ پر جو غصے کا اثر ہے، وہ تمہاری توانائی میں  
 مہارت اور ترقی پر بھی اثر انداز ہوگا... اور یہ کمزوری تمہارے لیے  
 نقصان دہ ہی نہیں ہے پناہ ہلکے بھی ثابت ہو سکتی ہے جو کچھ  
 میں نے تمہیں سکھا یا ہے، اسے بڑے یا د رکھنا، تم اب ان لوگوں  
 سے مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہو جاؤ اور سنا بخوبی غامض  
 کرو، یہ بیکراؤ دشان کو مل کی طرف گھوم گیا۔  
 ٹائٹل پر رقت کی طاری ہو گئی تھی۔ آج آؤشان کی عظمت  
 کا جو بڑا اس کے دل پر بیٹھا تھا، وہ اس کے زیر اثر اٹھنے کی سی  
 کیفیت محسوس کرنے لگا تھا۔

اور فاعوش کو اٹھائے اسناد اور روحانی باپ کی طرف دیکھتا رہا۔  
 آؤشان کو مل کی طرف متوجہ ہونے کے بعد چند لمحوں تک  
 آسمان کی طرف دیکھتا رہا... پھر اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور زفرہ  
 متوک ہو گیا، بلوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ دل کی گہرائیوں سے ٹائٹل  
 کی سلامتی اور نجات پال کے لیے دعا کر رہا ہو۔ ہر نکلے وسیع و عریض  
 کرے میں اچانک ہی اس کا وجود بے حد متحسّر لگنے لگا تھا... وہ  
 دل گرفتہ تھا اور اس کے جذبات ناہیکر کے لیے اجنبی نہیں تھے لیکن  
 آج وہ اسے پریشان، آؤاس اور زفرہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا، مثل  
 قادر... اس نے بڑی محبت سے کہا: "یقین کیجیے کہ آپ کو  
 میری طرف سے ناکامی کی خبر نہیں ملے گی، اپنے ذہن کو برقرار رکھو  
 آزاد کرو دیجیے۔"

"یہ سب دیریں پرائی فکر ہے، میرے بچے، آؤشان: بڑا یاد  
 ... اس قدر میرے آباؤ اجداد کا خون شامل ہے۔ اس  
 میں ان کی قوتوں کی تشبیہ اور شکست کے زخموں سے پرستی  
 جوئی بے شمل ہے۔ میں جھلا کیسے فکر کروں۔ میں آج اپنے  
 بچے کو کسی ہم پر بھیج رہا ہوں، جس ہم پر میرے آباؤ اجداد نے  
 اپنے بچوں کو بھیجا تھا... اور ان میں سے کوئی بھی زندہ واپس  
 نہیں آیا تھا۔"  
 "مڈانے ہا اتر قی کی فتح ہوگی، ٹائٹل بڑے عزم  
 سے کہا۔

آؤشان نے کوئی جواب نہیں دیا، اس کی اچھیں اب  
 بھی بند تھیں اور سانس کی متوک نالی تباہی کی کڑھ دل کی دل میں  
 اپنے خالق حقیقی سے ہم کلام ہے۔ نہ جانے کہوں ٹائٹل کو کیوں  
 بڑا جیسے اس؟... مائٹل باپ اس کی زندگی سے مایوس ہے اور وہ

علیم سے اس کی زندگی کی سبک مانگ رہا ہے۔

وہ پٹ کر دروازے کی طرف چلنے لگا۔ اس کا ریشر ریشر  
 پڑ سکون تھا اور اس کے عضلات میں اتنی تلک پیدا ہو گئی تھی کہ وہ  
 خود کو ایک ایسا آدمی سمجھنے پر مجبور ہو گیا جس کے جسم میں ایک مٹی  
 بڑی موجود نہ ہو۔  
 آؤشان پر ستور سر جھٹکے، مٹھا رہا جی کر دروازہ بند ہونے  
 کی آواز سنائی دی۔ "مٹھا در بنا میرے بچے..." وہ زبردست  
 بولا اور پھر اس کا چہرہ پستے سے کہیں زیادہ زرد دکھائی دینے لگا۔

گلوک، دوسری منزل پر واقع ایک اسٹور میں بیٹھا ہوا تھا۔  
 اس نکلان کے بیرونی دروازے پر اسٹور بند ہے، کی سختی  
 مٹی ہوئی تھی۔ وہ دکان کے ایک ایسے حصے میں برا جان تھا، جہاں  
 سے باہر ملک پر آسانی سے دیکھا جاسکتا تھا اس کے علاوہ سامنے  
 واقع ہوئی کی عمارت بھی اس کی نگاہ میں تھی، خاص طور سے ہوئی  
 کا صدر دروازہ اسے صاف نظر آ رہا تھا اور یہاں اس کی نشست کا  
 مقصد بھی یہ تھا کہ وہ ہوئی کے دروازے کی نگرانی کرتا رہے۔  
 وہ ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کی دونوں ٹانگیں صلی  
 ہوئی تھیں۔

\*\*\*  
 اس کی آنکھوں سے یہ ثابت و ردور میں مٹی ہوئی تھی۔  
 دائیں جانب ایک گلاس رکھا ہوا تھا، جس میں نصف کے قریب  
 برانڈی موجود تھی، بھی بھی اس کا داہاں ہاتھ اندازے سے گلاس  
 کی طرف بڑھتا، اس کی انگلیاں گلاس کے گرد لپٹ جائیں اور وہ اسے  
 اٹھا کر منہ سے لگا لیتا... پھر ایک گھونٹ لے کر گلاس واپس رکھ دیتا  
 تھا، اب تک گلاس اٹھانے یا واپس رکھنے میں اس سے اندازے  
 کی ایک بار بھی غلطی نہیں ہوئی تھی۔

گلوک کے نقش میں ایک آرام کرسی پر ایک اور شخص بھی  
 براجمان تھا، جس کے جتنے ہوٹوں میں ایک سگاسٹنگ رہا تھا  
 وہ ڈھوئیں کے مرنے کی آوٹ سے اپنے ساتھی کی طرف دیکھ رہا  
 تھا، جس کے انہماک میں بڑی دیر سے دھماکی کی نہیں آئی تھی۔ کچھ دیر  
 بعد جب وہ لاوا تو اس کے ہونٹوں میں دیا ہوا سگاسٹنگ میں اٹھیا اور  
 اس کے گونے پر جمع رہا اس کی کھٹی میں گر گئی۔

"اگر وہ ہوئی کے قطعی دروازے سے نکل گیا تو کیا ہوگا، یاٹل  
 نے سوال کیا۔

"چارلی نے کہا تھا کہ وہ صدر دروازے سے ہی باہر آئے گا،  
 گلوک نے آنکھوں سے دور بین بنائے بغیر جواب دیا۔

"تم یہ محسوس دور میں کہوں استعمال کر رہے ہو یاٹل سین کا  
 لپو جھٹلا پٹا آ رہا تھا، جبکہ تم ہوئی کا صدر دروازہ آسانی سے دیکھ سکتے ہو؟  
 "چارلی نے کہا تھا کہ میں اس کو گھومیں دینا چاہیے، گلوک  
 نے جواب دیا، اس بار بھی اس نے آنکھوں سے دور بین بنائے کی حدت  
 میں محسوس کی تھی۔

"چارلی... چارلی... یاٹل سین کا خود خراب  
 ہو گیا۔ اس کے پیچھے بے پناہ نفرت جھلک آئی تھی، آخر یہ چارلی  
 تمہارے ذہن سے اس حد تک کیوں چٹا ہوا ہے؟  
 "میرا خیال ہے، اب تمہیں یہ تبصرے بازی بند کرنی چاہیے"  
 گلوک نے جواب دیا، اس کا ہر تین تین آ رہا تھا، "میں یقین کر لیتا چاہیے  
 کہ وہ شخص ہماری آنکھوں میں ڈھول جھونک کر نکل جائے میں کامیاب  
 نہ ہو جائے۔"

"ہماری آنکھوں میں... یاٹل سین نے نفرت سے کہا: "اس  
 بات سے تمہارا کیا مطلب ہے، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اسی طرح جتنی بنا  
 یہاں بیٹھا رہوں گا۔ میں تو میں میں ہی تک کیسے کے پاس جا رہا ہوں؟  
 پہلی بار گلوک نے آنکھوں سے دور بین بنائی، اس کا چہرہ  
 آہستہ آہستہ اپنے ساتھی کی طرف گھوم گیا، "میرا خیال ہے، میں نے تمہیں  
 کہا تھا کہ اس عورت کو ٹھکانے لگا دو۔ میں کسی گواہ کو زندہ نہیں چھوڑنا  
 چاہیے۔ یہ چیز ہماری موت کی علامت بھی بن سکتی ہے، اس مرتبہ  
 گلوک کے لیے میں بے پناہ جھٹلا ہٹ تھی۔

"میں اسے شکا نے لگا دوں گا، یاٹل سین نے جلدی سے  
 کہا: "در اصل وہ میری وقت گزارا کا کافی وقت سب سے سب سب سب سب  
 ہے، جانتے ہو، جب میں اسے محض انگلی سے چھو تا ہوں تو وہ یوں  
 اچھل پڑتی ہے جیسے لوہے کی بجائے کوئی گیند رہی ہو، یہ کہہ کر وہ  
 خوش ذہنی سے ہنس پڑا، اس کے لیے میں گورے وقتوں کی یادیں،  
 اپنی تمام تر غلطیوں کے ساتھ نمایاں تھیں۔

گلوک نے بڑا سانس لیا، اسے اپنے ساتھی کی یہ عادت  
 قطعاً پسند نہیں تھی۔ وہ دونوں کے مٹانے میں بے حد ناگاہی اعتبار  
 ثابت ہوا تھا۔ اس نے دوبارہ دور بین آنکھوں سے لگا لی اور ہوئی  
 کے صدر دروازے کی طرف دیکھنے لگا، "میں سمجھتا ہوں کہ تم نے اگر کم  
 اس دوسری عورت کو فرار دیکھا ہے، لگا دیا ہوگا، اس کا بھلا سنا میرا تھا۔

"ہاں... اور وہ اپنی قریب سو رہی ہے، یاٹل سین کو لانا یقین  
 نہیں آتا تو جا کر ٹیک کر لو... لیکن اس کے لیے تمہیں ایک قہر کوئی  
 پڑے گی، اگر تم وہ قہر کوئی دے کے لیے آمادہ ہو جاؤ تو میں اس  
 عورت کی صورت دیکھنے کے لیے ضرور جاؤں گا، یاٹل سین کے

بچے سے پرانے وقتوں کی پُر لطف یادوں کا اظہار ہو رہا تھا، "میں  
 ایک وقت میں صرف ایک عورت سے دوستی کا قائل ہوں"  
 "میں تمہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں، گلوک نے طنز سے  
 لہجے میں کہا... لیکن اب اس کا منہ پہلے جیسا خراب نہیں تھا، اور  
 اس شکار کا کیا حال ہے؟ اس نے ایک دوسرا سا اشارہ کرتے  
 ہوئے کہا۔

"اوہ، اسے تو میں بھول ہی گیا تھا، یاٹل سین نے جلدی سے  
 کہا اور اٹھ کھڑا ہوا جیسے اسے اپنی بھول پر اسوس ہو رہا ہو، میرا خیال  
 ہے، زندگی میں پہلی بار مجھے اپنے اصول میں تھوڑی سی تبدیلی پیدا  
 کرنی پڑے گی۔"

"کیا ہانگ رہے ہو، گلوک کے پیچھے میں جرت تھی۔  
 "میرا مطلب ہے کہ میں ایک وقت میں دو عورتوں کے ساتھ  
 دوستی کروں گا، یاٹل سین نے جواب دیا۔

"اس کے لیے میں تمہیں نئے میں نہیں کروں گا... لیکن نہ جانے  
 ہمیں کس وقت یہاں سے چل دینا پڑے؟"

"پرواز کرو، کام کا وقت آ گیا تو میں ہی العورت فری روگرام  
 متوی کروں گا، یاٹل سین نے وعدہ کیا اور اسٹور کے قطعی دروازے  
 کی طرف چل دیا۔

"جاؤ، مڑے کرو... لیکن میری ایک آواز پر پلٹنے کے لیے  
 تیار ہو جانا، گلوک نے یاد دہانی کرائی۔

یاٹل سین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اچانک ہی آوارہ  
 خیالوں میں گھو گیا تھا۔ اسے اسوس ہو رہا تھا کہ بلاوجہ اتنا وقت  
 کھڑکی کے سامنے بیٹھ کر گلوک سے فعلوں باتوں میں گزار دیا، یہ وقت  
 تودہ سنہرے بالوں والی اس لڑکی کی رفاقت میں، بے پناہ پُر لطف  
 انداز میں گزار سکتا تھا۔ اس وقت وہ دونوں جس اسٹور میں تھے،  
 اس کی چھت سے بڑے ہی خوشنما رنگین ڈھیر امن آؤراں تھے، ایسے  
 ہی ان گنت ڈھیر امن دیواروں پر چسپاں تھے۔ وہ ان دونوں کے  
 غم سے محظوظ ہوتا ہوا ایک نشوونما جیسے کے سامنے رک گیا، اس  
 جیسے پھاؤ پر سے پھار کے سے انداز میں روشنی کی کرنیں گر رہی تھیں  
 اور یوں لگتا تھا جیسے کوئی سبز چاند کی کرنوں میں کھڑی غسل سے...  
 لطف اندوز ہو رہی ہو۔

وہ چند لمحوں اس جیسے کو گھورتا اور مشکرا تا رہا... پھر زبرد  
 ہلا... "لاش! میں زندہ عورتوں کو ہلاک کر کے بھول جیسی لاشیں  
 بنانے کی بجائے، مجھ کو زندہ عورتوں میں تبدیل کرنے پر قادر ہوتا  
 ... تو اسے سینہ اس نے جیسے کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے

بازاری سے انداز میں کہا: "میں تجھے اپنی دوستی کے لیے ضرور زندہ کر لیتا۔۔۔ اور تب تمہیں پتہ چلتا کہ یاٹ سین کتنا جاہلیت کرنے والا ہے۔"

سلسلوی جیسے کی آنکھوں میں ہلور لگے ہوئے تھے جو روشنی میں اصلی آنکھوں کی مانند چمک رہے تھے۔ اس کے ہونٹوں پر بڑا ہی سحرانگیز ہنس تھا جس کی کسی نے بھی اسے اتنا شہناہ، وہ یقیناً سلسلوی شہن کا بے پناہ قدر دان رہا ہو گا۔

جیسے کے چلنے کدے سے ہاتھ پھیلا کر یاٹ سین آگے بڑھ گیا اس کا زرخ ستور کے اس دروازے کی جانب تھا، جو عینی کرے میں گھلتا تھا۔

اس نے دروازہ کھول دیا۔  
تاب گھومتے سے اسٹور کی خاموش فضا میں جو غصیف سی چرچراٹ پیدا ہوئی تھی، اُسے سن کر گلوک کا ہنسا ہنسا ہو گیا اس نے آنکھوں سے دو درین ثانی اور دہکتا کر دیکھنے لگا۔

عینی سر۔۔۔ کاروازہ کھل چکا تھا اور یاٹ سین دروازے میں ٹانگیں پھیلائے کسی ایسے شکاری کی طرح کھڑا تھا، جس کا شکار اس کے سامنے بے بس پڑا ہو۔ گلوک کی نگاہ ایک سنہرے بالوں والے سر پر جم گئی۔ یہ ایک لڑکی کا سر تھا جس کے بال منتشر تھے اور سر فرش پر پڑا ہوا تھا جبکہ اس کا دھڑا ایک کڑی پر تھا۔ لڑکی کو کڑی پر اس طرح باندھا گیا تھا کہ اس کے تنو سے چھت کی طرف تھے پتیلیاں لڑکی کے منوں سے چوڑی کڑی کے ساتھ مضبوطی سے بندھی ہوئی تھیں۔ گھر کے گرد چوڑے کی مضبوط پتیلیاں کسی ہونی نہیں اور بلا لڑ سمٹ کر اس کی گردن پر ہو گیا تھا۔

گلوک کی سماعت سے ایک گھٹتی گھٹتی سی سسکاری کی آواز گرائی اور یوں لگا جیسے کسی کا گلا گھٹ کر بے سسکی دریاں ہی میں ٹوٹ گئی ہو۔

یاٹ سین چند لمحوں تک ٹانگیں پھیلائے دروازے میں کھڑا سامنے بند کی ہونی لڑکی کو دیکھتا رہا۔۔۔ پھر وہ ایک قدم آگے بڑھا اور پاؤں کی اڑی عقب میں اچھال کر دروازہ بند کر دیا۔  
دروازہ بند ہونے کی آواز سن کر گلوک کے ہونٹوں پر بڑی ہی متفک سی مسکراہٹ کھیل گئی اور اگلے ہی سماعت وہ دروازے کی طرف سے رخ پھیر کر درین آنکھوں سے لگائے، مڑک کے اس یار واقع ہونٹوں کی عمارت کو گھڑنے میں مصروف ہو گیا۔

پانچ منٹ بعد چانک ہی اس کے منہ سے ایک لغوہ نکل گیا۔ اس نے دو درین سے دیکھا کہ ایک نوجوان ہونٹوں کے بعد

دروازہ سے باہر آ رہا ہے۔ اس کی جال بڑی ہی عجیب تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی سیلے رقص اتار اتار کر گیل رہا ہو۔ اس نے یہاں فی شرت پہن رکھی تھی اور وہ ہونٹوں کے مصدر دروازے پر کھڑے سے نگران سے باتیں کرنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ نگران نے اس کی باتوں پر اشارت میں سر ہلایا اور دفعتی مت میں اشارہ کر دیا۔

گلوک کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل گئی۔ وہ جانتا تھا کہ ہمارا کار سلاٹر باؤس اس جانب واقع ہے اور نوجوان نے نگران سے وہیں کا پتہ معلوم کر لیا ہے۔ نگران نے کوئی ٹیکسی روکنے کے لیے آگے بڑھنے کی کوشش کی لیکن نوجوان نے اُسے روک دیا اور پیدل ہی اپنی منزل کی طرف چل دیا۔

گلوک نے دو درین رکھ دی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے گلوک کی سے نگاہ بٹالی۔ وہ بے حد مطمئن تھا۔ اُسے یقین تھا کہ ہونٹوں کے کمرے میں اب اس بوڑھے کے علاوہ کوئی بھی موجود نہیں ہوگا۔ اس کا نوجوان شائق سلاٹر باؤس کی طرف جارہا تھا جہاں موت اس کا انتظار کر رہی تھی جب کہ وہ اور یاٹ سین تو بوڑھے کی زندگی سے کھینچے جا رہے تھے۔

"یاٹ سین! وہ چیخ کر بولا۔۔۔ چلو۔۔۔ وقت آگیا۔ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا تو عینی بند دروازے کی طرف سے کسی کے دور کرنے کی آواز سنائی دی۔

دروازہ ایک دھماکے سے کھلا اور یاٹ سین دکھائی دیا۔ وہ اپنے ہاتھ پتوں سے زور زور کر خشک کر رہا تھا۔ اس سے قبل کہ وہ دروازہ بند کرنا گلوک کی نگاہ عینی کرے میں رکھی ہوئی اس کی گری پر پڑی جس پر اس لڑکی کو کمرے بل کر کے باندھا گیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ کڑی خالی ہے، اُسے کھلے دروازے سے کرے کا جتنا

میں جھٹھ دکھائی دیتا تھا، اس کا ہاتھ لیا تو اسے موت لڑکی کی ٹانگیں ہی دکھائی دی تھیں۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی نکال مسکراہٹ پھیلی۔۔۔ اور یہ یاٹ سین نے عینی کرے کا دروازہ بند کر کے وہ منتظر اس کی بنیالی سے عین کیا۔

"نیکول! ایسی رہی؟" گلوک نے عجیب سے سلجھے میں دریافت کیا۔

"نہیں۔۔۔ یاٹ سین نے بڑا سا منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔" اس سے قبل کوئی گھٹت دلالت کے ابتدائی لمحے سے شہنا ہوا، وہ دم گھٹنے کی دم سے ہلاک ہو گئی۔

"اوہ، یہ تو بہت بڑا ہوا! گلوک نے افسوس کا اظہار کیا۔  
"بہر حال چلو۔۔۔ کام کا وقت ہو گیا ہے۔"

یاٹ سین اسٹور کی دیوار کی طرف بڑھ گیا جس پر ربر کا ایک حوض لٹکا ہوا تھا، اس دوران میں گلوک نے ایک بزرنگ کانکٹر تھمبٹ کر اپنے سامنے کر لیا۔

"کیا ہیں وہ نمونی مرغ لہادہ بھی بیننا پڑے گا؟" یاٹ سین فرمایا۔ اس کا سوچ کچھ زیادہ ہی خراب ہو چکا تھا اور وہ کسی باؤس کے لیے کی طرح بار بار ذرا میں نکال رہا تھا۔

"وہ کیوں؟" گلوک نے حلیوی سے کہا۔ "چارلی اور عدرا برو کی کوچی اب اس لہادہ کی زیادہ پروا نہیں رہی۔ ایسے ہی کیوں پانڈی کر۔۔۔ پھر انھیں کون بنائے گا کمرے میں اپنا کام کرتے وقت مرغ لہادہ نہیں بیننا تھا۔ میں تو جا بیٹھوں گا وہاں پل کر اس بوڑھے کو کسی لوگ طرح چھیل ڈالیں۔ دراصل میں مبداء لہادہ اس بوڑھے سے منٹ کر سلاٹر باؤس جانا چاہتا ہوں۔ وہاں جو انجین اور تھریل ہونے والا ہے، میں اس میں بھی حصہ لے کر کھٹ اندوز ہونا چاہتا ہوں۔"

"چلو۔۔۔ یاٹ سین نے ربر کا حوض اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا تو گلوک نے وہ مزید کانکٹر اٹھا لیا اور اس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔

دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے کچنی منزل پر وارد ہو کر پرنکل آئے مڑک پارک کے وہ ادھر ادھر دیکھنے پڑے ہوئے ہونٹوں کے مصدر دروازے میں کھٹے ہوئے گئے۔ ربر لوگ دور سے نکل کر وہ استقبال کے قریب سے گزر کر کھٹ کے قریب پہنچے تو کوئی لوگوں نے انھیں حیرت سے دیکھا۔

"تم لوگ کون ہو اور کہاں جا رہے ہو؟" لیفٹ آ بریزر نے سوال کیا۔

"اسٹریٹنگنگ۔۔۔ گلوک نے جواب دیا۔

"بارہوی منزل۔۔۔" یاٹ سین نے حلیوی سے اس کی

ہاں میں ہاں ملانی اور لیفٹ تیزی سے بارہوی منزل کی طرف اُٹھ چکی تھی۔

بارہوی منزل پر واقع ہونٹوں کے کمرے کے دروازے چٹائی پر بیٹھے ہوئے اوشان کی آنکھیں بند تھیں۔ جب سے ٹانگیں لگا تھا، اس کی حالت بڑی ہی عجیب سی ہو رہی تھی۔ اس نے زندگی میں خود کو کبھی اتنا بے بس محسوس نہیں کیا تھا۔ وہ اپنے جگرگوں کی رواج کو مدد کے لیے بکار رہا تھا۔ اپنے خالق حقیقی سے ٹانگیں زندگی کی بیبک مانگ رہا تھا اور اپنے تمام ترویجی مہذبوں کی تہاس سے اس کی فنی کی دھماکا رہا تھا۔

جب اس کے بے قرار ہونٹوں کو کس طرح چین آیا تو اس نے

آنکھیں مزید سختی سے بند کر لیں اور غور کو زبردستی سے بھگانا بنایا۔ وہ اپنے ذہن پروردے رہا تھا۔ اس کا ذہن تھوڑی ہی دیر بعد عامی کا سفر کرنے لگا۔ وہ اپنی سوچوں اور اپنے خیالات کو پیچھے۔۔۔ اور پیچھے۔۔۔ بہت پیچھے سے جارہا تھا۔ وہ اپنے ذہن کے ایک خاص خانے تک رسائی پا رہا تھا۔ اس خانے تک پہنچنے کے لیے اُسے شدید ذہنی کارکردگی پڑی۔ لیکن وہ دہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔۔۔ یہ اس کے بچپن کا خانہ تھا۔

وہ اس وقت کا منظر اپنے ذہن میں دہرا رہا تھا اب اس نے اپنے آپ سے ماسٹر کے فرائض حاصل کیے تھے۔ وہ پرتھو لیکن یہ فرائض بہت اُسی کے کندھوں پر ڈالے جاسکتے تھے۔ وہ فائدہ سنا پور کا آخری فرزند تھا۔ اس کے باپ اور اس کے علاوہ سارا خاندان ان مرغ لہادہ سے والے شیطانی لڑکے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

اپنے باپ کی شبید ذہن میں پیدا کر کے وہ تصور ہی تصور میں اس کے سامنے نقیض جھک گیا۔

اوشان اپنے مرنے والے تمام بزرگوں کو یاد کرتا رہا۔ عامی کی راکھ سے اُن کے چہرے نکال نکال کر انھیں غر سے دیکھتا رہا۔۔۔ اور پھر وہ اس منظر تک جا پہنچا جب دھوئیں دو دھندے اس کے آبا و اجداد کو نکھل خروغ کر دیا تھا۔ اس دھندے اس سے اس کا سب کچھ چھین لیا تھا۔ اُس کے خاندان کی ایک ایک سٹی غم کو دیتی تھی۔ اُس دھندے اس کے والد کو پورے گاؤں کے سامنے نہامت سے سر تھکانے پر مجبور کر دیا تھا۔۔۔ اور آج برسوں بعد وہی دھند ایک بار پھر سنا پور خاندان کے آخری ختم و چراغ کو نگھٹنے کے لیے پھیل رہی تھی۔

"اوشان سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔  
اُسے اپنے باپ کا انجام یاد گیا۔ وہ نہامت کی موت سے بھٹکا رہا تھا۔ اُس کے ہاتھوں ایک ایسا آدمی ہلاک ہو گیا تھا جسے موت کی حرورت تھی لیکن اس کا خون واجب نہیں تھا۔ یہ ایک تاریکی کی اہمیت کی سازش تھی، جو اُس دھندے سے زیادہ خطرناک اور تباہ کن ثابت ہوئی۔ اس کے خاندان اس کے آبا و اجداد۔ اور اس کے باپ کا دوقادگاہوں کے لوگوں کی نگاہوں میں ختم ہو گیا۔ خود اس کا باپ اپنے آپ میں اس قدر نادم ہوا کہ دونوں کی نگاہوں سے چھپنے لگا اور ایک روز وہ چھپ کر بیٹیوں کی طرف جان لگا جہاں اُس نے اپنے ہاتھوں سے آٹا خرابی ہی جان لائی۔  
باپ مر گیا تو خاندان خطاب خود بخود اوشان کو مل گیا۔ وہ ماسٹر بن گیا۔۔۔ اُس نے بڑی ذہانت اور مہارت سے وقت گزارا اور اپنے والد

”ہاں... لیکن زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ ٹیٹ سین نے ناگواری

الماس ایم اے قیمت: =/200

باجل رفته رفته اس کی ہستی اور اس کے وجود پر چھار ہاتھ

وہ سوچتا رہا... اپنے آباؤ اجداد کی رُوحوں کو پکارتا رہا...  
اپنے خالق حقیقی سے رحم کا طلب گار رہا... حتیٰ کہ اس کی آنکھیں  
کھل گئیں اور گہرے استغراق سے نکلتے ہی وہ چوبک چلا۔  
اس کی سماعت سے بہت ہی دیرپہ قدیم سی دھڑکن کی گلاب  
دھڑکا رہی تھی۔ یہ موت کے دھڑکن کی آہٹ تھی، آؤشان کی حیات  
نے انھیں مجبور کر لیا تھا، وہ جانتا تھا کہ موت اس کے سر پر پہنچ  
چکی ہے۔  
وہ پھل کر کھڑا ہو گیا۔



سے کہا اور چہرے پر ماسک درست کرنے لگا۔ میں جلد از جلد اس مختصر کے ٹکڑے کر کے پھاڑیں۔

گوگ نے تائید میں سر ہلایا۔

”دو دنوں اور دشمن کے قہقہے سے ہم کے ٹکڑے کرنے کے لیے آگے بڑھنے لگے۔ اب ان کے ہاتھوں میں گوشت کاٹنے والے بے سلبے چھڑے دے دیئے گئے۔“

”رک جاؤ۔“ اچانک انھیں ایک آواز سنا دی اور وہ چونک کر ہلٹ پڑے۔ پھر دروازے کی طرف دیکھ کر ان کی آنکھیں حیرت سے پھٹی گئیں۔

عذر ابری نہیں جانتی تھی کہ وہ حرکت کرے۔ چارلی، شنک، کونال اور برگ بھی ایسا نہیں چاہتے تھے۔ ان میں سے دو نے زوی ساخت کی رافٹیں تان بھی تھیں اور تیرا اسرائیلی پوزی سب میر میں گن بھالے کھڑا تھا۔

”اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تم لوگوں نے میرے قتل کا منصوبہ بنا رکھا ہے تو میں کبھی اور کاوش بھی نہ کرتا۔“ ٹائیگر نے کہا۔

اس کی بات بڑی زور کی ساخت کی رافٹوں والے دونوں آدمی کھل کھلا کر سن پڑے کیونکہ شہزادے ادا میں بے پناہ سادگی تھی۔ چارلی نے انھیں ڈانٹ دیا۔ ”عاموش ہو جاؤ۔“

ٹائیگر اس وقت سلاٹر ہاؤس کے ایک کمرے میں، غیر معمولی ساخت کے آہنی روم کے قریب کھڑا تھا۔ اس روم میں ہالڈ کو ذبح کر کے پھینکا جاتا تھا اور یہاں سے مذبحہ کھال اُتارنے اور کڑے، مکڑے کر دینے والی مشینوں کی طرف چلا جاتا تھا۔ یہ وسیع روم عین ذمہ دیکھنے میں تیل کے کسی کنوینر جیسا لگتا تھا۔

آہنی روم اس پلیٹ فلام سے باقاعدگی کے فاصلے پر تھا۔ جس پر عذر ابری کھڑی کھڑی کڑے پتھروں سے ٹائیگر کو گھور رہی تھی۔ اس کے پیٹوں میں چارلی استادہ تھا۔ اس کے ہاتھ میں پلاسٹک کی بنی ہوئی ایک چیز تھی جسے وہ ارادہ ہمارا ہوا تھا۔ پلاسٹک کے اس پھڑکی ما آگے سے پر دھات کی آلی بیروست تھی۔ باقی تینوں ٹائیگر کے پہلوؤں میں اور پھر کھڑے تھے۔ ان کے ہتھیار کسی بھی لمحے آگ اُگلنے کے لیے تیار تھے۔ ان کی آنکھوں کی گرفت اپنے ہتھیاروں پر بے حد متحلی تھی۔ جیسے ان میں سے ہر شخص ٹائیگر کو ہلی گولی مارنے کی شدید خواہش میں مبتلا ہو۔

ٹائیگر نے سلاٹر ہاؤس میں داخل ہوتے ہی محسوس کر لیا تھا کہ کلوز کرٹ کیروں کی مدد سے اس کا ہاتھ لیا جا رہا ہے۔ لیکن اس نے

پہل تک پہنچنے کے دوران میں ایک باہمی کمرے کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ وہ خود ان کی موجودگی کے لیے خبردار کرنا چاہتا تھا اور اسے اپنے مقصد میں ناکامی نہیں ہونی تھی۔

”خفصہ سی حرکت میں نہ کرنا۔“ عذرانے کسی زنجی ناگ کی طرح بل کھا کر کہا۔ ”تمہیں کبھی تک کی اجازت نہیں۔“

”بہت بہت شکریہ۔“ ٹائیگر ہنس پڑا۔ ”مجھے یہ جان کر خوش ہوئی کہ تم اپنے ہاتھوں کو کھانے کا فرض بھی ذاتی طور پر انجام دیتی ہو۔“

”خیال رہے، صرف تمہارے ہاتھوں کو حرکت کرنے کی اجازت ہے۔ اس کے علاوہ تمہارے جسم کا ایک حصہ بھی حرکت میں نہ آئے۔ بولتے رہو۔ آج تمہیں بولنے کی کھلی اجازت ہے۔“ عذرانہ کا بھرپور میں بگڑا ہوا تھا۔

”ہوں۔“ تو اس سارے معاملے کی سرخیزم ہو؟ ٹائیگر نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”نہیں، میں باس نہیں ہوں۔“ عذرانے پہلی بار قد سے مسکرا کر جواب دیا۔ مسٹر وانگ کی باس ہیں۔ لیکن جلد ہی میں باس بن جاؤں گی۔ جیسے ہی یہاں سے گوشت خوردوں کا صفایا ہوگا میں حکمران بن جاؤں گی۔“

”شاید مشرقی لوگوں سے بھی طرح واقف نہیں ہو۔۔۔ یہ مولی گاہر بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ ایک بات تو سناؤ تمہارا قلع کس ملک سے ہے؟ تم یہاں کی باشندہ تو نہیں لگتی۔“

”میں اسرائیلی ہوں۔“ عذر ابری نے بڑے فخر سے یہ جملے بولا۔ ”اُدہ! تو اب انتظار کس بات کا ہے؟ میں اس ملک کا سب سے بڑا گوشت خورد ہوں۔ مجھے گولی مار کر تم حکمران کیوں نہیں بن جاتی؟“

”اُدہ۔۔۔ ابھی بھی کیا جلدی ہے۔“ عذرانے حسین ہونٹوں پر بڑی ہی سفاک مسکراہٹ اُجھرائی۔ ”پہلے تم یہ بتاؤ گے کہ تمہیں اس معاملے کا کس حد تک علم ہے؟ اس کے بعد تمہیں سوزوں کی ایک خاص بیماری کا انکشاف لگا جائے گا۔ اس بیماری میں مبتلا ہو کر جب تم دگے تو میں اپنی زندگی کا دلچسپ ترین منظر دیکھوں گی۔“

”میرا اُدہ بے رحم نہیں اپنی زندگی کا دلچسپ ترین منظر ہی دیکھنے کو دے گا۔“ ٹائیگر نے عذرانے کے اس کوئی نماؤم کے کنارے پر بیٹھ گیا۔ اس کے انداز سے بول لگتا تھا جیسے وہ یہاں کوئی متاثرہ شخص کے لیے آیا ہو۔ اگر تم میرے ذہن کے اس فلتے سے کچھ نکالنے میں کامیاب ہو جاؤ، جہاں اس معاملے کے سلسلے میں معلومات کا دارا بھی ذخیرہ موجود نہیں تو میں تمہاری غلامی قبول کروں گا۔۔۔ اس کے باوجود

مجھے جو کچھ معلوم ہے، میں وہ جہاں کی شکل میں تمہارے سامنے پیش کر دیتا ہوں۔“

ٹائیگر کی نگاہیں عذر ابری کی عین اس کے دل میں اس لڑکی کے خلاف نفرت کا سمندر و جزر تھا۔ لیکن اس کے ہونٹوں پر مسکرت دینے والی مسکراہٹ اور آنکھوں میں مسکرت دینے والی چمک تھی۔ اگر عذر ابری کی پتھری بنی ہوئی ہوتی، تب بھی وہ ان نگاہوں اور مسکراہٹ سے کچھل گئی ہوتی۔ لیکن معلوم ہوتا تھا کہ کسی ایسی دھات کی بنی ہوئی عورت تھی جس پر روز و جاہ نہیں، مسکراہٹیں اور آنکھوں کی مقناطیسی کشش بالکل ہی اثر انداز نہیں ہوتی۔

شہزادے اپنا جاؤں کا گارہ ثابت ہوتے محسوس کیا تو اس کی تملاہٹ بڑھ گئی۔ اس کے باوجود وہ، عذرانہ کو متاثر کرنے کی کوشش سے باز نہ آیا۔

”میں تمہاری معلومات پر معنی، پہلے سوال کی منتظر ہوں۔۔۔“ عذرانہ کی آواز گونجی۔

”گوشت کو زہر کاؤ کرنے کا کارنامہ بھی انجام دیتی رہی ہو؟“ ”بلاشبہ۔۔۔ یہ جاری ہی حرکت ہے۔“ عذرانے مسکرا کر کہا۔ اس کی مسکراہٹ عام آدمی کو سب گور پھانچنے کے لیے کافی تھی لیکن ٹائیگر اس سے ذرا بھی متاثر نہیں ہو رہا تھا کیونکہ اس وقت وہ خود بھی کسی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ بول محسوس ہو رہا تھا جیسے دونوں ہی اپنی اپنی مقناطیسی کشش اور دفعہ طاقتوں کو آزمائے بغیر مصروف ہوں۔

”دشمنوں پر چڑھتی ہوئی بے سر کی لاشیں بھی تمہاری ہی تخلیق ہیں؟“ ٹائیگر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”ہاں۔۔۔ انھیں تم جیسے شہزادہ کہہ سکتے ہو۔“ عذرانہ یہ کہہ کر ہنس پڑی۔ اس کے ہونٹوں جیسے چمک دار دانت بے حد نوکیلے تھے۔ اور ان کا کٹن، ایک عجیب سے خوفناک تاثر میں ملفوف تھا۔

تم لوگ ایسے شکار کیوں تخلیق کرتے ہو؟ ٹائیگر نے سوال کیا۔ کوشش کے باوجود، اس کی آواز سخت ہو گئی تھی اور مسکراہٹ میں تنگی گھل گئی تھی۔

”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھتی؟ عذرانے اس سوال کی وضاحت چاہی۔

”میرا مطلب ہے، تمہیں یہ سب کچھ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ لاشوں کی کھال اُتارنا، ان کے سر کاٹ کر دھڑ دھڑوں سے لگانا اور ان کے اعضا زمین میں دفن کر دینا کوئی خاص فعل نہیں ہے۔ ان سب حرکتوں سے تم لوگوں کا کیا مقصد ہے؟“

”ٹیسٹ۔۔۔“ عذر ابری نے جواب دیا۔ ”ذرا صل شروع شروع

میں ہمارے مخصوص زہر زیادہ موثر نہیں تھا۔ ہم نے اسے مختلف لوگوں پر آزمایا اور اس کے اثرات کا جائزہ لیا۔ تب پتہ چلا کہ زہر عامی طور پر کام کرتا ہے۔ پھر عذرانے ہی عرصے میں اس کے اثرات زائل ہو جاتے ہیں۔ بوستان خان، اس کا پہلا شکار تھا اور تم اس کے آخری شکار ہو گئے۔ یہ ایک قدم نرم ہے جس کے مطابق لوگوں کو زندگی سے نجات دلانا ہمارے لیے ضروری ہے۔ بہر حال اب جو زہر تیار ہوا ہے وہ مدد دینے والا ہے۔ اب ہم دنیا بھر میں موجود، لاکھوں گوشت خوردوں کو ہلاک کر سکیں گے۔“

شنک خوش دلی سے ہنسا تو چارلی نے اسے ڈانٹ دیا۔

”قدیم رسم۔۔۔؟“ ٹائیگر نے حیرت سے دہرایا۔

”ہاں، مسٹر شہزادہ۔۔۔“ عذرانے بڑے فخر سے جملے میں جواب دیا۔ ”کیا تم نہیں جانتے کہ ہم لوگ درحقیقت خون آشام ہیں، اعزازی خون آشام۔۔۔ کیونکہ ہم عملاً انسانی خون نہیں پیتے۔ انسانی معدہ ہمارے مسلک میں بے حد مقدس سمجھا جاتا ہے، بڑوگ اسے گوشت اور اس سے پیدا ہونے والی تیزابیت سے تباہ کرتے ہیں، انھیں ہم اپنا دشمن خیال کرتے ہیں۔ کسی کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ ہمارے مقابلہ کی توہین کرے۔“

اس بات پر وہاں موجود سب ہی لوگ ہنس پڑے۔ صرف ٹائیگر خاموش تھا۔ اس کے ہونٹوں سے مسکراہٹ رخصت ہو گئی تھی اور آنکھوں کی چمک نے خون کی سرخی کا ڈوب دھانا شروع کر دیا تھا۔ ٹائیگر کو اب اوشان کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ وہ جن باتوں کو اس کی زہم پرستی پر معمول کرتا رہا تھا، وہ بالآخر حقیقت بن کر سامنے آ گئی تھیں۔ عذر ابری نے جس قدیم رسم کا حوالہ دیا تھا، وہ اس کے پس منظر سے خوب آگاہ تھا۔ اس احساس نے اس کے جسم میں ایک سرسوی ہلر دوڑائی جس پر ان لوگوں کے قہقہوں نے جلتی برقیل کا کام کیا۔ پہلی بار اس نے محسوس کیا کہ وہ واقعی ایسے خون آشام لوگوں کے درمیان گھرا ہوا ہے جو انسانی خون کے پیاسے ہیں۔

”میں تم لوگوں کی باتیں سمجھنے سے قاصر ہوں اور مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کہ تم سب کون ہوا اور کون عذرانے تعلق رکھتے ہو۔“ وہ اٹھ کھڑا۔

”تم سب کو بھی گوشت کے دھڑوں میں تبدیل ہونا ہے۔“ یہ عذر ابرا کرتے ہوئے ٹائیگر کو احساس ہوا کہ اس کے پیسے میں غصے کی آہیزش ہے۔ غصہ اوشان کی تعلیمات کے خلاف تھا۔ لیکن اس نے کوئی پروا نہیں کی۔ اس نے اپنے ہاتھوں کو حرکت دی اور انھوں کو تیار کیا تاکہ دفاع میں بلند ہو کر باہر فٹ آؤں جہت تک پہنچ سکے۔۔۔

نیچے بڑی بڑی خوفناک آنکھوں میں دندوں کا سا آفر تھا۔ وہ پلکیں جھپکاتے بغیر ان دونوں کو دیکھتا رہا۔ پھر اودھان کے قریب آکر رُک گیا۔ اُس کی ساکت پتیلیاں ایک لمحے کے لیے متحرک ہوئیں اور اُس نے وضاحت طلب انداز میں یاٹ سین کی طرف دیکھا۔

”نہیں... یہ ابھی زندہ ہے۔ یہ نہرہلے دھوئیں کی دھبہ سے فی الحال بے ہوش ہے... ہو سکتا ہے کہ... مری گیا ہو یاٹ سین نے ہکلا ہکا کر بتایا۔

نوادار ایک گھٹنہ فرش پر ٹیک کر اودھان پر جھٹک گیا۔ اُس کا دایاں ہاتھ بدستور جبب میں تھا۔ بائیں ہاتھ اُس نے اودھان کے سینے پر رکھ دیا۔ کچھ دیر وہ ہاتھ پوہی رکھے غائباً دھڑکنیں محسوس کرتا رہا۔ پھر اُٹھ کھڑا ہوا۔

یاٹ سین نے گلوک کی طرف دیکھا۔ دونوں ہی سفاک قاتل تھے لیکن نوادار کی شخصیت میں نہ جانے کیا تھا کہ وہ جھپکے چڑے بننے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ گننے کے نیچے ہونٹ کے بائیں جانب ایک خراش تھی۔ برسوں پڑنے کی زخم کا نشان... اس نشان کی وجہ سے اُس کے ہونٹوں کی ساخت میں سفاکی کا فائر بڑھ گیا تھا۔

”تم لوگ کون ہو اور اسے کیوں مارنا چاہتے تھے؟“ گننے نے غراہٹ آئیں آواز میں پوچھا۔ اور آہستہ آہستہ چلتا۔ ٹی۔ وی کے قریب جا کھڑا ہوا۔ ٹی۔ وی کی کڑی میں وی سی۔ اگر موجود تھا اور اُس کی سرخ جتنی تیار ہی تھی کہ دونوں حملہ آوروں کی آکھ سے پینے پوڑھا اودھان کوئی فلم دیکھنے میں خود ہوا۔ نوادار نے بین ڈاکر ٹی۔ وی کی آواز دیا۔

اسکین پر ایک حسین عورت کا سر پاپا اُبھر آیا۔ وہ ہیٹ کے بل

نیٹوں بستر پر داز تھی اور اس کا بالیاں ہاتھ اپنے بائیں کان کی لوپر جما ہوا تھا۔ اُس کا ہونٹ آئینہ آفر تھا کہ وہ کہے کسی نا پسندیدہ صورت حال کی شکار ہے۔ اُس کے چہرے پر بدہشت تھی اور وہ توجہی آنکھوں سے ایک طرف دیکھ رہی تھی۔ اُس کے دایں ہاتھ نے بستر کی نیٹوں چادر کو گونہ تمام رکھا تھا جیسے یہ چادر ڈوٹے کوٹنے کا ہارافے سکتی ہو۔ کہہ مٹی۔ ٹی۔ وی کے اسپیکر سے نکلنے والی اس عورت کی کراہ گونج اُٹھی۔

اس دوران میں گننے نے ان دونوں کو یوں نظر انداز کر دیا تھا۔ جیسے اُن کی موجودگی کے احساس سے ہی عاری ہو گیا ہو... پھر وہ ٹیٹنے کے انداز میں کہنے کی دیوار تک گیا اور وہاں سے واپس آکر ٹی۔ وی کے عقب میں کھڑا ہو گیا۔ اُس نے بائیں ہاتھ ہمارے کے لیے ٹی۔ وی کے ٹاپ پر رکھا اور دایاں ہاتھ جبب سے نکال لیا جب یہ ہاتھ سلنے آیا تو یاٹ سین اور گلوک دونوں ہی پھلپھل چرے۔ اس شخص کا دایاں

جا سکتا تھا۔

نہ جانے کیوں اس دھوئیں کو دیکھ کر اُس پر طبعی ساخت ماری ہو گیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے اُس نے اپنے ذہن سے ہر خوف اور ہر فتنے کو جھٹک دیا۔ اگرچہ وہ ایک نڈر آدمی تھا لیکن نفسیاتی طور پر اس دھوئیں نے دل و دماغ پر فوجی بدہشت بٹھادی تھی اُس نے ٹائیگر کا اعصاب ندر سے متاثر ہوئے۔ اس وجہ سے وہ اپنے ہم کراہہ پر بھی بڑا نڈر لکھ سکا۔ صورت حال بگڑتی ہوئی محسوس ہوئی تو اُس نے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ نڈر نڈلنے کے سامنے والے حصے میں کافی دھواں ہو گیا تھا اور اب وہ نڈر کے بادل آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ٹائیگر کو اپنا ذہن ڈوٹا بڑا محسوس ہونے لگا۔ دل بھی بیتا ہوا چلا رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتا ہوا دیوار سے جا لگا رہا۔ وہ بڑی طرح باپ رہا تھا اور دھوئیں کے بادل کسی یادہ فوج کی مانند اُس کی طرف بڑھتے چلے آ رہے تھے۔ اُس کے ہم کراہہ جڑ جڑ جڑ ایک باہر مٹا کر ہونے لگا تھا۔

۱۵

یاٹ سین نے پلکیں جھپکا کر اُس شخص کی طرف دیکھا... جو دروازے میں کھڑا، انھیں گھور رہا تھا... پھر وہ گلوک کی طرف متوجہ ہو گیا۔ گلوک کے چہرے پر بھی اُچھٹانے کے تاثرات تھے۔ وہ کبھی تو اس ابھنی کی طرف دیکھنے لگتا تھا کہ کبھی اپنے ساتھی کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا جیسے وہ جہاز ہو کر حالات میں انھیں کیا کرنا چاہتا ہے۔

”تم دونوں اس کمزور ٹورے کے ساتھ کیا کرنے جا رہے تھے؟“ وہ اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے انھیں گھورتے ہوئے بولا۔

یاٹ سین غوک نکل کر وہ گیا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس شخص کو کیا جواب دے جس پر ایک نگاہ پڑے ہی وہ ایسے ہوش و حواس کھو جاتا تھا۔

وہ ایک عظیم آدمی تھا۔ اُس کی کھوپڑی، اٹھنے کے چھلکے کی طرح ہاتھ بے نیاز تھی۔ وہ سیاہ موٹ پینے ہوئے تھا اور اس نے سیاہ مٹی لگا رکھی تھی۔ اس گرائیل آدمی کو انھوں نے پہلے سمجھی نہیں دیکھا تھا۔ یاٹ سین کو حیرت تھی کہ کیوں ہے کیا یہ اس ٹورے کا ساتھی ہے؟ انھوں نے... اودھان کے ساتھ، شہزادے کے حواس کو نہیں دیکھا تھا۔ اس لیے یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اودھان کا ساتھی ہے۔ وہ اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اُسے اپنے ٹورے میں ہمیشہ تھری سی پویتی محسوس ہو رہی تھی۔ اُس کے دونوں ہاتھ نازک پتوں کی طرح کرار رہے تھے۔

گننے نے ایک قدم آگے آ کر عقب میں باؤں بڑھا لیا اور روانہ بند کر دیا۔ اُس کا دایاں ہاتھ اپنی پتوں کی جیب میں تھا جہاں جینوں کے

ہسٹریائی قبضے تھے جو اُس کے ذہن میں چنگا لیاں بھر گئے تھے... یہ آوازیں اوپر سے آئی تھیں۔ گویا وہ لوگ ڈیم کے کنارے کھڑے اُس کی بے بسی پر ہنس رہے تھے۔

ایک ایک ٹائیگر کو شہید ٹھنڈک کا احساس ہوا۔ وہ چونکا۔ پڑا۔ اُسے کسی اور طرف توجہ دینے سے پہلے درجہ حرارت پر دھواں دینا چاہیے تھا۔ اُس نے عمل نفس کے ذریعے اپنی دھڑکنوں کو کنٹرول کیا اور آہستہ آہستہ ہم اور کمرے کے درجہ حرارت میں ہم آہنگی پیدا کر لی اب یہ سب بات ماحول اُسے سمجھ نہیں کر سکتا تھا۔

اس وقت سر دھلنے کا درجہ حرارت صفر پر پانچ ڈگری کم تھا۔ سر دھلنے کی دیواریں سفید اور دھوئیں سے رنگ کی تھیں۔ پچاس فٹ تک برف کی لمبی لمبی سلیں بکھری ہوئی تھیں۔ یہ فریزر کمارہ تیس ڈیٹ چوڑا تھا اور اس میں بیک وقت کئی جانوروں کی نعشیں رکھی جا سکتی تھیں اس کے علاوہ کئی دہن آدمی یہاں اُن کی قطع و بید کا کام بھی کر سکتے تھے۔ سر دھانے کے درمیان تک لگے ہوئے تھے، جن پر گھلے اور بھینسوں کی نعشیں ٹنکی ہوئی تھیں۔ یہ ایک قطار میں بھول رہی تھیں۔ ٹائیگر اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

وہ کھائے بھینسوں کی نعشوں کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ اُسے اس سر دھانے کے دروازے کی تلاش تھی۔ اچانک اُسے ٹھنڈک جانا پڑا۔

اُس کی سماعت سے سوں سوں کی آوازیں ٹکرانے لگی تھیں۔ پہلے تو یوں لگا جیسے سر دھانے میں بیک وقت کئی جانب ٹھنڈکانے لگے ہوں... پھر جب یہ آوازیں تسلسل سے آتی ہیں تو ٹائیگر کو اُن کی طرف توجہ دینی پڑی۔ غور سے سننے پر یوں لگا جاتا تھا جیسے کسی جگہ سے ہوا خلافت ہو رہی ہو... یا پھر گیس بھجوری جا رہی ہو۔

ٹائیگر کی جھلکتی ہوئی نگاہیں فریزر یونٹ پر جم کر رہ گئیں۔ فریزر یونٹ سے دھواں سا خارج ہوتا تھا اور آہستہ آہستہ فریزر یونٹ کے انتہائی حصے میں نصب تھا اور وہاں اب وہ دھندلی دھندلاہٹ دے رہی تھی۔

”دھواں... ٹائیگر بڑھایا۔ دھند...“

اُس نے انتہائی میں سر ہلایا۔ اودھان کی ایک ایک بات حقیقت پر مبنی تھی۔ یہ دھواں بھی اودھان کی دہشتوں کے مظاہر میں سے ایک تھا۔ ٹائیگر اس کے باوجود ذہنی طور پر یہ قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو سکا کہ اس دھند میں کوئی خوفناک انسان بھی پوشیدہ ہو سکتا ہے۔ فریزر یونٹ سے نکلنے والا دھواں پتلی پتلی کیڑوں کی شکل میں خارج ہوتا تھا۔ کسی انسان کو اس قسم کے ذرات میں تبدیل نہیں کیا

لیکن اُسی لمحے یوں محسوس ہوا جیسے اُس کے پیروں تلے سے زمین سرک گئی ہو۔

اب اُسے انھوں ہونے لگا لیکن وہ حقیقت انھوں کہنے کی بجائے دہشت بھی نہیں تھی۔ اگر وہ فتنے نہ ہوتا تو چار کی حرکت اُس کی نگاہ سے ہرگز پوشیدہ نہ ہوتی۔

چارل کے ہاتھ میں چوڑا تھا۔ اُس کا لعنتی غائباً ایک ٹھنڈک سسٹم سے بھی تھا۔ گویا یہ ایک طرح کا بیوٹ کنٹرول تھا۔ اُس نے ہاتھ کے قریب رکھے ہوئے ایک بین کو دیا تھا جس سے آٹومیٹک سونچ حرکت میں آ گیا اور وہ کھواں ڈوم ڈاسا کر تھپا ہو گیا۔ فرش پہلے ہی اُس کے پیروں تلے سے نکل گیا تھا۔ ٹائیگر کے پیروں کے نیچے ٹھوم گئے اور ٹانگیں کڑکڑ گئیں۔ وہ کچھ کرنا چاہتا تھا لیکن کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ لہذا وہ کسی چٹھر کی طرح گہرائی میں گرنا چلا گیا۔

اب ٹائیگر صرف ایک ہی کام کر سکتا تھا۔ اُس نے سب سے پہلے تو ایک ہی سماعت میں اپنا ذہن پر سکون کیا۔ ذہن کو سکون پتے ہی اُس نے اپنے کرنے کی حالت دیکھی اور پھر اُس کے جسم کا ایک ایک عضو اپنی انتہائی جگہ کے تحت ڈھس ڈھالا پڑ گیا۔ وہ جانا تھا کہ اب اگر وہ کسی شخص جگہ پر بھی گرے تو اُس کی بڑی ہسی ٹوٹنے سے محفوظ رہے گی... اچانک اُسے احساس ہوا کہ اُس کے ٹورے کسی چیز سے گڑکھا رہے ہیں۔ تب اُس نے دیکھا کہ وہ حقیقت دھات کی بنی ہوئی۔ ایک چکنی ٹنگر میں جسے سٹاپا لپیچ کر دیا ہے۔

اس سے پہلے کہ وہ اس گلے آگے بڑھتا، سیکٹ کے تھریٹر میں مہم میں اُس کی نگاہ ایک شگاف پر پڑی۔ اُس کے دونوں ہاتھ وقت کی بندش میں نہیں ہنس کر کے اُس شگاف تک پہنچ گئے۔

اگلی ہی سماعت وہ اس شگاف سے ایک کمرے میں جا کر۔ چند لمحوں تک وہ وہیں ساکت پڑا رہا۔ اُس کی دھڑکنیں رگ سی گئی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ سانس لینے لگا اور پھر یہ سانسیں گہری ہوتی چلی گئیں۔ حواس پر قابو پانے میں اُسے جہانم کا مزہ لگا، اس میں وہ بھی دیکھ کر ہکا کہ جس شگاف سے وہ اس کمرے میں داخل ہوئے، اُس کے گزرتے ہی وہاں اسٹیل کا ایک گول دھکتا خود بخود لگ گیا تھا... اور اب وہ شگاف بند ہو چکا ہے۔

ٹائیگر نے اطراف کا جائزہ لیا۔ وہ جس کمرے کے سب سے بڑا فرش پر پڑا تھا، وہ کمرہ نہیں ایک بہت بڑا سردخانہ تھا۔ وہ جس شگاف سے اندر آیا تھا، اُس کے بند ہونے سے پہلے شہزاد کی سماعت سے چند آوازیں نکلتی تھیں۔ یہ بہت سے لوگوں کے دیوار وار قبضے لگانے کی کمزور آوازیں تھیں...

اٹوٹھا فاب تھا۔ جسے کٹا ہوا، لیکن چاروں انگلیاں نہ صرف علامت تھیں بلکہ ان پر اپنی خولی چڑھے ہوئے تھے۔

یہ آہنی خول دو سے چار انچ تک لمبے تھے اور ان کی نوکیلی نیر کی طرح تیز تھیں۔ وہ لی کے تاپ پر جھک گیا اور ان دونوں کو گھورتے لگا۔ اس کے چہرے پر بے چارہ مٹی تھی۔

تم دونوں نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ نوادری کی ہیر لیے جیسی غراہیت آئیز اور زکریہ میں گونجی۔

یاٹ سین نے ایک طویل سانس لی۔ وہ اب درے میں مطمئن نظر آ رہا تھا۔ اس کی نگاہ گھٹنے کے آہنی ناخنوں پر پڑی ہوئی تھی۔

میں سمجھتا ہوں کہ تم بھی میرے ہی ساتھی ہو، گھوک نے اپنے دوست کے چہرے پر اطمینان دیکھا تو وہ بولے بغیر نہ سکا۔

پرسن کر گئے کی جھونکیاں گمان ہو گئیں۔

تم یہ بات کس طرح کہہ سکتے ہو؟ یہ کہتے ہوئے انہی نے لی دی بند کردیا اور بارے آواز چلتا ہوا گھوک کے۔ امانے اٹھ اٹھا۔ میں یہاں کسی کو نہیں جانتا۔ میں دنیا میں تنہا ہوں۔ یہ وہ عقیدے کے لوگ مغرور ہستی سے اٹھ چکے ہیں۔ پھر تم خود کو میرا ساتھی کیسے کہہ سکتے ہو؟

گھوک نے جواب دینے کی بجائے اپنا دایاں ہاتھ اس کے سامنے کر دیا۔ اس کی ایک انگلی کا ناخن، چار انچ لمبا تھا اور اس کے کنارے پر گہاڑے جیسا کٹاؤ تھا۔ یہ ناخن دیکھ کر ابھی کی آنکھوں میں لمحاوی چمک پیدا ہوئی۔ پھر غائب ہو گئی۔

”ہم تمہارا صحن خون آتشام ہیں۔ دھوئیں کی مٹوق ... ہمارا ایڈر اڈھلے اور ...“

گھوک کی آواز صحن میں اب تک گئی کیونکہ اس نے انہی کی آنکھوں میں بڑے ہی عجیب تاثرات دیکھے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ دھوڑے لیڈر کا نام نہ کر سکتا تھا۔ لیکن اس نے زبان سے حیرت کا اظہار نہیں کیا۔ اس کی آنکھوں کے تاثرات بھی دوسرے ہی بل میں بدل گئے تھے۔ ادراپ، ہاں، لپٹی ہلکے سے لے رہی تھی۔

”بولتے رہیں۔ تم غصوں کیوں ہو گئے؟ اس بارابی کے لیے میں سفاکی کا وہ نمونہ نہیں تھا جس نے ان دونوں کی روح تک فنا کر رکھی تھی ...“

گھوک نے جلدی جلدی اس اندے لیڈر اور اپنے گرد کے باہرے میں تباہ شروع کر دیا۔ پھر اس نے شہزاد اور اوشان کے باہرے میں تفصیلات بیان کیں اور آخر میں تباہی کا اب ان دونوں کا مکمل ختم ہونے والا ہے بلکہ ممکن ہے کہ شہزاد کا معاملہ تو ختم بھی ہو چکا ہو۔ اور اگر ابھی نہ آجائے تو وہ بڑے سے اوشان کے کمرے کے درجائے کب کے واپس حبا

چلے ہوئے۔

اس کی باتوں پر گنجا انہی کبھی کبھی اثبات میں سر ہلا دیتا تھا۔ بظاہر تو وہ بڑے غور سے اس کی باتیں سنتا محسوس ہو رہا تھا لیکن نہ جانے کیوں اس کی آنکھیں سوچ میں ڈوبی ہوئی لگ رہی تھیں۔

”میں فاناگ ہوں۔“ کاہنی دیر بعد اس نے بجاری آواز میں کہا۔ ”میں شنگھائی کے ریڈر کل سے تعلق رکھتا ہوں۔ واپس جاؤ اور اپنے لیڈر کو بتادو کہ تمہاری موت کا ہر کادہ یہاں پہنچ چکا ہے۔“

”میرا فاناگ؟ کیا تمہاری خدایات حاصل کی گئی تھیں یا تم کسی ذاتی غمادی وجہ سے یہاں آئے ہو؟“ یاٹ سین نے پوچھا۔ اگرچہ فاناگ چہرے پر ہرے سے جینی باشندہ نہیں لگتا تھا لیکن اس کا نام ریڈر کل کا خوالہ درجہ موت کی اطلاع یہ ظاہر کر رہی تھی کہ ماضی میں کسی نہ کسی طرح اس کا تعلق اندے اور بڑے لیڈر سے رہ چکا ہے۔

یاٹ سین کے سوال پر وہ اپنی ساکت آنکھوں سے پوچھے ایک منٹ تک یاٹ سین کو گھورتا رہا۔ پھر اس کے ہونٹ حرابی انداز میں سکڑ گئے۔ چوڑوں کے گوشوں پر خفیت کی پلکیاں پٹ پٹا رہی تھیں کہ وہ سکا رہا ہے۔ اس سکا رہٹ نے یاٹ سین کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی کو ایک ہری دوڑا دی۔

میں نے ابتدائی تعلیم اسی بوڑھے سے حاصل کی تھی۔ اس نے بڑے ہی عجیب لمبے میں جواب دیا۔ اس کے لمبے سے دلی تاثرات کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ یقین سے نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ بوڑھے لیڈر کی شاگردی پر فخر کا اظہار کر رہا ہے یا اس کے دل میں اپنے پہلے استاد کے لیے حقیر ہے۔

یاٹ سین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ گھوک کے انداز سے اب سکون کا اظہار ہو رہا تھا اور وہ اس کی تواضع پر ہنسی ہوئی تھی۔ اگرچہ وہ ایک خوفناک قاتل تھا۔ لیکن فاناگ نامی یہ شخص ان گئے چنے چند آدمیوں میں سے ایک تھا، جن سے وہ خود بھی خوف زدہ ہو چکا تھا۔

”میرا خیال ہے اب ہمیں چلنا چاہیے۔“ گھوک نے گھوک جھگٹے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا۔ ”میں سلاٹر ٹاؤس کے ڈولے سے نطفہ اندوز ہونا چاہتا ہوں۔“

”تھیرا کہاں ہے؟“ فاناگ نے یاٹ سین سے دریافت کیا۔ جوان اس نے فاناگ کو ضرورت حال سے آگاہ کر دیا اور آخر میں سکاڑے ہوئے غم پر ہنس پڑا۔ ”میں سمجھتا ہوں اب تک اس کا کام تمام ہو چکا ہوگا۔“

فاناگ نے پرسن کرٹس ٹراپس کے ہنسنے کے انداز میں بھی ہنسنے لگی تھی۔ وہ بار بار نفسی میں سر ہلا رہا تھا۔ یاٹ سین اور گھوک حیرت سے کبھی اس کی اور کبھی ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے۔

”نہیں ...“ کاہنی دیر بعد فاناگ ہنس کر بولا۔ ”وہ میرے خباہت دالوں کے ہاتھوں سے نہیں مرنے کا۔ اگر یقین نہیں آتا تو کام کر دیکھو۔ اسے گھیرنے والے خود موت کے منہ میں پہنچ چکے ہیں گے۔ افسوس ... تمہارا لیڈر بھی شاید اب تک موت کے منہ میں پہنچ چکا ہوگا۔ جتنی موت قیامت کا ایک ایسا پہلو ہے جس پر لوگ ٹوکی جماعتوں میں لانی اختلاف بنا جاتا ہے۔ تمہارے لیڈر نے ریڈر کل کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے بہت معقول معاوضہ ادا کیا ہے لیکن اس نے بہت درد کرایا تھی۔ اسے اس کام میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہی رابطہ قائم کر لینا چاہیے تھا۔“

”تمہارا تعلق شنگھائی سے ہے؟“ فاناگ نے یاٹ سین سے دریافت کیا۔ میں جی چندہ ریڈر کل میں گزار چکا ہوں۔ ان دونوں تم سے ملاقات نہیں ہوئی۔ فاناگ تمہیں اور معرفت تھے؟

”اگر تم دس سال پہلے کی بات کر رہے ہو تو میں ان دونوں امریکا میں تھا۔ دو چوک کر اوشان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اوشان نے ایک خفیت سی سانس لی تھی اس کے زخموں کی معولی سی حرکت صرف فاناگ ہی نے محسوس کی تھی ورنہ یاٹ سین اور گھوک کو تو یہ بھی نہیں چلا جاتا۔“

”تم لوگ اب ماؤ“ اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ اس کی نگاہیں بدستور اوشان پر پڑی ہوئی تھیں۔

یاٹ سین اور گھوک نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ ان کے انداز میں اب خوف کا تاثر کل گیا تھا۔ گھوک کی حالت تو اب ایسی تھی جیسے وہ اگر نہ چند لمحوں میں فاناگ کے قریب رہ جاتا تو شاید اس کا دم بھی ٹھٹ گیا ہوتا۔ جی رجبھی کو دروازے سے نکلے ہی نہ صرف اس کے صحن سے اطمینان کی ایک طویل سانس نکل گئی۔ بلکہ اس کے قدموں کی ردائیں تیز ہو گئی تھیں۔ انھوں نے اوشان کے کمرے سے باہر گرہانہ نہایت آہستگی سے بند کیا تھا۔

فاناگ اوشان کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کی پتیلیں ساکت تھیں اور اس کے ہونٹ ایک دوسرے میں چوست نظر آ رہے تھے۔ اس کی باتیں اس کے کنارے پر خفیت کی چمک رہی ہوئی ایک ٹس نے اس کی ذہنی حالت پر نقاب کر دی۔ اگر وہ خوف زدہ نہیں ہوتا تو کم از کم اوشان کی صورت پر اوشان کی شخصیت اس کے ذہن پر حاوی ضرور تھی۔

اوشان ... اس نے زرب لب کہا: جلدی سے ہوش میں آ جاؤ میں تمہارے جانے کا انتظار کر رہا ہوں مجھے تم سے ایک بہت بڑا نا حساب چلنا ہے۔ لیکن تمہارا ریڈر کل کا چیف اس مشن پر کسی اور کو بھیج دیتا۔ لیکن میری خوش قسمتی یہ تھی کہ مجھے بروقت معلوم ہو گیا۔ تمہاری ہلاکت میرے لیے بڑے فرق کی نشیت تھی ہے۔“

اوشان کے زخموں میں سانس کی آمد سے جو خفیت سی لرزش پیدا ہوئی تھی وہ اب ختم ہو چکی تھی۔ اس کا ناخاں چہرہ پہلے سے کہیں زیادہ جڑ۔ سالک رہا تھا۔ اس کے کھنکھارے اور کرب و اذیت کے تہہ پر کڑھ گئے تھے۔ اس کے چوڑوں میں اللہ کھنچاؤ نہیں تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے ان ساکت چوڑوں کے نیچے اس کی آنکھیں بے حد پرسکون ہوں۔

فاناگ اسے ہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ جس میں آہنی ناخن لگے ہوئے تھے بے چین معلوم ہوتا تھا۔ بار بار ان کی نیر کے کیڑوں جیسی چوکیں ایک دوسرے سے مل رہی تھیں۔ یہ نوکیلے ٹھٹک ماضی ناخن کے پیاسے معلوم ہوتے تھے۔

”تھیک ہے۔ تم اطمینان سے ہوش میں آ جاؤ مجھے بھی زیادہ جلدی نہیں ہے۔“ فاناگ نے کہا۔ ”میں تمہاری آنکھوں کے سامنے قتل کرنا چاہتا ہوں تاکہ تمہیں معلوم ہو سکے کہ وہ مقصود سارے ضرر پر ہے تم نے ماضی میں رقم کھا کر چھوڑ دیا تھا۔ اپنے باپ کے خون کا بدلہ اس قدر بھی ایک انداز میں لینے پر قادر ہو گیا ہے۔ یہ کہہ کر وہ تلخ انداز میں ہنس پڑا۔ آج میں تمہارا شیخ ہوں، اوشان، ماسٹر اوشان ... اس کے صحن سے بدتر سچ بند ہوتا ہوا اقبہ ابل پڑا۔“

اوشان کا اظہار کر دوا اور بے فرسا جسم ساکت رہا۔ اس کے ٹھٹنے اپنے پیٹ کی طرف سٹے ہوئے تھے اور یوں لگتا تھا جیسے کوئی کمزور سا آدمی سردی سے سکڑ کر لیٹا ہوا ہو۔ فاناگ نے کمرے میں ادھر ادھر دیکھا اور پھر ایک کرسی گھسیٹ کر اوشان کے قریب جی بیٹھ گیا۔ اس کے انداز سے جلد بازی ظاہر نہیں ہو رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اوشان کے ہوش میں آنے سے پہلے اس کوئی نقصان نہ پہنچا پانا ہوتا ہو۔ اسے انتقاد کرنا تھا کیونکہ اس کے سینے میں انتقام کا جوا لڑاؤ ابک بھاتا تھا۔ اس کی آگ اسی طرح سرد ہو چکی تھی۔ وہ کرسی پر بیٹھ کر نیم ڈالا انھوں سے اوشان کی طرف دیکھنے لگا۔ اور اس کا ذہن ماضی کے دھندلوں میں گھٹ گیا۔

فاناگ کے آباؤ اجداد شنگھائی کے ایک دیہی علاقے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان دنوں انیوں کے خلاف ایک باقاعدہ جنگ چھڑی ہوئی تھی اور اتحاد کی منہ پر ہجران ہستی پڑے ملک سے انیوں کا قلع قمع کر دینا چاہتی تھی۔ جبکہ ایک گروہ اس ہم کے خلاف

تھا۔ اس مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ انہوں ہی ان لوگوں کا ذریعہ روزگار تھا۔ اس کے علاوہ نفعیہ بازار پر ان کا تسلط بھی تھا۔

انہوں کے سلسلے میں ہونے والے اس جنگی دور میں لنگ فو اور کرانے کے دو کتب تھے۔ ان میں ایک ریڈمرکل تھا اور دوسرا بلو سرکل... ریڈمرکل مخالف گروپ سے وابستہ تھا جبکہ حکومت کو بلو سرکل کی حمایت حاصل تھی۔ فانگ کا باپ ریڈمرکل میں نمایاں حیثیت کا حامل تھا۔ دونوں گروہ ایک دوسرے کے جانی دشمن ہو گئے۔ بے پناہ فوٹن ریزی ہوئی۔ حتیٰ کہ ایک دن فانگ اپنے باپ کے ساتھ چربی گاؤں جا رہا تھا کہ راستے میں بلو سرکل کے تین آدمیوں نے انھیں گھیر لیا۔ اُسے اپنے باپ کی موت کا منظر آج بھی یاد تھا۔ اُسے یاد تھا کہ کس طرح اوشان نے اپنی بیٹی اُس کے باپ کی کھوپڑی میں آگار کر اُسے دو ہتھوں میں تھپتھپ کر دیا تھا۔ اوشان کے ساتھ جو دو آدمی تھے، انھوں نے نئے فانگ کو بھی ہلاک کر دیا تھا۔ لیکن اوشان اُسے آگیا۔ فانگ وہ منظر بھی نہیں بھولی سکتا تھا جب اوشان اُن دونوں کے سلسلے کی ہلاکتی طرح ٹھہرا ہو گیا تھا۔ یہیں... یہ بچہ زندہ رہے گا، اس پر کوئی ہاتھ نہ اٹھائے۔

فانگ کے کانوں میں اُس کے اوشان کی آوازیں گونجنے لگیں۔ اُس نے اس بوڑھے کی طرف دیکھا جس نے منگوان شباب میں ایک ایسے بچے پر رحم کیا تھا جو آج اُسے قتل کرنے کے لیے سر پونج پڑا تھا۔ یہ سانس کا بچہ ہے۔" اوشان کے ساتھیوں میں سے ایک نے کہا تھا۔ "اسے زندہ چھوڑ دو، اوشان ہم اس سے کس بات کی توقع کر رہے ہو۔ پڑا ہو کر کوئی اچھا آدمی نہیں بنے گا۔"

"تم کسی کے بارے میں قبل از وقت کچھ نہیں کہہ سکتے۔" اوشان نے جواب دیا تھا۔ یہ ایک معصوم بچہ ہے، اس کے باپ نے جو قصور کیا تھا وہ اُس کی سزا بھگت چکا ہے۔ اس بچے کا کوئی قصور نہیں... اس لیے میں اسے قتل نہیں کرنے دوں گا۔"

گویا تم ایک دشمن کے بچے کی خاطر اپنے ساتھیوں کا سامنا کر گئے؟ اوشان کے دوسرے ساتھی نے کہا تھا۔

"نہیں... میں دشمن کے بچے کے لیے نہیں بلکہ ایک بے گناہ بچے کے لیے دھاریں رہا ہوں۔" اوشان کا جواب یہ معلوم تھا۔ اُس بچے نے جانے کیا بات تھی کہ اُس کے دونوں ساتھی خاموش ہو گئے۔ فانگ کو اب بھی اُن دونوں کی نگاہیں یاد تھیں۔ انھوں نے اوشان کو اپنی نظروں سے دیکھا تھا جیسے وہ اُسے کبھی چناؤں ڈالنا چاہتے تھے لیکن اُن کا بس نہیں چلتا تھا۔ پھر وہ ایک جھلے سے مڑ کر چلے گئے تھے اور اوشان نے اُس کی پیٹھ تھپ تھپاتے ہوئے کہا تھا۔

"جاؤ بچے... چلے جاؤ... زندگی بچا کر چلے جاؤ... اور کوشش کرنا کر بڑے ہو کر اپنے باپ کے راستے پر نہ چلنا، زیادہ کر دو، میں بھی اسی انجام سے دوچار ہونا چاہتا ہوں۔"

فانگ جنگ میں اندھا دھند بھاگ نکلا تھا اور وہ آج تک بھاگا ہی رہا تھا۔ اُسے اوشان کی تلاش تھی... ادا آج یہ تلاش ختم ہو چکی تھی۔ وہ اپنے مطلوب کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اگرچہ اوشان کے وہ دونوں ساتھی بھی بوڑھے ہو چکے تھے، جنھوں نے اُس کے باپ کو قتل کرنے میں اوشان کا ساتھ دیا تھا۔ لیکن خوش فہمی سے وہ نڈر بن کر موت کے قتل ہوئے۔ اُس نے اُسے قتل کیا تھا۔ بڑے ہی پرفٹ انگلیز موت سے ہٹنا کہہ کر دل کی آگ بجھا چکی تھی۔ بس ایک چنگاری باقی تھی جسے بجھانے کا سامان بھی ہو گیا تھا۔

"مہنے اس روز بھگت کرنا، دوست میں مجھ پر بہت برا احسان کیا تھا۔" وہ ساکت چہرے اوشان کی طرف دیکھ کر بولا۔ لیکن تم نے درحقیقت بہت برا غلام کیا تھا۔ تب سے اب تک میرا ایک ایک لمحہ انتقام اور دکھ کی آگ میں جلتے ہوئے گزرا ہے۔ تم نہیں جانتے کہ میرا باپ میرے نزدیک کیا حیثیت رکھتا تھا اور مجھے اُس سے کس قدر محبت تھی۔ جلدی سے اٹھ جاؤ... میرے مبرا کا بیاد نہ کرنا۔ ہنسا جا رہا ہے... ایسا نہ ہو کہ میں تمھیں عدالت کا موقع دے بغیر ہی ہلاک کر دوں۔ سنا ہے تم اسی صدی کے ماسٹر ہو۔ تمھاری طاقت آج بھی ریڈمرکل کے لیے اعزاز کی بات ہوگی۔"

اوشان جس دھڑکت پڑا تھا۔

فانگ کو اپنے ذہن میں اُنھیں ہی ملتی محسوس ہو رہی تھیں۔ اُس کے اندر ایک جنگ کا آغاز ہو گیا تھا۔ دل میں اوشان سے بے پناہ نفرت کے باوجود وہ اس کے لیے ایک عجیب سی کسک محسوس کر رہا تھا۔ ایک بے نام سناہنہ اُسے اوشان کو ہلاک کرنے سے روک رہا تھا اور بار بار اُس کے ذہن میں اوشان کے برسوں پہلے کہے ہوئے الفاظ گردش کرنے لگے تھے۔

"جاؤ بچے... چلے جاؤ... زندگی بچا کر چلے جاؤ... اور کوشش کرنا کر بڑے ہو کر اپنے باپ کے راستے پر نہ چلنا، زیادہ کر دو، میں بھی اسی انجام سے دوچار ہونا چاہتا ہوں۔"

فانگ کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں چمکنے لگیں۔ اُس کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔ وہ عجیب اور ناقابل فہم کی کیفیات کا شکار ہو گیا تھا۔ حالانکہ اس کے سینے میں گوشت پوست کے دل کی جھلے بچکر کا ایک ایسا غمزدہ گھبراہٹا جو دھڑکنوں سے نا آشنا تھا۔ بار بار اُس کی جھپٹا جھپٹا کر وہ اپنے اُن ہی اُن اوشان کے سینے میں اُناروے لیکن ہر بار ایک معلوم قوت اُسے روک دیتی تھی۔ وہ ایک کرے

کا قاتل تھا اور اُس نے نہیں ہی سے مشکل کا دور کیا تھا۔ ریڈمرکل میں نرم دلوں کے چلنے نہیں ہوتی۔ شاید یہ احساس اُس کے چنان جیسے ضمیر کو گھبراہٹا کہ اوشان نے نہیں میں اُس کی جان بچا لی تھی۔ اُس نے ایک طویل سانس لے کر پیشانی سے پسینہ نہونچا۔ اور کھڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔ کھڑکی کے پیشوں کی اوٹ میں تاریکی مٹ چکی تھی۔ باہر رات کے چمکے رتہ رتہ دم توڑے جا رہے تھے... اور اوشان ابھی تک بے بس، سکت اور مڑا سا پڑا ہوا تھا۔

فانگ اٹھ کر بیٹھ لگا۔

اُس کے اندر جو جنگ چھڑی ہوئی تھی اُس کا کوئی فیصلہ نہیں ہو رہا تھا۔ وہ جلد از حد خود کو سختی فیصلے پر پہنچا دینا چاہتا تھا۔ لیکن ہر سوز اُسے فیصلے سے دھوکے لگاتی تھی۔ وہ انتقام کے جس مذہب کے تحت ٹھکانے سے یہاں آیا تھا، وہ تزلزل ہو رہا تھا۔ وہ حیران تھا کہ کیا کرے۔ اوشان کی زندگی، اُس کی اپنی موت کا دوسرا نام تھا... ریڈمرکل کا نام لوگوں کو زندہ نہیں دیتا تھا... اور اوشان کی موت... وہ خیال کی گہرائی سے خوف کھاتا۔

"جاؤ بچے... چلے جاؤ... زندگی بچا کر چلے جاؤ... اور کوشش کرنا کر بڑے ہو کر..."

اوشان کی پاٹ دار آواز اُس کے ذہن کے نہاں خانوں میں گونجنے لگی اور وہ دونوں باتوں سے اپنا سر جھکا رہا۔ "نہیں... تمھاری موت ہی میں میری زندگی منجمد ہے..."

وہ غرایا۔ میں تمھیں چھوڑ کر اپنے باپ کی روح سے شرمندہ نہیں ہونا چاہتا... اور نہ ہی باقی ماندہ زندگی ریڈمرکل کے خوف سے کسی مجسمے کی طرح چھپ چھپ کر گزار سکتا ہوں۔ تمھیں ابم جانا چاہیے کیونکہ تمھارے سر کی بہت بڑی قیمت لگی گئی ہے اور ریڈمرکل یہ قیمت وصول کر چکا ہے۔

فانگ حتیٰ فیصلے پر پہنچ چکا تھا۔ فطری طور پر وہ ایک مکار آدمی تھا۔ اس نے ریڈمرکل میں بڑی زیادہ مدت پرورش حاصل کر چکی تھی اور پورے گروہ میں ایک جی آدمی اُس کے مقابلے کا نہیں تھا۔ لیکن ریڈمرکل کی ایک فرقہ بازی نہیں تھا۔ وہ دنیا کے خوشحال ترین قاتلوں کا گروہ تھا جو آئے ہی کسی لمحے ہر تباہ موت سے ہٹنا کر سکتا تھا۔... لسنے سانسے قاتلوں سے نشانہ کوئی آسان بات نہیں تھی... پھر وہ اس جنجال میں پڑے ہی کیوں؟ کیا اس بوڑھے کے لیے جو اس کے باپ کا قاتل تھا... فانگ اوشان سے دو قدم دور ٹھہرا ہوا تھا۔

"الوداع... ماسٹر... تمھاری موت مجھے ریڈمرکل میں یکسوئی بخشتی کالک بنائے گی۔" اُس کا آہنی ناخنوں والا ہاتھ اٹھا اور آہستہ

آہستہ اُس کی انگلیاں نعت ہوتی ملی گئیں۔ اُس کے بازو کی جھیلیاں... حالات دہراہنگوں کی طرح تھیں۔ اُس کا ہاتھ کسی ناگ کے چین کی طرح ہٹ پر گرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ یہ ہاتھ... قاتل ہاتھ... کسی بھی لمحے اوشان کے سینے پر گرنے کے لیے تیار ہوگا۔ ناگ کا لہانہ ملے کے لیے تیار تھا... اور پھر اُس کا جبک ہاتھ اوشان کے سینے پر گرنا چلا گیا۔

۱۵

ٹائیگر کے سینے میں دل کی دھڑکنیں طوفان آشنا ہو رہی تھیں۔ اوشان کے خدشات عملی شکل میں اُس کے سامنے آچکے تھے اور وہ کبھی بھی اُس سے اُس کی زندگی چھین سکتے تھے... لیکن ٹائیگر کسی چوہے کی موت نہ پا سکتا تھا۔ اُس کا ہاتھ اوشان کی شیر جیسی موت ہی کو پسند کر سکتا تھا۔ اُس نے گڈر کی سوسا زندگی پر شیر کی ایک روزہ زندگی کو بیشتر ترجیح دی تھی۔ بار بار اُس کا ذہن شغف سے سنگ اٹھتا تھا اور اُسے خود کو سنبھالنے میں بڑی مشکل پیش آ رہی تھی۔ اوشان نے اُسے اب تک حتیٰ ہی نصیحتیں کی تھیں، ان سب کو وہ عملی طور پر آ کر چکا تھا۔ بہات، حالات کی کسوٹی پر حقیقت ثابت ہوتی تھی۔ طاقت اور حد سے زیادہ خود اعتمادی کبھی کبھی انسان کو بے طرح بار ڈالتی ہے... اس وقت وہ ایسی ہی حالت کا شکار تھا۔ اگر اُس نے یوں اندھا دھند ادھر کار خرچ کرنا چاہتا تو یقیناً اُس وقت حالات کافی مختلف ہوتے... لیکن اگر وہ ایسا کرتا تو اُس کے ٹائیگر ہونے کا بھلا کیا مقصد تھا۔

وہ دوا سے لگا نظر پڑا۔

اُس نے غصے گہری گہری سانسیں لیٹی شروع کر دیں... کمرے میں جس قدر بھی اکسین تھی وہ اُس کی نیا دھ سے زیادہ مقدار اپنے آپ میں جذب کر لینا چاہتا تھا۔ کیونکہ مخالف سمت سے آنے والا دھواں، تیزی سے کمرے میں پھیلنا تھا، اُس کی طرف بڑھتا چلا رہا تھا۔ اچانک اُسے ایک اٹھنا خیال ہو گیا۔ وہ دوا سے ہٹ کر جانوروں کی خوشنوی کی طرف لپکا جو ابھی تک دھوئیں کی دھڑ میں نہیں آئی تھیں وہ، اُن کے درمیان پناہ حاصل کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ ایک ایک نفٹ کو تیزی سے تھوٹا اور اُس کا ہاتھ لے لیتے ہوئے وہ رگ گیا۔

اچانک ہی اُسے احساس ہوا کہ وہ جس گروہ کو دیکھ رہا ہے وہ عام جانوروں کے جسم سے بے رشتہ ہے۔ مختلف ہے۔ اس کا رنگ مختلف تھا... اُس کی شکل مختلف تھی... اُنہیں نسبت چھوٹا بھی تھا... خاص طور سے اُس کی دو ٹائگر جی تھیں۔

اُسے اپنا دل دھڑکنے میں دھڑکا ہوا محسوس ہونے لگا۔





جہاں اس کا ہیک ماتھ ہوا کرتا تھا، اب وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ کئی ہونی کلائی سے البتہ گرم گرم خون کی بوندیں فرش پر ضرور پیک رہی تھیں۔ چارلی کے حلق سے ایک دلدرد زنجیر تل گئی۔ اس نے مارے خوف کے آنکھیں بند کر لیں اور تھڑکھڑکانے لگا حالانکہ اس کی کئی ہونی کلائی کا زخم تازہ تھا اور اس میں تکلیف کی لہریں پیدا ہونا نہیں شرفنا ہونی تھیں۔

ابھی اس کی آنکھیں بند ہی تھیں کہ اُسے اپنے سینے پر کسی شے کی خفیف سی جھین محسوس ہوئی۔ اس نے گھر کر آنکھیں کھول دیں اور پھر وہ بڑھے ہی کر بناک انداز میں کراہ کر رہ گیا۔

ٹائیگر اس کے سامنے کھڑا تھا اور اس کے ماتھ میں چارلی کو کٹا ہوا ماتھ دیا ہوا تھا جس کے ایک ناخن سے وہ ہیک تھلا کا کام لیا کرتا تھا۔ یہ ناخن اب اس کے سینے میں بچھا رہا تھا۔

”اپنے ہی ماتھ سے قتل ہونے میں کیا محسوس ہوتا ہے اس کا کچھ کچھ اندازہ ان لوگوں کو ہوتا ہوگا جو خوشی کرتے ہیں... لیکن اس انداز میں اپنے آپ کو ہلاک کرنا کسی قدر خوفناک ہوگا، اس کا اندازہ صرف تم کر سکتے ہو، چارلی، ٹائیگر نے کہا اس کے بچے میں بے پناہ شفا کی تھی۔

چارلی سر سے پاؤں تک کانپ کر رہ گیا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

”آنکھیں کھولو چارلی... اور اس ہیک ناخن کو دیکھو جس سے تم بے گناہ لوگوں کے زخموں کا ٹکڑے تھے۔ اب یہی ناخن تمھارے خون سے اپنی بیاس بچھائے گا۔“

چارلی کے لبوں پر یکساں ہٹ پیدا ہوئی۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن زبان ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ کئی ہونی کلائی سے اندھا کر دینے والی درد کی لہریں پورے جسم میں دوڑنے لگی تھیں۔ ”خیر، اب یہ بتاؤ کہ تم کو کتنا شرم کر رہے ہو یا کتنا شرم لگتا لگتا چاہتا ہے؟“

چارلی سمجھ چکا تھا کہ وہ کس پوزیشن میں ہے۔ اُسے اندازہ تھا کہ شہزاد اب کتنی اذیت دے سکتا ہے۔ اس اذیت کا خیال ہی رُوح کو مضطرب دینے کے لیے کافی تھا۔ اُس نے بولنے کی کوشش کی لیکن زبان نے ساتھ نہیں دیا۔ نہ جانے وہ کہاں بڑھ کر رہ گیا۔

ٹائیگر نے اس کی بے بسی محسوس کر لی، اسے اس پر رحم نہیں آ رہا تھا، تاہم وہ اس کی تکلیف کی شدت کم کرنے پر مجبور تھا اس نے لبیاں ماتھ اٹھایا اور پیچھے سے ہی یہ ماتھ چارلی کے دایں کندھے پر لگا، چارلی نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کا بازو ٹھل چکا تھا۔ مفلوج

بے باوجود چونکہ ابھی وہ زندہ تھا اس لیے اپنے باقی ماندہ جسم کو کینے کے لیے ہیک مانگے برادر آج بچھ جان سے زارو... اس نے تدعا کی ”میں تمھارے سامنے ماتھ جوڑتا ہوں، مجھ پر رحم کھاؤ۔“

”کھڑے ہو جاؤ سگڑا، میں جانتا ہوں۔ تم تھے بڑل نہیں ہو۔ مجھ سے وہ چیز مانگنے کو کئی حق نہیں، جو تم نے اپنی پوری زندگی کسی کو بھی نہیں دی۔“

بارلی سمجھ گیا کہ وہ اس طرح شہزاد کو دھوکا دینے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس کا بایاں بازو اور جسم کا بایاں حصہ بے مفلوج تھا اس کے باوجود وہ کمال ہمت سے کھڑا ہوا تھا۔ اس دایاں ماتھ ہر کر سامنے آ گیا۔ اندازاً ایسا ہی تھا جیسے کوئی سانپ اس سے لہر کر نکلتا ہے... پھر اس کا وہ ہیک ناخن پچک اٹھا جس سے اس نے نہ جانے کتنی انسانی جانیں تلف کی تھیں۔ اس کی ٹانگیں سیدھی تھیں اور ان میں تناؤ کا احساس ہوتا تھا۔ دفعتاً سامنے دایں ماتھ کا چارلی لپکا، لمبا، ٹھٹھ سے پہل جیسی شکل کا تیز جارنا ناخن سامنے کی طرف اچھالا۔ اُس کی رفتار قابل ستائش تھی۔ ٹائیگر کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اسے پتہ بھی نہ چلتا کہ اس تیز رفتار نے اس کا زخم کاٹ ڈالا ہے۔

یہ ایک خطرناک ضرب تھی۔ اگر ٹائیگر ذرا سا بھی بے خبر اور ہمدرد ہوتا تو اس کے جگر کے پچھلے حصے پر شکست میں تبدیل ہو کر نا اگل رہا ہوتا... لیکن ٹائیگر اس کی زد سے باہر جا چکا تھا، اس ماتھ کے پچھلے ہی خود کو اس کی زد سے باہر نکال لیا... نہ صرف اس کی دسترس سے نکل گیا تھا بلکہ اس کا مزید ہدف بننے کے سامنے بھی موجود نہیں تھا۔

چارلی نے ضرب لگنے کے لیے پوری قوت سے اپنا بازو مالا تھا۔ جب اس کے ہیک ناخن کو ہدف میسر نہ آیا تو اُسے ماضی کی بڑی مہیا تک سزا بھگتنا پڑی۔ اگلے ہی ساعت اس پاؤں اٹھڑے اور وہ خود کو کھوٹا میں ڈونچا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ اُس کے اٹھنے کا عمل ابھی تکیل سے ہو سکتا تھا کہ اچانک اسے اپنے پیچھے شہزاد کا سایہ لہر آتا محسوس ہوا۔ اس نے چارلی کو دیکھ کر ایک مخصوص چوٹ لگا لی تھی۔ اس چوٹ کا اثر یہ ہوا کہ مضامین تیرنے کے سے انداز کی بجائے راستہ وہ حالت میں قی ہو گیا۔

جب وہ زمین پر گر آو اس نے بڑی چھڑتی سے خود کو نکالا اور پھر وہی ناخن والا ماتھ دوسری ضرب لگنے کے لیے ایک منہ منڈا بازو دفعا میں لہر کر رہ گیا۔

کہ خود اس کے اور شنگ کے علاوہ کوئی بھی زندہ نہیں رہا۔ عذرا برومی جا چکی تھی اور باقی ساتھی بھاری بھر کم دروازے کی زمیں آکر چھٹی بن چکے تھے۔

دوستوں کا کہوت تہائے سامنے بے شیطاؤ، ٹائیگر غریبا۔ اگر کسی میں ہمت ہے تو سامنے آئے۔“

اس کی آواز سن کر شنگ کو اچانک ہی محسوس ہوا اس کی پتلون گیلی ہو گئی ہے۔ خوف نے اُس کے اعصاب پرانا ہوجھ ڈالا کہ وہ بدحواس ہو کر آہنی زینے پر اوپر کی طرف دوڑنے لگا... ابھی وہ چند زینے ہی طے کر یا تھا کہ اُس کی نگاہ نیچے زینے پر پڑی۔

وہ ٹھٹھ کر رہ گیا۔

ٹائیگر آہنی سیڑھی کے پچھلے پہنچ چکا تھا... پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے ٹائیگر نے دایاں ماتھ بلند کیا۔ یہ ماتھ آہنی زینے کی رینگ پر پڑا۔ لوہے کی رینگ یوں ٹوٹ گئی جیسے دیکھ زد کا کی بنی ہوئی تھی۔ دوسری چوٹ نے زینے کا وہ حصہ توڑ ڈیا جس پر اسے سہارا لیا تھا۔ اگلے ہی ساعت، شنگ حلق کے لیے چھٹا ہوا فرش پر گر پڑا... اور پھر آہنی زینے کا دھیر ہونے والا طعن اُس پر گرنے لگا۔ گرتے وقت شنگ منہ کے بل زمین پر آیا تھا۔ اُس کے دانت ٹوٹ کر اندر دھنس گئے تھے۔ پچھلے چوٹ کی اثرات ہو گیا تھا اور پھر سے ہر جگہ پر لگنا ہوتا تھا یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ گرتے ہی اُس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی... اگر ایسا نہ ہوتا تو آہنی زینے کے پیچھے تلے دب کر اپنا قیصر بننے دیکھ کر اُس کی روح بلبلاتوں کا شکار ہو کر نہ جانے کب تک اس دنیا میں ماری ماری پھیرتی۔

۵

ٹائیگر نے پٹ کر چارلی کی طرف دیکھا۔

چارلی نے اُسے اپنی جانب گراں پایا تو اٹھا اور لاندھاؤندہ جاگ نکلا... پھر اس کے حلق سے ایک دلدرد زنجیر تل گئی۔ وہ ٹائیگر کو اپنے عقب میں چھوڑ کر چلا گیا... لیکن وہ تو اس کے سامنے دیوار بنا کھڑا تھا۔ اس نے خود کو سنبھالنے کی ہمت کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا اور ٹائیگر سے ٹکرایا۔ اس تصادم پر اُسے کسی چٹان سے ٹکرانے کا لگنا ہوا۔

وہ گر گیا۔ اس کا خیال تھا کہ ٹائیگر بھی اس ٹکڑے سے متزلزل ہوگا ہوگا... لیکن وہ اُس جگہ کسی تن آورد خست کی طرح ایستادہ تھا اس کے جسم کا جو حصہ ٹائیگر سے ٹکرایا تھا، وہ مفلوج ہو چکا تھا۔ اہ

ہاں اسے بہت بڑا دھوکا کھ رہی ہوں۔ وہ گر گیا تھا اور بھی چھٹی آنکھوں سے سروخانے کے اس حصے کو دیکھ رہا تھا جہاں کچھ دیر قبل ایک بے مروتی اور بے پناہ مفلوج دروازہ تھا... اور اب وہاں ایک غلا تھا۔ اس غلا سے دھواں خارج ہو رہا تھا... اور اس دھواں میں ایک انسانی مہیو لا موجود تھا۔ ایک ساعت کے لیے اُسے ان زحمات پر یقین سامنے لگا جن میں اس کا لہر پڑتا تھا۔ لیکن اس کا ذہن اُسے زیادہ دیر غور نہیں دے سکتا۔ دیکھ کر کہ کیونکہ دھواں میں کا آؤ اب باہر آ گیا تھا... پھر جیسے ہی چارلی نے اُسے پہچانا، اُس کی کھوپڑی میں ڈول کی دھڑکنیں دھک پید کرنے لگیں۔ وہ کھلی آنکھوں سے اس شخص کو دیکھ رہا تھا جسے آنکھوں نے سروخانے میں پھینک دیا تھا۔ اس سروخانے میں جہاں درج حرارت صفر سے پانچ ڈگری کم تھا۔ اس شخص کو آنکھوں نے پس منٹ قبل وہاں پھینک دیا تھا۔ اب تک تو اس کی لاش کڑ جانے چاہیے تھی۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ اس کی بدروح ہو؟ اس کے دلیں دوسرے پیدا ہوا... لیکن اس کی آنکھیں اُسے دھوکا نہیں دے رہی تھیں اور نہ ہی وہ جاگتی آنکھوں سے کوئی خواب ہی دیکھ رہا تھا۔ اُس کے سامنے شہزاد موجود تھا۔ سیاہ فی شرٹ اور نیل پتلون میں وہ دروازے سے دو قدم آگے آکر کھڑا اطراف میں دیکھ رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں بے پناہ چمک تھی اور اس کے ستمی سے پیچھے ہونے جبر سے ظاہر کر رہے تھے کہ وہ ٹھٹھ کی انتہا کو چھو رہے۔ اب چارلی کو یقین ہو گیا کہ دروازہ اسی فوجانے توڑا ہے۔ وہ اس کی بے پناہ طاقت کا قائل ہو گیا۔

چارلی گھٹنوں کے بل ٹھٹھ گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے مضبوطی کے ساتھ رینگ اٹھا لی تھی۔ اس کے ہاتھوں کی گرفت اتنی سخت تھی کہ اُسے اپنی انگلیوں کی ہڈیاں جتنی محسوس ہوتی تگی تھیں۔ ان کے جوڑوں سے سفیدی چھلک آئی تھی اور ہاتھوں کی لگ رہے تھے... اس کا سامنے شنگ آہنی زینے پر جا کر ٹک گیا تھا۔ اُس کی آنکھیں بھی دہشت سے پھیل کر غیر معمولی ساخت اختیار کر گئی تھیں۔ وہ شہزاد کو گھر رہا تھا۔ کچھ دیر قبل اُس کے پاس جو رائل تھی، وہ نہ جانے اڑاؤ فری میں اس کے ہاتھوں سے کہاں گئی تھی۔ ایسے میں اگر اُس کے پاس رائل موجود ہوتی تو وہ اُسے استعمال نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اُسے دیکھ کر اندازہ ہو گیا تھا کہ شہزاد کو زندہ دیکھ کر دروازہ توڑنے کے منظر سے اس پر سکتا ماری ہو گیا ہے۔

چارلی نے پورے کمر سے کا جائزہ لیا تو اسے اندازہ ہوا

بازو کی وجہ سے تکلیف کی ناقابل برداشت بہرین دقتی طور پر کم ہو گئی۔  
”لوگو... ورنہ یہ عارضی سکون تمہارے لیے کسی عذاب میں بھی  
تبدیل ہو سکتا ہے۔“ ٹائیگر غرلا۔

”ہماری خدمات ایک بڑے سے عامل کی تھیں۔ وہ قدرے  
واضح انداز میں بولا۔  
”کس مسئلے میں؟“ ٹائیگر نے سوال کیا۔

”وہ جانتا تھا کہ ہم اس شخص کو ہلاک کر دیں جو سبزی خوردنی ہے۔“  
”کس انداز میں؟“ ٹائیگر کی آواز اب ہر تار سے ہماری ہونٹوں کی  
”ہم ایک مخصوص زہر استعمال کرتے تھے جو ہمیں انسانی روشے  
نے مینا کیا تھا۔ یہ زہر دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کا ایک حصہ گوشت  
کے ذریعے استعمال کیا جاتا ہے جبکہ دوسرا حصہ گیس میں تبدیل کر کے  
اپنے ہتھیار میں پمپایا جاتا ہے اور اس طرح بڑی ناقابل فہم موت واقع  
ہو جاتی ہے۔“

”یہ زہر دو حصوں میں کیوں استعمال کیا جاتا ہے۔ جبکہ گوشت  
کے ذریعے بھی کام نکل سکتا ہے؟“ ٹائیگر نے وضاحت چاہی۔  
”اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر زہر حکام کے ہاتھ لگا دیا تو وہ اس  
کا تریاق دریافت کر لیں گے۔ زہر کا جو حصہ گوشت کے ذریعے استعمال  
کرایا جاتا ہے، وہ کمزور اور کم اثر والا ہوتا ہے۔۔۔ لیکن جیسے ہی گیس  
کا اس زہر سے ملا جاتا ہے، یہ ہلک بن جاتا ہے۔“  
”تم اسے سرکاری گوشت تک کیسے پہنچاتے تھے؟“ ٹائیگر نے  
ایک طویل سانس لے کر دریافت کیا۔

”شنگ نامی جو شخص زینہ ہلاک ہوا ہے یہ ایک سرکاری  
آپسٹر ہے۔ ہم اس زہر کی گوشت پہنچنے والی مہر کی روشنائی میں  
آمیر مٹی کر دیا کرتے تھے۔“

”ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا۔

چارلی جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔

یہ بات ٹائیگر کا اپنے چیف بہرام سے بھی معلوم ہو چکی تھی۔  
اسے بہرام پر بے پناہ فخر محسوس ہونے لگا جو ہر اعتبار سے باخبر رہنے  
کا عادی تھا۔ ٹائیگر ایک بار پھر چارلی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ اب  
دائیں ہاتھ سے چارلی کی کلائی سے انگ ہونے والا تھا کسی سے  
رہا اور کی طرح چارلی کے سینے سے لگائے کھڑا تھا، جیسے کسی رات  
کو زد میں لے کر بے بس کیا گیا ہو۔

”عذرا بروی کہاں ہے؟“ ٹائیگر نے سوال کیا۔

”وہ لیڈر کو اطلاع دینے گئی ہے۔“

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا۔ چارلی پوری طرح شکست

خوردہ نظر آ رہا تھا۔ اس کے چہرے اور آنکھوں سے اذیت کو  
احساس ہونے لگا اور یہ تاثر برکارتے لگے کے ساتھ گہرا ہوتا ہوا  
تھا۔

”اس کے علاوہ بھی تم کوئی خاص بات ضرور جانتے ہو گے  
ٹائیگر نے چپچپے ہوئے بچے میں کہا اور اس کی آنکھوں میں پچھلے  
”وہ وہاں سے سیدھی انٹرویوٹ جاسے گی؟“ چارلی نے  
کرناک آواز میں کہا۔ ”آج رات وہ ایک چھوٹے سے جہاز میں ہوا  
کرے گی اور پورے شہر میں گیس پھیلا دے گی۔ اس طرح چارلی  
نے وہ زہر آلود گوشت کھایا ہوگا، وہ گیس کو سانس کے ذریعے  
معصے میں پہنچا کر خودی موت کا شکار ہو جائیگا۔“

ٹائیگر نے اسے دیکھ کر فرخش پر پھینک دیا۔ اس کے کلا  
سے بے پناہ نفرت ظاہر ہو رہی تھی۔ گرتے وقت چارلی کا ٹیڑھ  
بازو فرخش سے لٹکا رہا تھا اس کے حلق سے بڑی دلدرد فرخش نکل  
تھی۔ اس کی کٹی ہوئی کلائی سے خون بہہ نکلا تھا اور زندگی اس  
خون میں شامل ہو کر تیزی سے خارج ہو کر جاری تھی۔ ٹائیگر نے اس  
پر ہتھوڑ دیا۔ اگر تم نے مجھے معلومات فراہم کیں تو میں تمہیں ہر  
اقت تک موت سے بچتا رہتا۔۔۔ لیکن اب تم مجھے کتنی  
چارلی نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں اور وہ بڑی طرح کرا رہا  
تھا۔۔۔ جیسے ہی ٹائیگر نے اس کے لیے رحم کا لفظ استعمال کیا، اس  
نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ اس کی طرف رحم طلب نظروں سے  
دیکھتے ہوئے گہرا گرائے لگا بیٹھ۔۔۔ ”اس نے کہا مجھے موت ملے۔“  
”اب تم زندہ رہ کر کیا کرو گے؟“ ٹائیگر کے بچے میں حیرت تھی  
جس نے تم پر رحم کھانے کا راوہ اس لیے نہیں کیا تھا کہ تمہیں زندہ چھوڑ  
دوں۔۔۔ بلکہ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں آسان موت سے بچتا رہ کر  
جائے۔“

چارلی کی آنکھوں میں ایک بار پھر ناامیدی چھا گئی۔ یہ  
وہ ایک حقیقت پسند آدمی تھا۔۔۔ ٹائیگر کی بات اس کی سمجھ میں  
آگئی تھی۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ جیسے اس کا فیصلہ قبول کا  
جو۔ اس نے ٹائیگر کے آگے بڑھا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں اب بھی چارلی  
کا کٹا ہوا ہاتھ دھرا ہوا تھا۔ یہ ہاتھ تیزی سے پٹکا اور پھر چارلی کا  
ناخن خود اس کے دل میں آ کر گیا جس سے اس نے اب تک  
جائے کتنی زندگیاں بچیں لی تھیں۔

ٹائیگر نے کہا ہوا ہاتھ چارلی کی لاش پر پھینک دیا اور وہ  
کی طرف بڑھ گیا۔ وقت کم تھا اور اسے ابھی بہت سے کام نشا  
تھے۔ شام ہو رہی تھی۔ وہ سب سے پہلے عذرا بروی سے

ملاقات کرنا چاہتا تھا۔۔۔ اس حینہ سے جو موت کی دیوی  
بن کر پورے شہر پر زہر پھیل گئی تھی۔

بہرام کے لیے یہ ایک شان دار دن تھا۔  
آسمان صاف تھا اور بینائی کا پتھر کپاس میل تک وسیع تھا  
سورج تھا کہ ہمارے مغربی مسکن کی طرف جھک رہا تھا۔۔۔ ابھی  
سورج کی طلحائی کرنوں کا ہال پوری طرح سونا نہیں تھا کہ عذرا  
بروی نے کنٹرول ٹاور سے رابطہ قائم کیا اور ٹیک آف۔۔۔ کی  
اجازت چاہی۔

اس نے انٹرویوٹ اسے سے قبل اپنے لیڈر کو اطلاع دے  
دی تھی کہ سنا جو کہ دو فوٹل ایجنٹ ختم کر دیے گئے ہیں۔۔۔ اولیہ  
وہ تھی موت نامی مشین کی تکمیل کے لیے جاری ہے۔  
یہ بڑا ہی خوفناک مشین تھا وہ اس وقت جس چھوٹے  
سے جہاز میں سوار تھی، اس میں ’فلو کے ایپے جراثیموں پر مبنی  
پاؤڈر موجود تھا جس کا پتھر کا ڈالہ اپنی ندیں آنے والے ہر ذی نفع  
کو ہلاک کر سکتا تھا۔ یہ ایک جدید ترین زہر تھا اور اس کی تیاری  
میں آنکھوں نے بڑی محنت کی تھی۔

بہرام نے سوار ہونے سے قبل عذرا نے فیوٹل ٹیک کو

از سر نو پر زہر کیا تھا یہ ایک پانچ کوب جہاز تھا جس میں پائلٹ اور  
اس کا معاون ہی سفر کر سکتے تھے گویا یہ ایک ڈیڑھ جہاز تھا۔ عذرا نے  
بہرام کی خصوصی تربیت حاصل کی تھی اور اس جہاز کو بائیں ای  
انداز میں اڑا سکتی تھی جیسے کوئی ماہر ڈرائیور کار چلا رہا ہے۔ اس  
نے بہرام سے قبل انہی کی بھی خصوصی جانچ پڑتال کی تھی۔ یہ اس کی  
زندگی کا اہم ترین مشین تھا اور اس کے مستقبل کی تمام تر کامیابیاں اس  
مشین کی کامیابی سے ہی وابستہ تھیں۔ جس کشتی میں وہ ٹھیک پانچ  
بند تھا، اس کے ساتھ ایک موٹر بھی لگی ہوئی تھی۔

عذرا کی آنکھوں میں بڑی ہی خطرناک جھلک تھی۔ اس کے  
ہونٹ آسودہ مسکراہٹ سے کھلے ہوئے تھے اور رخساروں کی نمایاں  
پٹیاں اس کے بے پناہ عزم و حوصلے کا اظہار کر رہی تھیں۔ وہ جانتی  
تھی کہ جمع ملک بھر میں بہرام ہی ہوا ہوگا۔ گلیاں اور بازار لاشوں سے  
آئے ہوئے ہوں گے اور پچھلے عوام حکومت سے احتجاج کرنے  
کے لیے سڑکوں پر نکل آئیں گے۔ پورے ملک کا نظام معطل ہو جائے  
گا اور حکومت کی بنیادیں ہل کر رہ جائیں گی۔ جو اس ہولناک زہر سے  
باقی بچ جائیں گے، ان کی حیثیت محض آوارہ گردوں جی ہو کر رہ جائے  
گی۔ اس مزید قوم پران کی فوج کا تسلط ہو جائے گا اور یوں اسے جو دولت  
ملے گی، اسے شاکر کرنا بھی اس کے لیے ممکن ہوگا۔

اس کے بعد

ٹائیگر کے چوتھے حصے کا مطالعہ کریں۔